انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ)	700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ	6000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا	7000 روپے

مستقل سلسلے

فروری 2017

جلد 39 شمارہ 11

قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مدیرہ

ادارئیہ

ہزاروں سال قدیم دنیا، ہر آن ایک نقش تازہ بناتی زندگی ہر روز ایک نئے رنگ میں سامنے آتی ہے۔ ہر نئے سورج کے ساتھ زندگی کا ایک نیا روپ آشکار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کیا۔ اسے اشرف المخلوقات کے درجے پر فائز کیا، اس کے لیے کائنات کی ہر شے کو مسخر کر دیا۔ لیکن انسان خود کو مسخر نہیں کر سکا۔ وہ مسلسل اضطراب، بے چینی اور بے سکونی کی کیفیت میں مبتلا ہے۔ اس کی ساری تگ و دو، کوشش خوشی کے حصول کے لیے ہے۔ اس کے باوجود وہ ناخوش رہتا ہے۔

انسان کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اسے جو کچھ حاصل ہے، اس کی قدر نہیں کرتا اور جو اس کی دسترس میں نہیں اس کی جستجو اسے دوڑائے رکھتی ہے۔ زندگی کی بساط پر غم اور خوشی ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ نہ خوشی کو دوام حاصل نہ غم کی شدت ہمیشہ باقی رہتی ہے۔

یہ ہماری سوچ ہوتی ہے کہ ہم زندگی کو کس رنگ میں دیکھتے ہیں۔ ایک فرد کی سوچ اور اس کا عمل پورے معاشرے کی بنیاد ہوتا ہے۔ مثبت سوچ اور مثبت جذبے زندگی کا رخ بدل سکتے ہیں۔ زندگی کو بامعنی اور خوبصورت بناتے ہیں۔ قناعت، سچ، انصاف، دیانت، رحم، حسن سلوک، احترام، شفقت، اخلاق اور سب سے بڑھ کر محبت جو کائنات کی اساس ہے۔ یہ جس روپ اور جس رشتے میں بھی ہو، انمول ہے۔

نفرت، غصہ، حسد، کینہ یہ منفی جذبے زندگی کا حسن تباہ کر دیتے ہیں۔

اپنی سوچ بدل لیں، آپ کی زندگی بدل جائے گی۔

سالگرہ نمبر،

مارچ کا شمارہ سالگرہ نمبر ہوگا۔ سالگرہ نمبر کی مناسبت سے قارئین سے سروے بھی اس شمارے میں شامل اشاعت ہوگا۔ سروے کے سوالات یہ ہیں۔

1۔ آپ کے خیال میں سالگرہ کا اہتمام ہونا چاہیے یا نہیں؟ کیا آپ باقاعدہ سالگرہ مناتی ہیں؟ اب تک کی زندگی میں مبارک باد کا سب سے خوبصورت اظہار کس کی طرف سے تھا اور کس طریقے سے کیا گیا؟

2۔ سالگرہ پر ملنے والا کوئی حیران کن گفٹ جو آپ کو ملا یا آپ نے کسی کو دیا؟

3۔ 2016ء میں کرن میں شائع ہونے والی تحاریر میں سے کون سی تحریریں پسند آئیں؟ کوئی خوبصورت اقتباس، جملہ یا شعر جس نے آپ کو متاثر کیا؟

اپنے جوابات اور ایک عدد تصویر (اگر شائع کروانا چاہیں) ہمیں جلد از جلد روانہ کر دیں تاکہ سالگرہ نمبر میں شامل اشاعت ہو سکیں۔

اس شمارے میں،

- اداکارہ "اذیکا ڈینئل" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- "آواز کی دنیا سے" اس ماہ مہمان ہیں "اجو بھائی اجنبی"
- ڈاکٹر فہد مرزا کہتے ہیں "میری بھی سنیے"
- اس ماہ "مدثرہ کوثر" کے مقابل ہے آئینہ "
- تنزیلہ ریاض اور آسیہ مرزا کے سلسلے وار ناول،
- "گل کہار" فرح بخاری کا مکمل ناول اختتام کی طرف،
- "آزمائش" مقدس شعل کا مکمل ناول،
- "وہ ملا نہیں تو ملال کیا" نادیہ احمد کے ناولٹ کا دوسرا اور آخری حصہ،
- منشا محسن علی، سحرش بانو اور منعم ملک کے ناولٹ،
- نفیسہ سعید، راشدہ علی، آسیہ مظہر اور صائمہ طوبیٰ کے افسانے اور مستقل سلسلے،

مفت،

کرن کتاب "سوچ اور چائنیز کھانے" کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔

زباں پہ مہر لگا دے جلال ایسا ہے
نظر کی تاب سے باہر، جمال ایسا ہے

کہیں دکھائی نہ دے اور ہر طرف موجود
گماں یقیں میں بدل دے، کمال ایسا ہے

وہ نور جس کی سمائی نہیں کسی دل میں
بشر کی سوچ سے باہر، خیال ایسا ہے

ہر اک چیز نظر آتی ہے زیادہ صاف
ہماری روح کے شیشے میں بال ایسا ہے

عروج پر ہے مقدر بفیض چشمِ کرم
یہ میرِ عمرِ رواں کا زوال ایسا ہے

وہ مسکرائیں گے سن کر پلٹ کے دیکھیں گے
ہمارے لب پہ مچلتا سوال ایسا ہے

کوئی بھی وقت ہو امجد یہ پھیلتا رہتا ہے
دلوں میں فضلِ خدا کا نہال ایسا ہے

امجد اسلام امجد

شوقِ بے حد، غمِ دل، دیدۂ تر مل جائے
مجھ کو طیبہ کے لیے رختِ سفر مل جائے

نامِ احمد کا اثر دیکھ جب آئے لب پر
چشمِ بے مایہ کو آنسو کا گہر مل جائے

چشمِ خیرہ نگراں ہے رخِ آقا کی طرف
جیسے خورشید سے ذرے کی نظر مل جائے

یادِ طیبہ کی گھنی چھاؤں ہے سر پر میرے
جیسے تپتی ہوئی راہوں میں شجر مل جائے

نخلِ صحرا کی طرح خشک ہوں، وہ ابرِ کرم
مجھ پہ برسے تو مجھے برگ و ثمر مل جائے

سلیم احمد

ازیکا ڈینئل سے ملاقات

شاہین رشید

ازیکا ڈینئل ایک نیا نام ایک نیا چہرہ' جسے اس فیلڈ میں آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا ہے۔ مگر سنجیدہ اور سلجھے ہوئے رول کر کے لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنالی ہے۔

★ "کیسے مزاج ہیں؟"

✱ "اللہ کا شکر ہے۔"

★ "کیا مصروفیات ہیں؟"

✱ "جی آج کل مختلف پروجیکٹس کی شوٹ چل رہی ہیں مختلف چینلز کے لیے اور کچھ پی ٹی وی سے آن ایئر ہیں اور کچھ دیگر پرائیویٹ چینلز سے۔"

★ "ازیکا آپ کے ابھی تک جتنے بھی ڈرامے دیکھے اس میں آپ کے رول اداس' پریشان اور مظلومیت والے تھے' کوئی وجہ ہے اس طرح کے رولز ملنے کی؟"

✱ "صرف مجھے ہی ایسے رولز نہیں ملتے بلکہ آج کل جتنے بھی سیریل بن رہے ہیں اور جتنی بھی لڑکیاں کام کر رہی ہیں۔ سب کے کردار ایسے ہی ہوتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب کردار حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں۔۔۔ ہمارے معاشرے کی خواتین کی عکاسی کی جاتی ہے کہ کس ذہنی دباؤ کا شکار ہوتی ہیں اور کس اذیت سے گزر رہی ہوتی ہیں۔ تو بس مجھے بھی ایسے ہی کردار مل رہے ہیں اور میں بھی کر رہی ہوں۔"

★ "ہلکے پھلکے کردار ملے تو کریں گی؟"

✱ "جی جی بالکل کرلوں گی اور آپ عنقریب میرے چلبلے اور تھوڑے خشک کردار بھی دیکھیں گی۔"

★ "بے شک عورت کو مظلوم دکھائیں مگر مار پیٹ ۔۔۔ خواہ باپ ہو' بھائی ہو ہر کوئی آسانی سے ہاتھ اٹھالیتا ہے اپنی بیٹی' بہن پر تو ایسا ہونا چاہیے؟"

✱ "بالکل نہیں ہونا چاہیے۔۔۔ لیکن ڈراموں میں یہ سب اس لیے دکھایا جاتا ہے کہ لوگ ایسا کرتے ہیں اور انہیں نہیں کرنا چاہیے۔۔۔ ہمارے معاشرے میں مرد' عورت کو اپنی پراپرٹی سمجھ کر ہر طرح کا ظلم کرتا ہے جو کہ غلط ہے۔۔۔ اور پھر ڈراموں میں اس بات کی مذمت بھی کی جاتی ہے اور بتایا جاتا ہے کہ عورت ماں' بہن بیٹی اور بیوی کے روپ میں ہوتی ہے اس کی عزت سب کا فرض ہے۔۔۔ غیرت کے نام پر کیا ہو رہا ہے قتل ہو رہا ہے تیزاب پھینکا جا رہا ہے یہ سب کیا ہے۔"

☆ "مگر حق کی آواز کے لیے بولنا تو چاہیے۔ مگر ڈراموں میں ایسا کہاں ہوتا ہے۔۔۔ بس عورت ظلم سہہ رہی ہے تو سہہ رہی ہے۔ وہ احتجاج کرے گی کوئی قدم اٹھائے گی تو لوگوں پر اثر ہوگا۔"

☆ "جی۔۔۔ یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ لڑکیاں جب تک اپنے حق کے لیے بولیں گی نہیں اپنا حق کیسے لیں گی۔۔۔ دیکھیں ہم تو بول نہیں سکتے۔ ہمیں تو جو کردار دیا جاتا ہے ہمیں کرنا ہوتا ہے اور جب ایک جیسے ڈرامے لکھے جا رہے ہوں تو چوائس کا مارجن کہاں رہتا ہے۔"

★ "ازیکا ڈینئل۔۔۔ آپ اپنے نام سے عیسائی مذہب سے لگتی ہیں۔۔۔ تو پاکستان کی ہی پیدائش ہیں یا باہر سے آئی ہیں کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟"

✱ "میں کراچی میں ہی پیدا ہوئی۔ میرے دادا نے میرا نام رکھا اور میرے نام کا مطلب "دیواروں کی طاقت" ہے اور میرا نام ایسا ہے کہ بگڑ نہیں سکتا اور میرے نام کی لڑکیاں بھی بہت کم ہی ہوں گی۔ میں 4

جولائی 1992ء میں پیدا ہوئی۔۔۔ والد میرے حیات ہیں اور میری امی کا انتقال اس وقت ہوا جب میں شاید چار یا پانچ سال کی تھی۔ ایک بھائی تھا وہ بھی اللہ کو پیارا ہو گیا۔ بس اب میں ہوں اور میرے ابو ہیں۔۔۔ میں نے گریجویشن کیا ہے اور ماسٹرز کرنا چاہ رہی ہوں۔ مگر میں اتنی زیادہ مصروف ہوں کہ ماسٹرز کے لیے وقت نہیں نکال پا رہی۔۔۔ اور پرائیویٹ پڑھنے کا دل نہیں ہے' پراپر طریقے سے یونیورسٹی سے پڑھنا چاہتی ہوں۔"

★ "فیلڈ میں حادثاتی طور پر آئیں یا اتفاقاً"؟

✱ "مجھے بچپن سے شوق تھا ڈاکٹر بننے کا اداکاری کا کوئی شوق یا رجحان نہیں تھا۔۔۔ مگر جب حادثاتی طور پر اس فیلڈ میں آگئی تو اچھا بھی لگا اور مزا بھی آیا۔۔۔ اور اداکاری کی طرف اس طرح آنا ہوا کہ میں کمرشل ماڈلنگ کر رہی تھی۔ آپ کو پتا ہی ہو گا کہ کمرشل ماڈلنگ الگ ہوتی ہے اور فیشن ماڈلنگ الگ ہوتی ہے۔۔۔ تو میرے کمرشلز کافی پاپولر ہوئے تو مجھے ڈراموں کی آفرز آنے لگیں۔ سب سے پہلے مجھے "حجبو" نے آفر دی۔ تو بس پھر ڈراموں کے سفر کا بھی آغاز ہو گیا۔"

★ "کمرشلز میں کون لایا۔۔۔ مطلب اس فیلڈ میں متعارف کس نے کرایا؟"

✱ "اپنی ایک دوست کے ذریعے اس فیلڈ میں آئی اس کی ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں جان پہچان تھی۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم پیاری ہو' بہت کیوٹ ہو تو تم آؤ اور کمرشل کرو۔۔۔ تو میں ہمیشہ ٹال مٹول کر دیتی تھی کہ مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔ مجھے کچھ نہیں کرنا۔ یہ سلسلہ کوئی دو ڈھائی سال چلتا رہا۔۔۔ آخر ایک دن بہت اصرار پر میں نے آڈیشن دے دیا۔۔۔ اور کامیاب

ہو گئی... بس پھر کمرشل پہ کمرشلز ملنے لگ گئے' ہر مہینے ایک دو کمرشلز کر رہی تھی اور جب خوب اچھی طرح رجسٹرڈ ہو گئی تو ڈراموں سے آفرز آنا شروع ہو گئیں۔"

★ "گھر والوں کا رد عمل... پہلا کمرشل اور پہلا ڈرامہ کون سا تھا؟"

✱ "میرا پہلا کمرشل اولپرز کا تھا جو کہ تھائی لینڈ اور بنکاک میں شوٹ ہوا تھا اور... اس میں بہت ساری لڑکیاں تھیں اور میں کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی... اور پھر بھی خوشی ہوتی تھی کہ میں اس کمرشل میں ہوں۔ کیونکہ چار دن دھوپ اور گرمی میں کام کرنا پڑا' لیکن تھائی لینڈ جا کر مزا بھی بہت آیا... بہت اچھا تجربہ رہا... اور پہلا ڈرامہ سیریل "چھوٹی" تھا... اور گھر والوں نے شروع میں اعتراض کیا اور اکثر گھر والے کرتے بھی ہیں مگر جب وہ دیکھتے ہیں کہ بیٹی صحیح جگہ پہ ہے اور اس کی عزت بھی ہے تو پھر وہ کچھ نہیں کہتے... اور میرے ساتھ بھی ایسا ہوا۔ لیکن اب اللہ کا شکر ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔ سب میری تعریف بھی کرتے ہیں۔"

★ "فیلڈ کیسی ہے؟"

✱ "فیلڈ بہت اچھی ہے... ہماری پوری انڈسٹری بہت اچھی ہے اور کسی بھی فیلڈ میں کوئی برائی نہیں ہوتی۔ برا ہوتا ہے تو انسان خود برا ہوتا ہے اور برا انسان ہر شعبے کو برا بنا دیتا ہے۔"

★ "چار دن آپ تھائی لینڈ گئیں... اخراجات خود برداشت کیے تھے کیا؟"

✱ "نہیں نہیں... کمپنی والوں نے کیے تھے اور کام کا معاوضہ بھی دیا تھا اور چار دن کے مجھے 60 ہزار روپے ملے تھے اور ٹوٹل خرچ بھی کمپنی والوں نے کیے... تو اس لیے مزا بھی بہت آیا۔"

★ "ازیکا آپ عیسائی مذہب سے تعلق رکھتی ہیں۔ جب ہمارے مذہبی تہوار آتے ہیں تو بور ہوتی ہیں یا انجوائے کرتی ہیں؟"

✱ "ارے نہیں... میں یہاں کی ہی پیدائش ہوں' یہاں ہی پرورش پائی تو یہاں کے سب رسم و رواج اور تہوار میرے اپنے ہیں' میں ہر تہوار کو بہت انجوائے کرتی ہوں' بلکہ رمضان المبارک میں تو ہم اس مہینے کا بہت احترام کرتے ہیں اور کچھ نہیں کھاتے پیتے کسی کے سامنے اور عید پہ بھی خوشی کا اظہار کرتی ہوں۔"

★ "اتنی مصروفیات میں گھر کو ٹائم دیتی ہیں؟"

✱ "بالکل دیتی ہوں یہ مصروفیات گھر کے لیے ہی تو ہیں اور گھر میں ہے ہی کون میں اور میرے والد... تو کچن میں بھی ٹائم دیتی ہوں اور کھانا خود ہی پکاتی ہوں اور بہت اچھا پکاتی ہوں۔ سب کو میرے ہاتھ کا ذائقہ بہت پسند ہے۔"

★ "فلم انڈسٹری میں اور شوبز میں فنکارائیں اپنے آپ میں تبدیلیاں کراتی رہتی ہیں۔ کبھی ہونٹ موٹے کرا لیے کبھی پتلے سرجری بہت عام ہوتی جا رہی ہے... آپ کا رجحان ہے اس طرف؟"

✱ "نہیں بالکل بھی نہیں... مجھے اللہ نے جیسا بھی بنایا ہے' بہت اچھا بنایا ہے اور پھر قدرت کے خلاف جانے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ نے جیسا بنایا ہے اس پہ شکر ادا کرنا چاہیے... اور میں نے دیکھا ہے کہ لوگ میری تعریف ہی کرتے ہیں۔"

★ "تعریف پہ دل خوش ہوتا ہو گا؟"

✱ "آپ یقین کریں کہ جب لوگ تعریف کرتے ہیں تو اتنا یقین نہیں آتا... ایسا لگتا ہے کہ جیسے منہ دیکھے کی باتیں ہیں... لیکن جب تنقید کرتے ہیں تو پھر میں بہت غور کرتی ہوں کہ کہاں کمی رہ گئی کہاں صحیح نہیں کیا... پھر اسے درست کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔"

★ "کبھی مشکل وقت گزارہ؟"

✱ "ہاں... جب والدہ بیمار ہوئیں۔ اگرچہ میں چھوٹی تھی مگر میری یادداشت میں سب محفوظ ہے۔ پھر بھائی کا انتقال... تو میں بہت اپ سیٹ ہو گئی اور کافی ٹائم لگا
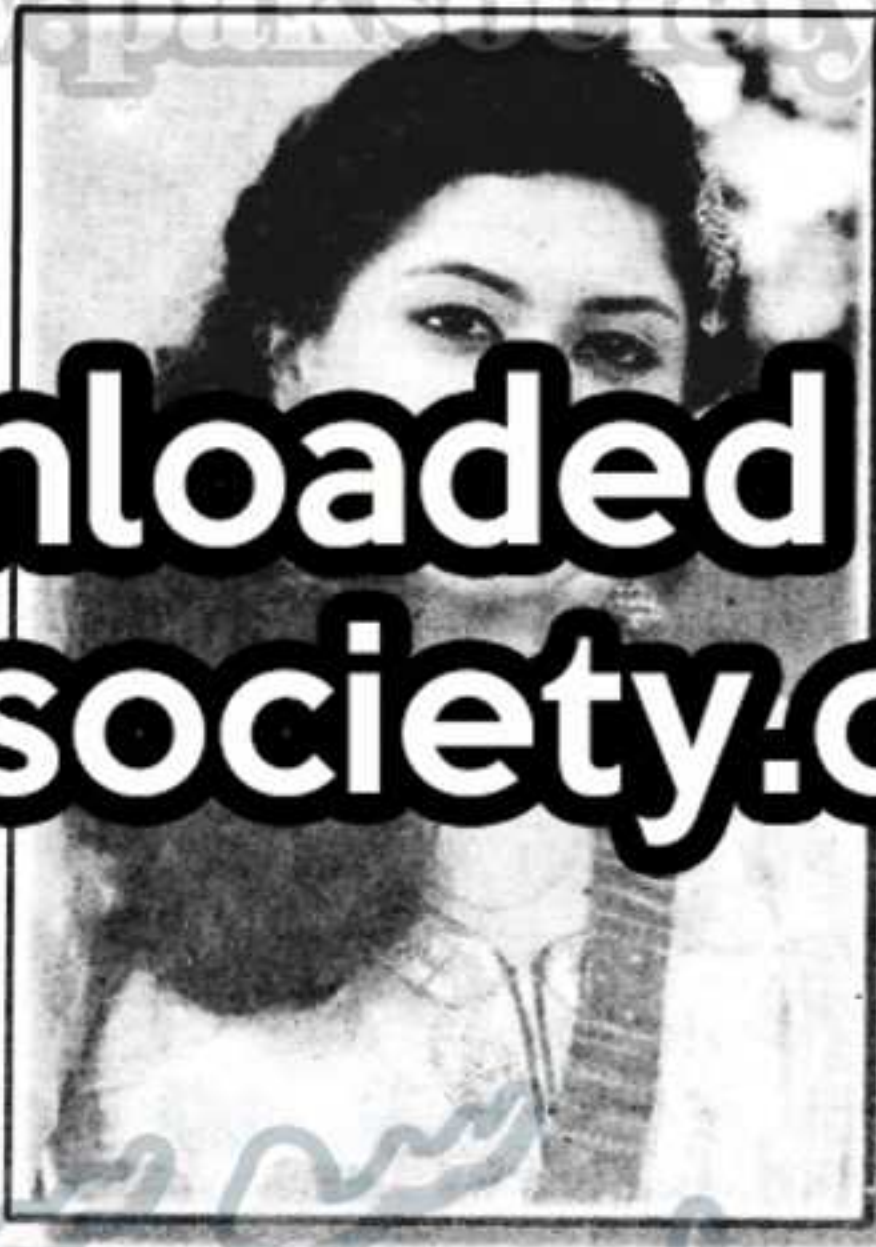
مجھے ٹھیک ہونے میں بہت پیار تھا ہم دونوں بہن بھائی کا۔۔۔ خیر اب میں بہت بہتر ہوں۔"

★ "کس قسم کے سین کرنے میں دشواری ہوتی ہے رومانٹک یا سنجیدہ سین؟"

✱ "سچ پوچھیں تو مجھے تو ہر سین ہی مشکل لگتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے میں بالکل نئی ہوں۔ اور جہاں تک رومانٹک سین کی بات ہے تو شکر کریں کہ ہمارے یہاں رومینس صرف ہاتھ پکڑنے تک ہی محدود ہے۔ باقی کبھی کبھار ہی ڈائیلاگ ہوتے ہیں۔"

★ "رولز کے لیے کوئی خاص خواہش؟"

✱ "جی بالکل ہے۔۔۔ آج کل کے زمانے کے رولز تو میں کر ہی رہی ہوں، میری خواہش ہے کہ پرانے زمانے کی جو ہیروئین ہوتی تھیں۔ جیسے انگریزی فلموں کی، یا پھر بادشاہت کے دور میں جیسے مغلیہ دور کی خواتین خاص طور پر ملکائیں اور شہزادیاں ہوتی تھیں ویسے کردار کرنا چاہتی ہوں۔"

★ "فلمیں دیکھتی ہیں اور ارادے ہیں؟"

✱ "جی بالکل دیکھتی ہوں۔۔۔ رات کو جب کبھی کبھار موڈ ہو تو۔ اور بالکل ارادے ہیں۔۔۔ اب تو ہمارے ملک میں بھی بہت اچھی موویز بننے لگ گئی ہیں۔ تو اگر اچھی آفرز آئیں تو ضرور کام کروں گی۔"

★ "اور کس کے ساتھ کام کرنے کی خواہش ہے؟"

✱ "اگر مردوں کی بات کریں تو مجھے "فواد خان" بہت پسند ہیں۔ ان کے ساتھ کام کرنے کی خواہش ہے۔ جبکہ خواتین میں مجھے "ماہرہ خان" اچھی لگتی ہے۔"

★ "سوپ نور جہاں کے لیے آپ کا انتخاب کیسے ہوا تھا؟"

✱ "انتخاب ایسے ہوا کہ میں ڈرامہ "سدا سکھی رہو" کے سیٹ پر تھی اور مجھے 103 بخار تھا۔۔۔ اور اس بخار میں بھی میں شوٹ کر رہی تھی اور مجھے نہیں پتا تھا کہ "نور جہاں" کے ڈائریکٹر بھی آئے ہوئے ہیں اور وہ میرا کام بھی بڑے انہماک سے دیکھ رہے ہیں۔۔۔ اور

ایسا دو تین بار ہوا اگر میری ان سے ملاقات نہیں ہوئی ۔۔۔ خیر وہ پروڈکشن ہاوس گئے اور میرے بارے میں بات کی اور یہ بھی کہا کہ ہم انہیں اپنے ڈرامے میں بک کرنا چاہتے ہیں۔ تو بس اس طرح میرا انتخاب ہوا۔"

★ "کبھی کسی کردار میں اپنے آپ کو محسوس کیا؟"

✱ "بالکل۔۔۔ جب ایک کردار ایک فنکار مسلسل کر رہا ہو تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے یہ ہماری اپنی ہی کہانی ہو' جیسے ہم خود ہوں۔ تو ایسا کئی بار ہوا ہے' کیونکہ میں کردار کو اپنے اوپر بہت زیادہ طاری کر لیتی ہوں۔"

★ "اگر اداکاری کی فیلڈ میں نہ ہوتیں تو پھر کس فیلڈ میں ہوتیں؟"

✱ "مجھے کھانے پکانے کا بے حد شوق ہے تو بہت ممکن تھا کہ میں شیف بن جاتی ۔۔۔ اور مجھے بزنس کرنے کا بھی بہت شوق ہے۔ تو ہو سکتا تھا کہ میں بزنس میں آجاتی ۔۔۔ اور زندگی میں اب بھی کبھی موقعہ ملا تو ان دونوں فیلڈز میں سے کسی ایک فیلڈ میں ضرور جاؤں گی۔"

★ "خوشی اور غصے اور پریشانی کا اظہار کس طرح کرتی ہیں؟"

✱ "خوشی کا اظہار کرنا مشکل نہیں ہے ۔۔۔ مگر غصے اور پریشانی کا اظہار کرنا میں مناسب نہیں سمجھتی اور خاموش ہو جاتی ہوں اور پھر میری خاموشی سے دوسرے لوگ پریشان ہو جاتے ہیں۔"

★ "ڈراموں میں ایک بات بہت کثرت کے ساتھ دکھائی جاتی ہے کہ چھپ چھپ کر باتیں سنی جا رہی ہوتی ہیں تو اصل زندگی میں ایسا اتفاق ہوا آپ کو؟"

✱ "اتفاقاً" ایسا ہو جائے تو ہو جائے ۔۔۔ ورنہ جان بوجھ کر کبھی ایسا نہیں کرتی۔ کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمارے علم میں نہ ہی آئیں تو بہتر ہوتا ہے ۔۔۔ کوشش کرتی ہوں کہ دوسروں کو ان کی پرائیویسی دوں۔ مجھے کریدنے کی اور بلاوجہ باتیں جاننے کی عادت نہیں ہے۔"

★ "شاپنگ کے دوران کوئی پرابلم ہوتا ہے؟"

✱ "بہت ۔۔۔ ڈسکاؤنٹ تو کر ہی نہیں سکتے۔ کہتے ہیں آپ اسٹار ہیں آپ کے پاس تو بہت پیسا ہے۔"

★ "اور برانڈ کی چیزیں خریدنے کی شوقین ہیں؟"

✱ "ہرگز نہیں ۔۔۔ کچھ خواتین اور لڑکیاں برانڈ کی چیزوں کی کریزی ہوتی ہیں میں ایسی ہرگز نہیں ہوں۔ مجھے اچھی اور معیاری چیز چاہیے ہوتی ہے بس۔۔۔ نام پر نہیں جاتی ۔۔۔ اکثر نام والی چیزیں غیر معیاری بھی ہوتی ہیں۔"

★ "اور کچھ کہنا چاہیں گی اور یہ بتائیں کہ ڈراموں میں جو مار پڑتی ہے اس میں حقیقت کتنے فیصد ہوتی ہے؟"

✱ "جی بالکل ۔۔۔ اکثر خواتین اور دیگر لوگ جب ملتے ہیں تو ایک ہی فرمائش ہوتی ہے کہ سیلفی بنوائے ۔۔۔ کبھی کبھی یہ باتیں ہمارے لیے مسئلہ بن جاتی ہیں۔ تو اگر ہم ایسا نہ کر سکیں تو برا نہ منائیں ۔۔۔ اور جہاں تک مار کی بات ہے تو حقیقت بالکل نہیں ہے ۔۔۔ یہ سب ہماری اداکاری کا کمال ہوتا ہے ۔۔۔ تھپڑ کھانے والے کی بھی اور تھپڑ مارنے والی کی بھی۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے ازیکا ڈینئل سے اجازت چاہی۔ شکریہ

✿ ✿

میری بھی سنیے

ڈاکٹر فہد مرزا

شاہین رشید
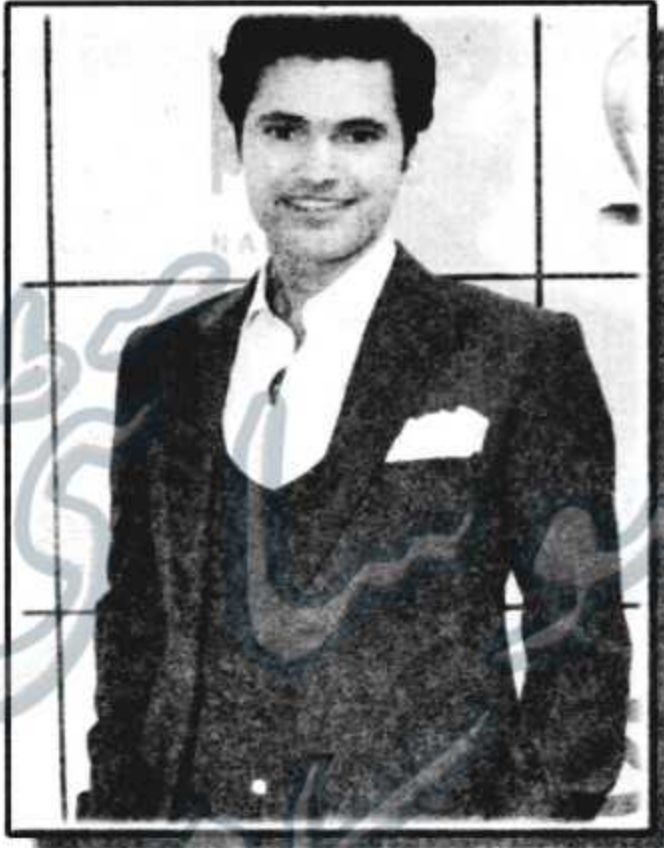
1 "نام؟"

"فہد زبیر مرزا۔"

2 "پیار کا نام؟"

"فہد۔"

3 "تاریخ پیدائش؟"

"26 اپریل۔۔۔ year نہ پوچھیں" (قہقہہ)۔

4 "ستارہ؟"

"ٹورس۔"

5 "قد؟"

"5 فٹ ساڑھے 9 انچ۔"

6 "بہن بھائی؟"

"بھائی اکلوتا ہوں تین بہنوں کا ایک بہن بڑی ہے۔ دو چھوٹی ہیں اس لیے گھر بھر کا لاڈلا ہوں۔ حالانکہ شادی شدہ ہوں بچے کا باپ بھی ہوں۔"

7 "تعلیم؟"

"ایم بی بی ایس + سرجری میں فیلو شپ پلاسٹک سرجن ہوں۔"

8 "شادی؟"

"14 اگست 2014ء کو ہوئی اور میری پسند سے ہوئی' سب جانتے ہیں معروف آرٹسٹ ثروت گیلانی سے۔ ماشاء اللہ سے ہمارا ایک بیٹا بھی ہے "روحان"

9 "مشہور ڈرامہ جو پہچان بنا؟"

"شناخت۔"

10 "ڈراموں کے لیے میری مصروفیات؟"

"بالکل نہیں ہے۔ اپنے پروفیشن سے ٹائم نہیں ملتا۔ البتہ کوئی کمرشل مل جاتا ہے تو ضرور کرلیتا ہوں' کیونکہ ٹائم کم لگتا ہے۔"

11 "مشہور کمرشل؟"

"oreo (اوریو) کا۔۔۔ بہت پسند کرتے ہیں لوگ۔"

12 "کس قسم کے مریض زیادہ آتے ہیں؟"

"جو جل جاتے ہیں۔ جن پر دشمنی کی بنا پر تیزاب پھینک دیا جاتا ہے۔ یا جن کی اسکن خراب ہو جاتی ہے۔"

13 "خواتین کی تعداد زیادہ ہوتی ہے یا مرد کی؟"

"پلاسٹک سرجری کے لیے زیادہ تر خواتین آتی ہیں۔ کیونکہ انہی کے ساتھ زیادہ مسائل ہوتے ہیں۔ ظلم بھی انہی پہ زیادہ ہوتا ہے اور یہ ہمارے ملک کا بہت بڑا المیہ ہے۔"

14 "پلاسٹک سرجن کیوں بنا؟"

"دلچسپی تھی اور بہت مسائل دیکھتا تھا اس شعبے میں اس لیے۔"

15 "بچپن سے فیڈ کیا گیا ڈاکٹر ہی بننا ہے؟"

"ایسا کچھ نہیں تھا۔ والد ڈاکٹر ہیں انہی کو دیکھ کر مجھے بھی دلچسپی ہوئی۔"

16 "شوبز کی فیلڈ نے متاثر کیا؟"

"بہت... اس لیے چھوٹی عمر سے اس فیلڈ میں ہوں کمرشل سے آغاز کیا اور پہلے کمرشل کے پندرہ ہزار ملے تھے جس کی بہت زیادہ خوشی ہوئی تھی۔"

17 "عزیز کون سی فیلڈ ہے 'میڈیسن یا شوبز؟"

"شوبز میں کام کرنا میرا جنون ہے اور میڈیسن میرا پروفیشن ہے۔ اس لیے دونوں ہی عزیز ہیں۔"

18 "ڈسپلن کی کمی کس میں ہے۔ شوبز میں یا میڈیسن میں؟"

قہقہہ... "دونوں میں میڈیسن میں ڈاکٹر کو مریض پریشان کرتے ہیں اور شوبز میں فنکار ڈائریکٹر کو پریشان کرتے ہیں۔ جب وقت ملتا ہے آجاتے ہیں۔"

19 "میری صبح جلدی ہوتی ہے یا رات؟"

"کچھ نہیں کہہ سکتے۔ جب نائٹ ڈیوٹی ہوتی ہے تو نہ صبح جلدی ہوتی ہے نہ رات... ڈاکٹروں اور فنکاروں کے سونے کا کوئی ٹائم مقرر نہیں ہے۔ دونوں کا پیشہ مختلف مگر عادات ایک جیسی ہیں۔"

20 "وقت کی پابندی کون کرتا ہے ڈاکٹر یا فنکار؟"

"کوئی بھی نہیں' ویسے ڈاکٹرز زیادہ وقت کے پابند ہوتے ہیں۔"

21 "بیگم کے علاوہ گھر میں اداکاری کا ماہر کون ہے؟"

"ویسے تو کوئی نہیں ہے۔ مگر میری نانی میری اداکاری پہ کچھ نہ کچھ ریمارکس دیتی رہتی ہیں' جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں اداکاری کی الف ب آتی ہے۔"

22 "بھوک برداشت ہو جاتی ہے؟"

"بالکل بھی نہیں' بھوک میں عجیب حالت ہو جاتی ہے۔"

23 "پیسا کس فیلڈ میں ہے' میڈیسن میں یا شوبز میں؟"

"دونوں میں ہے' مگر ایمانداری سے کمانا چاہیے۔ میڈیسن میں غریب لوگ بہت آتے ہیں۔ ڈاکٹر کا فرض ہے کہ ہاتھ ہلکا رکھے کیونکہ سب افورڈ نہیں کر سکتے۔"

24 "غصے میں کیا کرتا ہوں؟"

"ماں بہن کی تعریف..." قہقہہ... "سمجھ تو گئی ہوں گی۔"

25 "اعتراف کر لیتا ہوں؟"

"اپنی غلطی کا۔"

26 "مجھے عادت ہے؟"

"رات کو تھوڑا مطالعہ کر کے سونا اور ضروری چیزیں اپنے سرہانے رکھنا۔"

27 "خواتین میں کیا بات بری لگتی ہے؟"

"کچھ بھی نہیں ان کی تعریف میں تو بہت کچھ لکھ سکتا ہوں۔ مجھے خواتین بہت اچھی لگتی ہیں۔"

28 "کوئی لڑکی مسکرا کر دیکھے تو؟"

"میں بھی مسکرا دیتا ہوں... مگر جب سے شادی ہوئی ہے اس معاملے میں تھوڑی احتیاط کرتا ہوں۔"

29 "میں چڑ جاتا ہوں؟"

"جب گھر والے مجھے بھوک نہ ہونے کے باوجود زبردستی کھانا کھانے کو کہتے ہیں۔ یہ ان کی محبت ہے مگر

پیٹ میں گنجائش ہو گی تو کھاؤں گا۔"

30 "کھانا اہتمام کے ساتھ کھاتا ہوں؟"

"بہت اہتمام کے ساتھ کھاتا ہوں۔ باقاعدہ چھری کانٹے کے ساتھ تہذیب اور تمیز کے ساتھ اور اس طرح کھانے میں بہت مزا آتا ہے۔"

31 "بہت انجوائے کرتا ہوں؟"

"چھٹی کا دن سمندر پر جا کر اپنی "کشتی" چلاتا ہوں اور خود بھی انجوائے کرتا ہوں اور گھر والوں کو بھی کراتا ہوں سیر بوٹ کی۔"

32 "زندگی تب حسین ہوتی ہے؟"

"جب پیسا بھی ہو اور محبت بھی ہو۔"

33 "گھر میں سب سے اچھی جگہ؟"

"باتھ روم" (قہقہہ)۔

34 "حکومت میں کوئی عہدہ مل گیا تو؟"

"تو کچھ اچھا ہی کروں گا۔ کیونکہ ہماری تربیت اس انداز میں کی گئی ہے کہ ہم میں کسی قسم کا کوئی لالچ نہیں ہے۔ اس لیے خود بھی ایمانداری سے کام کروں گا اور دوسروں سے بھی کرواؤں گا۔"

35 "گھر میں رونق ہو جاتی ہے؟"

"جب گھر میں من پسند مہمان آجائیں تو اچھا لگتا ہے۔"

36 "موڈ خوش گوار ہو جاتا ہے؟"

"جب کوئی میری سرجری کی' میری اداکاری کی اور میری ماڈلنگ کی تعریف کرتا ہے تو۔۔۔"

37 "ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں؟"

"کبھی نہیں۔۔۔ ہر کام وقت پر کرتا ہوں۔ حتیٰ کہ اگر صبح جلدی بھی اٹھنا ہو تو سستی نہیں دکھاتا۔ آنکھ کھلتے ہی بستر چھوڑ دیتا ہوں۔"

38 "بور ہوتا ہوں تو؟"

"بور۔۔۔! ٹائم ہی نہیں ملتا فارغ بیٹھنے کا تو بور کیسے ہو سکتا ہوں۔"

39 "پریشان ہو جاتا ہوں؟"

"جب کہیں ضروری جانا ہو' جلدی پہنچنا ہو اور لوگ پہچان کر راستہ روک لیں ڈراموں کا ذکر کر رہے ہوں۔ تو بس کچھ نہ پوچھیں کیا کیفیت ہوتی ہے۔"

40 "ملنا چاہتا ہوں؟"

"تاریخی شخصیت الیگزینڈر دی گریٹ سے۔"

41 "لوگ پوچھتے ہیں دنیا میں آنے کا مقصد؟"

"تو میں کہتا ہوں کہ ایسا کچھ کر کے جائیں کہ دنیا یاد رکھے۔ اگر آپ اپنی اولاد کو پڑھا لکھا کر کسی قابل بنا

دیں تو سمجھیں کہ آپ کے دنیا میں آنے کا مقصد پورا ہو گیا۔"

42 "میری بری عادت؟"

"غصے میں چیزیں توڑنا شروع کر دیتا ہوں۔ غصہ ذرا خطرناک ہے میرا۔"

43 "مجھے شوق ہے؟"

"مطالعہ کرنے کا۔۔۔ انٹرنیٹ پہ اخبارات کا مطالعہ ضرور کرتا ہوں۔ فیس بک' انٹرنیٹ کے بغیر زندگی ادھوری لگتی ہے کیونکہ ہمیں ایک "کلچ" پہ ساری دنیا کی معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔"

44 "جب چھوٹا تھا تب؟"

"تب اپنے بارے میں بہت سوچتا تھا کہ کیا کروں کہ اچھا لگوں' کبھی بالوں پہ دھیان تھا تو کبھی اپنی ہائیٹ پہ۔۔۔ کبھی اچھا پہننے کی دھن۔۔۔ اب سارا فوکس اپنے پروفیشن پہ ہے۔"

45 "شاپنگ میں پہلی ترجیح؟"

"جوتے اور کپڑے۔"

46 "کنجوس یا شاہ خرچ؟"

"شاہ خرچ۔۔۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ پیسا تو ہوتا ہی خرچ کرنے کے لیے ہے۔ خرچ کریں خود بھی خوش رہیں اور دوسرے بھی۔"

47 "پہلی محبت؟"

"میری پہلی محبت ثروت گیلانی ہے۔ ان کو پانے کے لیے مجھے دس سال انتظار کرنا پڑا۔۔۔ شکر کہ اللہ نے انہیں میرے ہی نصیب میں لکھا ہوا تھا۔"

48 "مجھے وہ ملک پسند ہے؟"

"جہاں جانے کے لیے ویزا نہ لینا پڑے۔ مگر ایسا کوئی ملک ہے نہیں۔ سچ میں "ویزے" کے لیے بہت خوار ہونا پڑتا ہے۔"

49 "ضدی ہوں؟"

"صحیح باتوں کے لیے بہت ضدی ہوں اور پوری کر کے رہتا ہوں۔ مگر غلط کاموں کے لیے ضد نہیں کرتا۔"

50 "شادی میں پسندیدہ رسم؟"

"نکاح۔"

51 "کبھی اپنا فون نمبر بدلا؟"

"نہیں گزشتہ دس سال سے ایک ہی نمبر استعمال کر رہا ہوں اور یہ نمبر دس سال پہلے مجھے ثروت نے گفٹ کیا تھا اس لیے اس نمبر کو کبھی نہیں بدلوں گا۔"

52 "مجھے ڈر لگتا ہے؟"

"بند جگہوں سے لفٹ سے' بہت ڈر لگتا ہے۔"

53 "زندگی بری لگتی ہے؟"

"جب مسلسل کام ہو اور آرام کا ایک لمحہ بھی نہ ملے تو زندگی بری تو نہیں لگتی مگر طبیعت چڑچڑی ضرور ہو جاتی ہے۔"

54 "نیند کا انتظار کرتا ہوں؟"

"نہیں نہیں۔۔۔ تھکاوٹ اتنی ہوتی ہے کہ بستر پر لیٹتا ہوں اور سکون کی نیند آ جاتی ہے۔"

55 "میں دعا کرتا ہوں؟"

"کہ اللہ مجھے جتنی بھی زندگی دی ہے اس میں مجھے کوئی خطرناک بیماری نہ دینا اور ہمیشہ صحت مند رکھنا۔"

56 "میری بری عادت؟"

"دوسروں پر بھروسا نہیں کرتا' کہنے کو یہ بری عادت ہے مگر میرے نزدیک یہ اچھی عادت ہے' کیونکہ بھروسے کی مار جب دیتے ہیں لوگ تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔"

57 "اچھی عادت؟"

"میرا دل صاف ہے' کدورت نہیں رکھتا۔۔۔ سب کے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آتا ہوں۔"

58 "کس کے ایس ایم ایس کے جواب فوراً" دیتا ہوں؟"

"اپنے باس کے۔"

59 "سب کچھ آسانی سے ملا؟"

"نہیں جی۔۔۔ زندگی میں بہت جدوجہد کی بہت وقت کرائنسس (مشکل) میں گزارہ۔"

60 "کھانا پینا چھوڑ دیتا ہوں؟"

"جب غصے میں ہوتا ہوں۔ پھر دل نہیں چاہتا کچھ کھانے پینے کو۔"

آواز کی دنیا سے

اجو بھائی اجنبی

شاہین رشید

"آواز کی دنیا سے" اس مشہور و معروف اور ہردل عزیز سلسلے میں اس بار ہمارے ساتھ ہیں آپ سب کے پسندیدہ ترین پریزینٹر اجو بھائی اجنبی۔ ان کا اصل نام تو کچھ اور ہے مگر ان کی پہچان "اجنبی" ہے اجنبی کی آواز بہت بارعب اور اثر انگیز ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ مختلف پروگراموں میں اور کمرشلز میں ان کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔

* "کیا حال ہیں جی۔۔۔ اور اجنبی کا کیا بیک گراؤنڈ ہے؟"

☆ "جی اللہ کا شکر ہے اور بیک گراؤنڈ کچھ یوں ہے کہ اجنبی میرا قلمی نام ہے۔ اسے تخلص نہیں کہوں گا کیونکہ قلمی نام اور تخلص میں معنوں کے حساب سے فرق ہے، جس زمانے میں میں بچوں کے لیے کہانیاں لکھتا تھا اس زمانے میں قلمی نام کا بہت رواج تھا۔ کچھ رائٹرز کے قلمی نام بہت اچھے تھے تو میں سوچا کرتا تھا کہ میں بھی اپنا کوئی قلمی نام رکھوں گا تو پھر کافی سوچ بچار کے بعد میں نے اپنی قلمی نام "اجنبی" رکھا اور میں نے سوچا کہ اس کا بڑا اچھا اثر پڑے گا اور اسی نام کو پھر میں نے اپنی پروفیشنل لائف میں بھی اپنا لیا۔ اطہر رضا میرا اصلی نام ہے اور اس نام سے صرف وہی لوگ واقف ہیں جو میرے بہت قریب ہیں۔۔۔ اجنبی سے پھر میں "اجو" بھائی ہو گیا کہ ہمارے ایک دوست ارشد حسین جو کہ قطر میں رہتے ہیں انہوں نے اجو بھائی کہنا شروع کر دیا۔ تو اب "اجو بھائی اجنبی" بین الاقوامی سطح پر جانا پہچانا جاتا ہے۔"

* "مزید سوالات سے پہلے میں چاہوں گی کہ آپ اپنا فیملی بیک گراؤنڈ بتائیے؟"

☆ "میرے والدین کا تعلق انڈیا سے ہے۔ پاکستان کے قیام کے بعد ہجرت کر کے آئے۔ نو جنوری کو میں کراچی میں پیدا ہوا۔ ہم تین بھائی اور چھ بہنیں ہیں۔ میرا نمبر چھٹا ہے اور ماس کمیونیکیشن میں ماسٹرز ڈگری لی ہے اور میری شادی کو ماشاءاللہ سترہ سال ہو گئے ہیں۔ میری والدہ ہاؤس وائف ہیں اور والد صاحب "فوڈ انسپکٹر" رہے ہیں اور ابھی کچھ ہی عرصہ قبل ہی وہ ریٹائر ہوئے ہیں۔"

* "آج کل کیا مصروفیات ہیں آپ کی؟"

☆ "مصروفیات کچھ یوں ہیں کہ میں ایف ایم 107 کا پروگرامنگ ہیڈ ہوں، کچھ فری لانس کام امریکہ اور دیگر ممالک کے لیے کرتا رہتا ہوں۔ اسی طرح "جاگ ٹی وی چینل" پہ ایک پروگرام ہوتا ہے "حادثہ" یہ پبلک اویرنس Awareness شو ہے۔ یہ رات گیارہ بجے آتا ہے اور میں اس کو ہوسٹ کرتا ہوں۔ یہ پروگرام منگل کو ٹیلی کاسٹ ہوتا ہے اور میں اسے تقریباً ڈیڑھ سال سے کر رہا ہوں۔ اس سے قبل ایک "کرائم شو" کی بھی میزبانی کر چکا ہوں اور معروف

ڈائریکٹر مصباح خالد کے ایک ڈرامہ سیریل میں اداکاری بھی کی ہے اور یہ سیریل ان شاء اللہ جنوری 2017ء میں آن ایئر ہوگی "ایکسپریس انٹرٹینمنٹ" سے۔"

* "اتنا کچھ کرتے ہیں تو گویا 24 گھنٹے مصروف رہتے ہیں؟"

☆ "میڈیا کی جاب میں گھنٹے تو ہوتے ہی نہیں ہیں۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ایسی گھڑی ہونی چاہیے کہ جس کی سوئیاں نہ چلیں کیونکہ سوئیوں کی قید میں رہ کر ہم اپنے کام کو صحیح طرح انجام نہیں دے سکتے۔ اس لیے نہ ہمیں دن گزرنے کا پتا چلتا ہے اور نہ ہی رات کا۔"

* "کیا کشش ریڈیو کی طرف کھینچ لائی؟"

☆ "مجھے ہمیشہ سے ہی خوب صورت آوازیں اپنی طرف کھینچتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔۔۔ یہ بات تو آپ نے بھی پڑھی ہوگی کہ "کوہ ندا" سے آوازیں آ رہی ہیں اور لوگ کھینچتے چلے آرہے ہیں۔۔۔ آواز میں ایک طلسم ہوتا ہے اور ریڈیو کی آواز مجھے اپنی طرف کھینچتی تھی اور میں سوچتا تھا کہ ایک دن میں بھی اس میڈیم سے وابستہ ہو کر اپنی آواز لوگوں تک پہنچاؤں گا۔ ریڈیو ایک جادوئی میڈیم ہے یہ آپ کے تخیلاتی صلاحیتوں کو بڑھاتا ہے۔ ریڈیو سے میری وابستگی کو تقریباً 26 سال ہوگئے ہیں 1991ء میں میں نے ریڈیو جوائن کیا تھا۔ ریڈیو میرا جنون تھا اور ہے۔ میں نے سب سے پہلے ڈرامہ میں صداکاری کی تھی اور "رضی اختر شوق" صاحب اس کے ڈائریکٹر تھے اور پروڈیوسر تھے' بجیا کی تحریر تھی "افق روشن رہیں گے" اور اس میں میرے صرف دو ڈائیلاگ تھے اور یہی میری ابتداء تھی۔ اس میں میرے ساتھ قاضی واجد' ذہین طاہرہ' جمشید انصاری مرحوم اور ساجدہ سید تھیں' وہ ایک اچھا تجربہ تھا۔ اس کے بعد میں بزم طلبہ کی طرف آگیا اور پھر ایف ایم 101 جوائن کیا اس کے بعد ایف ایم 107 پھر میں دبئی چلا گیا۔ واپس آیا تو ایف ایم 106.2 جوائن کیا اور اب گزشتہ 5 سال سے دوبارہ ایف ایم 107 کے ساتھ ہوں اور یہ سلسلہ چل رہا ہے ریڈیو کو چھوڑ نہیں سکتا' کیونکہ آواز سے بڑا ذریعہ ابلاغ کوئی نہیں ہے گاؤں دیہات میں دیکھ لیں۔ وہاں کے لوگ بھی شام کے وقت لوگوں کو خبریں پڑھ کر سنا رہا ہوتا ہے جو پڑھا لکھا بندہ ہوتا ہے تو آواز ایک نعمت خداوندی ہے۔"

* "ریڈیو پہ آمد کیسے ہوئی؟"

☆ "ریڈیو پہ میرا ٹیلنٹ' میری قسمت اور میری کاوشیں مجھے لے کر آئیں۔ میں اپنے اسکول اور کالج کے زمانے میں کوئز مقابلوں میں حصہ لیا کرتا تھا اور ریڈیو باقاعدگی کے ساتھ سنتا تھا اور اس میں کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہے کہ پورے دو سال ریڈیو کے ہر پروگرام میں خطوط لکھے اور اپنے خطوط کے جوابات سننے کے لیے بھی ریڈیو سنتا تھا۔ اس زمانے میں' جو آواز مجھے بہت پرکشش لگتی تھی اور جس سے میں بہت زیادہ متاثر تھا وہ "محمد نقی" کی آواز تھی۔۔۔ ذہانت شرط ہے میں میں نے حصہ لینا شروع کیا۔ محمد نقی کی آواز سن کر مجھے ریڈیو کی اہمیت کا بھی اندازہ ہوا اور پھر میں نے سوچ لیا کہ یہ وہ میڈیم ہے جس میں مجھے ہونا چاہیے۔"

* "ایف ایم میں کون سا چینل پہلے جوائن کیا؟"

☆ "میں نے ایف ایم 101 سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا۔ 15 نومبر 1998ء کو پہلا شو تھا، یکم اکتوبر 1998ء میں ایف ایم 101 لانچ ہوا تھا اور یہ وہ دن تھا جب میرے دادا کا انتقال ہوا تھا مگر کمٹمنٹ، کمٹمنٹ تھی ایک گھنٹے کا شو تھا جو میں نے کیا۔۔۔ اور اس وقت جن صاحب نے میری حوصلہ افزائی کی اور مجھے آگے بڑھایا وہ اسلم بلوچ صاحب تھے میں بہت مانتا ہوں، انہوں نے ہماری پوری ٹیم کو بہت گائیڈ کیا، پھر جب 2003ء میں اپنا کراچی 107 متعارف ہوا۔ اس کی ابتدائی یا Pioneer ٹیم میں تھا اور پروگرام منیجر کے عہدے پر رہا۔ اس کے بعد دبئی ریڈیو سے بہ حیثیت آر جے کے کام کرنے کی آفر آئی یہ بات 2005ء کی، میں وہاں گیا اور انہوں نے میرا کام دیکھ کر مجھے چینل کا ہیڈ بنا دیا "104.4 ریڈیو کی آواز" پھر "پلس 95.3" یہ وہ ایف ایم چینلز ہیں دبئی کے جہاں میں نے کام کیا ان کے فارمیٹ مختلف تھے شروع میں ہم نے پاکستانی راک میوزک پہ کام کیا پھر پروگرام کیا پاکستان کے ایور گرین سونگ پہ 2009ء میں پاکستان واپس آگیا اور یہاں تقریباً 8 سے 10 مہینے اپنا کراچی 107 میں شوز کیے اور پھر تقریباً ڈیڑھ سال "ہم ایف ایم 106.2" اس کا نیٹ ورک پروگرام منیجر رہا۔ یکم جنوری 2010ء سے 15 جولائی 2011ء تک اور پھر 15 جولائی 2011ء سے آج تک اپنا کراچی 107 سے وابستہ ہوں اور کئی ریڈیو چینلز ایسے ہیں جن کے لیے میں کام کر چکا ہوں۔"

* "سب سے اچھا اور مقبول پروگرام کون سا رہا آپ کا؟"

☆ "ایوننگ "ڈرائیو ٹائم" سب سے مقبول رہا اور اس کے لیے آج تک لوگ کہتے ہیں کہ اجنبی سے اچھا اس پروگرام کو کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ اس کو میں نے مختلف ٹائمنگ میں کیا اور دبئی میں بھی اس نام سے شو کیے جو کہ شام سات بجے سے رات دس بجے تک ہوتا تھا۔ ہم مختلف ہوتے ہیں ہر شہر کے۔ جیسے کراچی میں ایوننگ ڈرائیو ٹائم میں ہم کراچی میں ٹریفک اپ ڈیٹ وغیرہ دیتے تھے۔ ریسرچ رپورٹ دیتے تھے۔ اصل میں بات یہ ہوتی ہے کہ کانٹینٹ تو کوئی بھی آر جے لے کر آ بھی سکتا ہے اور پڑھ بھی سکتا ہے، لیکن "اسٹائل آف پریزنٹیشن کیا ہے یہ بات بہت کاؤنٹ کرتی ہے اور میں نے ہمیشہ کوشش کی ہے کہ میرا اسٹائل دیگر لوگوں سے مختلف ہو تاکہ وہ پہلی بار سنے وہ پھر سنتا ہی چلا جائے اور ایک آر جے کی یہی کامیابی ہوتی ہے۔"

* "عموماً" لوگ فارغ اوقات میں یا ڈرائیونگ کے اوقات میں ریڈیو سنتے ہیں۔۔۔ تو تفریح کا ذریعہ بھی ہے ریڈیو؟"

☆ "سب سے پہلی بات تو یہ کہ ریڈیو صرف تفریح کا ذریعہ نہیں ہے ریڈیو آگہی ہے، ریڈیو آپ کی زندگی سے جڑا ہوا ہے۔ ریڈیو انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو بڑھاتا ہے۔ جس کمرے میں ٹی وی ہوتا ہے وہاں کی سیٹنگ آپ اس طرح کرتی ہیں کہ وہ نظر آتا رہے۔ لیکن پھر بھی وہ آپ کو باؤنڈ کروتا ہے، جبکہ ریڈیو آپ کو باؤنڈ نہیں کرتا، ریڈیو آپ کے حواسوں کو کنٹرول نہیں کرتا۔۔۔ ڈرائیونگ کے وقت لوگوں کو ٹریفک کی اپ ڈیٹس پتا چلتی رہتی ہیں۔ پھر ان کا وقت اچھا گزر جاتا ہے باتوں کے ساتھ، کچھ گانوں کے ساتھ۔۔۔ کچھ ٹاک شو کے ساتھ، تو اسے تفریح کا ذریعہ مت سمجھیں، کچھ لوگ آر جے بننے کے شوق میں میرے پاس آتے ہیں تو میں پوچھتا ہوں کہ آج کل کیا کر رہے ہیں تو کہتے ہیں "آج کل تو کچھ نہیں کر رہا، سوچا ریڈیو ہی کر لیں" تو مجھے ایسے لوگوں سے نفرت ہے۔ ریڈیو ٹائم kill کرنے کا میڈیم نہیں ہے۔ ریڈیو بہت سیریس میڈیم ہے۔ ریڈیو سیکھنے اور سکھانے کا میڈیم ہے۔ جو کمانے کا یا وقت گزارنے کی خاطر ریڈیو پہ آتے ہیں تو سوری ریڈیو ان کے لیے نہیں ہے۔"

* "آپ کو جگہ بنانے میں مشکل ہوئی، کن مراحل سے گزر کر یہ مقام پایا؟"

☆ "مراحل زندگی کے ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں۔ جدوجہد کبھی ختم نہیں ہونی چاہیے' آر جے بننے سے پہلے (اس کی گواہ میری مسز ہیں) اپنے گھر میں ڈیک پر شوز ریکارڈ کرنا' فون پہ ریکارڈ کرنا۔ سننا' پھر جب ایف ایم 101 پہ آیا تو لائبریری جا کر ریسرچ کرنا اور پھر پروگرام کرنا۔ پھر جب 107 میں آیا تو نہ صرف شوز کیے بلکہ رپورٹر کے فرائض بھی انجام دیے پانچ سے 9 شوز کرتا تھا لائیو' رمضان کے دن تھے عید کی آمد آمد تھی تو میں رات نو بجے سے لے کر رات ڈیڑھ دو بجے تک آؤٹ ڈور رپورٹنگ کیا کرتا تھا۔۔۔ اس کے بعد میں پروڈیوسر ہو گیا' پھر پروگرام منیجر ہوا تو ان تھک محنت کے بعد یہ مقام پایا اور جب میں دبئی گیا تو آپ یقین کریں کہ گیا صرف آر جے کے لیے تھا' مگر میں نے وہاں بہت محنت کی۔ اس مارکیٹ میں جہاں پاکستانیوں کو وہ اہمیت نہیں دی جاتی جو انڈین کو دی جاتی ہے۔ انڈین واقعی بہت پروفیشنل ہیں۔ ہمارے پاکستانیوں میں تو یہ بات ہے کہ ذرا سا زیادہ مل جائے تو نواب بن جاتے ہیں۔ کام میں دل لگانا چھوڑ دیتے ہیں وقت کے پابند نہیں ہوتے اور ٹاسک پورا نہیں کرتے تھے۔ اس چیز کو میں نے اپنے لیے ایک چیلنج لیا کہ مجھے دکھانا ہے کہ ہم پاکستانی کسی سے پیچھے نہیں ہیں اور بہت محنتی ہیں تو میری محنت کا ثمر یہ ملا کہ مجھے چینل کا ہیڈ بنا دیا۔"

* "ایک آر جے اپنے موڈ کے مطابق کام کرتا ہے یا پبلک ڈیمانڈ کے مطابق کام کرتا ہے؟"

☆ "جو آر جے اپنے موڈ کے حساب سے بات کرتا ہے یا کام کرتا ہے اسے حق ہی نہیں پہنچتا کہ وہ ریڈیو پہ کام کرے۔ ہر چینل کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے' مختلف ٹائم بینڈز ہوتے ہیں اس کے سننے والے ہوتے ہیں اور اس لسنر شپ Listener ship کے ساتھ ریڈیو چینل کا کوئی کمٹمنٹ ہوتا ہے کسی خاص کانٹینٹ کا۔ اگر کوئی آر جے آ کر کہے کہ "جناب مجھے تو آج کچھ سستی سی ہو رہی ہے۔ کیا کروں مجھے کوئی ٹاپک بتائیں؛ تو میرے حساب سے ایسے لوگوں کو معذرت کے ساتھ کک آؤٹ کر جانا چاہیے' اگر کسی کی طبیعت خراب ہے یا موڈ اچھا نہیں ہے تو بہتر ہے کہ آپ نہ آئیں لسنر Listener یہ نہیں چاہتا کہ آپ پر کیا گزر رہی ہے۔ لسنر Listener کو وہ کمٹمنٹ چاہیے جو چینل نے آپ کے ساتھ کی ہے۔ آر جے کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی طبیعت کے بارے میں یا اپنے گھریلو مسائل کے بارے میں بتانا شروع کر دے اور لوگوں کی رائے یا ہمدردیاں لے۔"

* "آپ کی دنیا کے لوگوں کو عام لوگ نہیں پہچانتے' آپ کا دل چاہتا ہے کہ آپ کی بھی شہرت ہو لوگ آپ کو پہچانیں؟"

☆ "اب وہ زمانہ چلا گیا جب ریڈیو کے لوگوں کے لیے کہا جاتا تھا کہ انہیں کسی تقریب میں نہیں جانا چاہیے لوگوں کے سامنے نہیں آنا چاہیے۔ اور اس کی وجہ یہ ہوتی تھی کہ لوگ اپنے ذہنوں میں ایک خاکہ بنا لیتے تھے اور ان کی پسندیدہ شخصیت اس خاکے کے برعکس ہوتی تھی تو ان کا دل ٹوٹ جاتا تھا اور پھر شاید وہ پروگرام سننا بھی کم کر دیتے تھے یا بند کر دیتے تھے۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا' اب پرنٹ میڈیا بھی انٹرویو شائع کرتا ہے۔ ٹی وی پہ بھی بہ حیثیت مہمان کے بلائے جاتے ہیں۔ ٹی وی پہ پروگرام کرتے ہیں تو آج کا آر جے گمنام نہیں ہوتا۔"

* "جی اب یہ بتائیے کہ آر جے میں کن خوبیوں کا ہونا ضروری ہے؟"

☆ "آر جے کا تمیزدار ہونا بہت ضروری ہے۔۔۔ آواز

اچھی ہونا ایک ویلیو ایڈیشن ہے خاص طور پر ایف ایم کے حوالے سے 'پھر کانٹینٹ پہ گرپ ہونی چاہیے اور چینل کی پالیسی کا علم ہونا بھی بہت ضروری ہے۔"

* "کچھ نجی سوال ہو جائیں۔۔۔ یہ بتایئے کہ شادی کو کتنے سال ہو گئے ہیں اور بچے کتنے ہیں؟"

☆ "شادی کو ماشاء اللہ سترہ سال ہو گئے ہیں۔ لو میرج تھی میری اور ماشاء اللہ تین بیٹیاں ہیں میری۔ "فضا" "حفصہ" اور "فروا" بیگم بہت اچھی پینٹنگ کرتی ہیں۔ پینٹر ہیں مگر شادی کے بعد ایک لمبا گیپ آگیا کیونکہ بچیوں کی پرورش میں کافی ٹائم دینا پڑتا ہے۔ اسکیچز بناتی ہیں بیگم اور عنقریب ان کے اسکیچز کی نمائش بھی ہونے والی ہے۔ شادی سے پہلے شیرٹن میں نمائش ہوئی تھی۔"

* "مزاج کا کون تیز ہے" آپ یا آپ کی مسز؟"

☆ "میری مسز مزاج کے حوالے سے میرے مقابلے میں نرم مزاج اور دھیمے لہجے میں بات کرتی ہے۔ میں تھوڑا سخت مزاج ہوں۔۔۔ بیگم تو نہ غصیلی ہے اور نہ ہی جھگڑے کرنے والی ہے۔ بہت اچھی ہے میری بیگم۔"

* "زندگی میں جو چاہا وہ پایا آپ نے؟"

☆ "جی اللہ کا شکر ہے کہ بچپن سے لے کر آج تک جو کام میں نے کرنا چاہا اس میں اگرچہ وقت لگا ہے مگر اللہ کی مدد سے ہو گیا وہ۔ کیونکہ میں نے ہمت نہیں ہاری اور ہر کام کو چیلنج سمجھ کر کیا ہے۔ آپ کو بتاؤں کہ جب ایف ایم 101 شروع ہوا' میں نے پروگرام شروع کیا تو کئی لوگوں نے کہا کہ اس کی تو آواز ہی ریڈیو والی نہیں ہے یعنی ایف ایم کے معیار کی نہیں ہے اس لیے یہ نہیں کر سکتا پروگرام' پھر 101 ہی وہ چینل ہے جب میں تین بار "آف ایئر" ہوا۔ جو بات جو کچھ بھی ہوں وہ میرے سینئرز تھے اس لیے کچھ کہہ نہیں سکتا ۔۔۔ لیکن اگر میں مایوس ہو کر بیٹھ جاتا تو آج اس مقام پر نہ ہوتا تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر سچویشن کو چیلنج سمجھ کر لینا چاہیے۔"

* "کھانے پینے سے رغبت ہے؟"

☆ "کھانے پینے کے معاملے میں بہت زیادہ چٹورا نہیں ہوں۔ کھانا اچھا ہونا چاہیے' چاہے گھر کا ہو یا باہر کا۔ گھر کا زیادہ اچھا لگتا ہے۔ ویسے فیملی کے ساتھ باہر بھی چلے جاتے ہیں۔ آؤٹنگ بھی ہو جاتی ہے۔ کھانا ہیلدی ہونا چاہیے۔ ایسے کھانے نہیں کھانے چاہئیں جو بعد میں نقصان دہ ہوں۔ گلا خراب ہو جائے یا صحت خراب ہو جائے۔"

* "فارغ اوقات میں کیا کرتے ہیں؟ میڈیا میں اپنی چوائس سے آئے؟"

☆ "فارغ اوقات تو ملتے ہی نہیں ہیں۔۔۔ اور بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ میڈیا میرا پہلا آپشن نہیں تھا' مجھے یا یوں کہیں کہ میری خواہش تھی اور اب بھی ہے کہ میں آرکیٹکٹ بنوں۔۔۔ مگر جب انسان جوان ہوتا ہے تو اس وقت بڑوں کی باتیں سمجھ میں نہیں آرہی ہوتیں۔ تو جس زمانے میں میں کالج میں تھا تو میں نے کرکٹ کھیلنا شروع کر دی اور کرکٹ کی وجہ سے ہی میری پڑھائی متاثر ہوئی اور میتھ میں نمبر بہت کم آئے جس کی وجہ سے مجھے انجینئرنگ میں داخلہ نہیں ملا۔۔۔ والد کی خواہش تھی کہ میں فوج میں جاتا' لیکن انہوں نے کبھی فورس نہیں کیا۔۔۔ تو بڑوں کی باتیں اس وقت سمجھ میں آتی ہیں' جب وقت گزر چکا ہوتا ہے۔"

☆ "گھر والوں کو ٹائم اب میں نے دینا شروع کیا ہے۔ ورنہ تو صبح گھر سے نکلو تو واپسی کا کوئی ٹائم نہیں ہوتا تھا۔ مگر اب گھر والوں کو میری ضرورت ہے اس لیے زیادہ وقت رہنے کی کوشش کرتا ہوں۔ مسئلہ یہ ہے کہ جب تک جدوجہد نہ کرو انسان آگے نہیں بڑھتا اور جدوجہد کا بھی ایک خاص پریڈ ہوتا ہے اور جدوجہد گھر کے مرد کو ہی کرنا پڑتی ہے۔ اگر اس خاص ٹائم میں کوئی مرد گھر بیٹھ جائے تو اس سے بڑی نحوست کوئی نہیں ہے۔۔۔ اللہ کا شکر ہے کہ زندگی میں کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔"

اس کے ساتھ ہی ہم نے "اجنبی" صاحب سے اجازت چاہی اس شکریے کے ساتھ کہ انہوں نے ہمیں وقت دیا۔

☆ ☆

مقابل ہے آئینہ

مدثرہ کوثر

شاہین رشید

1 "آپ کا پورا نام 'گھر والے پیار سے کیا پکارتے ہیں؟"

☆ "مدثرہ کوثر اصل نام ہے۔ بنت حوا قلمی نام ہے دوستیں حیا ایمان اور گھر والے مدثرہ کہتے ہیں۔"

2 "کبھی آئینے نے آپ سے یا آپ نے آئینے سے کچھ کہا؟"

☆ "اے اللہ تو نے جیسے اچھی صورت دی ویسے ہی کردار بھی اچھا بنا۔" یعنی آئینے میں خود کو دیکھ کر دعا پڑھتی ہوں اور یہ کہ اللہ غرور سے بچائے اور احساس کمتری سے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب کو ہی خوب صورت بنایا ہے۔"

3 "آپ کی سب سے قیمتی ملکیت؟"

☆ "میرا قلم 'میرا علم' میرا ایمان 'میری شاعری' میری کہانیاں اور میری عزت... میں ان میں سے کسی بھی چیز کو کھونا نہیں چاہتی۔"

4 "آپ اپنی زندگی کے دشوار لمحات بیان کریں؟"

☆ "جب بھی میری وجہ سے میرے والدین کو دکھ اٹھانا پڑے ویسے بھی زندگی آسان نہیں ہے۔"

5 "آپ کے لیے محبت کیا ہے؟"

☆ "محبت ایک آفاقی جذبہ ہے جو اللہ نے دلوں میں ڈال دیا ہے تاکہ انسان بھائی بھائی بن کر رہ سکیں۔ ورنہ محبت کے بغیر یہ دنیا نہ رہ پاتی 'فساد بپا ہوتے' محبت دولت اور خوب صورتی کے فرق کو مٹا دیتی ہے مگر محبت کی بھی حد ہونی چاہیے ورنہ تو نفرت 'جنون' سودائی کئی اقسام بن جاتی ہیں۔"

6 "مستقبل قریب کا کوئی منصوبہ جس پر عمل کرنا آپ کی ترجیح میں شامل ہے؟"

☆ "عالمہ بننا اور لکھنا... ڈھیر سارے حقائق لکھنا' ایسا لکھنا جس سے دوسروں کی اصلاح ہو سکے۔"

7 "پچھلے سال کی کوئی کامیابی جس نے آپ کو مسرور و مطمئن کیا ہو؟"

☆ "پچھلے سال سے میرا شعاع 'خواتین سے قلم کا رابطہ جڑا ہے۔ جس سے میں خوش ہوں۔"

8 "آپ اپنے گزرے کل' آج اور آنے والے کل کو ایک لفظ میں کیسے واضح کریں گی؟"

☆ "اللہ تعالیٰ پر یقین اور اس کی مدد کے بغیر کچھ ممکن نہیں۔"

9 "اپنے آپ کو بیان کریں؟"

☆ "یہ بہت مشکل کام ہے۔ اس کے بارے میں یہی کہہ سکتی ہوں۔"

اچھے لوگ بھی ہوں گے دنیا میں
میں بہت برا ہوں صاف کہتا ہوں

"ویسے میں محنتی 'حساس اور جلد باز ہوں۔"

10 "کوئی ایسا ڈر جس نے آج بھی اپنے پنجے آپ میں گاڑے ہوں؟"

☆ "یوں تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی سے نہیں ڈرنا چاہیے مگر انسان ہیں غلط کرنا سرشت میں شامل ہے تو ان غلطیوں کے سامنے آنے سے ڈرتی ہوں اور توبہ بھی کرتی ہوں۔"

11 "آپ کی کمزوری اور طاقت کیا ہے؟"

☆ "ہر کتاب (ادبی و علمی اور معیاری) جس میں رسالے کے ایک صفحے سے لے کر حدیث کی کتابوں تک سب کو پڑھنا اور اسی وقت پڑھنا میری کمزوری ہے اور میری طاقت میرا قلم 'میرا ایمان اور اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین ہے۔"

12 "آپ خوش گوار لمحات کیسے گزارتی ہیں؟"
☆ "اکثر میں خوشی کے موقع پہ اداس ہو جاتی ہوں جانے کیوں۔۔۔ شاید تنہائی پسند ہوں اس لیے۔۔۔ ویسے دوستوں سے شیئر کرتی ہوں۔"
13 "آپ کے نزدیک دولت کی اہمیت؟"
☆ "جو اللہ نے رزق دیا ہو۔۔۔ وہی دولت ہے اور دولت کو عارضی شے سمجھ کر خرچ کریں۔"
14 "گھر آپ کی نظر میں؟"
☆ "عورت کے لیے پناہ گاہ اور محبتوں کا امین۔۔۔ اپنوں کا ساتھ۔"
15 "کیا آپ بھول جاتی ہیں اور معاف کر دیتی ہیں"
☆ "معاف کر دیتی ہوں مگر بھولتی نہیں۔"
16 "اپنی کامیابیوں میں کسے حصے دار ٹھہراتی ہیں؟"
☆ "کتابیں' محنت' اساتذہ' والدین اور میری آپی' سب سے بڑھ کر دعائیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت۔"
17 "سائنسی ترقی نے ہمیں مشینوں کا محتاج کر کے کاہل کر دیا یا واقعی ترقی ہے؟"
☆ "موجد لوگوں نے تو اس کے فوائد دیکھ کر مشینیں بنائیں مگر یہ ہم خود ہیں' جو ان کا منفی استعمال کر کے کاہل بن گئے ہیں۔۔۔ دنیا تو ترقی کر رہی ہے مگر ہم خود پستی کا شکار ہو رہے ہیں۔۔۔ خاص کر یہ موبائل فون۔"
18 "کوئی عجیب خواہش؟"
☆ " یہ الگ بات ہے کہ شرمندہ تعبیر نہ ہوں
ورنہ ہر دل میں کئی تاج محل ہوتے ہیں
تو میری خواہش عجیب اور خوابوں کی دنیا والی ہے کہ میں خود ایک میگزین کا اجراء کروں۔۔۔ آہ۔۔۔ کاش۔"
19 "برکھا رت کیسے انجوائے کرتی ہیں؟"
☆ "چونکہ میں گاؤں میں رہتی ہوں تو سامان سمیٹتے' کام کرتے بھیگ جاتی ہوں۔ پھر جی تو چاہتا ہے کہ نہاؤں مگر امی کی ڈانٹ۔۔۔ تب دروازے میں بیٹھ کر اسے تکتی رہتی ہوں اور اپنے ہاتھوں اور منہ پر اس کی پھوار محسوس کرتی ہوں' کبھی کبھی شاعری بھی کرتی ہوں۔"
20 "آپ جو ہیں وہ نہ ہوتیں تو کیا ہوتیں؟"
☆ "وہی ہوتا جو منظور خدا ہوتا۔۔۔ نجانے کیا ہوتی۔۔۔ بس اب تو یہی ہوں اور اسی پہ خوش ہوں۔"
21 "آپ بہت اچھا محسوس کرتی ہیں جب؟"
☆ "جب میں اپنوں پہ خرچ کروں۔۔۔ ان کو کوئی خوشی دوں۔۔۔ اور اچانک کوئی ناول یا رسالہ مل جائے۔"
22 "آپ کو کیا چیز متاثر کرتی ہے؟"
☆ "اچھا اخلاق اور عاجزی۔"
23 "کیا آپ نے اپنی زندگی میں وہ سب پا لیا جو آپ پانا چاہتی تھیں؟"
☆ "کیا کہوں؟ شکوہ کر کے ناشکری نہیں بننا چاہتی۔۔۔ جو بننا چاہتے تھے وہ نہ بن سکے' مگر جو قدرت بنا رہی ہے اب وہی اچھا ہے اسی پہ راضی ہوں۔"
24 "آپ کی کوئی ایک خوبی یا خامی جو آپ کو مطمئن یا مایوس کرتی ہے؟"
☆ "محنت کر کے کامیابی حاصل کرنا خوبی ہے' جبکہ جلد بازی میری خامی ہے۔"
25 "کوئی ایسا واقعہ جو آج بھی آپ کو شرمندہ کر دیتا ہے؟"
☆ "دنیا کا کام تو ہے باتیں بنانا اور کرنا سو میں بھی کئی بار شرمندہ ہوئی مگر جب آگاہی ملی اور پتا چلا کہ ضمیر مطمئن ہے تو پھر ٹھیک ہو گئی۔"
26 "کیا آپ مقابلہ انجوائے کرتی ہیں یا خوف زدہ ہو جاتی ہیں؟"
☆ "پہلے مجھے ڈر لگتا ہے۔۔۔ ناکامی کا خوف۔۔۔ تب اللہ سے دعا کرتی ہوں پھر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے میں مقابلوں میں نمایاں رہی۔"
27 "متاثر کن کتاب' مصنف' مووی؟"
☆ "قرآن مجید' نمرہ احمد اور گڈ بوائے' بیڈ بوائے۔"
28 "آپ کا غرور؟"
☆ "اس سے اللہ بچائے' کیونکہ اتنا سا بھی غرور ہمیں زور سے گہرائی میں پٹخ دیتا ہے۔"

☆ ☆

آسیہ مرزا

عباد گیلانی بلڈ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہے۔ وہ اپنی بیوی مومنہ کو طلاق دے کر اپنے بیٹے حازم کو اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور دوسری شادی عاظمہ سے کرلیتا ہے۔ حازم اپنی ماں عاظمہ اور بھائی بابر کے ساتھ اچھی زندگی گزار رہا ہوتا ہے' مگر اپنے باپ عباد گیلانی کی بیماری کی وجہ سے فکر مند رہتا ہے۔ جب کہ عاظمہ اور بابر اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ عباد گیلانی کو اپنی بیماری میں احساس ہوا ہے کہ اس نے حازم کی ماں مومنہ کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ عباد گیلانی مومنہ کے باپ یاور علی کو بلاتا ہے اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگتا ہے اور حازم کو خاص طور سے اس کے نانا یاور علی سے ملواتا ہے' مگر حازم اپنے نانا سے مل کر اچھے تاثرات کا اظہار نہیں کرتا' مگر بعد میں اپنے باپ کی خواہش پر ان کے ساتھ اپنے نانا کے گھر جاتا ہے اور اپنی ماں مومنہ سے ملتا ہے۔ ماں سے مل کے تمام شکوے بھول جاتا ہے اور اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کے باپ نے اس کی ماں کے ساتھ زیادتی کی ہے۔

حوریہ مومنہ کی بھتیجی ہے بے حد محبت کرتی ہے اور مومنہ بھی اسے بے تحاشا چاہتی ہے' حازم جب حوریہ کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں حوریہ کے لیے پسندیدگی کے جذبات ابھرتے ہیں اور یہ ہی حال حوریہ کا بھی ہوتا ہے۔ عباد گیلانی حوریہ سے مل کر بہت خوش ہوتا ہے کیونکہ حوریہ میں اسے مومنہ کا عکس نظر آتا ہے اور حازم سے پوچھ کر اس کے نانا یاور علی سے دونوں کی شادی کی بات کرتا ہے۔

حوریہ اپنی دوست فضا سے بہت محبت کرتی ہے' فضا کی ایک امیرزادے سے دوستی ہے اور وہ گھر والوں سے چھپ کر اس سے ملتی ہے۔ حوریہ کو اس بات سے اختلاف ہے' وہ فضا کو بہت سمجھاتی ہے کہ اس راستے پر نہ چلے' مگر فضا نہ مانی اور آخر کار ایک دن محبت کے نام پر بربادی اپنی قسمت میں لکھوا لیتی ہے اور اس بات کا پتا اس کی سوتیلی ماں جہاں آرا کو چل جاتا ہے اور وہ اپنے بھانجے نصیر سے اس کی شادی کرنے کا پروگرام بنالیتی ہے جبکہ فضا اس پر راضی نہیں ہوتی جوریہ کو جب پتا چلتا ہے تو وہ فضا کو سمجھاتی ہے اس امیرزادے کو کہے کہ وہ اس سے شادی کرے اور فضا اس کو مجبور کرتی ہے کہ یہ بات

وہ خود اس کو سمجھائے اور فضا کے مجبور کرنے پر جب وہ بابر سے ملتی ہے تو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوتا اسے بابر سے ہرگز نہیں ملنا چاہیے تھا اور اس بات پہ بھی افسوس ہوتا ہے کہ اس نے ایک غلط لڑکی کو دوست بنایا۔۔۔(اب آگے

تیرہویں قسط

وہ بالکل سامنے تھی عجیب صورت حال تھی وہ حازم کی بیوی نہیں حازم کی بیوہ کے روپ میں اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے لب باہم بھینچ لیے۔ وہ فوری طور پر نظریں ہٹا کر علی شاہ سے کھیلنے میں مصروف ہو گیا۔

سفید چادر میں خود کو ڈھانپے حوریہ سر جھکائے مومنہ کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

"علی بہت کیوٹ ہو گیا ہے۔ بڑا بڑا لگنے لگا ہے۔" عاظمہ بابر کی گود میں سوئے علی شاہ پر نگاہ ڈال کر بولیں۔

"عباد اسے بہت مس کرتے ہیں اور تمہیں بھی بڑا یاد کرتے رہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ تمہارے بنا کوٹھی بہت ویران ہو کر رہ گئی ہے۔" وہ حوریہ سے کہہ رہی تھیں۔ جواباً" وہ فقط ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

"ہاں بچے تو گھر کی رونق ہوتے ہیں۔" یاور علی تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔ "یہ ننھا وجود ہی ہے جس نے حوریہ کو سنبھال رکھا ہے ورنہ یہ تو بکھر چکی تھی۔ بہت بڑا دھچکا ہے اس کے لیے۔"

"ہاں بالکل... گیلانی ہاؤس میں بھی ہر شخص اس صدمے سے نہیں نکلا۔ اب تو علی شاہ ہی ہمارے لیے روشنی کی ایک کرن ہے۔ خاص کر عباد کے لیے۔" عاظمہ کی باتوں نے حوریہ کے دل میں چھپے خوف کو ابھارا... اس نے بے اختیار ان کی طرف دیکھا تھا مگر ان کی نظریں علی شاہ پر جمی تھیں۔

"حازم کی اچانک موت نے تو انہیں بالکل بستر پر لگا دیا ہے بولنا تک بھول گئے ہیں۔ اب علی شاہ کو دیکھ کر شاید خود کو کچھ سنبھال پائیں۔ یہ ننھا منھا وجود ان کے لیے بہت بڑا سہارا ہے۔" وہ غلط نہیں کہہ رہی تھیں مگر ان کے جملوں کے پیچھے جو مقصد چھپا تھا اس نے یاور علی ہاؤس کے ہر فرد کے دل کو دھڑکا یا تھا۔

"جج... جی ہاں میں پاپا سے ملنے آؤں گی اور اسے بھی ملوانے لے آؤں گی۔" حوریہ نے پہلی بار لب کشائی کی۔ مومنہ نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر نادیدہ سا خوف سمٹا ہوا تھا۔

"ملوانے کی کیا ضرورت ہے اب تو علی شاہ ہمارے ساتھ ہی رہے گا ہمیشہ کے لیے ہماری آنکھوں کے سامنے۔" بابر نے نہایت اطمینان سے کہتے ہوئے علی شاہ کو نرمی سے اٹھا کر عاظمہ کی گود میں ڈال دیا۔ "ہم آج اپنی امانت کو لینے آئے ہیں۔"

"بابر کا مطلب ہے کہ حوریہ اور علی شاہ دونوں اب ہمارے ساتھ ہی رہیں گے کوٹھی میں۔" عاظمہ جلدی سے وضاحت کرتے ہوئے بولیں۔ کمرے میں موجود سب پر لحہ بھر سناٹا سا چھا گیا۔

"یہ کیسے ممکن ہے آنٹی۔ میں بھلا اب کیسے رہ سکتی ہوں وہاں۔" حوریہ یکدم بیٹھی سے کھڑی ہو گئی۔ اور عاظمہ کی گود سے علی شاہ کو لینے کے لیے جھکی۔ عاظمہ نے قطعاً" کوئی احتجاجی رویہ اختیار نہیں کیا تھا۔ بے حد نرمی اور اپنائیت سے علی شاہ کو حوریہ کے بڑھے ہوئے ہاتھوں میں دے دیا جسے اس نے سینے سے لگا لیا۔

"بھئی ممکن کیوں نہیں ہے؟" ایک استفہامیہ نظر حوریہ پر ڈالی اور بولیں۔ "وہ تمہارا اپنا گھر ہے علی شاہ کا گھر ہے۔"

"حازم کے چلے جانے کے بعد میرے لیے وہاں رہنا کچھ ممکن نہیں ہو گا۔" حوریہ نے یہ کہتے ہوئے اچٹتی سی نظر یونہی بابر پر ڈالی جو اس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ نظریں ملانے پر اس کے لبوں پر کھیلنے والی اپنائیت آمیز مسکراہٹ یکدم مفقود ہو چکی تھی۔

"اگر تم سمجھتی ہو کہ وہ تمہارا گھر نہیں رہا۔ یا تمہارا وہاں رہنا ممکن نہیں رہا تو ٹھیک ہے۔ مگر علی شاہ کا اصل گھر وہی ہے وہ خون ہے ہمارا۔ اس سے تو تم انکار نہیں کر سکتیں۔"

بابر کا لہجہ سوکھے پتوں کی طرح خشک تھا اور چہرے پر ایسی اجنبیت تھی گویا وہ اپنائیت آمیز رویہ اور مسکراہٹ گزرے زمانے کی بات ہو کر رہ گئی ہو۔

حوریہ کا دل خوف سے سینے کی دیواروں میں پھیلا اور سکڑا تھا اس نے اذیت آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

پھر بے اختیار مومنہ کو دیکھا تھا۔ رقیہ بھابھی نے جلدی سے آنکھ کے اشارے سے اسے کچھ کہنے سے روک دیا تھا۔ جبکہ بابر' یاور علی سے مخاطب تھا۔

"سوری انکل۔۔۔ میری بات شاید آپ کو ناگوار گزر رہی ہو مگر اٹس ٹرو (یہ حقیقت ہے) علی شاہ یہاں نہیں رہ سکتا۔ اس کا اصل گھر اس کے باپ کا گھر ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے حوریہ پر ایک کٹیلی نگاہ پھینکی تھی۔

یاور علی تو جیسے اس دھچکے سے ڈھے سے گئے تھے۔ جس خوف کی آہٹیں وہ محسوس کر رہے تھے' وہ آج حقیقت بن کر ان کے سامنے پہاڑ کی طرح آکھڑا ہوا تھا۔ بابر کے یہ الفاظ سب کے اعصاب پر کوڑے کی طرح لگے تھے۔ عادل بھائی اور رقیہ بھابھی تو' یاور علی کو بے بسی سے دیکھ کر رہ گئے۔

مومنہ نے کھڑی حوریہ کو نرمی سے تھام کر اپنے ساتھ بٹھالیا اور عاظمہ کی طرف رخ کرتے ہوئے بولی۔

"ابھی یہ صدمہ بہت گہرا ہے اسے کچھ وقت لگے گا سنبھلنے میں۔" ان شاء اللہ وہ ضرور گیلانی ہاؤس میں آکر رہے گی۔ مگر ابھی نہیں۔۔۔"

"اصولاً" تو حازم کے انتقال کے بعد بھی اسے گیلانی ہاؤس میں ہی رہنا چاہیے تھا۔" بابر ان کی بات کاٹتے ہوئے رکھائی سے بولا۔

"وہاں اسے تمام تر سہولتیں حاصل ہیں۔ کوئی تکلیف نہیں ہے۔"

"مگر میں حازم کے بغیر اب گیلانی ہاؤس میں نہیں رہنا چاہتی۔" حوریہ مومنہ کا ہاتھ جھٹک کر یکدم غصے سے کھڑی ہو گئی۔ اور بابر کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"زبردستی یا جبر سے آپ مجھے قائل نہیں کر سکتے چونکہ میرا وہاں کسی سے کوئی شرعی رشتہ بھی نہیں ہے۔ میں کس رشتے سے وہاں رہوں۔"

جواباً" بابر دھیرے سے مسکرایا مگر اس کی مسکراہٹ میں ایک سفاکی اور بے رحمی جھلک رہی تھی۔ اب کے عاظمہ کے چہرے کے نقوش میں بھی تناؤ آگیا تھا' تاہم وہ چپ رہیں اور دھیرے دھیرے چائے کی چسکیاں بھرتی رہیں۔

"ہم میں سے کوئی بھی نہیں چاہے گا کہ حازم کا بچہ یہاں اس گھر میں پلے بڑھے۔ وہ لاوارث نہیں ہے۔ وہ گیلانی ہاؤس کا وارث ہے' کسی کمتر ادنیٰ درجے کے شخص کا خون نہیں۔۔۔ حازم گیلانی کا بیٹا ہے' ہم اسے یہاں نہیں چھوڑ سکتے۔" بابر صوفے سے کھڑا ہو گیا اور ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ پھنسا کر یاور علی سے مخاطب تھا پھر گردن ذرا سی موڑ کر دم سادھے کھڑی حوریہ پر ایک چبھتی نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔

"کل میں گاڑی بھیج دوں گا۔ آپ لوگ ہماری امانت آئی مین علی شاہ کو بھیج دیجیے گا۔" پھر جھک کر یاور علی سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔ "اوکے انکل!" پھر دھیمی مسکراہٹ کے ہمراہ بولا "اگر حوریہ بھی آنا چاہے تو ضرور آئے موسٹ ویلکم۔" یاور علی کا کمزور سا ہاتھ پکڑ کر چھوڑتے ہوئے سیدھا ہوا اور دروازے کی جانب بڑھ گیا تھا عاظمہ بھی اس کے پیچھے نکل گئیں۔

بابر اور عاظمہ کے جانے کے بعد یاور علی کے چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں ایک مضمحل اور کشیدہ سی خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ سب اپنی اپنی جگہ اس صورت حال پر پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ سکوت اور اعصاب شکن خاموشی کے یہ چند لمحات دھیرے دھیرے اور سسک سسک کر گزر رہے تھے کہ حوریہ یکدم اپنی جگہ سے ہلی۔

"یہ میرا بچہ ہے میں اس کی ماں ہوں۔ اور بچہ ماں کے پاس ہی رہتا ہے۔ اسے کوئی مجھ سے جدا نہیں کر سکتا۔ آپ سب لوگ سن لیں میں کسی کی دھونس دھمکی میں نہیں آؤں گی۔ میں گیلانی ہاؤس ہرگز نہیں جاؤں گی۔" وہ ٹوٹے ہوئے کانچ کی طرح چیخ رہی تھی علی شاہ کو سینے سے لگا کر یکدم پلٹی اور کمرے سے نکل گئی۔

اپنے کمرے تک کا فاصلہ طے کرتے کرتے اس کا ضبط گویا جواب دے گیا تھا اس نے علی شاہ کو یوں سینے سے لگا لیا گویا اپنے وجود کے اندر چھپا لینا چاہتی ہو۔

☼ ☼ ☼

"مجھے تو خود سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ۔ ساری سہولتیں چھوڑ کر ایک چھوٹے سے گھر میں رہنے کو کیوں ترجیح دے رہی ہے۔ یہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔" عاظمہ خوش نما ڈریسنگ کے آئینے کے سامنے کھڑی اپنے بالوں کو برش سے سیٹ کرتے ہوئے بولیں۔ لائبہ ان کے جہازی سائز بیڈ پر بیٹھی تھی اور فیشن میگزین کے ورق الٹ پلٹ کر رہی تھی۔

"تو خالہ جان آپ چاہتی ہیں کہ وہ یہاں آ کر رہے۔ دفع کریں جب حازم ہی نہیں رہا تو اسے رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ بے زاری سے میگزین ایک طرف پھینک کر بولی۔ ناگواری اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

"حازم نہیں تو کیا ہوا حازم کا بچہ تو ہے نا' ایسے کیسے رہنے دیں۔"

"کم آن خالہ! وہ بچہ حوریہ کا ہے یہاں بھلا اس کی لک آفٹر (دیکھ بھال) کون کرے گا۔ کس کو فرصت ہے یہاں؟ آپ تو آل ریڈی عباد انکل کی وجہ سے اپ سیٹ اور بیا ؤنڈ ہو کر رہ گئی ہیں۔"

وہ بیڈ سے اتر کر عاظمہ کے نزدیک آئی اور ان کے بالوں کے گچھوں کو انگلیوں سے سہلاتے ہوئے بولی۔ "میری مانیں تو اصرار مت کریں اس کے یہاں آنے پر۔"

"بابر نہیں مانتا۔ اسے گوارا نہیں ہے۔"

"بابر... بابر کو بھلا کیا پڑی یہ دردسری پالنے کی۔" وہ حقیقتاً" متعجب ہوئی تھی۔

"تم کچھ زیادہ ہی یہاں نہیں پائے جانے لگی ہو۔" بابر کی آواز پشت سے ابھری تھی... اس کا آنا بڑا غیر متوقع ثابت ہوا تھا لائبہ کے لیے۔ وہ سٹپٹا کر پلٹی۔

وہ کسی جوس کا ٹن تھامے اس کا بڑا سا گھونٹ بھرتا ہوا اندر آیا اور دیوار گیر الماری سے ٹیک لگا کر لائبہ کو دیکھا بلکہ گھورا۔

"نہ صرف پائی جاتی ہو بلکہ ہمارے پرسنل معاملے میں بھی دخل در معقولات کی مرتکب بھی ہوتی رہتی ہو۔" یہ کہہ کر اس نے جوس کا ایک اور گھونٹ بھرا پھر ہلکے سے ہنسا۔ "آئی مین کہ انٹرفیئر کرتی دکھائی دیتی ہو۔" اس نے اپنے ثقیل جملے کی خود ہی وضاحت دینا ضروری سمجھا۔

"ایکچوئلی!" لائبہ جھینپ سی گئی۔ "خالہ اتنی ڈسٹرب ہیں نا۔ میں بھی انہیں یہی کہہ رہی تھی کہ اتنا بڑا صدمہ ہے سنبھلنے میں ٹائم تو لگے گا ہی نا۔ اسے کمپوز (پرسکون) ہونے دیں۔ آجائے گی وہ بھی۔"

"مائنڈ اٹ۔" وہ یکدم اس کی بات کاٹتے ہوئے اس کے نزدیک آیا۔ پھر خالی ٹن اس کے ہاتھ میں قدرے برہمی سے تھماتے ہوئے بولا۔

"آئندہ تم اس میٹر میں انٹرفیئر نہیں کرو گی۔ یہ ہمارا بہت زیادہ پرسنل معاملہ ہے' بلکہ میرا۔" اس نے انگوٹھے سے اپنی طرف اشارہ کیا۔

یہ کھلم کھلا اہانت تھی۔ لائبہ کا چہرہ پل بھر کو متغیر ہوا تھا۔ وہ سلگتی لکڑی کی طرح چٹخی۔

"یو مین میں غیر ہوں۔ اس گھر سے میرا کوئی لنک نہیں... کوئی تعلق نہیں سن رہی ہیں خالہ آپ!" وہ تنک کر عاظمہ کی طرف پلٹی۔

"بابر کا بی ہیویر دیکھ رہی ہیں آپ۔" وہ بری طرح ہرٹ دکھائی دے رہی تھی۔ "یہ میری انسلٹ کر رہا ہے۔"

مائی فٹ۔" ادھر بابر کا اطمینان قابل دید تھا۔
"ایکسکیوزمی۔ میں نے تمہاری کوئی انسلٹ نہیں کی۔ بس وارن کر رہا ہوں۔" وہ ذرا سا رکا۔ اس کے لفظ وارن (تنبیہہ) پر لائبہ یکدم ستے سے اکھڑ گئی۔ عاظمہ نے بھی شاکی نظروں سے بابر کو گھورا۔
"تم دونوں کیوں لڑنے لگ گئے ہو بھئی۔ چلو ختم کرو اس ٹاپک کو۔ یونہی ایک بات نکلی تو اس نے ذکر چھیڑ دیا۔"
عاظمہ کہتیں لائبہ کو بازو سے پکڑ کر صوفے کی طرف لے آئیں۔
"بیٹھو یہاں۔ اس لڑکے کی باتوں کو دل پر مت لیا کرو۔ اس کی تو یونہی تنگ کرنے کی عادت ہے۔"
"نہیں خالہ اب میں جاؤں گی۔" وہ سلگتی نظر بابر پر ڈال کر بیڈ سے اپنا پرس اٹھا کر کندھے پر ڈالنے لگی۔ "اتنی عزت افزائی بہت ہے۔" بابر بے نیاز بنا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا اس کا انداز اسے بری طرح کھلا۔ وہ یکدم پلٹی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔
"ارے لائبہ بات تو سنو۔" عاظمہ اس کے پیچھے لپکیں۔ "اس کی باتوں کا برا کیوں منا رہی ہو۔ کم آن۔۔۔ ارے۔۔۔" مگر لائبہ چلی گئی۔ عاظمہ پلٹ کر بابر کو خفگی سے دیکھنے لگیں۔
"کر دیا نا اسے خفا اور اب کھڑے ہو اتنا نہیں کہ اسے منا ہی لو۔"
"منالوں۔ کس خوشی میں منالوں۔" وہ پلٹا اور استہزائیہ آمیز انداز میں بھوؤں کو جنبش دی۔ "میں نے ایسا کیا کیا ہے۔" پھر سر جھٹک کر بولا۔ "اچھا ہی ہوا وہ چلی گئی۔"
"بابر میں دیکھ رہی ہوں تم آج کل لائبہ کے ساتھ مس بی ہیو کرنے لگے ہو۔"
"تو آج سے پہلے اسے میں نے کب سر پر بٹھایا ہے۔" وہ ہنسا اس کا انداز سراسر تضحیک آمیز تھا۔ عاظمہ کے ہونٹ میکانکی انداز میں باہم جڑ گئے۔ وہ پہلو بدل کر رہ گئیں۔
"آپ بھی اس سے ہمارے پرسنل افیئرڈسکس مت کیا کریں ماما، خاص کر حوریہ اور علی شاہ کا معاملہ۔" بابر صوفے پر بیٹھتے ہوئے ناگواری سے بولا اور ریموٹ اٹھا کر چینل ادھر ادھر کرنے لگا۔
"وہ غیر نہیں ہے بابر۔ وہ آتی رہتی ہے ہمارے گھر میں۔ اس سے کوئی بات چھپی ہوئی تو نہیں ہے۔ خیر چھوڑو تم آج آفس نہیں گئے۔"
"آفس سے ہی آرہا ہوں۔ سر میں بہت درد تھا سو جلدی آگیا۔"
"خیریت۔" عاظمہ نے چونک کر اس کا چہرہ دیکھا۔
"ہوں شاید رات ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی۔" اس نے گہری سانس کھینچی اور ریموٹ ایک طرف ڈال دیا۔ "یہ بتایئے پاپا کی طبیعت کیسی ہے۔"
"میں کمرے میں گئی تو سو رہے تھے۔" وہ بیڈ سے میگزین اٹھا کر ورق گردانی کرنے لگیں۔ "کل چیک اپ بھی ہے اور تمہاری بھی ہے۔" پھر بابر کو اٹھتے دیکھ کر جلدی سے بولیں۔
"جا رہے ہو کیا۔۔۔ میری گاڑی کچھ پرابلم کر رہی ہے تم مجھے بیگم سیٹھی کے یہاں ڈراپ کر سکو گے۔" بابر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے رک کر ان کی طرف گھوما۔
"بس آدھے گھنٹے میں تیار ہو جاتی ہوں۔"
"آپ میری گاڑی لے جائیں۔ یوں بھی میں ابھی گھر پر ہی ہوں۔ کہیں نکلنے کا موڈ نہیں۔" اس نے جیب سے گاڑی کی چابی نکال کر ان کی طرف اچھال دی اور کمرے سے نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

مومنہ کو اپنی رگوں میں صدیوں کی تھکن اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ ایسے جیسے صدیاں بن کر رہ گئے تھے وقت

سسک سسک کر سرکتا جا رہا تھا۔

"ابا جی۔ ہمارا اور ان کا کیا مقابلہ۔ وہ حازم کا بچہ ہے وہ اسے لے کر ہی رہیں گے۔ حوریہ اگر ضد کرے گی تو حماقت ہی کرے گی۔" عادل بھائی کمرے میں ٹہلتے ہوئے افسردگی سے کہہ رہے تھے۔ مایوسی' دل گرفتگی ان کے لہجے سے ہی نہیں ان کے انگ انگ سے ظاہر ہو رہی تھی۔

"میں نہیں چاہتا کہ مومنہ کی طرح وہ بھی ساری عمر اپنے بچے کا منہ دیکھنے کو ترستی رہے۔ اسے آپ سمجھائیں۔ وہ گیلانی ہاؤس میں جا کر رہے۔ اپنے بچے کے ساتھ۔" وہ یاور علی اور مومنہ کے نزدیک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔ ان کے لہجے میں بھی ایک اضطراب تھا بہت کچھ کرنے کو خواہش اور کچھ نہ کرسکنے کی بے بسی چیخ رہی تھی۔

"وہ جو کہہ رہے تھے اتنا ہی ان کے بس میں تھا۔ وہ گیلانی ہاؤس والوں کے اثر رسوخ' دولت کے آگے خود کو کمتر محسوس کرکے اپنی شکست کو تسلیم کرلینے میں ہی عافیت جان رہے تھے۔

"اسے سمجھاؤ مومنہ وہ ضد نہ کرے' ہمارا اور ان کا کیا مقابلہ!" مومنہ نے ایک ملول سی سانس بھری اور مجروح انداز میں ہنس دی۔

"ہاں ان کا اور ہمارا بھلا کیا مقابلہ۔"

"یہاں تو پھر بھی معاملہ کچھ بہتر ہے۔" عادل بھائی کرسی سے اٹھ کر ایک بار پھر اضطراری انداز میں ٹہلنے لگے۔ "وہ سب اسے محبت سے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں عزت کے ساتھ اسے اپنی بہو بنا کر رکھیں گے۔ کچھ وقت گزر جائے گا تو سب معمول پر آجائے گا۔ پھر حوریہ بھلے سے یہاں آجائے۔"

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے حالات مختلف ہیں اب۔ وہ بچے کے ساتھ حوریہ کو بھی اسی عزت سے رکھنا چاہتے ہیں اور پھر عباد بھی حازم کی کمی محسوس کر رہا ہے یہ فطری بات ہے کہ اپنے پوتے کو دیکھنا چاہتا ہے وہ۔" یاور علی سر اثبات میں ہلاتے ہوئے بولے پھر مومنہ کی طرف دیکھا جو بالکل گم صم بیٹھی تھی۔

بہت سی پریشان کن' دل گرفتہ سوچیں اسے جکڑے ہوئے تھیں۔ حوریہ کے آنسو' اس کا بلکنا اس کے دل پر آگ بن کر تپک رہا تھا۔ بابر کا اکھڑا اکھڑا لہجہ اور انداز انہیں بے حد پریشان کر رہا تھا۔ انہیں لگ رہا تھا جیسے وہ ایک بار پھر ماضی میں سفر کرنے لگی ہوں۔

"ہاں مومنہ۔ تم ہی اسے سمجھا سکتی ہو کہ وہ یہ ضد چھوڑ دے۔"

"یہ ضد نہیں ہے اس کی ابا جی۔" مومنہ نے ایک ہلکی سانس بھر کر یاور علی کی طرف دیکھا۔ "وہ وہاں حازم کے بغیر خود کو تنہا اکیلا محسوس کرے گی اور اس کا خوف بے جا نہیں ہے وہاں کون ہے اس کا اپنا۔" پھر افسردگی سے بولیں۔

"شوہر کی چھت سر سے اٹھ جائے تو عورت اپنے آپ کو بہت غیر محفوظ محسوس کرتی ہے۔ اسے وہاں بھیج دینا سراسر ظلم تو ہے' مگر ہمیں یہ ظلم اس پر کرنا پڑے گا' اسے ایک بڑے نقصان سے بچانے کے لیے۔ اس آگ میں اسے دھکیلنا پڑے گا' کسی بڑے جہنم سے بچانے کے لیے۔" پھر مجروح انداز میں یاور علی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "اس لیے کہ ہمارے پاس نہ اثر ورسوخ ہے نہ طاقت' نہ دولت۔"

"تم تو یوں بکھر کر بات مت کرو مومنہ۔" رقیہ بھابھی جیسے تڑپ کر بولیں۔ "ایک تمہارا ہی آسرا ہے' حوریہ تمہاری بات سنتی ہے' سمجھتی ہے تم ہی اسے قائل کرسکتی ہو۔"

مومنہ نے لب بھینچ کر رقیہ بھابھی کی طرف دیکھا۔ جو دوپٹے کے پلو سے آنکھیں رگڑ رہی تھیں۔ افسردہ سی کرسی سے اٹھ گئیں۔

"کسی کس کا ماتم کروں۔ حوریہ کے اجڑنے کا' حازم کے بچھڑنے کا' ماضی کی اذیتوں کا' حال کی پریشانیوں کا... علی شاہ کے کھو جانے کا چھن جانے کا۔ میں بھی خود کو بہت بے بس محسوس کر رہی ہوں ان لمحات میں جتنا سوچتی ہوں ایک ہی راہ دکھائی دیتی ہے کہ' حوریہ کو فی الوقت گیلانی ہاؤس ہی بھیج دیا جائے۔ اسی میں عافیت ہے۔" پھر عادل بھائی کے کندھے پر تسلی آمیز دباؤ ڈالتے ہوئے بولی۔ "آپ فکر نہ کریں۔ حوریہ مان جائے گی۔ میں اسے کسی طور بھی علی شاہ سے جدا نہیں ہونے دوں گی۔ اس لیے کہ عورت ہر بڑے سے بڑا دکھ سہہ لے گی۔ ہر تکلیف جان پر جھیل لے گی' مگر اولاد کی جدائی کا پہاڑ جیسا غم وہ نہیں اٹھا سکے گی۔"

اس کا لہجہ مغموم تھا۔ عادل بھائی نے اس کا ہاتھ تھام کر تشکر آمیز انداز میں ہلکے سے دبایا۔

کتنی دیر مضمحل سے فضا ان دونوں کے مابین چکراتی رہی۔ مومنہ کی آنکھوں کے گوشوں میں پانی کی جھلملاہٹیں آہستہ آہستہ واضح ہو رہی تھیں۔ اس نے سر جھکا لیا اور دوسرے پل کمرے سے باہر نکل گئی۔

✡ ✡ ✡

حوریہ تو کمرے میں بند ہو کر رہ گئی تھی۔

"دیکھو حوریہ... اس ضد کا کوئی فائدہ نہیں الٹا نقصان ہی ہے۔" مومنہ دودھ کا گلاس اس کے سرہانے رکھ کر اس کے نزدیک ہی بیٹھ گئی۔

وہ بیڈ پر چت لیٹی کھڑکی کے لٹکتے ملتے پردے کو تک رہی تھی' جو پنکھے کی ہوا سے مسلسل مضطرب تھا اس کے دل کی طرح۔ اسے تو کچھ ایسا ہی لگ رہا تھا کہ اس کا دل بھی یہ پردہ ہو جسے ایک پل قرار نہ ہو۔ سکون نہ ہو۔ وہ علی شاہ کو خود سے چمٹائے ہوئے تھی۔

کون سوچ سکتا تھا اس معصوم بچے کے سر سے چھت آن واحد میں چھن جائے گی۔ وہ جس کی گود میں ہمکنا چاہ رہا تھا وہ گود ہی نہ رہے گی... اس کی ہنستی مسکراتی زندگی آندھیوں کی نذر ہو جائے گی۔

تم نے مجھے کس موڑ پر لا کھڑا کر دیا ہے حازم۔ اتنا اکیلا کر دیا ہے مجھے۔ اس نے جلتی آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

"چلو اٹھو۔ یہ دودھ پی لو۔" مومنہ کا مہربان ہاتھ اس کے بازو کو دھیرے دھیرے سہلانے لگا۔

"پھپھو مجھے آج احساس ہو رہا ہے کہ آپ سب کے ہوتے ہوئے بھی میں کتنی کمزور' کتنی تنہا اور بے اختیار ہوں۔" اس کی آواز میں جیسے درد ہمک رہا تھا۔ اس نے اپنی سرخ ہوتیں آنکھیں کھول کر مومنہ کو دیکھا۔

"ایک حازم کے چلے جانے سے میں اتنی کمزور' اتنی اکیلی ہو گئی ہوں اس قدر بے اختیار۔" وہ مجروح انداز میں ہنس دی۔ "اس کا مطلب تو یہی ہے کہ بس وہی میرا سچا رشتہ تھا جس کے ہونے کا احساس تھا۔ جس کی قربت میں میں کس قدر نڈر تھی با اختیار لگتی تھی۔ خود کو محفوظ محسوس کرتی تھی۔"

"ایسا نہیں ہے حوریہ۔" مومنہ نے تڑپ کر اسے دیکھا۔ "عادل بھائی۔ ابا جی سب تم سے بے حد محبت کرتے ہیں مگر حالات اور وقت کبھی کبھی مضبوط لوگوں کو بھی کمزور بنا دیتا ہے۔"

"کیوں؟ کیوں؟ کمزور بن رہے ہیں آپ سب لوگ گیلانی ہاؤس والوں کے سامنے۔ کیوں بے بس سمجھ رہے ہو خود کو؟" وہ چیخ گئی اور زخمی نظروں سے مومنہ کو دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"میں ماں ہوں علی شاہ کی۔ میں کیوں اپنے اور اپنے بچے کے لیے فیصلہ نہیں کر سکتی۔ کیا مجھے عمر بھر گیلانی خاندان کے دست نگر رہنا پڑے گا۔"

"تم جذباتی ہو رہی ہو۔ ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچو۔ ابھی حازم کی جدائی کا زخم ہر دل پر تازہ ہے۔ اسے بھرنے میں کچھ وقت لگے گا۔ ابھی سب کی توجہ کا مرکز علی شاہ ہے۔"

"تو کیا وہ چھین لیں گے میرا بچہ۔" وہ تڑپ کر مومنہ کی بات کاٹ گئی۔
"خدا نہ کرے!" مومنہ نے بے اختیار علی شاہ کی طرف دیکھا پھر آبدیدہ سی حوریہ کی کمر کے گرد اپنا بازو حمائل کر دیا۔
"پھپھو۔" وہ ان کے کندھے سے لگ گئی۔ "میں وہاں نہیں رہ سکتی۔ آپ سب کیوں مجھے اس عذاب میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔" اس کے تصور میں بابر کا ہیولا ابھرنے لگا۔ اس کی رگ رگ خوف سے سکڑنے لگی۔
"میں جانتی ہوں۔ تمہارا وہاں حازم کے بنا رہنا بہت مشکل ہے مگر یہ اذیت کا سفر تمہیں طے کرنا پڑے گا۔ چند سالوں کے لیے تو ضرور... یاد رکھو حوریہ' یہ اذیت اس اذیت سے کم ہوگی' جو تم علی شاہ کو کھو دینے کی صورت میں پاؤ گی۔"
"پھپھو۔" اسے اپنے اعصاب جیسے ٹھٹھرتے محسوس ہونے لگے۔ اس نے جلدی سے علی شاہ کو اپنی گود میں بھر لیا۔
"ہاں حوریہ... وہاں رہ کر علی شاہ تمہارے پاس رہے گا۔ تمہاری نظروں کے سامنے... تمہاری گود میں... تم ہر دکھ ہر غم سہ سکو گی۔ مگر اسے کھو کر تم روز جیو گی روز مرو گی... بلکہ جی ہی نہیں پاؤ گی۔"
یہ کہتے ہوئے مومنہ کی شہد رنگ آنکھوں میں دھواں سا بھرنے لگا۔ حازم کا ننھا منھا سراپا اس کی آنکھوں کی سطح پر جھکنے لگا۔ پھر اس نے آہستگی سے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو کھول کر دیکھا اور حوریہ کے سامنے کرتے ہوئے بولیں۔
"دیکھو ان ہاتھوں کو... کتنے خالی ہیں اور اس دل کو دیکھو جو بائیس سالوں سے زندہ تھا' مگر اس میں زندگی کی رمق نہ تھی۔ عباد کو کھو کر میں اتنا نہیں تڑپی جتنا حازم سے بچھڑ کر روز جیتی رہی روز مرتی رہی۔" اس کا لہجہ اتنا بکھرا ہوا تھا کہ حوریہ کے دل پر ٹوٹے کانچ کی طرح خراشیں ڈال گیا اس نے مجروح پرندے کی طرح تڑپ کر مومنہ کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں جکڑ کر اپنے لبوں سے لگا لیے... باوجود ضبط کے کئی قطرے اس کی لبالب بھری آنکھوں سے نکلنے لگے اور مومنہ کی ہتھیلیوں پر گرم گرم سیال کی طرح گرنے لگے۔
"میں آپ جتنی مضبوط نہیں ہوں پھپھو۔ میں علی شاہ کے بنا نہیں رہ پاؤں گی۔" وہ یکدم مومنہ کے کھلے بازوؤں میں سما کر بلکنے لگی۔
"تو بس وعدہ کرو یہ ضد توڑ دو گی۔ اور گیلانی ہاؤس جاؤ گی۔ علی شاہ کی خاطر اور خود اپنی خاطر بھی!" وہ اس کے بال سہلانے لگی۔ اس کا سر تھپکنے لگی۔ حوریہ چپ چاپ روتی رہی۔
"وہاں عباد ہے نا... اس نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ وہ تم پر کوئی آنچ نہ آنے دے گا۔ اس نے وعدہ نہیں توڑا بس تقدیر کے لکھے کو نہیں مٹا سکا۔ بے بس تھا ہاں مگر اب وہ تمہارا خیال ضرور رکھے گا۔"
"وہ کیا کر سکتے ہیں' وہ تو خود مٹی کے ڈھیر کی طرح پڑے ہیں بستر پر۔ اس کوٹھی میں بابر کا ہولڈ (قبضہ) ہے اس کی پاور ہے۔" وہ تکلیف کے احساس سے بولی۔
"بابر بھی علی شاہ کا چچا ہے کوئی دشمن نہیں ہے' وہ حازم کا بھائی ہے وہ نفرت تو نہیں کرتا۔ تم نگیٹو سوچو گی تو تمہیں ہر بات بہت بری لگے گی۔ اور پھر چند عرصے کی تو بات ہے۔ بابر کی شادی ہو جائے گی۔ اس کے اپنے بچے ہو جائیں گے۔ علی شاہ سے اس کی توجہ ہٹ جائے گی۔ آہستہ آہستہ سب نارمل ہو جائے گا اور تم آتی جاتی تو رہو گی نا۔ تمہیں کوئی وہاں باندھ کر تو نہیں رکھ رہا ہے۔ چلو شاباش اب رونا بند کرو اور ایک بار مسکرا کر دکھا دو۔ یہ بتا دو کہ تم ایک بہادر لڑکی ہو۔ اپنے رب کی رضا پر راضی رہنے والی ایک صابر لڑکی۔"
مومنہ اس کا سر اٹھا کر پیار سے اپنی انگلیوں سے اس کا چہرہ پونچھنے لگی۔ حوریہ پلکوں پر گرتے موتیوں کے ہمراہ

مسکرانے کی کوشش کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

کون کہتا ہے نفرتوں میں درد ہے محسن
کچھ محبتیں بھی بڑی اذیت ناک ہوتی ہیں

خوشیاں ہمارے اندر نہ ہوں تو پھر کہیں بھی نہیں ہوتیں۔ دنیا کی کوئی طاقت دل کو خوش نہیں کر سکتی۔ وہ چارپائی پر پیر لٹکائے سوچوں کے تانے بانے بن رہی تھی۔ نصیر 'بتول آپا اور بچوں کو لے کر آئس کریم کھلانے گیا تھا اس سے بھی بے حد اصرار کیا تھا مگر وہ سر درد کا بہانہ بنا گئی تھی۔

اسے گاڑی کا سوچ کر جتنی خوشی ہوئی تھی گاڑی دیکھ کر اتنی ہی بے زاری اور بددلی ہوئی تھی۔ اس کی سوچوں میں کبھی کبھی اتنی آگ بھر جاتی کہ دل چاہتا اسی آگ سے ہر شے کو بھسم کر دے۔

اس کا خیال تھا چھوٹی چھوٹی خواہشوں کی تکمیل کے لیے اتنا انتظار کرنا پڑتا ہے شاید عمر ہی بیت جائے تب بھی وہ سچی خوشیاں نہیں پا سکے گی۔ ساری زندگی بس خوابوں کی نذر ہو جاتی ہے۔

وہ آج بھی بیٹھی کڑھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ جبکہ وہ یہ بھی اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ جس گھر سے آئی تھی اس سے بہت بہتر زندگی اب گزار رہی تھی۔ اچھا کھانا 'پہننا' اوڑھنا حتی کہ عزت 'آرام' راحت 'چھوٹی چھوٹی وہ تمام سہولیات جو وہ کبھی میکے میں نہیں پا سکی تھی وہ سب اسے میسر تھیں۔

مگر مسئلہ تو خوابوں کا تھا جو اس گھر کی چار دیواری سے بہت بلند تھے۔ اتنے بلند کہ ہر دیوار پست دکھائی دیتی تھی اور یہ بات تو اب نصیر بھی جان گیا تھا کہ اسے فقط اس لڑکے کی بے وفائی کا غم نہیں تھا ان آسائش بھری زندگی کے چھوٹ جانے کا غم بھی تھا۔ ان خوابوں کے بکھرنے ٹوٹنے پر ماتم چل رہا تھا۔ اور اس کے پاس کوئی جادوئی چھڑی نہیں تھی کہ وہ اسے گھماتا اور پرتعیش محل آن واحد میں تعمیر ہو جاتا۔

وہ تو ایک ایک اینٹ جوڑ کر مضبوط گھر بنانے والا ایک قانع اور شکر گزار قسم کا آدمی تھا۔ اس کا حصول فقط پیسا نہیں بلکہ سکون اور آسودگی حاصل کرنے کے لیے حلال روزی کمانا تھا۔ اور وہ کما رہا تھا۔ مطمئن تھا۔ اس کے خیال میں وہ اپنے گھر والوں کو ایک اچھی اور بہتر زندگی دے رہا تھا۔

اچانک ہلکا شور اٹھا وہ اپنے خیالات سے باہر آئی۔ وہ سب آ گئے تھے چیزوں سے لدے پھندے۔ نصیر کے ہاتھ میں بھی ڈھیر سارے شاپرز تھے۔ وہ سلیپر پیروں میں پھنسا کر مسہری سے اٹھ گئی۔

"آنٹی اتنا مزا آیا۔ چچی آپ بھی آتی نا ہمارے ساتھ۔" دونوں بچے شاپرز مسہری پر ڈال کر اس سے باتیں کرنے لگے۔

"کچھ کھانے پینے کا سامان بھی لایا ہوں۔ فٹافٹ کھانا لگاؤ۔ بہت زوروں کی بھوک لگی ہے میں ذرا ہاتھ منہ دھو کر آتا ہوں۔" نصیر شاپر اس کے ہاتھ میں پکڑاتا ہوا بولا۔ وہ سب اٹھائے کچن میں چلی آئی۔

"بچوں کے تو فرمائشی پروگرام ہی ختم نہیں ہو رہے تھے۔ کہہ رہے تھے ہوٹل میں ہی کھانا کھائیں گے 'پر نصیر نے منع کر دیا۔" بتول آپا چادر اتارتے ہوئے مسہری کی طرف بڑھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"کیوں؟" وہ دستر بچھاتے ہوئے بے ارادہ پوچھ بیٹھی۔

"نصیر نے کہا فضا گھر پر بھوکی بیٹھی ہے۔ ہوٹل میں کھانے میں دیر ہو جائے گی۔"

"اب ایسا بھی نہیں ہے 'مجھے اتنی بھوک بھی نہیں تھی۔"

"پر اسے تو خیال رہتا ہے نا تمہارا۔" وہ مسکرائیں "تم بھی آ جاتیں تو وہ زیادہ خوش ہوتا۔" بتول آپا کے لہجے

میں نہ حسد تھا نہ بغض۔ نہ طنز نہ غصہ' بلکہ وہ گاہے بگاہے اس کے دل میں نصیر کے لیے کشادگی پیدا کرنے کی کوشش کرتی نظر آتیں۔ وہ جہاں آرا سے قطعی مختلف ثابت ہوئی تھیں۔ فضا کو بھی کبھی تو یقین ہی نہیں آتا کہ وہ جہاں آرا کی سگی بہن ہے۔

"چائے کا پانی بھی رکھ لینا۔ کھانا کھاتے ہی چائے کی طلب ہوتی ہے۔"

"جی رکھ دیا ہے۔" وہ دسترلگا کر برتن رکھنے لگی۔ پھر کھانے کے لوازمات پلیٹوں میں نکالتے ہوئے بولی۔

"یہ تو بہت زیادہ ہیں خالہ۔ اتنا بہت سالانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"آئے بس میں نے بھی اس سے یہی کہا۔ اتنا سارا کون کھائے گا۔ تو کہنے لگا کہ اماں فضا کے میکے میں بھیج دینا تھوڑا بہت جہاں آرا خالہ کو۔" بتول آپا سادگی سے کہہ رہی تھیں۔ فضا نے بے اختیار لب دانتوں میں دبا کر نظریں اٹھائیں۔

"اچھا ہے نا خالہ کے کلیجے میں تھوڑی سی ٹھنڈ پڑ جائے گی۔" نصیر تولیے سے منہ پونچھتا ہوا اسی طرف آیا اور اماں کی بات پر جواباً ہنستے ہوئے بولا پھر فضا کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی اور تولیا اس طرف اچھال دیا۔

"آخر گاڑی کی خبر بھی تو دینی ہے نا۔"

فضا یکدم نظریں چرا کر لوازمات سے بھری پلیٹیں' دستر پر سجانے لگی۔

"تم بھی آجاؤ اب بس۔" بتول آپا اسے پھر کچن کی راہ لیتے دیکھ کر بولیں۔ وہ رک گئی۔ پھر آکر دستر پر بیٹھ گئی۔ گرما گرم سیخ کباب۔ ملائی بوٹی۔ تکے۔ پراٹھے سب دیکھ کر اس کی بھوک خود بخود چمک اٹھی تھی۔

رات وہ کمرے میں آئی تو نصیر اس سے کہنے لگا۔

"کل ہفتہ ہے میں دکان جلدی بند کر کے گھر آجاؤں گا۔ تمہیں شاپنگ پر لے جاؤں گا تم اپنے لیے کچھ کپڑے وپڑے خرید لینا۔ مجھے تو خواتین کے فیشن کا زیادہ پتا نہیں ہے۔"

وہ آئینے میں ابھرتے اس کے عکس کو دیکھ کر رہ گئی۔ وہ چلتا ہوا اس کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا۔ مگر چھونے کی جسارت نہ کر پایا۔ یونہی دیوار پر ایک ہاتھ ٹکا کر اسے دیکھنے لگا۔

"خالہ نے تو تمہیں ڈھنگ کا ایک جوڑا بھی نہیں دیا۔ اور اماں نے بھی لگتا ہے اپنی عمر کے حساب سے بری کے کپڑے بنالیے ہیں۔ تم چلنا میرے ساتھ اور اپنی پسند کے خرید لینا جتنے دل چاہیں۔" اس کے لہجے میں پیار ہی پیار تھا جیسے وہ ساری دنیا اس کے قدموں میں ڈھیر کر دینا چاہتا ہو۔

"مگر کپڑے تو بہت ہیں میرے پاس۔" وہ بال لپیٹتے ہوئے بولی اور اس کی نظروں سے نظریں چرانے لگی۔

"خالہ بتایا کرتی تھیں بہت فضول خرچ ہو تم اور کپڑوں اور جیولری کا بہت شوق تھا تمہیں۔"

"وقت وقت کی بات ہے۔" وہ آہستگی سے کہہ کر ڈریسنگ کا دراز کھول کر کلپ ڈھونڈنے لگی۔ نصیر نے اس کی طرف دیکھا پھر ایک ہنکارا بھر کر بیڈ پر جا کر بیٹھ گیا اور اپنا موبائل اٹھا کر اس میں مصروف ہو گیا۔

فضا عجیب سے احساس میں گھر گئی اندر ہی اندر جیسے ٹوٹنے لگی۔ وہ دراز بند کر کے بالوں کو یونہی لپیٹ کر بیڈ کے پاس رکھی کرسی پر آکر بیٹھ گئی۔ اس نے ذرا سا چونک کر اسے دیکھا۔ غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔

"میں اپنے خوابوں اپنی نادانیوں کی سزا بھگتنا چاہتی ہوں نصیر صاحب' میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا یہ عام معافی میری روح پر رکھے بوجھ کو بڑھا دیتی ہے۔ یہ مہربانیاں نہ کیا کریں' پلیز میرے ساتھ۔ میں اس قابل نہیں ہوں۔" اس کے لہجے میں شکوہ ہی نہیں ایک کرب بھی جھلک رہا تھا۔

"کیسی ہمدردی۔ کیسی مہربانی۔" وہ متعجب ہوا اور اس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔ وہ پلکیں جھکا گئی اور ہلکی سانس بھرتے ہوئے بولی۔

"مجھے خوش کرنے کے جتن نہ کریں۔"
"کیسی عجیب بات کرتی ہو تم۔ تم بیوی ہو میری تمہیں خوش نہیں کروں گا تو کسے کروں گا۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ پر بٹھانے لگا۔
"دیکھو فضا! میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ عورت اور مرد ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں اور لباس فقط سجانے کو تو نہیں ہوتا' بلکہ ایک دوسرے کے عیب بھی ڈھانپنے کے لیے ہوتا ہے۔" وہ اپنائیت اور نرمی سے کہہ رہا تھا جو اس کی ذات کا خاصہ تھا فضا دم بخود رہ گئی۔
"میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں تمہارے ماضی میں نہیں جھانکتا۔ حال کو خوش گوار بنانا چاہتا ہوں تو پھر تم بھی سب کچھ بھول کر اسی زندگی کو قبول کر لو۔ بے شک مجھ سے محبت نہ کرو۔ مگر اس گھر میں سب کو اپنا سمجھو' میری ماں میرے بچوں کو محبت کی نظر سے تو دیکھو۔ وہ سب تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔"
فضا گود میں ہاتھ رکھے اس پر نظریں جمائے بیٹھی رہی جیسے وہ کسی انجان زبان میں بول رہا ہو اسے کچھ سمجھ نہ آ رہا ہو یا سمجھنا نہ چاہ رہی ہو۔
"اماں خالہ سے بہت الگ نیچر کی ہیں۔ وہ تم سے پیار کرتی ہیں۔ ان کا بڑھاپا چل رہا ہے وہ چاہتی ہیں کہ گھر کا سارا انتظام تم اپنے ہاتھ میں لے لو۔ میرے بچے تمہیں کبھی بھی ناپسند نہیں کرتے' بلکہ ایمن تو تم سے بہت... وہ کیا کہتے ہیں ہاں امپریس (متاثر) ہے۔ تم اسے اپنے قریب تو آنے دو۔ وہ تمہاری بہت اچھی سہیلی ثابت ہوگی۔"
اس کے صاف ستھرے خوش نما ہاتھوں پر وہ اپنا بھاری ہاتھ رکھ کر جیسے اپنے لمس سے یقین دلانے لگا۔
فضا نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا پھر پلکوں کی باڑھ جھکالی۔ اس کی آنکھوں میں بے چارگی آمیز کرب جھلکا اور ذہن و دل میں انتشار برپا ہو گیا۔
یہ شخص ایک بار پھر امتحان بن کر اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ وہ اس سے محبت نہیں کر سکتی تھی' مگر نفرت بھی نہیں کرپا رہی تھی۔ نفرت کرنے کا کوئی جواز بھی نہیں تھا اس کے پاس... وہ ہر بار اس کی منفی سوچوں کو بدل کر رکھ دیتا تھا۔ اس کے غصے کی آگ پر اپنی نرمی کی برف ڈال دیتا تھا۔
نصیر کے ہاتھ کا لمس اپنے کندھے پر محسوس کرتے ہوئے اس کا دل سینے کی دیوار میں سکڑا۔ اس نے گھبرا کر اپنی نم نم آنکھوں کو اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور لب بھینچ لیے۔ جانے کیوں ہمیشہ کی طرح اس کا ہاتھ جھٹک نہ پائی۔
"یہ گھر تمہارا ہے اسے جس طرح سے چاہو سجاؤ' کتنے لوگ ہیں یہاں جنہیں یہ سب کچھ بھی میسر نہیں ہے۔ ہمیں تو شکر ادا کرنا چاہیے کہ ہمارے پاس تمام بنیادی سہولیات ہیں۔" وہ گہری سانس بھر کر پلکیں جھپک کر نمی کو جھٹکنے لگی۔
"دیکھو فضا۔ اپنی خواہشات کی اڑان تھوڑی سی نیچے کر لو گی تو تمہیں یقیناً" ہر چیز اچھی لگنے لگے گی۔ ہاں سوائے میرے۔" یہ کہہ کر وہ خود آزار سے انداز میں ہلکے سے ہنسا تھا۔
فضا کو یکدم اپنے اعصاب کھنچتے ہوئے محسوس ہوئے۔ پہلو سے جیسے کوئی تلاطم لہرا اٹھی۔ مگر اندر ہی کہیں دم توڑ گئی۔ اس کے ہاتھ کا تسلی آمیز دباؤ کندھے پر بڑھتا محسوس کر کے وہ جلدی سے بیڈ سے کھڑی ہو گئی۔
نصیر کی آنکھوں میں لحہ بھر دھواں سا بھرتا دکھائی دیا۔ وہ لحہ بھر کے لیے اعصاب شکن احساس سے دوچار ہوا تھا' دوسرے پل خفیف سی سانس کھینچ کر رہ گیا۔
فضا باوجود چاہنے کے اس کی طرف دوبارہ نہ دیکھ پائی۔ بس ایک ان دیکھی آگ میں خود کو دہکتا محسوس کرتے ہوئے بے مقصد کھڑکی کے پردے برابر کرنے لگی۔

عباد گیلانی بابر کے شدت سے منتظر تھے۔ وہ بے حد پریشان دکھائی دے رہے تھے جب سے ان کی یاور علی سے بات ہوئی تھی ان کے علم میں یہ بات آئی تھی کہ حوریہ ابھی گیلانی ہاؤس واپس نہیں آنا چاہتی مگر بابر مصر ہے۔ وہ بے حد اپ سیٹ ہو گئے تھے۔

وہ حوریہ کے احساسات محسوس کر سکتے تھے کہ وہ کس غم سے گزر رہی ہے کس اذیت سے دوچار ہے۔ حازم جیسے ساتھی کے بچھڑنے کا غم کوئی معمولی غم تو نہ تھا۔

"بابر کو اس طرح کی ضد نہیں کرنی چاہیے۔ آجائے گا علی شاہ بھی کون سا وہ ہم سے جدا ہو گیا ہے۔ اسے حوریہ کے احساسات کا خیال رکھنا چاہیے۔" عاظمہ کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ بے حد مضطرب تھے۔

"میں حوریہ کی تکلیف محسوس کر رہا ہوں عاظمہ۔ وہ بہت کٹھن وقت سے گزر رہی ہے۔"

"کیا کر سکتے ہیں۔ بابر کو سمجھانا کوئی آسان بات ہے۔ بس جو ٹھان لی۔ آپ ہی کا خون ہے۔" وہ وارڈ روب کھول کر کچھ تلاش کرنے لگیں۔

"تمہیں اس کے ساتھ جانا نہیں چاہیے تھا بلکہ اسے روکنا چاہیے تھا' سمجھانا چاہیے تھا۔ میں بے بس بستر پر پڑا ہوں تو وہ اپنی مرضی کرتا پھر رہا ہے۔"

"میں نہیں جاتی تو معاملہ اور بگڑ جاتا" آپ جانتے تو ہیں کہ وہ کتنا کھر دماغ ہے۔ اسے ٹھنڈا کر کے لے آئی تھی ورنہ تو اور یہ آپ اب کیوں درد سر پال رہے ہیں۔ طبیعت خراب ہو جائے گی آپ کی۔" وہ وارڈ روب سے بلیک ڈبا نکال کر بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"آپ کا سوپ بھی یونہی پڑا ہے۔ امیر علی کہاں ہے' پلایا نہیں اس نے آپ کو سوپ۔"

"نہیں مجھے خواہش نہیں۔ میں نے اسے منع کر دیا تھا۔ بابر کہاں ہے گھر نہیں آیا ابھی تک؟" عباد گیلانی نے عاظمہ کو دیکھا۔ جو زیورات میں الجھی ہوئی تھیں۔

"میرا خیال ہے ابھی آیا ہے۔" پھر چونک کر سر اٹھاتے ہوئے استفہامیہ نظریں ان پر ڈالتے ہوئے بولیں۔

"بابر سے باز پرس کریں گے کیا؟" کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ بلاوجہ وہ آپ سے بدتمیزی کرے گا۔ یوں بھی آج کل اسے جانے کیا ہو گیا ہے بات بے بات ہائپر ہو جاتا ہے۔ چھوڑیں جانے دیں۔ جو کرتا ہے کرنے دیں۔" وہ چیزیں سمیٹ کر بکس میں دوبارہ ڈال کر بیڈ سے اٹھیں۔

"وہ ایک زندہ جیتے جاگتے وجود کے احساسات سے کھیل رہا ہے۔ اسے تکلیف پہنچا رہا ہے اسے روکنا میرا فرض ہے۔" عباد گیلانی اپنی وہیل چیئر پر بیٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔ عاظمہ نے سر جھٹکا اور وارڈ روب لاک کرنے لگیں۔

☆ ☆ ☆

بابر اپنے روم میں تھا اور شرٹ کے اوپری بٹن کھول رہا تھا جب عباد ان کے کمرے میں داخل ہوئے بغیر دستک دیے۔

"تم نے حوریہ کو لینے آج گاڑی بھجوائی تھی؟" ان کا انداز سرزنش کرتا ہوا تھا۔

"ہاں کیا آ گئی وہ۔" وہ یکدم پلٹا پھر قدرے خفیف ہو کر جلدی سے بولا۔ "آئی مین علی شاہ آ گیا۔"

"نہیں وہ کیسے آ سکتا ہے اپنی ماں کے بغیر۔" وہ ان کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا "ویسے میری بات ہوئی تھی فون پر۔"

"ہوں۔" بابر کے ہونٹ میکانکی انداز میں بھنچ گئے۔ اس نے رخ موڑ لیا اور شرٹ اتار کر کرسی پر پھینک دی

اور اپنی وارڈ روب کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔
"کیا بات ہوئی ہے؟"
"بابر تمہیں حوریہ کی مرضی کے خلاف اس طرح کوئی اسٹیپ لینے کی کیا ضرورت تھی۔"
"واٹ آنان سینس۔" وہ یکدم جیسے پھٹ پڑا اور وارڈ روب کا دروازہ پکڑ کر عباد گیلانی کی طرف پلٹا۔ "علی شاہ اس خاندان کا وارث ہے' اسے کیا میں اس چھوٹے سے گھر میں پلنے بڑھنے چھوڑ دوں۔ اس کوٹھی کا وارث۔ حازم گیلانی کا بیٹا۔ ایک ادنیٰ سے گھر میں ایک ادنیٰ درجے کی سہولیات میں پلے بڑھے۔ سوری پاپا میں حازم کے بچے کو لاوارث نہیں چھوڑ سکتا۔" اس کا لہجہ خفگی بھرا تھا۔
"اول تو یہ کہ وہ لاوارث نہیں ہے۔" عباد گیلانی اس کے غصے کو نظرانداز کرتے ہوئے رسان سے بولے۔ "وہ ہمارا خون ہے اور ہمارے ساتھ ہی رہے گا' مگر فی الوقت اسے ماں کی گود سے نہیں چھینا جاسکتا۔ وہ حوریہ کے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ بہت چھوٹا ہے ابھی وہ۔"
"تو اس کی ماں کے لیے اس کوٹھی کے دروازے بند تو نہیں ہیں۔ وہ خود بھی یہاں آکر رہ سکتی ہے' اپنے بچے کی لک آفٹر کرسکتی ہے۔ اسے کس نے روکا ہے۔" وہ اپنے کشیدہ اعصاب سنبھال کر وارڈ روب سے اپنے کپڑے نکالنے لگا۔
"وہ ابھی نہیں آنا چاہتی یہاں۔"
"کیوں؟ کیا تکلیف ہے اسے یہاں؟" جواباً عباد گیلانی اس پر ایک متاسفانہ نگاہ ڈال کر رہ گئے۔ پھر دھیرے سے بولے۔
"حازم کے بغیر یہاں رہنا اس کے لیے آسان بات نہیں ہے' یہاں حازم کی یادیں بکھری پڑی ہیں۔"
"اسے اب اس حقیقت کو تسلیم کرلینا چاہیے پاپا! کہ حازم اس دنیا میں نہیں رہا اور یادوں سے زندگی نہیں گزاری جاتی۔" وہ کپڑے کندھے پر ڈال کر پلٹا۔ عباد گیلانی کی نظریں ٹکرائیں تو جانے کیوں وہ نظریں چرا گیا۔
"بہرحال میں کسی بھی صورت میں علی شاہ کو اس گھر میں نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر حوریہ نے ایسی کوئی ضد کی تو پھر اسے اپنے بچے سے دستبردار ہونا پڑے گا۔"
"با... بر..." عباد گیلانی دنگ رہ گئے۔ مگر وہ یکدم ہاتھ اٹھا کر انہیں بولنے سے روکتے ہوئے بولا۔
"اس نے ابھی بابر کی ضد نہیں دیکھی ہے۔" وہ انہیں یونہی ہکا بکا چھوڑ کر باتھ روم میں جا گھسا۔
عباد گیلانی کے وجود پر چند لمحے کے لیے ایسا سناٹا چھا گیا جیسا شام ڈھلتے ہی صحرا میں ہوتا ہے۔ وہ بابر کے مقابل خود کو بے بس محسوس کرکے رہ گئے۔
"میں نے کہا تھا نا۔ مت الجھیں اس سے' یہ بہت ضدی ہے۔" عاظمہ جانے کب کمرے میں آگئی تھیں۔ وہ باتھ روم کے دروازے پر ایک نظر ڈال کر عباد گیلانی کے نزدیک چلی آئیں۔
"وہ اپنی سی کرکے رہے گا۔" عباد گیلانی نے ایک خفیف سی سانس بھرتے ہوئے عاظمہ کو دیکھا۔
"حوریہ کے لیے میرے پاس تو یہی ایڈوائز ہے کہ اسے علی شاہ کے ساتھ کوٹھی میں منتقل ہوجانا چاہیے۔ آخر اسے بھی علی شاہ کے فیوچر کے بارے میں سوچنا تو چاہیے نا۔ اب کوئی عمر بھر روگ لگا کر تو نہیں بیٹھ جاتا۔"
"مجھے بس ایک بات سمجھ نہیں آتی وہ یہاں کیوں نہیں آنا چاہتی۔ کوئی وجہ تو ہوگا نا... بظاہر تو... حازم کی جدائی کا غم ہی دکھ رہا ہے۔" عباد گیلانی کچھ سوچتے ہوئے بولے' ان کی آواز بے حد دھیمی تھی جیسے وہ خود سے ہی ہمکلام ہوں۔
"بہرحال بابر کو اتنا سخت رویہ اختیار نہیں کرنے چاہیے۔ حوریہ سے' اسے سنبھلنے کا وقت دینا چاہیے۔ وہ اپنے

بچے کو کسی صورت نہیں چھوڑ سکتی' ماں ہے وہ اس کی۔" وہ کرسی دھکیلتے ہوئے عاظمہ کے ہمراہ کمرے سے باہر آ گئے۔

"اولاد جب جوان ہو کر آئینہ بن کر سامنے کھڑی ہو جائے تو اس میں اپنا ہی عکس دیکھ کر آدمی یوں ہی متوحش ہو جاتا ہے۔" عاظمہ دھیرے سے ہنسیں۔۔۔ ان کی ہنسی اور جملے میں چھپا طنز عباد گیلانی کے دل میں تیر کی طرح ترازو ہو گیا۔ انہوں نے بدن کو ڈھیلا چھوڑ کر کرسی کی پشت سے سر ٹکا لیا۔

"مومنہ بھی ایک ماں تھی۔ جب حازم کو آپ نے اس سے چھینا تھا۔"

"عاظمہ۔۔۔" عباد گیلانی کسی ٹوٹے کانچ کی طرح چٹخے کے۔ اور کھا جانے والی نظروں سے عاظمہ کو دیکھا۔۔۔ مگر اب ان کی وہ خوش نما آنکھوں میں وہ تیزی وہ روشنی نہ رہی تھی۔ ان کا بدن نحیف تھا اس میں اتنی طاقت نہ تھی۔ ان کے چہرے کی ہڈیاں یکایک اک ذرا سے غصے پر ابھر کر ظاہر ہونے لگی تھیں اور وہ جیسے ہانپ سے گئے۔ وہ ساری شہ زوری ختم ہو چکی تھی۔ وہ ماضی کا عباد گیلانی عجیب عبرت کا درس دیتا دکھائی دیتا تھا۔ اسے دیکھ کر دنیا کی حقیقت کا واقعی ادراک ہوتا تھا' اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ دنیا کی جاہ و حشمت محض عارضی ہے۔ طاقت ثروت جلال مختصر اور ختم ہو جانے والا۔۔۔ اس کا انجام حسرت ناک' تاسف آمیز اور یاس سے لبریز۔

"کیا تم مجھے اکیلا چھوڑ سکتی ہو۔" وہ عاظمہ سے کہہ رہے تھے۔ انہیں لگ رہا تھا عاظمہ نے سلگتا ہوا انگارہ ان کی پشت پر رکھ دیا ہو۔ عاظمہ نے ان کی وھیل چیئر سے ہاتھ ہٹا لیے۔ ان کے لبوں کی تراش میں استہزائیہ مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔

"کبھی کبھی وقت ہمارے ماضی' بلکہ ہماری جوانی کو جیسے ہمارے سامنے کھڑا کر دیتا ہے۔ جس سے نظریں چرانے کے باوجود نہیں چرا پاتے۔"

"پلیز لیو می الون۔" عباد گیلانی کے اعصاب شکستہ ہونے لگے ضبط سے ان کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔

"اوکے میں امیر علی کو بھیج دیتی ہوں۔" وہ ان پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال کر لاؤنج سے نکل گئیں۔

عباد گیلانی نے اپنا درد سے پھٹتا سر پٹخنے کے انداز میں کرسی کی پشت پر رکھا تھا۔ اسی تکلیف وہ جملوں نے ان کے دل کی ہر رگ کا تار جیسے کھینچ کر رکھ دیا تھا۔ اذیت خون بن کر رگوں میں دوڑنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

حوریہ کے انکار نے بابر کے غصے کو ہوا دے دی تھی۔ وہ رات دوستوں میں جانے کی بجائے بے مقصد سڑکوں پر گاڑی بھگاتا رہا۔ اس کے دماغ میں ایک انتشار برپا تھا' اس کی خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے اس وقت کہاں جانا چاہیے اس کا ذہن بری طرح منتشر تھا۔ وہ خود بھی نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ آیا وہ علی شاہ کے لیے اس قدر مضطرب ہے کہ اسے حازم کی نشانی کے طور پر گیلانی ہاؤس میں رکھنا چاہتا ہے یا محض حوریہ سے کوئی انتقامی کارروائی تھی اور لاشعور میں اس کے اندر بھری وہ آگ پھر جاگ اٹھی تھی۔

حوریہ کے اس انکار نے اسے الجھا کر رکھ دیا تھا اور یہ الجھاؤ اس کی دوسری سرگرمیوں پر بری طرح اثر انداز ہو رہا تھا۔ اس نے گاڑی سگنل پر روکی اور سگریٹ لبوں کے درمیان باہم دباتے ہوئے اسے لائٹر کا شعلہ دکھایا اور ایک لمبا کش لے کر روتھ مین کا مہکتا دھواں اپنی آنکھوں کے آگے پھیلا لیا۔

سگنل کی سبز بتی جوں ہی روشن ہوئی۔ ذرا دیر کو رکا ہوا گاڑیوں کا سیلاب تارکول کی سڑک پر پھر سے بہنے لگا۔ اس نے بھی آہستگی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ پھر کچھ سوچ کر موبائل اٹھا کر حوریہ کا نمبر ملانے لگا۔

گھر سے نکلتے ہوئے اس کے دماغ میں سخت غصہ تھا اس نے سوچا کہ وہ سیدھا پاور ہاؤس جائے گا اور علی شاہ کو

لے کر آئے گا۔ گاڑی بے مقصد بھگاتے بھگاتے اس کے اعصاب نارمل ہو چکے تھے۔ وہ اپنے غصے اور جذباتی پن پر کنٹرول حاصل کر چکا تھا۔

اس نے سوچا کہ اچھا ہی ہوا کہ اس نے کوئی جذباتی قدم نہیں اٹھایا۔ وہ اب دوسرے رخ پر سوچ رہا تھا حوریہ کے سیل فون پر بیل جا رہی تھی کوئی تیسری چوتھی بیل پر حوریہ کی نرم مگر بجھی بجھی سی آواز ابھری۔ وہ بابر کے اس نمبر سے واقف نہیں تھی اس کا لہجہ نارمل تھا۔

"کیا حال ہے علی شاہ کیسا ہے؟" بابر بھی کسی حد تک اخلاق نبھا گیا۔ ادھر حوریہ کو شاید توقع نہیں تھی کہ دوسری طرف اس وقت بابر ہو گا۔ وہ پہلے ہی گاڑی خالی واپس بھیج کر اندیشوں میں گھری بیٹھی تھی۔ بابر کی آواز پر متوحش ہو گئی۔

"ج' جی.... ٹھیک ہے علی شاہ۔"

"ہاں.... اسے ٹھیک ہی ہونا چاہیے۔" وہ ہلکے سے ہنسا۔ اس کا لہجہ جتانے والا تھا۔ "وہ کسی معمولی آدمی کا بیٹا نہیں ہے۔"

"ہاں۔ یہ بات مجھ سے زیادہ بہتر کون جان سکتا ہے کہ وہ کسی معمولی آدمی کا بیٹا نہیں ہے۔" حوریہ اپنے خوف اور حیرانگی پر قابو پا چکی تھی' بے حد رسان سے جواباً" بولی۔ "وہ ایک آنرایبل اور ڈیسنٹ پرسن کا بیٹا ہے۔"

"ہوں۔" بابر ہلکے سے ہنکارا بھر کر رہ گیا۔ اس کا جتانے والا انداز اور لہجے میں چھپی کاٹ وہ اپنے دل پر محسوس کیے بنا نہ رہ سکا۔ تاہم اس نے ایسا کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا۔

"تو ڈاؤنٹ حازم جیسا شخص صدیوں میں پیدا ہوتا ہے۔ بہر حال زندگی مسلسل سفر کا نام ہے کوئی سفر آخری نہیں ہوتا۔ کوئی شخص آخری نہیں ہوتا۔" وہ دھیرے سے بولا بابر کے اس جملے نے حوریہ کے اعصاب پر چابک کی طرح پڑا تھا وہ اس کے جملے کی گہرائی محسوس کر کے جیسے اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

"بے شک زندگی سفر کا نام ہے اور میرا سفر بھی جاری ہی ہے علی شاہ کے ساتھ یوں بھی حازم کے بچھڑ جانے گیا مگر اس کی یادوں سے بچھڑنا ناممکن ہے۔ جائز راستے سے آنے والا مرد عورت کے لیے پہلا اور آخری ہوتا ہے۔ شرعی رشتے کی محبت لمحوں کی بھی ہو عمر بھر کے لیے نقش چھوڑ جاتی ہے۔ دل کو پھر کچھ طلب نہیں رہتی۔ وہ انہی لمحات میں زندہ رہنا چاہتی ہے۔" اس کے لہجے میں غیر محسوس طور پر چبھن اتر آئی تھی۔ "خیر۔" وہ جیسے چونکی۔

"آپ دادا جان سے بات کریں گے یا ابو سے۔" وہ یکسر بے کیفیت لہجے میں بولی۔

وہ بابر کے چہرے کے تاثرات دیکھنے سے قاصر تھی مگر اچھی طرح جان سکتی تھی وہ ضرور جھینپا ہو گا' سلگا بھی ہو گا۔

"تمہارے سیل فون پر کیا ہے تو ظاہر ہے تم سے ہی بات کرنے کے لیے کیا ہے۔" ضبط کے باوجود اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"میں نے علی شاہ کو لینے کے لیے گاڑی بھجوائی تھی۔ تم نے شاید میری بات کو سیریس نہیں لیا۔ یا پھر تم نے علی شاہ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جانے کی خود میں ہمت پیدا کرلی ہے۔ ویئس گڈ کہ...."

"بابر تم آخر چاہتے کیا ہو۔" تلخی اور نفرت سے وہ بلبلا اٹھی۔

"مجھ سے میرا بچہ چھین کر تم اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنا چاہتے ہو۔ تم ایک چیپ انسان ہو جیسے...."

"شٹ اپ' جسٹ شٹ اپ۔" بابر غصے سے چلایا۔ "یہ کون سی انتقامی کارروائی ہے علی شاہ کا حق دے رہا ہوں۔ اس کا حق چھین تو نہیں رہا ہوں۔ وہ بھتیجا ہے میرا۔ میں اس کے لیے بہتر فیصلہ کر سکتا ہوں۔"

"ماں کی گود سے چھین کر تم اسے کون سا حق دے رہے ہو۔"

"ماں اگر ناقص العقل ہو تو کیا کیا جائے؟" وہ طنز سے ہنسا۔ "تم بے کار کی ضد پکڑ کر بہت بڑا نقصان اٹھاؤ گی یاد رکھو حوریہ۔ تم نے ابھی میرا غصہ میری ضد نہیں دیکھی ہے تم۔" وہ بولتے بولتے چپ ہوا تھا دوسری طرف سے حوریہ کے ہاتھ سے اس کا سیل فون مومنہ نے لے لیا تھا اور بابر سے کہہ رہی تھی۔

"ہاں حوریہ نا سمجھ ہے، وہ دور اندیش بھی نہیں ہے وہ نہیں سمجھتی کہ، علی شاہ کے لیے اس کا اصل گھر ہی اس کی پناہ گاہ ہے۔" حوریہ نے تڑپ کر مومنہ کی طرف دیکھا تھا مگر وہ حوریہ کی طرف دیکھنے کی بجائے بابر کی طرف متوجہ تھیں۔

"تم گاڑی بھجوا دینا۔ علی شاہ ہی نہیں حوریہ خود بھی گیلانی ہاؤس میں آ کر رہے گی۔ اپنے بچے کے ساتھ۔"

"پھپھو۔" حوریہ نے بے حد زخمی نظروں سے ان کی طرف دیکھا تھا اور صوفے سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ)

اعتذار

عزیز قارئین!

میرے سلسلے وار ناول "من مورکھ" کی پچھلی قسط میں باوجود علم ہونے کے ایک شرعی مسئلے کے حوالے سے نادانستگی میں ایک کوتاہی ہو گئی، جس کی نشاندہی میرے اکثر قارئین نے مختلف ذرائع سے کی۔ اصل شرعی مسئلہ تو یہی ہے کہ اگر عورت حالت حمل میں بیوہ ہو جائے تو اس کی مدت عدت وضع حمل تک ہے یعنی بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی وہ عدت سے نکل آتی ہے۔ چاہے یہ صورت شوہر کے انتقال کے فوراً بعد ہی کیوں نہ پیش آئے۔ مگر میرا دھیان اس وقت اصلاً اس مسئلے کی طرف نہ گیا کہ پچھلا سیاق ذہن میں نہ رہا اور عدت کے حوالے سے سہو ہو گیا اور کہانی کے تسلسل میں خلل واقع ہوا۔

میں ان تمام قارئین اور احباب کی انتہائی شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے اس لغزش کی طرف متوجہ کیا۔ اللہ ان تمام بہنوں کو خوب جزائے خیر دے اور میری ان تمام کوتاہیوں سے درگزر فرمائے جو مجھ سے سہواً خطا سرزد ہوئیں۔
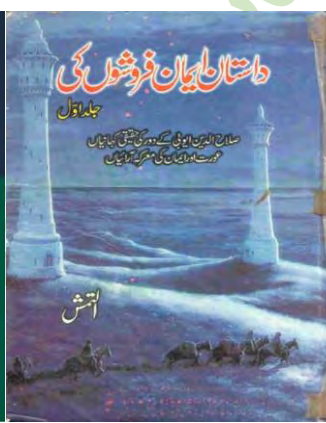
اپنی غلطی کی تاویل نہیں دینا چاہیے نادانستگی ہی میں کیوں نہ ہو "عذر گناہ بدتر از گناہ" کے زمرے میں آتا ہے اور یہ تو حماقت ہے اور حماقت سے بچنا ضرور ہے پس یہ چند الفاظ غیر مشروط معذرت کی نیت سے لکھے گئے نا کہ کسی تاویل یا تمہید تاویل کے حوالے سے۔ بشر خطا کا پتلا ہے اور خطا کا اقرار ہی اسے اشرف المخلوق بناتا ہے۔ پس میں اپنی خطا کا اقرار کروں اور اشرف المخلوق کہلاؤں۔ یہ مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ پسند ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

والسلام

ان۔ آ۔ یہ۔ مرزا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

نفیسہ سعید

مائرہ بھابھی پچھلے چند دنوں سے کچھ پریشان سی نظر آرہی تھیں۔ جس کا اندازہ ان کا بکھرا ہوا حلیہ دیکھ کر کوئی بھی لگا سکتا تھا۔ لباس کی شائستگی کہیں غائب ہو چکی تھی۔ ہر پل لپ اسٹک سے رنگے زندہ دل ہونٹ اب خالی خالی ویران کچھ عجیب سی بہار دکھا رہے تھے۔ ثنا کے ساتھ ساتھ امی بھی مائرہ بھابھی کو سجا سنورا اور خوش لباس دیکھنے کی اس قدر عادی ہو چکی تھیں کہ ان کا یہ بکھرا ہوا سراپا کسی طور برداشت نہ ہو رہا تھا۔ سونے پہ سہاگہ ان کی خاموشی تھی، جسے محسوس کرتے ہوئے دونوں میں سے کسی کی ہمت نہ پڑ رہی تھی کہ وہ ان سے کچھ دریافت کر سکیں۔ اس دن شاید اتوار تھا، جب ثنا سو کر اٹھی تو سیڑھیوں سے اوپر جاتا زریاب نظر آگیا۔

"السلام علیکم چاچی! کیسی ہیں؟" ثنا کو سامنے پا کر وہ خوش دلی سے بول اٹھا، ویسے بھی وہ ایک سلجھا ہوا تمیزدار بچہ تھا، جو کبھی بھی ثنا یا امی کو سامنے دیکھ کر سلام کرنا نہ بھولتا۔

"وعلیکم السلام! میں تو ٹھیک ہوں، مگر یہ بتاؤ، تمہاری امی کو کیا ہوا ہے آج کل کچھ پریشان نظر آرہی ہیں، خاصی خاموش اور الجھی ہوئی بھی ہیں کہ چاہتے ہوئے بھی میں یا امی ان سے کچھ پوچھ نہیں پا رہے۔"

جانتی تھی کہ بچے سے یہ سب کچھ پوچھنا غلط ہے مگر کیا کرتی بڑی بھابھی کی بکھری حالت نے اسے خاصا پریشان کر دیا تھا۔

"پتا نہیں۔۔۔ لیکن۔۔۔"

"زریاب اوپر آؤ۔"

اس کا جملہ درمیان میں ہی رہ گیا اور اوپر سے آتی بڑی بھابھی کی تیز آواز نے ثنا کو حقیقی معنوں میں شرمندہ کر دیا، وہ سمجھ گئی کہ اوپر کھڑی مائرہ بھابھی اس کی وہ تمام گفتگو سن چکی ہیں، جو کچھ دیر قبل وہ زریاب سے کر رہی تھی۔ اب خاموشی بے معنی تھی، ضروری تھا اوپر جا کر بھابھی سے خود پوچھ لیا جائے۔ آخر انہیں ایسا کیا ہوا تھا جو وہ اپنی سدھ بدھ کھوئے بیٹھی تھیں اور یہ ہی سوچ کر وہ شام میں اوپر چلی آئی، جہاں آج بھی بھابھی خاموش خاموش سی ملگجے لباس میں ملبوس نظر آئیں، سر کے بکھرے بال اور بنا جیولری وہ کہیں سے مائرہ بھابھی نظر نہ آرہی تھیں۔

"کیا بات ہے بھابھی! آپ اتنی پریشان کیوں ہیں؟" اس نے وہ سب جاننے کی کوشش کی۔ جو وہ پورے گھر سے چھپانے کی کوشش میں بلاوجہ ہلکان ہو رہی تھیں۔

"کیا بتاؤں ثنا! وقت بڑی ظالم چیز ہے، دھوکا دے گیا۔" جملہ کی ادائیگی کے ساتھ ہی ٹپ ٹپ آنسو ان کی آنکھوں سے بہہ نکلے، جنہوں نے یک دم ہی ثنا کے حساس دل پر یلغار کر دی۔

"پلیز بھابھی مت روئیں، مجھے صرف اتنا بتائیں آپ کو ہوا کیا ہے۔" بھابھی جیسی مضبوط عورت کو اس طرح روتا دیکھنا ثنا کو ذرا اچھا نہ لگا۔

"مجھے جاوید دھوکا دے رہے ہیں، میرے ہوتے وہ کسی انجان لڑکی سے عشق کی پینگیں بڑھا رہے ہیں اور میں بے خبر، نادان ان کی محبت میں غرق کچھ سمجھ ہی نہ پائی۔"

"جاوید بھائی۔۔۔" ثنا کو جیسے حیرت کا جھٹکا لگا۔ "کیا ہو گیا ہے، بھابھی! ضرور آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، جاوید بھائی اور دھوکا، کبھی نہیں، میں مان ہی نہیں سکتی۔۔۔ نو۔۔۔" تواتر سے بے ربط جملے ثنا کی زبان سے ادا ہو رہے تھے، کیونکہ کچھ دیر قبل جو اس کے کانوں نے سنا وہ اس کا دل ماننے کو تیار نہ تھا۔

"پہلے میں بھی ایسا ہی سمجھتی تھی، مگر وقت نے مجھے سمجھا دیا کہ میں جو سمجھ رہی تھی وہ غلط ہے، جبکہ

حقیقت تو یہ ہے کہ جاوید کا پیار و محبت صرف ظاہری اور دھوکا ہے۔" بھابھی نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا یہ بتائیں آپ کو یہ سب باتیں کس نے بتائی ہیں؟" وہ پیار سے بھابھی کا ہاتھ تھامتے بولی۔ یقیناً کسی نے بھابھی اور جاوید بھائی کے درمیان غلط فہمی کی آگ لگائی تھی۔ وہ کون تھا؟ ثنا جلد از جلد اس تک پہنچ جانا چاہتی تھی۔

"کسی نے نہیں، میں نے خود ان کے موبائل میں مس رابی نامی کسی لڑکی کے عشقیہ اور بے ہودہ شاعری والے میسیج پڑھے ہیں۔"

وہ جانتی تھی کہ شروع سے ہی بڑی بھابھی جاوید بھائی کا سیل چیک کرنے کی عادی تھیں اور جاوید بھائی کے سونے کے بعد رات میں ان کا یہ دلچسپ مشغلہ ہوتا جس کے لیے کئی بار انہوں نے ثنا کو بھی ترغیب دی کہ وہ جاذب پر نظر رکھنے کے لیے ہر پل اس کا فون چیک کیا کرے۔ بقول ان کے مرد کبھی قابل اعتبار نہیں ہوتا، مگر چونکہ سب کی اپنی اپنی فطرت ہوتی ہے۔ اس لیے ثنا کی عادتیں بھی کچھ الگ تھیں۔ وہ ہمیشہ سے اپنی زندگی میں مست رہنے والی لڑکی تھی۔ اس کی موجودگی میں جاذب صرف اس کا تھا ثنا کے لیے یہ ہی کافی تھا۔ موبائل فون کی چیکنگ کے دوران نظروں سے گزرنے والی کوئی غلط چیز دیکھ کر وہ اپنے گھر کا سکون خراب کرنا نہ چاہتی تھی، یہ ہی وجہ تھی جو بھابھی کی باتوں کے جواب میں بنا کچھ کہے وہ صرف مسکرا دیا کرتی۔

مگر آج اسے افسوس ہوا کہ کاش اس نے بڑی بھابھی کو پہلے ہی کبھی سمجھانے کی کوشش کی ہوتی کہ بلاوجہ شوہر کی ٹوہ زندگی کو مشکل بنا دیتی ہے' تو شاید ایسا نہ ہوتا مگر افسوس اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ بڑی بھابھی کی پر تجسس طبیعت انہیں پریشانی میں ڈال چکی تھی۔

"آپ نے جاوید بھائی سے پوچھا کہ رابی کون ہے۔" ثنا نے انہیں دیکھتے ہوئے آہستہ آواز میں سوال کیا۔

"پوچھا تھا۔" بھابھی نے دوپٹے سے اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے سسکی لی۔ "اور یقین جانو میرے پوچھتے ہی جاوید کو پتنگے لگے کہ اللہ بچائے۔ انہوں نے زندگی میں شاید پہلی بار میری بہت بے عزتی کی' ایک لڑکی کی اندھی محبت میں میری پندرہ سالہ خدمات کو فراموش کرتے ہوئے' جاوید نے خوب شور شرابا کیا کہ' مجھے رابی کا کس نے بتایا؟ اور غصہ میں بے اختیار میرے منہ سے نکل گیا کہ میں نے ان کے فون میں خود رابی کے میسج پڑھے ہیں' بس پھر نہ پوچھو کیا ہوا' جاوید کا موڈ اس دن سے سخت آف ہے اور وہ مجھ سے بات نہیں کر رہے' ان کا کہنا ہے کہ میں نے ان کے اعتبار کو دھوکا دیا' انہیں شاید یہ بات سخت بری لگی ہے کہ میں نے ان سے پوچھے بنا ان کا فون کیوں چیک کیا' ساتھ ہی یہ کہ وہ میرے کسی سوال کا جواب دینے کے ذمہ دار نہیں۔

اب بتاؤ بھلا خود ایک غیر لڑکی کے ساتھ عشق کی پینگیں بڑھا کر جو میرے اعتماد کا خون کیا' وہ نہیں پتا' یہاں میں نے بیوی ہونے کے ناطے ذرا سا فون چیک کر لیا تو محترم کا دماغ ہی آسمان پر پہنچ گیا۔ جانتی ہو جاوید نے اس دن سے اپنے فون پر لاک لگا لیا ہے اور ان کی ان حرکت نے مجھے جو تکلیف دی ہے تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتیں۔" اتنا کچھ کہہ کر بھابھی پھر سے رونے لگیں۔

"پلیز بھابھی! اس طرح مت روئیں مجھے تکلیف ہو رہی ہے' ذرا اچھا نہیں لگ رہا' آپ جیسی عورت کو اپنے سامنے اس طرح آنسو بہاتے دیکھنا۔"

ثنا نے بھابھی کو گلے لگاتے ہوئے انہیں تسلی دینا چاہی' جبکہ وہ چاہ کر بھی انہیں' جاوید بھائی کے سلسلے میں ان کی جانب سے ہونے والی غلطیاں نہ جتا سکی۔ بنا پوچھے کسی کا فون چیک کرنا ہی سب سے بڑی غلطی تھی' جو بھابھی سے سرزد ہوئی۔ اس پر اپنی اس غلطی کا اعتراف بنا کسی شرمندگی کے انہوں نے جاوید بھائی کے سامنے بھی کر دیا' جبکہ وہ یہ بھی ماننے کو تیار نہ تھیں کہ چوری چھپے فون کی میموری چیک کرنے کی سنگین غلطی ان سے ہوئی ہے' جس کے باعث وہ اس وقت اتنی پریشانی میں گھری ہوئی تھیں کہ اپنا گھر ٹوٹتا' نظر آ رہا تھا اور اسی سوچ نے بھابھی کو نڈھال کر رکھا تھا۔

"آپ خاموش رہو' میں امی سے بات کرتی ہوں۔ وہ جاوید بھائی کو سمجھانے کی کوشش کریں۔"

جواباً" مائرہ بھابھی کی خاموشی اس بات کی دلیل تھی کہ انہیں ثنا کی بات سے کوئی اختلاف نہیں' اور پھر انہیں خاموش کروا کر ثنا نیچے اتر آئی' تاکہ امی کے سونے سے قبل ہی وہ اس سارے معاملے کو ان کے سامنے رکھ سکے' کیونکہ وہ دل سے چاہتی تھی کہ جلد از جلد بڑی بھابھی کا مسئلہ حل ہو اور وہ ایک بار پھر سے اپنے پرانے رنگ میں واپس آ جائیں۔

✲ ✲ ✲

"بڑی بھابھی کو یقیناً" بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے' میرا بھائی ایسا نہیں ہو سکتا' یار میں اسے بچپن سے جانتا ہوں۔" ثنا کی بات سنتے ہی جاذب ہنستے ہوئے بولا۔

"وہاں ان کی جان پر بنی ہے اور یہاں آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے۔" اس موقع پر جاذب کا ہنسنا ثنا کو ذرا پسند نہ آیا۔

"اچھا سوری! یار اب نہیں ہنسوں گا۔" سنجیدہ ہونے کے باوجود جاذب کے چہرہ پر ایک شرارتی مسکراہٹ ناچ رہی تھی' جواباً" ثنا خاموش رہی۔

"ایک بات بتاؤ' کبھی تم نے تو چھپ کر میرا فون

چیک کرنے کی کوشش نہیں کی کہ میں کسی فردوس خان نامی لڑکی سے بات کررہا ہوں۔" ثنا جانتی تھی کہ فردوس 'جاذب کا دوست ہے۔

"میرا دماغ نہیں خراب جو بلاوجہ آپ کا فون چیک کرکے اپنی زندگی کی ٹینشن میں اضافہ کروں۔" جاذب نے دیکھا ثنا خاصی پریشان سی لگ رہی ہے۔

"کم آن یار' تم کیوں بلاوجہ بھابھی کی ٹینشن لے رہی ہو' آج رات جاوید بھائی گھر آئیں تو ان سے بات کرلیتے ہیں کہ یہ رابی کون محترمہ ہیں جن کی محبت میں وہ ہماری بھابھی کو نظرانداز کررہے ہیں۔"

"ہاں میں نے امی سے بھی کہا ہے کہ وہ رات کو جاوید بھائی سے بات کریں۔ کم از کم انہیں یہ علم ہونا چاہیے کہ اس موقع پر بھابھی تنہا نہیں ہیں' بلکہ ہم سب ان کے ساتھ ہیں۔"

جاذب کو ایک لمحہ میں اپنی قوم یاد آگئی جو ہر سال چودہ اگست کے موقع پر "ہم ایک ہیں" کی تفسیر بن جاتی تھی۔ دل چاہا اس حوالے سے ثنا کو چھیڑے' مگر اس کے خراب موڈ کے پیش نظر خاموش رہا اور پھر جیسے تیسے دن گزرا' رات ہوتے ہی جاوید بھائی جیسے ہی سیڑھیوں پر دکھائی دیے' امی نے جالیا۔

"اندر آؤ' مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" امی کا بگڑا موڈ انہیں کوئی نئی کہانی سنا رہا تھا' مگر کچھ پوچھے بنا وہ خاموشی سے امی کے ساتھ ساتھ اندر ان کے کمرے میں آگئے۔ ثنا نے محسوس کیا' بھابھی کے ساتھ ساتھ جاوید بھائی بھی خاصے پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔

"یہ رابی کون ہے؟" بنا کسی تمہید کے امی کی جانب سے آنے والے سوال نے جاوید بھائی کو ہر بات بڑی آسانی سے سمجھادی۔

"آپ کو رابی کا کس نے بتایا؟" سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ شاید امی کی زبانی سچائی سننا چاہتے تھے۔

"ظاہر ہے' اسی نے بتایا' جسے رابی کی وجہ سے تکلیف پہنچی۔"

"ثنا۔" امی کی بات سنتے ہی جاوید بھائی ثنا سے مخاطب ہوئے۔ "اوپر سے مائدہ کو نیچے بلالاؤ' اب جو بات ہوگی وہ اس کی موجودگی میں ہی ہوگی۔"

اور پھر کچھ ہی دیر میں مائدہ بھابھی' ثنا کی سنگت میں امی کے کمرے میں داخل ہوئیں' جاذب نے انہیں کافی دنوں بعد دیکھا تھا اور واقعی ثنا کی بات بالکل درست تھی۔ بھابھی کی ظاہری حالت ان کی اندرونی پریشانی کی نشاندہی کررہی تھی۔

"پہلے تو آپ اپنی بہو سے پوچھیں' اس نے کس کی اجازت سے میرا فون چیک کیا۔ اس میں آئے مسیج پڑھے' پھر میں آپ کی کسی بات کا جواب دوں گا۔" چہرے پر ناراضی لیے وہ امی سے مخاطب تھے۔

"یہ بیوی ہے تمہاری اور اس کا حق ہے کہ یہ تم پر نظر رکھے۔" بہو کی وکالت کے لیے امی کافی تھیں۔

"شوہر ہونے کے ناطے میں نے تو آج تک کبھی اس کا فون چیک کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تو پھر اسے کیوں ضرورت محسوس ہوئی کہ یہ مجھ پر نظر رکھے۔" اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ یہ ایک بے اعتبار عورت ہے اور جب کسی عورت کو اپنے شوہر پر اعتبار ہی نہ ہو تو میرا خیال ہے کہ اس کے ساتھ رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"دیکھ جاوید عورت کو اپنا گھر بنانے کے لیے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے' ہوسکتا ہے تمہارے کسی رویے نے اسے مجبور کیا ہو کہ یہ تم پر نظر رکھے۔ ویسے بھی بیٹا مرد سارا دن گھر سے باہر رہتا ہے' تو بیوی چاہتی ہے کہ اسے اپنے شوہر کی ہر سرگرمی کا علم ہو۔" یہ جانتے ہوئے بھی کہ مائدہ بھابھی اپنی ہی غلطی کا خمیازہ بھگت رہی ہیں۔ اس کے باوجود امی نے ان کا بھرپور دفاع کرنے کی کوشش کی۔

"امی کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی مرد قابل اعتبار نہیں' تو معاف کیجیے گا امی جان کیا ہم پر فرض نہیں کہ ہم بھی اپنی بیویوں کی نگرانی کریں کہ وہ ہماری غیر موجودگی میں کہاں جاتی ہیں؟ ان سے ملنے کون آتا ہے؟ اور ہماری دی ہوئی رقم وہ کہاں خرچ کرتی ہیں؟ ان کے پاس موجود لباس اور جیولری کب اور کہاں سے خریدی

گئی؟"

جاوید بھائی کے کیے گئے سوالات نے امی کے ساتھ ساتھ ثنا کو بھی شرمندہ کردیا' جو بھی تھا جاوید بھائی کے باتوں میں سچائی تھی' جو وہاں موجود ہر شخص کو نظر آرہی تھی۔

"تم میری باتوں کو یہاں وہاں مت گھماؤ اور سیدھے سبھاؤ یہ بتاؤ کہ رابی کون ہے؟ اور اس کا تم سے کیا تعلق ہے؟"

جاذب نے ایک نظر کمرے میں موجود تمام خواتین کے چہرے پر ڈالی اور مسکرا دیا' جاوید بھائی کی ٹھوس دلیلوں نے کمرے میں موجود تمام خواتین کو لاجواب کردیا تھا۔

"میں تمہاری ماں ہوں اور اس ناطے میرا یہ جاننا فرض ہے کہ وہ کون سی وجوہات ہیں جو تم دونوں میاں' بیوی کے تعلقات کو خراب کرنے کا سبب بن رہی ہیں' تاکہ میں انہیں دور کرنے کی کوشش کرسکوں۔"

اس سے قبل کہ جاوید بھائی کوئی جواب دیتے' ان کا فون بج اٹھا' جس کی آواز سن کر مائرہ بھابھی چونک گئیں اور ایک معنی خیز نگاہ ثنا کے چہرے پر ڈالی۔ وہ جانتی تھیں کہ یہ وقت یقیناً" رابی کی کال کا تھا' کیونکہ اس ٹائم اکثر جاوید بھائی چھت پر جاکر فون پر گفتگو کیا کرتے۔

"ایک منٹ یار' تم میری امی سے بات کرو۔" کوئی وضاحت کیے بنا انہوں نے فون امی کی جانب بڑھادیا۔

"کس کا فون ہے؟" ریسیور تھامتے تھامتے امی نے سوال کیا۔

"رابی کال۔"

"دیکھا میں نہ کہتی تھی یہ روزانہ رات کو رابی سے بات کرتے ہیں۔" بھابھی کے بدترین خدشہ کی تصدیق ہوگئی اور وہ زار' زار رونے لگیں۔ جاوید بھائی کو گھورتی ثنا انہیں خاموش کروانے کی کوشش میں ہلکان ہوگئی۔

"ہیلو ابھی' لڑکی کون ہو تم اور کیوں بلاوجہ میرے بیٹے کا گھر برباد کررہی ہو۔" فون کان سے لگاتے ہی بنا سلام دعا امی نے دوسرے سرے پر موجود رابی کو لتاڑا۔

"السلام علیکم آنٹی!" نہایت شائستہ انداز میں کیا جانے والا سلام یقیناً" مردانہ تھا۔

"ارے تم کون ہو؟" انہیں لگا دوسری جانب شاید رابی کا شوہر یا بھائی ہے۔

"رب نواز عرف رابی۔"

"رب نواز۔" امی بڑبڑائیں۔

"جی آنٹی میں آج کل دبئی میں ہوں' ورنہ بذات خود گھر آکر اس سارے مسئلے کو حل کرتا' آپ پلیز بھابھی کو سمجھائیں کہ جاوید نہایت شریف آدمی ہے' اس پر اعتبار کرنا سیکھیں' مجھے میرے سارے دوست مذاق میں رابی کہتے ہیں اور اس بات کی تصدیق آپ جاذب سے بھی لے سکتی ہیں۔" ساری بات سن کر امی نے مرے مرے ہاتھوں سے فون جاوید بھائی کی جانب بڑھا اور خود غصے سے جاذب کی طرف پلٹیں۔

"جب تم جانتے تھے کہ رابی حقیقت میں رب نواز ہے' تو پھر کیوں ساری بات مجھے پہلے نہ بتائی' میں بلاوجہ اپنے معصوم اور شریف بیٹے پر شک کرتی رہی۔" ایک پل میں ہی کمرے کی صورت حال تبدیل ہوگئی اور اب امی کی توپوں کا رخ ثنا اور مائرہ کی جانب تھا۔

"بلاسوچے مجھے میری اولاد پر الزام لگادیا' حالانکہ میں جانتی تھی کہ میری تربیت اتنی گھٹیا نہیں ہوسکتی کہ میرا بیٹا اپنی بیوی کی موجودگی میں یہاں وہاں منہ مارے۔" ثنا منہ کھولے حیرت سے ان کی گفتگو سن رہی تھی' جس میں بڑی بھابھی کی مشابہت جھلک رہی تھی' اس نے بھابھی کے چہرے پر ایک نظر ڈالی جہاں شرمندگی کے ساتھ ساتھ اطمینانیت اور سکون موجود تھا۔

"مجھے معاف کردیں امی' دراصل ساری غلطی میری تھی۔" امی سے معافی مانگتے ہوئے وہ جاوید بھائی کو دیکھ کر مسکرادیں۔ ان کے چہرے پر چھائی پریشانی کہیں غائب ہوچکی تھی' سچ ہے' گھر کا سکون مرد و عورت دونوں کی ضرورت ہے' اگر سمجھا جائے تو۔۔۔۔

☼ ☼

سحرش بانو

"ماہین مصطفیٰ کو جب میں نے پہلی بار دیکھا تھا تو وہ بارہ سال کی تھی۔ ان دنوں مجھے جرمنی سے واپس آئے چند روز گزرے تھے اور میرا واحد مشغلہ یا پسندیدہ مشغلہ ولید انکل، امبرین پھپھو اور سارہ وغیرہ کو اردگرد اکٹھے کیے وہاں کے جھوٹے سچے قصے سنا کر مرعوب کرنا تھا۔ ان دنوں گرینڈپا کی شدید علالت اور ڈاکٹروں کے "تقریباً" جواب دے دینے پر ساری فیملی ہمارے گھر جمع تھی۔ اولیول کے بعد میں اور مما چند دنوں کے لیے نانو کے پاس جرمنی گئے تھے ہمارا ارادہ تین چار ہفتے رکنے کا تھا، مگر گرینڈپا کی خراب طبیعت کی وجہ سے ڈیڑھ ہفتے بعد ہی واپس آنا پڑ گیا تھا کہ بہرحال مما ان کی اکلوتی بہو تھیں اور جب کہ ساری فیملی جمع تھی، انہیں اس نازک صورت حال میں یہاں موجود ہونا چاہیے تھا۔ مما مجھے بھی ساتھ واپس لے آئی تھیں۔ حالانکہ میرا ارادہ ابھی وہاں کچھ عرصہ گزارنے کا تھا اور پھر ابھی میری چھٹیاں بھی باقی تھیں، مگر یہ پاپا کا آڈر تھا سو مجھے بھی واپس آنا پڑا تھا۔

ہمیں واپس آئے پانچواں دن تھا جب گرینڈپا کا انتقال ہو گیا تھا اور تب میں نے ماہین مصطفیٰ کو پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ ثمرین پھپھو کی اکلوتی بیٹی تھی اور ان کے ساتھ گرینڈپا کی ڈیتھ والے دن آئی تھی۔ گرینڈپا کی اتنی بیماری کے باوجود ثمرین پھپھو نہیں آئی تھیں، تو وجہ ان کا کسی دوسرے ملک ہونا یا بہت بزی ہونا نہیں تھا بلکہ وہ شدید قسم کی ناراضی تھی، جو مصطفیٰ ابراہیم سے شادی کی وجہ سے انہیں برداشت کرنا پڑی تھی گرینڈپا ان سے شدید ناراض تھے اور انہوں نے ہی گھر کے دروازے ان کے لیے بند کیے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ گرینڈپا کوئی سخت گیر یا روایتی قسم کے انسان تھے

اس مخالفت کی وجہ اگر کوئی تھی تو وہ کلاس ڈیفرنس تھا جو ہماری اور مصطفیٰ ابراہیم کی فیملی کے درمیان تھا۔

زیاد سکندر یعنی گرینڈپا کا تعلق پاکستان کے چند امیر ترین معزز ترین اور پڑھے لکھے ترین خاندانوں میں سے ایک خاندان سے تھا۔ ہمارا خاندان پاکستان کے چند ان خاندانوں میں سے تھا جو امیر ہی نہیں تعلیم یافتہ بھی تھا، تعلیم کو ہمارے خاندان میں سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ اس خاندان کے تمام افراد کسی نہ کسی عہدے سے منسلک تھے تو وجہ کوئی رشوت و سفارش نہیں ان کی قابلیت اور نام کے آگے لگی لمبی چوڑی ڈگریاں تھیں۔ تعلیم ہمارے ہاں زندگی و موت کا مسئلہ سمجھی جاتی تھی اور اس خاندان میں فخر، خاندانی نسب، بے تحاشا دولت پر نہیں، ان ڈگریوں پر کیا جاتا تھا جو اس خاندان کے ہر فرد کے نام کے ساتھ لگی ہوتی تھیں۔ ثمرین پھپھو بھی میڈیکل کی لائق فائق اسٹوڈنٹ تھیں اور مصطفیٰ ابراہیم ان کے کلاس فیلو۔

مصطفیٰ ابراہیم کا تعلق مڈل کلاس سے تھا اور وہ اپنے خاندان کا پہلا فرد تھے۔ جو میڈیکل کالج میں ایڈمیشن لینے میں کامیاب ہوئے تھے۔ مصطفیٰ ابراہیم کے خاندان میں نہ تو تعلیم کو اتنی اہمیت دی جاتی تھی نہ سر پر سوار کیا جاتا تھا۔ ان کا اپنا چمڑے سے مصنوعات بنانے کا خاندانی کاروبار تھا اور خاندان کے زیادہ تر افراد اس کام سے منسلک تھے۔ ان کے خاندان میں لڑکیاں بی اے کرتی تھیں اور پھر ان کی شادی کر دی جاتی تھی۔ جب کہ لڑکے ایف اے تک بھی بامشکل پہنچتے تھے اور پھر پڑھائی سے جان چھڑا کر خاندانی کاروبار میں کھپ جاتے تھے۔ ایسے میں جب ثمرین پھپھو نے مصطفیٰ ابراہیم سے شادی کا فیصلہ کیا تو پورے خاندان

میں اس فیصلے کی مخالفت ہوئی اور شدید ہوئی۔ پاپا
امبرین پھپھو اور گرینی سب انہیں سمجھانے میں ناکام
رہے تھے‘ تب گرینڈپا سے ان کی بحث ہوئی اور خوب
ہوئی۔ دونوں اپنے اپنے موقف پر قائم اور دوسرے کا
فیصلہ ماننے سے انکاری تھے۔ ضد‘ رونا دھونا‘ بھوک
ہڑتال اور خودکشی کی کوشش گرینڈپا مان گئے‘ مگر اپنے
گھر اور دل دونوں کے دروازے ان پر بند کردیے۔
ثمرین پھپھو شادی کے بعد کبھی واپس نہیں آئیں

گرینڈپا کی ڈیتھ پر گرینی کی ہزار ہا واسطوں اور التجاؤں
کے بعد پاپا نے ثمرین پھپھو کو کال کی تھی اور وہ پہلی کال
پر ہی دوڑی چلی آئی تھیں اور ان کے ساتھ ان کی
اکلوتی بیٹی ماہین مصطفیٰ بھی.... گرینڈپا کی ڈیتھ کے بعد

ناولٹ

دوسرا دن تھا جب میں اپنے کمرے میں تھکا تھکا سا بیٹھا تھا۔ جب سارہ کسی کا ہاتھ پکڑے اندر آئی تھی۔ میں نے حیرت سے سر اٹھا کر سارہ کو دیکھا اور سارہ سے بھی زیادہ اس اجنبی لڑکی کو جو سارہ کے ساتھ کھڑی تھی۔

"صارم' ماہین سے ملو" سارہ نے اسے تھوڑا آگے کرتے ہوئے کہا جو ذرا سا اس کی اوٹ میں کھڑی تھی۔

"کون ماہین؟" چہرے پر نظر آنے والی حیرت اب لہجے میں بھی چھلکی تھی۔

"ماہین' ثمرین پھپھو کی بیٹی اور ماہین یہ صارم ہے میرا اکلوتا بھائی" سارہ چہکتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی۔ سارہ بہت فر فر انگلش میں بات کر رہی تھی میں نے ماہین کو دیکھا گندمی رنگت' سیاہ آنکھیں اور اس کے سر پر جمے اسکارف سے نظر آتے سیاہ بال' وہ بہت عام سی تھی۔ اتنی ہی عام سی جتنی بہت سی دوسری لڑکیاں ہوتی ہیں۔ یا اتنی عام کے جسے ایک بار دیکھنے کے بعد' آپ دوبارہ سرسری سی نظر ڈالنا گوارہ نہ کریں۔

"ہیلو ماہین...." میں مسکرایا بہر حال وہ میری کزن تھی پہلی بار میرے گھر آئی تھی' اتنی خوش اخلاقی دکھانا میرا فرض تھا۔ وہ جواباً" نہ تو مسکرائی نہ اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تھا بلکہ اس کے برعکس وہ پلٹی اور باہر بھاگ گئی تھی اس کی یہ حرکت میرے اور سارہ دونوں کے لیے عجیب تھی' اتنی عجیب کہ ہم دونوں ہی حیران رہ گئے تھے۔ وہ تین دن تک ہمارے ہاں رہی تھی اور ان تین دنوں میں سارہ نے جو لفظ اس کے لیے دریافت کیا تھا وہ عجوبہ تھا ہاں سچ ہے وہ پہلی بار ہمیں عجوبہ ہی لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

ماہین مصطفیٰ کو دوسری بار میں نے ٹھیک دو سال بعد دیکھا تھا تب جب ایک روز ایکسیڈنٹ میں ثمرین پھپھو اور ان کے ہزبینڈ کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔ گرینی پاپا اور مما تینوں ہی گئے تھے اور واپسی پر ماہین ان کے ساتھ تھی۔ اس کے دادا دادی اور چچا وغیرہ نے اس کی ذمہ داری اور اخراجات دونوں اٹھانے سے انکار کر دیا تھا سو گرینی اسے اپنے ساتھ لے آئی تھیں۔ گرینی جب سے واپس آئی تھیں روہانسی تھیں' پاپا بھی چپ چپ تھے۔ گرینی صرف ثمرین پھپھو کی اچانک ڈیتھ کی وجہ سے نہیں ان کے حالات زندگی کی وجہ سے بھی انتہائی غم زدہ تھیں۔ وہ جب سے واپس آئی تھیں' بار بار افسوس اور دکھ کا اظہار کر رہی تھیں۔ امبرین پھپھو بھی آئی ہوئی تھیں جب گرینی نے پھر یہی ذکر چھیڑا تھا۔

"میرے گمان میں بھی نہیں تھا وہ وہاں ایسی زندگی گزار رہی ہو گی" ماہین کے سر پہ ہاتھ پھیرتے انہوں نے افسوس اور پچھتاوے بھرے لہجے میں کہا تھا۔ ماہین جب سے آئی تھی خاموش تھی ایک لفظ تک اس کی زبان سے نہیں نکلا تھا وہ بس خاموشی سے گرینی کو دیکھ رہی تھی بے تاثر چہرے کے ساتھ۔ ایسے کہ اس پر کسی ساکت و جامد تصویر کا گمان ہوتا تھا۔

"اسی لیے اسے منع کیا تھا مصطفیٰ ابراہیم سے شادی کرنے سے سب نے۔ پاپا اسی لیے خلاف تھے اس فیصلے کے کیونکہ انہیں اس فیصلے کے بعد یہی رزلٹ نظر آ رہا تھا۔ مصطفیٰ ابراہیم کا تعلق جس کلاس سے تھا اور جس طرح کی اس کی فیملی تھی ہر چیز صاف نظر آ رہی تھی مگر تب اسے یہ سب مفروضے اور ہم سب دشمن لگ رہے تھے۔" پاپا کی بات پر ان کے آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی۔

"سکندر ٹھیک کہہ رہا ہے ممی' ہم سب نے کتنا سمجھایا تھا اسے" امبرین پھپھو نے بھی تاسف سے کہا تھا۔

"ہاں لیکن مصطفیٰ نے اسے یقین دلایا تھا کہ وہ...." ماں تھیں انہوں نے بیٹی کی وکالت کرنے کی کوشش کی تھی۔

"وہ سب جھوٹ تھا مصطفیٰ کی ساری باتیں سارے دعوے فریب تھے' اینڈ وی آل نو دیٹ (اور ہم سب یہ جانتے تھے) بلکہ ایک طرح سے دیکھیں تو وہ بھی کیا کرتا انسان کی سوچ تعلیم بدلتی ہے اور اس کی ساری فیملی ان ایجوکیٹڈ اور دقیانوسی سی ہے اور ایسے لوگوں کی

ذہانت اور طرز زندگی ایسا ہی ہوتا ہے اور پھر مصطفیٰ بھی کس کس سے لڑتا بعض دفعہ سوچ بدلنا نظام بدلنے سے زیادہ مشکل کام ہوتا ہے۔" مما نے گرینی کی بات کاٹی تھی اور امبرین پھپھو اور پاپا نے سر ہلا کر تائید کی تھی۔

✵ ✵ ✵

گرینی' ماہین کو ساتھ لے کر آئی تھیں اور جس طرح اس کے فادر کی فیملی نے اسے رکھنے سے انکار کر دیا تھا ظاہر سی بات تھی اب اسے یہاں ہی رہنا تھا' مگر جس طرح کے ماحول میں وہ رہتی آئی تھی وہاں اور یہاں کی روٹین میں زمین آسمان کا فرق تھا اور یہ فرق آنے والے چند دنوں میں ہی واضح ہونا شروع ہو گیا تھا۔ ماہین کی عادات' بولنا' چلنا' پھرنا' اٹھنا' بیٹھنا' کھانا' لباس' زبان ہر چیز ہم سے مختلف تھی اور یہ مختلف ہونا اسے ہماری فیملی میں سیٹ نہیں ہونے دے رہا تھا۔ وہ ہم تینوں بہن بھائیوں اور ہماری فیملی کے دوسرے بچوں کی طرح پر اعتماد نہیں تھی۔ وہ اس فیملی کے باقی بچوں کی طرح فرفر انگلش نہیں بول سکتی تھی۔ ہمارے ساتھ ٹیبل پر بیٹھ کر چھری کانٹے کو استعمال نہیں کر سکتی تھی۔ اسے کمپیوٹر' لیپ ٹاپ اور اسمارٹ فون یوز کرنا تو ایک طرف آن تک کرنا نہیں آتا تھا۔ وہ اس سب کے برعکس وہ ایک خاموش' ڈل' اور بور سی لڑکی تھی۔ جس کے پاس گنتی کے چند شلوار قمیص تھے اور ان کے ساتھ ایک سیاہ اور ایک سفید اسکارف جو اس کے ہر وقت چوٹی میں گندھے بالوں پر جما رہتا تھا۔ وہ بولتی نہیں تھی۔ ہنستی نہیں تھی بلکہ وہ تو کبھی روتی بھی نہیں تھی۔ کبھی کبھی وہ مجھے کسی دوسرے سیارے سے آئی مخلوق لگتی یا پھر کسی پسماندہ گاؤں سے آنے والی کوئی ان پڑھ سی لڑکی۔ اس میں ایسا کچھ بھی نہیں تھا جس کی وجہ سے اس سے متاثر ہوا جاتا۔ اسے سراہا جاتا۔ ہاں البتہ ایسا بہت کچھ تھا کہ تسلی سے بیٹھ کر اس پر ہنسا جاتا اور ہم تینوں بہن بھائی نے ایسا کئی بار کیا۔ خصوصاً تب جب سارہ اسکول کا کوئی واقعہ گھر آ کے سناتی۔ ماہین کی بے وقوفی اس کی حماقتیں' ہمیں ہنسنے کا موقع فراہم کرتیں اور ہم ایسے موقع ضائع کرتے بھی نہیں تھے' مگر ہمیں اس کے ایسا ہونے سے فرق نہیں پڑتا تھا' مگر یہ مما تھیں جنہیں اس سب سے فرق پڑتا تھا۔ خود وہ بہت پڑھی لکھی اور ایکٹو خاتون تھیں ایک بہت اچھی ریپوٹیشن والے اسکول کی ہیڈ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک این جی او کی ممبر بھی تھیں اس کے علاوہ ان کا ایک بہت وسیع سوشل سرکل بھی تھا۔ تو آئے دن پارٹیز' گیدرنگز' فنکشنز' اس کا یہ مطلب نہیں تھا اس سب کے بیچ وہ گھر کو نظر انداز کر رہی تھیں۔ ٹھیک ہے ہمارے لیے ان کے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہوتا تھا۔ مگر گھر کے ہر معاملے پہ ان کی نظر ہوتی تھی اور اب ماہین کا آنا اور پھر اس کا ہماری فیملی کے ساتھ میں ہونا' مما کو ٹینس کرنے کے لیے کافی تھا۔ وہ بہت پرفیکٹ قسم کی خاتون تھیں۔

"مجھے تو سمجھ نہیں آتا اتنا پڑھا لکھا ہونے کے باوجود ثمرین نے ماہین کی تربیت پہ کوئی توجہ کیوں نہیں دی۔۔۔" ہم سب ڈنر ٹیبل پہ موجود تھے' جب مما نے کہا' گرینی کے چہرے پہ سایا سا لہرایا تھا۔ مما کی اکثر باتیں اس فقرے سے شروع ہوتی تھیں۔ اکثر ہی رات کو ان کے پاس ماہین کی کسی نہ کسی الٹی سیدھی حرکت اور غلطیوں کی لسٹ ہوتی تھی۔ وہ ہر بار شکایت کرتیں اور گرینی بار بار ماہین کو ڈانٹتیں۔ ماہین کا سر جھکا ہوتا اور وہ خاموشی سے وہ ساری ڈانٹ سنے جاتی۔ وہ کسی الزام پہ انکار نہ کر سکی' صفائی پیش کرنے کی کوشش نہ کرتی اور ثابت ہو جاتا کہ غلطی اس نے کی ہے پھر جب مما کی شکایات اور ماہین کی غلطیاں بڑھنے لگیں تب گرینی نے ایک فیصلہ کیا ماہین کو لے کر انیکسی میں شفٹ ہونے کا فیصلہ۔۔۔ اور اس فیصلے نے سب کو پرسکون کر دیا تھا خصوصاً "مما کو۔

✵ ✵ ✵

ماہین میں ان مینرز اور ایٹی کیٹس کی کمی تھی جنہیں لے کر ہماری کلاس میں [illegible] کیا جاتا ہے اور پاپا

چاہتے تھے اس کی یہ کمی کمی نہ رہے انہوں نے ماہین کو مما کے اسکول میں بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا اور مما کو اس فیصلے سے سخت اختلاف تھا۔ ان دونوں کے درمیان اس بات کو لے کر کئی بار بحث ہوئی تھی۔

"آپ جانتے ہیں عثمان وہاں کس طرح کے بچے ہیں۔ شارپ' انٹیلی جنٹ' جینئس وہ سب شروع سے وہاں ہیں۔ ماہین وہاں کبھی کمفرٹیبل نہیں فیل کرے گی۔ سوری تو سے بٹ مجھے دیکھ کے نہیں لگتا وہ کبھی اسکول گئی بھی ہے اور آپ چاہ رہے ہیں میں اسے اپنے اسکول میں ایڈجسٹ کرلوں۔ سوری! مگر یہ میری ریپوٹیشن کا سوال ہے" مما نے صاف انکار کردیا تھا۔ اس کے بعد پاپا تین دن ناراض رہے تھے وہ مما سے بات نہیں کر رہے تھے ڈنر ٹیبل پہ نہیں آرہے تھے۔ بالآخر مما نے ہی ماہین کو اپنے اسکول میں ایڈمیشن دلوایا تھا تب پاپا کی ناراضی دور ہوئی تھی۔ ماہین سارہ کی کلاس فیلو تھی مگر سارہ نے کبھی اسے اپنی کزن ظاہر کرنے یا اس کے پاس جانے یا کسی بھی معاملے میں اس کی مدد کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ایسا اس نے مما کی ہدایات پہ ہی کیا تھا' جنہوں نے ماہین کو اپنے کسی وفادار پرانے ملازم کی بیٹی ظاہر کیا تھا جس پہ ترس کھا کر وہ اسے اتنی بہترین اسکول میں تمام اخراجات برداشت کرتے ہوئے تعلیم دلوا رہی تھیں۔ اسکول کی انتظامیہ اور اسٹاف وغیرہ نے ان کے جذبہ احساس و رحم دلی کی دل کھول کر تعریف کی تھی۔

"تو اور کیا کرتی میں۔۔۔" میرے پوچھنے پر انہوں نے بے زاری بھرے لہجے میں کہا تھا "اتنی ڈل اور ابنارمل لڑکی کو اپنی بھانجی کہہ کر تو متعارف نہیں کرواسکتی تھی کہ لوگ ہنسیں مجھ پر اور تم پلیز اس بات کو خود تک ہی رکھنا اپنے پاپا تک مت پہنچا دینا۔" میں سر ہلاتے ہوئے اٹھ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ماہین نے اسکول جانا شروع کردیا تھا۔ اور بقول سارہ اس نے وہاں اپنے جیسی ہی چند بور اور ان ایکٹو سی لڑکیوں کو دوست بنا لیا تھا اور ان کے ساتھ ہی رہتی تھی' پاپا مطمئن ہوگئے تھے ان کا اطمینان رخصت تب ہوا تھا جب مما نے ماہین کے فیل ہونے کی خبر انہیں بڑے اطمینان بھرے انداز میں سنائی تھی۔ میں اس دن اسلام آباد سے واپس آیا تھا اور پاپا کو یونی کی طرف سے منعقد سیمینار کی تفصیلات بتا رہا تھا پاپا بھی اس دن سنگاپور جارہے تھے ان کی کوئی ڈیل فائنل ہونے جا رہی تھی۔ تو وہ بے حد ریلیکس موڈ کے ساتھ بیٹھے تھے جب سارہ اور مما اندر آئی تھیں۔ سارہ خوشی سے تمتماتے چہرے کے ساتھ پاپا کی طرف بڑھی تھی' اس کے ہاتھ میں پروگریس رپورٹ تھی' مطلب اس نے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ٹاپ کیا تھا پاپا نے اسے فخر سے گلے لگایا تھا۔ میں سارہ کو وش کر رہا تھا جب پاپا نے مما سے ماہین کے رزلٹ کا پوچھا تھا جواباً" مما نے اس کا رزلٹ کارڈ ان کے آگے رکھا تھا "فیل" پاپا کو جھٹکا لگا تھا اور مجھے بھی' ہمارے خاندان کی تاریخ میں یہ پہلی دفعہ تھا جب کوئی فرد فیل ہوگیا تھا۔ ہم میں سے کسی کو بھی یقین نہیں آرہا تھا کہ ماہین فیل بھی ہوسکتی ہے۔ پاپا نے اسے بلایا تھا اور پہلی دفعہ تھا جب وہ اس پہ غصہ ہو رہے تھے اور وہ ہمیشہ کی طرح اسکارف سے ڈھکا سر لیے خاموش کھڑی تھی۔ اس کی نظریں پاپا کے جوتوں پہ جمی تھیں اور اس کا چہرہ ہر تاثر سے خالی تھا۔ ہاں یہ چہرا آج بھی ہر تاثر سے خالی تھا۔ پہلی بار مجھے بھی اس پہ غصہ آیا تھا۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم شرمندگی تو اس کے چہرے پہ نظر آنی چاہیے تھی۔

"مطلب ماہین مصطفیٰ تمہاری فیملی میں غیر معمولی فرد ہے۔" عذیر کی بات پر میں نے گھور کر اسے دیکھا تھا۔ عذیر اور میں پچھلے چار سال سے دوست تھے اور گزشتہ چار سالوں میں ہماری دوستی اتنی مضبوط ہو چکی تھی کہ ہم اپنی ہر بات ہر مسئلہ آرام سے ڈسکس کر لیتے تھے بلکہ جب تک کرتے نہ سکون نہیں آتا تھا۔

"آئی مین تمہارے خاندان میں جتنے ذہین و فطین اور جینئس لوگ موجود ہیں وہاں کسی کند ذہن کا ہونا غیر معمولی ہی بات ہے۔" میں مسکراہٹ دبا کر بولا تھا۔

"بائی دا وے مجھے تمہاری کزن کے فیل ہونے سے زیادہ تم لوگوں کی حیرت نے حیران کیا ہے۔" فریج سے کوک نکالتے میں نے پلٹ کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔ "یار فیل ہونا کون سی بڑی بات ہے' ہو جاتے ہیں لوگ فیل بھی۔ میں خود سیونتھ کلاس میں ہو گیا تھا ؟ کوئی قیامت نہیں آئی اور آج میں تمہارا کلاس فیلو ہوں میں' خاموشی سے کوک پیتے اسے سن رہا تھا۔

"جس طرح تم بتا رہے تھے اس کے پیرنٹس کی ڈیتھ ہو جانا' یوں تم لوگوں کے گھر آنا' یہ دونوں اس کی زندگی کے بڑے حادثے ہیں' تو ایسے میں پڑھائی پہ فوکس کرنا مشکل ہے' اتنا آسان تو نہیں ہو گا اس کے لیے بعض چیزوں کو قبول کرتے کرتے ٹائم لگتا ہے اسے بھی۔ لگے گا آہستہ آہستہ سیٹ ہو جائے گی تو پڑھائی مسئلہ نہیں رہے گی اس کے لیے۔" عزیر نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا تھا۔ میں سر ہلا کر رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

عزیر نے کہا تھا جب وہ سیٹ ہو جائے پڑھائی اس کے لیے مسئلہ نہیں رہے گی عزیر کا اندازہ غلط تھا' کیونکہ ماہین مصطفیٰ کے لیے پڑھائی ہمیشہ مسئلہ رہی تھی۔ میٹرک میں تین سال لگانے کے بعد' اسے بہت ہی عام سے کالج میں داخلہ ملا تھا۔ بہت ہی عام مضامین کے ساتھ' تین سال ہی اسے ایف اے کلیئر کرنے میں لگے تھے اور بی اے میں تین بار کوشش کے بعد بھی وہ اپنی پہلی کلیئر نہیں کر پائی تھی۔ لہٰذا پڑھائی چھوڑ دی تھی۔ اس کے برعکس سارہ اپنا ہاؤس جاب مکمل کر کے اب جاب کر رہی تھی۔ صوفیہ آپی نے ایم بی اے کیا تھا اور آج کل ایک انٹرنیشنل کمپنی کے ساتھ منسلک تھیں اور میں' پاپا کی ناخوشی کے باوجود کہ وہ چاہتے تھے' میں ایم بی اے کر کے ان کا بزنس سنبھالوں اور مجھے شروع سے ہی سول سروس جوائن کرنے کا شوق تھا۔ سو ٹریننگ مکمل کر کے میں آج کل کھاریاں میں اسسٹنٹ کمشنر پوسٹڈ تھا۔

☼ ☼ ☼

یہ صوفیہ آپی کی شادی کا فنکشن تھا جسے اٹینڈ کرنے کے لیے میں چند روزہ چھٹیوں پہ گھر آیا ہوا تھا۔ یہ ہمارے گھر کی پہلی شادی تھی سو جوش و خروش خوشی' دیدنی تھی اور ساتھ ہی مصروفیت اور کاموں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ بھی تھا۔ صوفیہ آپی کی شادی خاندان میں ہی ہو رہی تھی' پاپا کے کزن کے بیٹے کے ساتھ۔ اور اس شادی میں دونوں طرف کے بڑوں کے علاوہ خود دولہا دلہن کی مرضی و پسند بھی شامل تھی۔ گرینی بھی بہت خوش تھیں' ماہین ہر روز ان کا ہاتھ پکڑ کر یہاں چھوڑ جاتی تھی خود وہ بہت تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرتی تھی اور پھر چلی جاتی۔ وہ آج بھی ہم سب کے ساتھ گھل مل نہیں پائی تھی' وہ آج بھی الگ تھلگ رہنا پسند کرتی تھی۔

صوفیہ آپی کی مہندی کا فنکشن تھا میں ہوٹل کے انٹرنس پہ کھڑا تھا یہاں میرے کچھ اسپیشل مہمان آنے والے تھے اور میں وہاں ان کے استقبال کے لیے تھا' میرے دائیں طرف عزیر کھڑا تھا وہ آج کل سیالکوٹ میں ایس پی تعینات تھا اور میرے بہت اصرار پہ یہاں موجود تھا۔ میں نے ہاتھ میں تھامے سیل پر ٹائم دیکھا اور پھر سامنے نگاہ کی۔ وہ تینوں سامنے سے آ رہی تھیں۔ ماہین اور اس کی دو دوستیں۔ مگر اندر جانے کے بجائے وہ بائیں طرف مڑ گئی تھیں اور اب نیم اندھیرے میں کھڑی تھیں۔

"یہ دوپٹا کہاں سے لیا تم نے جہاں تک مجھے یاد ہے سارہ نے کبھی دوپٹا استعمال کرنے کی زحمت تو نہیں کی۔" ماہین کی ایک دوست نے اس سے پوچھا تھا۔ وہ ہم سے چند قدم کے فاصلے پہ کھڑی تھیں اور ان کی باتوں کی آواز با آسانی ہم تک پہنچ رہی تھی۔

"سارہ کے دوپٹے کا ماہین سے کیا لینا دینا؟" اس کی دوسری دوست نے اچنبھے سے پوچھا تھا۔ جواباً" پہلی دوست اسے بتانے لگی تھی کہ ماہین نے جو کپڑے آج پہن رکھے ہیں وہ سارہ کے ہیں' بلکہ آج ہی کیا وہ اگلے سارے فنکشنز میں بھی سارہ کے کپڑے ہی استعمال کرے گی' بلکہ اس کی دوست کے خیال میں اسے آج

تک یاد نہیں کہ اس نے ماہین کو اپنے کپڑے استعمال کرتے دیکھا ہو' وہ ہمیشہ سارہ کے استعمال شدہ کپڑے پہنتی تھی یہاں تک کے یونیفارم اور سویٹر وغیرہ بھی۔"
اس کی دوست کا لہجہ مذاق اڑاتا تھا وہ تمسخر بھرے انداز میں یہ سب بتا رہی تھی۔ دوسری دوست مصنوعی افسوس کا اظہار کر رہی تھی۔ نجانے کیوں مجھے غصہ آیا تھا اور میرا خیال تھا ماہین کو بھی آیا ہو گا اور اگلے چند سیکنڈز میں اس کی طرف سے کسی خفگی کے اظہار کا منتظر رہا تھا۔ لیکن چند سیکنڈز بعد مجھے ہنسی سنائی دی تھی نرم سی ہنسی جس نے مجھے پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ ہنس رہی تھی۔ مجھے اس پر حیرت و غصہ ایک ساتھ آیا تھا۔ اسے تردید کرنی چاہیے تھی اس بات کی۔ بھلا جب گھر کے ملازمین تک نئے کپڑے پہنے ہوئے تھے 'مما' ماہین کو سارہ کے استعمال شدہ کپڑے پہننے دیں گی۔ اور پھر میں نے انہیں پاپا کو یقین دلاتے سنا تھا کہ وہ ماہین کے لیے بہت اچھی شاپنگ کر چکی ہیں۔

"خیر اب میں اتنی بے چاری بھی نہیں کہ تم مجھ پر ترس ہی کھانے لگ جاؤ۔" ہنستے ہوئے وہ اپنی دوست سے کہہ رہی تھی۔ "کیا ہوا جو یہ کپڑے سارہ پہلے استعمال کر چکی ہے میرے لیے تو یہ نئے ہی ہیں' کیونکہ میں انہیں پہلی بار پہن رہی ہوں اور رہی دوپٹے کی بات تو ہاں ماہ نور' سارہ کے پاس واقعی دوپٹا نہیں تھا' یہ میں نے گرینی کے پاس پڑے پرانے ٹرنک میں موجود کپڑوں سے میچ کیا ہے۔" نہ شرمندگی' نہ ندامت نہ غصہ نہ خفت' وہ بہت اطمینان بھرے لہجے میں بتا رہی تھی۔ آخر میں اس کا لہجہ فخریہ ہوا تھا جیسے اس نے وہ دوپٹا میچ کر کے بہت بڑا کام کیا ہو۔ "اور پھر لباس اس لیے ہوتا ہے اس سے جسم کو ڈھانپا جائے اس لیے نہیں کہ اس کے پیچھے ہلکان ہوا جائے۔ اور یہ تو سارہ نے پہنے ہوئے تھے اگر میں خود بھی انہیں پہلے پہن چکی ہوتی تو آرام سے اب پھر پہن لیتی ایک بار پہننے سے کپڑے پرانے نہیں ہوتے اور اگر ہو بھی جائیں تب بھی مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا اور اب تم دونوں ایسی شکلیں مت بناؤ چلو مہمان آچکے ہوں گے۔" وہ انہیں لے کر میرے سامنے سے گزری تھی اور میں اس کی پشت پہ نظریں جمائے کھڑا تھا۔

☆ ☆ ☆

"گرینی آج میں نے نئی چیز ٹرائی کی ہے آپ کھائیں گی تو کھاتی ہی رہ جائیں گی۔" اندر داخل ہوتے میں نے اس کی فریش سی آواز سنی تھی۔ جواباً" گرینی نے کچھ کہا تھا وہ ایک دم سے ہنسی مجھے حیرت کا دوسرا جھٹکا لگا تھا' پہلا اس دن اسے بولتے دیکھ کر اور دوسرا آج اسے ہنستے دیکھ کر' تو ماہین ہنس بھی سکتی ہے؟ مجھے آتا دیکھ کر اس کی ہنسی سمٹی تھی' وہ پہلے والی ماہین بن گئی تھی۔ خاموش' جامد میں گرینی کے پاس آگیا تھا۔ جو مجھے آج پہلی بار انیکسی میں دیکھ کر خوشی سے نہال ہو رہی تھیں۔ ماہین نے مجھ سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی' وہ اندر غائب ہو گئی تھی۔ اور تب تک اندر رہی تھی جب تک گرینی نے اسے آواز دے کر میرے لیے کچھ کھانے پینے کو لانے کے لیے نہیں کہا تھا۔ وہ اندر سے نکلی اور کچن میں چلی گئی کچھ دیر بعد وہ چائے اور رول لے کر باہر آئی تھی اس دن میں نے کافی وقت وہاں گزارا تھا چائے پی تھی اور کھانا بھی وہیں کھایا تھا۔ زیادہ تر گرینی ہی بولتی رہی تھیں وہ خاموش رہی تھی۔ ہاں' کبھی کبھی گرینی کی بات کا جواب دے دیتی تھی۔ مجھ سے تو ایک بار بھی مخاطب نہیں ہوئی تھی' میرے سوالوں کے جواب بھی فقط ہوں' ہاں میں دیے تھے۔ وہاں سے واپس آنے کے بعد بھی میں اس کے بارے میں سوچ رہا تھا اور پھر اکثر ایسا ہونے لگا تھا میں جب بھی گھر آتا' انیکسی ضرور جاتا اس کے ہاتھ کی بنی چائے اور کھانا ضرور کھاتا اور اس سے چند باتیں ضرور کرتا اور واپسی پہ اس کے بارے میں سوچ رہا ہوتا۔

☆ ☆ ☆

میں آج تک یہ اندازہ لگانے سے قاصر ہوں وہ کون

سا ہل تھا جب میرا دل ماہین مصطفیٰ کا اسیر ہوا۔ میرا یہ انکشاف یقیناً" آپ کے لیے حیرت کا سبب ہو گا ایسا ہی حیرت کا جھٹکا خود مجھے بھی لگا تھا جب مجھ پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ مجھے ماہین مصطفیٰ سے محبت ہو گئی ہے' میں نے ہر ممکن حد تک وہ وجہ تلاش کرنے کی کوشش کی' جو میرے لیے اس عام سی لڑکی کو خاص بنانے کی وجہ بنی تھی۔ مجھے ہر بار ناکامی ہوئی۔ اگر حقیقت پسندی سے تجزیہ کیا جائے تو ماہین میں ایسی کوئی خوبی نہیں تھی' جو میرا دل اس کا طلب گار بن بیٹھا تھا۔ وہ بہت خوب صورت نہیں تھی۔ جو میں اس کے حسن کے آگے بے بس ہوا تھا۔ بہت ذہین و فطین پڑھی لکھی بھی نہیں تھی' جو مجھے اس کی ذہانت متاثر کرتی۔ اس میں ایسی الگ قسم کی کوئی خوبی نہیں تھی' جو مجھے یہ اعتراف کرنے پہ مجبور کرتی کے ہاں یہ وہ کوالٹی ہے جس نے مجھے متاثر کیا ہے۔ لیکن اس میں کوئی الگ قسم کی خوبی نہ ہونے کے باوجود مجھے اس سے محبت ہو گئی تھی۔ شاید انسان کسی سے شادی تو اس کی خوبیاں دیکھ کر کر سکتا ہے مگر محبت کسی کی خوبیاں دیکھ کر نہیں ہوتی۔ یہ تو بس ہو جاتی ہے' کبھی بھی' کسی سے بھی' بنا ضرورت کے بنا خواہش کے۔

سارہ کی کمٹمنٹ تھی اپنے کسی کلاس فیلو سے اور اب جب اس کے گھر والے پرپوزل لائے تھے اور چند رسمی کارروائیوں کے بعد وہ پرپوزل قبول ہو چکا تھا۔ وہ لوگ چاہتے تھے شادی جلدی ہو اور مما کی خواہش تھی سارہ کے ساتھ میری شادی بھی کردی جائے۔ انہوں نے مجھے میری پسند بتانے کے لیے کہا تھا۔ وہ میری مختلف لڑکیوں سے دوستی سے آگاہ تھیں اور ان کا خیال تھا میں انہی لڑکیوں میں سے کسی کو لائف پارٹنر کے طور پر منتخب کروں گا۔ اور جہاں تک میرا خیال تھا وہ یہ تھا کہ آپ کی بیوی کو ایسا ہونا چاہیے کہ آپ اگر اپنے بیوی کو کہیں ساتھ لے کر جائیں تو آپ کے دل میں یہ خیال نہ ہو کہ کہیں وہاں آپ کی ملاقات اس کے کسی پرانے بوائے فرینڈ سے نہ ہو جائے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اپر کلاس کا فرد ہونے کے باوجود میری سوچ اندر سے کسی مڈل کلاس کے مرد جیسی ہی تھی اور مجھے اپنی اس سوچ پہ شرمندگی نہیں تھی۔

میری بیوی کے کردار کو میرا فخر ہونا چاہیے میری شرمندگی کا باعث نہیں سو وہ ساری لڑکیاں جو کبھی میری فرینڈ لسٹ میں شامل رہی تھیں اور وہ ساری لڑکیاں جو فرینڈ سے آگے گرل فرینڈز والی کیٹگری میں شامل رہی تھیں میں ان میں سے بیوی تو پہلے بھی نہ چنتا اب تو معاملہ ہی دوسرا ہو گیا تھا۔

میں نے مما کے دوبارہ پوچھنے پر ماہین کا نام لے لیا تھا میرا اندازہ تھا شاید انہیں اعتراض ہو گا ماہین پر کیونکہ فیصلے کا اختیار ان کا ہوتا تو وہ کبھی بھی ماہین کو بہو کے طور پر پسند نہ کرتیں مگر میرے اندازے کے برعکس انہوں نے کسی خاص تاثر کا اظہار نہیں کیا تھا اور مجھے کہا تھا میں چند دن بعد آکر پاپا سے اس بارے میں بات کرلوں مجھے ان کے اتنی جلدی مان جانے پر حیرت بھی ہوئی تھی خوشی بھی۔ میں جلد از جلد گھر جا کر ماہین کے سامنے اپنی محبت کا اظہار کرکے اسے یہ خوش خبری سننا چاہتا تھا۔ نجانے کیوں مگر مجھے یقین تھا ماہین میری محبت کو اعزاز کی طرح لے گی۔

✵ ✵ ✵

ایک تھکا دینے والے دن کے بعد اب رات کا سفر جاری تھا۔ اور کسی لٹے پٹے مسافر کی طرح کھڑا میں رات کی سیاہی کو گھورتے دور کہیں ماضی میں بھٹک رہا تھا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ سارے دن کی دوڑ دھوپ کے بعد میں اب آرام سے بستر پہ محو خواب نیند کے مزے لوٹتا مگر زندگی میں ہوئے اس اچانک سانحے کے بعد نیند کو میری آنکھوں تک کا سفر طے کرنے کے لیے کئی صدیاں درکار تھیں۔۔۔ میں اس دن بہت فریش موڈ کے ساتھ بیٹھا کچھ فائلز نپٹا رہا تھا جب آپریٹر نے مجھے گھر سے کال آنے کا بتایا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی سارہ نے میرے سیل کے بجائے آفس کے نمبر پر کال کیوں کی تھی۔ کال ملتے ہی سارہ نے مجھے فوراً" گھر آنے کی ہدایت کرتے جو کچھ کہا تھا اس کو سمجھنے میں مجھے تیں

سیکنڈز لگے تھے۔ سمجھ میں آنے کے بعد میں باہر کی طرف لپکا تھا اور اگلے ڈیڑھ گھنٹے بعد میں مما کے سامنے بیٹھا تھا' وہ رو رہی تھیں۔

"تم نے ماہین کے حوالے سے مجھ سے بات کی تھی میں نے سوچا ماہین سے اس معاملے میں رائے لے لوں اور پھر تمہارے پاپا سے بات کروں میں تمہیں سرپرائز دینا چاہتی تھی۔ میں نے ماہین کو بلایا تھا اور اس سے بات کی تھی یہ سارہ گواہ ہے اس ساری بات کی۔" مما کے کہنے پہ سارہ نے سر ہلایا تھا۔

"اس کا رویہ تو بہت ہی عجیب تھا صارم۔" مما کی بات کو سارہ نے آگے بڑھایا تھا۔ "وہ تو تمہارا نام سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ گئی تھی۔ اس نے تم سے شادی سے صاف انکار کیا اور مما سے بدتمیزی بھی کی کہ انہوں نے ایسا سوچا بھی کیسے؟"

"پھر میں نے اس سے پوچھا وہ کسی اور میں انٹرسٹڈ ہے کیا؟" اب مما بول رہی تھیں۔ "اس نے جواب نہیں دیا لیکن اگلے روز فراز کے گھر والے ماہین کا پرپوزل لے آئے۔"

"فراز؟" میں نے چونک کر دیکھا۔

"ماہین جب کالج جاتی تھی تب سے ان دونوں کا افیئر چل رہا تھا۔" سارہ کی بات پہ میں نے اپنے دل کو الٹی چھری سے کٹتے محسوس کیا۔

"تمہارے پاپا نے ان لوگوں سے سوچنے کا وقت لیا اور جب ان کے بارے میں پتا کروایا تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ تو ایک طرح سے عادی مجرم ہیں۔ وہ لڑکا فراز چوری وغیرہ کی کئی وارداتوں میں ملوث تھا اور اس کے بڑے دونوں بھائی جیل جا چکے ہیں تمہارے پاپا نے صاف انکار کر دیا اور اگلے دن وہ لڑکا ماہین کی بہت ساری تصویریں اور لو لیٹر جو ماہین نے اسے لکھے تھے لے کر آگیا۔ تمہارے پاپا یہ سب کہاں برداشت کر سکتے تھے' انہوں نے گارڈز سے پٹوایا اسے اور گھر سے نکال دیا' اب اس لڑکے نے خودکشی کر لی ہے اور اس کے گھر والے مسلسل دھمکیاں دے رہے ہیں۔ کچھ کرو صارم ورنہ بات اگر میڈیا یا تھانے تک چلی گئی تو

ہم سب فیملی اور جاننے والوں کا سامنا کیسے کریں گے کچھ بھی ہو ماہین تمہارے پاپا کی بھانجی ہے۔"

"آپ نے مجھے یہ سب پہلے کیوں نہیں بتایا مما؟" میں نے دکھ سے ان کی طرف دیکھا تھا وہ تڑپ گئیں۔

"میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی صارم۔"

میں خاموشی سے وہاں سے اٹھا تھا۔ میں نے پاپا سے کہا تھا میں ہر چیز سنبھال لوں گا میں نے ہر چیز سنبھال لی تھی۔ فراز نامی لڑکے کے گھر والوں سے ملنے اور معاملات طے کرنے کے بعد میں گھر آیا تھا۔ وہ لان میں بنے سنگی بنچ پہ بیٹھی تھی میرے اندر غصے کا ابال اٹھا تھا میں تیز تیز قدم اٹھاتا اس تک پہنچا تھا۔ وہ بالکل خاموش تھی اور اس کا چہرا وہ آج بھی بے تاثر تھا۔ ہاں اس کی سیاہ آنکھوں میں نمی تھی۔ اور اس چمکتی نمی نے میرے غصے کو یکدم سرد کر دیا تھا۔

"یہ سب سچ ہے ماہین؟" پتا نہیں وہ کون سی آس تھی جس نے اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی مجھے یہ سوال پوچھنے پہ مجبور کیا تھا۔

"آپ کو جھوٹ کیوں لگ رہا ہے؟" اس نے پلکیں جھکائی تھیں اور جب دوبارہ اٹھائیں تو نمی غائب تھی' اب اس کی جگہ سکون نے لی تھی ویسا ہی سکون اس کے سوال کے بدلے سوال پوچھتے لہجے میں بھی نظر آ رہا تھا۔ اس کے سوال نے مجھ پہ خاموشی طاری کی تھی۔

"تمہیں یہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا ماہین" میں بہ مشکل کہہ پایا تھا۔

"اگر سارہ کو اپنی پسند سے کسی کو چننے کا حق ہے تو یہ حق ماہین کو بھی حاصل ہے۔ اس کے ٹھہرے ہوئے لہجے نے مجھے ساکت کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس واقعے کے تین ماہ بعد میری شادی شیبا سے ہو گئی تھی۔ شیبا انور ہمما کی بیسٹ فرینڈ کی بیٹی تھی اور اسے مما نے ہی پسند کیا تھا۔ شیبا آکسفورڈ سے پڑھ کے آئی تھی۔ وہ خوب صورت تھی۔ پر اعتماد تھی۔ ہماری

کلاس سے تعلق رکھتی تھی اور اس میں وہ تمام خوبیاں اور تمام خامیاں موجود تھیں جو اس کلاس کی لڑکیوں میں عام ہوتی تھیں۔ اسے مما نے پسند کیا تھا اور مما نے اسے مجھ سے ملوایا تھا۔ ماہین والے واقعے کے بعد وہ میرے پاس آئی تھیں۔

"تم نے کیا سوچا صارم؟" انہوں نے میرے سامنے بیٹھ کے پوچھا تھا اور میری خاموشی پہ گہری سانس لے کر انہوں نے کہنا شروع کیا تھا "دیکھو صارم زندگی دو چار دن کی بات نہیں اور نہ ہی ایسی چیز ہے جسے ہم بچکانا فیصلوں کی نذر کردیں ہم نے جب ماہین کا نام لیا تھا میں چاہتی تو اس وقت تمہارے اس فیصلے پہ اعتراض اٹھا سکتی تھی۔ کیونکہ پہلی بات تو یہ تم یہ سب وقتی جذبے کے تحت کہہ رہے تھے ماہین اور تمہارا کوئی جوڑ نہیں تھا۔ تم دونوں انتہائی الگ اور متضاد شخصیت کے مالک ہو۔ میں ماہین کی برائی نہیں کررہی لیکن وہ ہر چیز میں تم سے کمتر ہے اور وہ بہت سے کامپلیکسز کا شکار ہے اور شادی کے بعد اس کے کامپلیکسز بڑھ جاتے۔ وہ اتنے سالوں میں ہماری کلاس کی ویلیوز کو پک نہیں کرسکی، آگے بھی نہیں کرسکتی تمہارا ایک اپنا سوشل سرکل ہے۔ جس میں تم ماہین جیسی لڑکی کو بیوی کے طور پر متعارف کروا کر صرف خود کو ایک مذاق بنوا سکتے تھے۔ ماہین تمہارے ساتھ نہیں چل سکتی تھی اور زندگی صرف شادی تک محدود نہیں ہوتی کل تمہارے بچے بھی ہوں گے۔ تمہیں لگتا ہے ماہین تمہارے بچوں کی اچھی تربیت کرسکتی ہے؟ وہ تمہارے بچوں کے لیے اچھی ماں بن سکتی ہے؟" میں اب بھی خاموش رہا تھا۔ "میں تمہیں فورس نہیں کروں گی صارم، نہ ہی چاہتی ہوں تم کوئی ایسا فیصلہ کرو جو کل تمہارے لیے پچھتاوے کا باعث بنے تمہیں اگر اب بھی ماہین سے شادی کرنی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، ہاں مگر تم ایک بار پھر سوچ لو۔" وہ اپنی بات مکمل کرکے اٹھ گئی تھیں۔ انہوں نے مجھے کہا تھا میں ایک بار پھر سوچ لوں میں نے یہ کام دوبارہ کبھی نہیں کیا۔ منزہ نے بھی یہی کہا تھا۔

"ماہین کے پاس اور کچھ نہیں تھا کم از کم کردار تو ہوتا۔" یہ میرا عذیر کو دیا جانے والا جواب تھا۔

☼ ☼ ☼

شادی کے ایک ماہ بعد ہی میری پوسٹنگ اسلام آباد ہوگئی تھی اور میں اور شیبا اسلام آباد شفٹ ہوگئے تھے۔ شیبا کیسی تھی؟ یہ سوال سمجھنے کی میں نے کبھی کوشش نہیں کی، نہ میں نے کبھی اچھائی اور برائی کا پیمانہ لے کر اسے جج کیا۔ وہ میری بیوی تھی، میرے بچوں کی ماں تھی اور مجھے اس کے ساتھ زندگی گزارنی تھی، ہاں یہ تھوڑا مشکل کام تھا مگر ناممکن نہیں تھا بس یہ تھا کہ مجھے اپنی ان خواہشوں اور خوابوں کو مصلحت اور سمجھوتے کے پردے میں لپیٹ کر دفن کرنا پڑا تھا جو میرے ذہن میں اس عورت کے حوالے سے تھے جسے میری بیوی بننا تھا۔ شیبا ورکنگ لیڈی تھی وہ ایک انٹرنیشنل کمپنی سے منسلک تھی۔ وہ کسی این جی او کے ساتھ بھی منسلک تھی۔ وہ گھر کو، بچوں کو اور مجھے زیادہ وقت نہیں دے پاتی تھی تو اس پہ مجھے ہی سمجھوتہ کرنا پڑا تھا۔ شیبا یہ سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ تھوڑی سی چپقلش اور تلخ کلامی، دو چار بار کے جھگڑے۔ وہ ان عورتوں میں شامل تھی جن کے لیے کیریئر گھر سے بڑھ کے ہوتا ہے۔ مجھے اندازہ ہوا اور میں نے چپ سادھ لی، اپنے گھر کو بچانے کا دوسرا راستہ نہیں تھا میرے پاس۔

اسلام آباد کے بعد میری پوسٹنگ مختلف شہروں سے ہوتی واپس لاہور ہوگئی تھی۔ مختلف شہروں میں پوسٹنگ کے دوران میں اکیلا ہی رہا تھا۔ شیبا اور بچے اسلام آباد میں ہی تھے تو مجھے ان سے ملنے کے لیے ہر ویک اینڈ وہاں جانا پڑتا تھا۔ اور یہ مینیج کرنا آسان نہ ہوتا تھا میرے لیے مگر اپنے بچوں سے ملے بغیر رہنا بھی مشکل ہوتا میرے لیے۔ چھ سال بعد میری دوبارہ لاہور پوسٹنگ نے مجھے اور میرے پیرنٹس دونوں کو سکھ کا سانس لینے پر مجبور کیا تھا۔ میرے پیرنٹس خوش تھے میں واپس آگیا تھا اور دوسری خوشی انہیں میرے

بچوں کے وہاں آنے کی تھی کہ شیبا میری منت سماجت کے بعد ہی سہی مگر اپنا ٹرانسفر لاہور کروانے پہ تیار ہو گئی تھی۔

ان چھ سالوں میں کافی کچھ بدل چکا تھا گرینی فوت ہو چکی تھیں۔ ماہین کی شادی، میری شادی کے دو سال بعد ہی ہو گئی تھی۔ وہ پاپا کے کوئی ورکر تھے جن کے بیٹے سے اس کی شادی ہوئی تھی۔ میں ان دنوں اسلام آباد تعینات تھا اور اس شادی میں نہیں آیا تھا، لیکن سارہ نے بتایا تھا شادی بے حد سادگی سے ہوئی تھی اور اس میں فیملی کے چند ایک افراد نے شرکت کی تھی۔ اس کے بعد ہم میں سے کسی کی بھی ماہین سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ وہ کبھی واپس نہیں آئی تھی پاپا البتہ کبھی کبھار اس سے ملنے چلے جاتے تھے۔ وہی بتاتے تھے کہ اس کا اندرون شہر نہیں گھر تھا۔ چھوٹا سا گھر اور بقول ان کے وہ وہاں خوش رہتی تھی۔ شاید مما ٹھیک کہتی تھیں۔ وہ کسی ایسے چھوٹے گھر میں ہی خوش رہ سکتی تھی۔

سارہ کی شادی میرے ساتھ ہی ہوئی تھی مگر بد قسمتی سے وہ شادی فقط چار سال چل سکی تھی۔ سارہ اور اس کے شوہر کے اختلافات شادی کے چھ ماہ بعد ہی سامنے آنا شروع ہو گئے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف مزاج رکھتے تھے اور دونوں میں سے کوئی بھی اپنے مزاج کے خلاف بات برداشت نہیں کر پا رہا تھا سارہ ہر پندرہ دن بعد ناراض ہو کے آجاتی تھی۔ کبھی مما، پاپا کے سمجھانے پہ وہ واپس چلی جاتی کبھی ایک ڈیڑھ ہفتے بعد اس کا شوہر اسے لے جاتا۔ چند دن بعد پھر وہی سب کچھ ہوتا۔ چار سال تک یہ تعلق ایسے ہی چلتا رہا تھا اس کے بعد اس کے شوہر نے اسے ڈائیورس دے کر بچی سمیت گھر سے نکال دیا تھا۔ اس نے جاب دوبارہ جوائن کر لی تھی اور مزید کچھ ٹائم بعد مما کی کولیگ کوئی پرپوزل لائی تھیں اس کی منت سماجت زور زبردستی دھونس جو بھی تھا، مما نے اسے منا لیا تھا۔ نتیجتاً" سارہ شادی کر کے کینیڈا چلی گئی تھی۔ اس کی بیٹی کو مما نے رکھ لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

مجھے لاہور واپس آئے چھ ماہ ہو چکے تھے اور چار ماہ پہلے شیبا اور بچے بھی یہاں آچکے تھے اور ان چار ماہ میں مما اور شیبا کے اختلافات کھل کر سامنے آچکے تھے۔

مما کو شیبا کی ہر بات پہ اعتراض تھا اور شیبا کے لیے ان کے اعتراضات کو برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا اور صورت حال میں جو بری طرح پھنسا تھا وہ میں تھا۔

"اپنی بیوی کو سمجھاتے کیوں نہیں تم؟ بات تک کرنے کی تمیز نہیں ہے اس میں۔ ملازموں کے سامنے مجھ سے بد تمیزی کرتی ہے لباس دیکھا ہے تم نے اس کا؟ اس کے آنے جانے کا کوئی ٹائم ٹیبل بھی ہے یا نہیں؟ وہ بچوں کو ہمارے پاس بھی نہیں آنے دیتی۔ عینی (سارہ کی بیٹی) کو جھڑکا اس نے کہ وہ انیا اور شہروز کے روم میں کیوں گئی۔ میری نواسی اسے ایک آنکھ نہیں بھاتی وہ بچوں کو عینی سے بات بھی نہیں کرنے دیتی۔ اس نے بنا پوچھے یا بتائے گیدرنگ رکھ لی۔ وہ ہمیں گھر کا ایکسٹرا سامان سمجھتی ہے۔" میں مما کے پاس جاتا وہ یہ ساری شکایتیں لیے ہوتیں۔

"تمہاری مدر آخر چاہتی کیا ہیں؟ سارے گھر پہ اپنی ڈکٹیٹرشپ چاہتی ہیں میری زندگی ہے میں اسے کسی اور کے اسکول آف تھاٹ پرنسپلز اور رولز کی نذر تو نہیں کر سکتی۔ میرے بچے ہیں مجھے ان کے لیے جو مناسب لگے گا میں کروں گی۔ وہ چاہتی ہیں میرے بچے بگڑ جائیں۔ ہاں میں نہیں انہیں عینی کے ساتھ رہنے دیتی بی کاز شی از آل سپوئلڈ گرل۔ وہ بہت بد تمیز ہے اور وہ چاہتی ہیں میرے بچے بھی ایسے ہو جائیں۔ نو وے"! شیبا کے پاس ان سے زیادہ شکایات کے انبار لگے ہوتے۔

☆ ☆ ☆

"رات تم اتنی دیر سے کیوں واپس آئی تھیں۔ اور کہاں سے واپس آئی تھیں۔" ناشتے کی میز پہ میں اور ڈیڈی بھی بیٹھے تھے جب مما نے شیبا سے سوال کیا۔

"یہ سوال مجھ سے میرا شوہر بھی نہیں پوچھ سکتا،"

آپ تو خیر کسی گنتی میں ہی نہیں آتیں۔" شیبا کی بات پر مما اور پاپا دونوں کو جھٹکا لگا تھا میں اب بھی بیٹھا چائے کے کپ کو گھور رہا تھا میں اسے پچھلے سات سالوں سے جانتا تھا۔ جانتے وہ بھی اسے سات سالوں سے تھے' وہ کھل اب رہی تھی ان پہ۔۔۔

"تم نے دیکھا صارم' اپنی بیوی کو تم نے سنا اس نے کیا کہا مجھے۔۔۔" مما تڑپ کر میری طرف پلٹی تھیں۔

"صارم کو بیچ میں مت لائیں۔ وہ آپ کے ڈرامے جانتا ہے۔" اس نے سر جھٹکتے ہوئے جوس کا گلاس لبوں سے لگایا تھا۔ میری برداشت کی حد یہیں تک تھی۔

"شٹ یور ماوتھ شیبا۔۔۔ بی ہیو یور سیلف۔۔۔ کس طرح سے بات کر رہی ہو تم۔" میں نے کپ پٹخا تھا اور میری آواز معمول سے بلند ہوئی تھی۔

"یہ جیسا ڈیزرو کرتی ہیں ویسے ہی بات کر رہی ہوں۔" میری آواز کا ذرا سا بھی اثر لیے بغیر اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا تھا اور اس کا یہ انداز اشتعال دلانے کے لیے کافی تھا مجھے۔۔۔ وہ میرے سامنے میری ماں کے ساتھ بدتمیزی کر رہی تھی' خاموش کیسے رہتا میں' تو چپ وہ بھی نہیں رہی تھی۔ **نتیجتاً** "ایک جھگڑا اور وہ بچوں کو لے کر اپنے پیرنٹس کے گھر چلی گئی تھی اپنے اور بچوں کے لیے ایک الگ گھر کا مطالبہ کر کے' وہ اب کم از کم اس جنم میں واپس نہیں آئے گی وہ چلی گئی تھی اور تب تک واپس نہیں آئی تھی' جب تک میں نے اس کے لیے الگ گھر کا انتظام نہیں کر لیا تھا۔ میں نے اسے ہر طرح سے منانے کی کوشش کی تھی۔ ہر طرح سے سمجھانے کی' لیکن وہ اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے کو ایک انچ بھی تیار نہیں تھی۔ اس معاملے میں اس کی فیملی مکمل طور پر اس کے ساتھ اور ہمنوا تھی میں بہت پریشان تھا۔

"شیبا کا مطالبہ غلط نہیں ہے صارم تم اس کی بات مان لو۔" پاپا نے مجھے بلا کر کہا تھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں پاپا میں شیبا کو سمجھا لوں گا۔" میں نے انہیں کہا تھا۔

"یہ کام میں پچھلے تیس سالوں میں نہیں کر پایا ہوں۔" انہوں نے گہری سانس بھری تھی "میں جانتا ہوں تم پریشان ہو صارم اور یہ بھی جانتا ہوں تمہاری پریشانی کا حل صرف اسی بات میں ہے کہ تم شیبا کو لے کر الگ گھر میں سیٹ ہو جاؤ' تم اسے یہاں لے بھی آؤ گے تو کیا وہ یہاں رہ پائے گی؟ کبھی نہیں۔" اپنے سوال کے جواب میں انہوں نے خود ہی جواب دیا تھا۔

"رہنے دو صارم۔۔۔ یہ دو عورتوں کی جنگ ہے' اس جنگ میں جیت جس کی بھی ہو' نقصان تمہارے حصے میں آئے گا اور میں یہ نہیں چاہتا۔ جو چیزیں ٹھیک نہ ہو سکتی ہوں ان کے ساتھ کمپرومائز کرنا پڑتا ہے۔ کبھی اپنے لیے کبھی اپنوں کے لیے۔"

☆ ☆ ☆

عذیر سے ہونے والی ملاقات بالکل غیر متوقع اور اچانک تھی اور خوش گوار اور بے ساختہ خوشی دینے والی بھی۔۔۔ میری طرح وہ بھی بہت مصروف رہتا تھا اور یہی مصروفیات ہماری ملاقاتوں کو فقط ٹیلی فونک رابطے تک محدود رکھے ہوئے تھیں۔ خیر اسلام آباد میں انٹیریئر منسٹری کی طرف سے ہونے والی میٹنگ اس کے بعد ایک کانفرنس میں شرکت اور پھر ایک **سیمینار**۔۔۔ اسلام آباد میں اس بار پانچ دنوں کے لیے آیا تھا۔ میٹنگ کے بعد میں اپنے چند کولیگز کے ساتھ لابی میں کھڑا تھا جب کسی نے پیچھے سے آتے میرے کندھے پہ ہاتھ دھرا تھا۔

"عذیر" میں پلٹا اور خوشگوار حیرت میں گھرا۔۔۔ اس کے گلے لگتے میں اتنی ہی خوشی محسوس کر رہا تھا جتنی خوشی کسی بھی پرانے اور قریبی دوست سے اچانک ہونے والی ملاقات میں ہو سکتی تھی۔ ایسی ہی خوشی عذیر کے چہرے سے بھی ہویدا تھی۔ آدھے پونے گھنٹے کی ملاقات میں ہم نے دنیا جہاں کی باتیں کی تھیں شکوے شکایات ماضی' حال' مستقبل' ہر چیز موضوع گفتگو بنی تھی۔ اسے کہیں اور جانا تھا سو آئندہ ملاقات کا وعدہ لے کر رخصت ہوا تھا میں بھی اپنے ہوٹل کی

طرف روانہ ہوا تھا۔ میرا ارادہ کل اس کے گھر جانے کا تھا۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن مجھے شام میں ایک کانفرنس اٹینڈ کرنی تھی اس کے علاوہ کوئی خاص مصروفیت نہیں تھی۔ اس فری ٹائم کا فائدہ اٹھانے میں عذیر کے گھر کے لیے نکلا تھا۔ عذیر اور بچے ٹی وی لاؤنج میں تھے اور کارٹون مووی انجوائے کر رہے تھے۔ گھریلو حلیے اور ریلیکس سا بیٹھا بچوں کے ساتھ ٹائم گزار رہا تھا۔ مجھے بچوں سے ملوانے کے بعد وہ ڈرائنگ روم میں لے آیا تھا۔

"تمہارے دو بچے نہیں تھے؟" ریلیکس سا بیٹھتے میں نے اس سے استفسار بھرے لہجے میں پوچھا تھا' کیونکہ اس سے پہلے جب بھی اس سے بات ہوئی اس نے عینا اور تیمور کا ذکر کیا تھا۔

"پہلے دو تھے اب تین ہو گئے ہیں۔" وہ ہنسا تھا۔ میں نے شکوک بھری نظروں سے اسے دیکھا تو ہنسی قہقہے میں تبدیل ہو گئی تھی۔

"یار! زینب' رقیہ آپا کی بیٹی تھی۔" سوفٹ ڈرنک کا گھونٹ بھرتے وہ اطمینان بھرے لہجے میں بول رہا تھا۔

"تھی؟" میں پھر سے الجھا۔

"تمہیں پتا تو ہے رقیہ آپا کے ساتھ ہونے والے حادثے کا۔" وہ سنجیدہ ہوا تھا۔ "شادی کے چار سال بعد ہی طلاق کا داغ اور ایک بچی کو لیے واپس آئی تھیں۔ ہماری فیملی کے لیے تو یہ سانحہ قیامت جیسا ہی تھا۔ ہماری کلاس کی ویلیوز تو جانتے ہو تم۔ تمہاری کلاس میں اس چیز کو اتنا سیریس نہیں لیا جاتا لیکن مڈل کلاس کے لوگوں کے لیے' بہن بیٹی کا ایسا چلے آنا زندگی موت کا مسئلہ ہوتا ہے۔ اماں' ابا تو جو پریشان تھے سو تھے' رقیہ آپا کا اپنا حال بہت برا تھا ہر وقت روتی رہتی تھیں۔ یا پھر گم صم' ویران' بیٹھی رہتیں۔۔۔" مجھے بے اختیار سارہ یاد آگئی تھی۔ "میں خود اس مسئلے کو لے کر بہت پریشان تھا یار۔۔۔ لیکن میں زندگی میں اور کسی چیز کے لیے نہ بھی ہوں تب بھی اس بات کے لیے اپنی بیوی کا احسان مند اور شکر گزار رہوں گا۔ اس نے اس وقت میرا اور میری ساری فیملی کا بہت ساتھ دیا۔ خصوصاً" رقیہ کو سنبھالنے انہیں سمجھانے کا سارا کریڈٹ اسے جاتا ہے' بلکہ رقیہ آپا کی دوبارہ شادی بھی میں بھی اس کا ہی ہاتھ ہے۔ ہماری فیملی میں کسی بھی لڑکی کی دوبارہ شادی نہیں کی جاتی۔ غلط ہے مگر ہمارے خاندان کی روایت تھی۔ صدیوں سے سب کاربند تھے اس پہ۔۔۔ بہت تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہونے کے باوجود میں بھی۔۔۔ وہ لڑی مجھ سے' میری بہن کی خوشیوں کے لیے' میرے پیرنٹس سے ان کی بیٹی کے حق کے لیے۔ ہم سب اس کے مخالف تھے' لیکن وہ ڈٹی رہی۔ وہ ٹھیک تھی سو جیت گئی' ہم غلط تھے سو ہار ماننا پڑی۔

رقیہ آپا کی دوبارہ شادی ہوئی اور تب مسئلہ آیا زینب کو رکھنے کا۔ رقیہ آپا سعودیہ جا رہی تھیں شوہر کے ساتھ' زینب کو ساتھ نہیں لے جاسکتی تھیں اور باقی بہن بھائیوں میں کوئی یہ ذمہ داری اٹھانے کو تیار نہیں تھا۔ ان سب کا خیال تھا زینب کو واپس اس کے باپ کے پاس بھیج دیا جائے۔ سب متفق تھے سوائے میری مسز کے' اسے لگتا تھا زینب وہاں عدم توجہ کا شکار رہے گی۔ اور وہ اپنے ساتھ بہت سی محرومیاں لے کر بڑھے گی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ زینب کو وہ رکھے گی کیونکہ اسے بیٹیاں' بہت پسند ہیں' لیکن کیا میں زینب کی ذمہ داری اٹھا سکتا ہوں؟ وہ میری بیوی تھی اور مجھ سے میری بھانجی کو رکھنے کی اجازت مانگتے ہوئے مجھ سے اس کی ذمہ داری اٹھانے کا پوچھ رہی تھی۔ سچ بتاؤں صارم تو میں خود یہی چاہتا تھا۔ میری اپنی دل سے یہی خواہش تھی اور اس نے یہ شاید میرے دل کی وہ خواہش ہی سن لی تھی اس طرح زینب ہماری فیملی کا حصہ بنی۔" بات مکمل کر کے وہ پھر سے مسکرایا اور فیملی سے زیادہ اس کے وجود کا حصہ۔ جتنی توجہ وہ زینی کو دیتی ہے' کبھی کبھی بچوں کے ساتھ ساتھ' مجھے بھی حسد ہونے لگتا ہے۔"

وہ پھر سے ہنسا تھا۔ بے فکری بھری خوش باش ہنسی نجانے کیوں مجھے اس لمحے اس پہ رشک آیا تھا۔ ملازم نے لنچ لگنے کی اطلاع دی تو ہم ڈائننگ روم میں آگئے تھے۔ ٹیبل پہ دال چاول اور چکن کڑاہی رکھے تھے۔

"سوری یار مجھے ملازم کو ہدایت دینا یاد نہیں رہا۔" بچوں کو آواز دیتے اس نے کان کھجایا تھا۔ میں نے اسے شرمندہ نہ ہونے اور ریلیکس رہنے کا کہا تھا' میں خود کھانے پینے کا بہت شوقین نہیں تھا' مگر پھر بھی اس کے گھر میں بیٹھ کر دال چاول کھانے میں اتنے سادہ لنچ کو دیکھ کر حیران ضرور تھا۔

"دراصل میں ماہا کو رزق کا ضیاع پسند نہیں....." بچوں کی پلیٹوں میں کھانا ڈالتے اور میری حیرت بھانپتے بول رہا تھا۔ "پہلے ایک وقت میں چار' پانچ ڈشز بنتی تھیں۔ لیکن کافی سارا کھانا ضائع چلا جاتا تھا۔ تو اس نے فیصلہ کیا ایک وقت میں بس دو ہی چیزیں بنیں گی اور سب کو وہی کھانی ہوں گی' اب مجھے اور بچوں کو اس آڈر کے مطابق چلنا پڑتا ہے۔" وہ مسکینی سے بولا تھا' میں نے نظر ڈالی اس کے تینوں بچے بہت خاموشی اور رغبت سے کھانا کھا رہے تھے۔ مجھے اپنے گھر کی بھری ہوئی میز اور اس پر بھی اپنے بچوں کے نخرے یاد آئے۔

سویٹ ڈش لیتے میں نے اس سے بھابھی کا پوچھا تھا جواباً" وہ مجھے ٹی وی لاؤنج میں لے آیا تھا۔ ٹی وی آن کرتے وہ مجھے اپنی بیوی کی مصروفیت کا بتا رہا تھا۔ جو اس وقت ٹی وی اسکرین پہ نظر آرہی تھی۔

"یار اسے شروع سے ہی شوق تھا کوکنگ کا۔ شادی کے بعد اس نے مجھ سے اجازت لی تھی کوکنگ کلاسز جوائن کرنے کی' مجھے کیا اعتراض ہونا تھا۔ تین چار سالوں میں اس نے مختلف جگہوں سے کورسز کیے اور پھر اسلام آباد میں ہی چھوٹا سا ریسٹورنٹ کھولا میں نے اس کے لیے' یہ خواب تھا اس کا اور میں کم از کم یہ خواب تو پورا کر ہی سکتا تھا اس کا۔ ایک ڈیڑھ سال میں ہی بہت چل پڑا تھا وہ ریسٹورنٹ۔ مدیحہ ہاشمی سے اس کی ملاقات بھی اپنے ریسٹورنٹ میں ہوئی تھی اور ان کے سبب ہی [illegible]

کوکنگ شو جوائن کرنا پڑا تھا۔"

عذیر سے تفصیلات سنتے میں ساکت بیٹھا اس چہرے کو دیکھ رہا تھا جسے پچھلے آٹھ سالوں میں بھلانے کی ہر ممکن کوشش کرلی تھی میں نے' اور جو ہر بار اتنی شدت سے مجھے یاد آتا تھا' جتنی شدت سے میں اسے بھولنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ چہرا بہت عام تھا وہ چہرا سب سے خاص تھا وہ چہرا ماہین مصطفیٰ کا تھا۔

☼ ☼ ☼

جس وقت میں نے اس چمکتے دمکتے برج ہال میں قدم رکھا کافی سے زیادہ مہمان آچکے تھے اور مختلف ٹیبلز پہ موجود خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ چمکتے چہرے اور ہنستی آنکھیں..... میں مختلف ٹیبلز پہ نظر دوڑاتا اس طرف چلا آیا جہاں مما' پاپا اور شیبا پہلے سے موجود تھے' مجھے بھی ان کے ساتھ ہی آنا تھا' مگر ایک میٹنگ کی وجہ سے لیٹ ہو گیا تھا۔ یہ عذیر کے سب سے چھوٹے بھائی کے ولیمہ کی تقریب تھی جس میں ہم سب مدعو تھے میں نے پاپا کے ساتھ والی چیئر سنبھالی اور انہیں میٹنگ کے بارے میں بتانے لگا۔ شیبا اپنے سیل کے ساتھ مصروف تھی اور مما بے زاری سے اردگرد بیٹھی خواتین کو دیکھ رہی تھیں..... پچھلے کچھ عرصے سے ان کی مصروفیات میں خاصی کمی آگئی تھی۔ وہ زیادہ تر گھر پہ رہتی تھیں ان کا سوشل سرکل بھی محدود ہوتا جا رہا تھا۔

پاپا کی طرف جھکتے میں نے انٹرنس پہ نظر ڈالی اور پھر نظریں پلٹنا بھول گیا تھا میں' وہ عذیر کے ساتھ اندر داخل ہو رہی تھی پورے آٹھ سال بعد میں اسے دیکھ رہا تھا آنکھیں ساکت اور سانس ساکن نہ ہوتا تو کیا ہوتا۔ وہ عذیر کے ساتھ مختلف ٹیبلز پہ بیٹھے لوگوں سے مل رہی تھی۔ وہ خوش تھی' ہنس رہی تھی۔ مختلف ٹیبلز پہ جاتے لوگوں سے علیک سلیک کرتے وہ مکمل پر اعتماد لگ رہی تھی۔ اس کے ساتھ چلتا عذیر وہ دونوں مکمل لگ رہے تھے۔ وہ مختلف ٹیبلز سے ہوتی ہماری میز تک پہنچی تھی۔ پاپا نے مسکراتے ہوئے

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

اسے ساتھ لگایا تھا' وہ ہنستے ہوئے ان کی کسی بات کا جواب دے رہی تھی۔ ان سے ملنے کے بعد وہ بت بنی مما کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ وہ بہت خوش اخلاقی سے مسکراتے ان سے خیریت پوچھ رہی تھی۔ مما کو بھی اتنا ہی شاک لگا تھا شاید جتنا کل عذیر کے گھر مجھے ماہین مصطفیٰ کو ٹی وی سکرین پہ دیکھ کر اور عذیر کی بیوی کے طور پر متعارف ہوتے مجھے لگا تھا۔ مما بہ مشکل سرہلا کر اسے خیریت بتا رہی تھیں۔ مما کی بعد وہ شیبا سے ملی تھی۔ شیبا کا انداز جتنا روڈ سا تھا اس کے انداز میں اتنی ہی نرمی تھی۔ شیبا کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"صارم کیسے ہیں آپ؟ کل عذیر نے بتایا آپ آئے تھے بیچ میں بہت افسوس ہوا کہ آپ سے ملاقات نہیں ہو سکی۔" میری خیریت کے جواب میں اس نے کہا تھا۔ اس کا انداز بھی افسوس بھرا تھا۔ اس نے ہم سے گھر آنے پر اصرار کیا تھا۔ جواباً پاپا نے اسے سنڈے کو آنے کی یقین دہانی کروائی تھی۔ عذیر کے بلانے پر وہ معذرت کرتی اس طرف گئی تھی' وہ شاید اسے کسی سے ملوانا چاہ رہا تھا۔ میری نظریں اب بھی اس کے تعاقب میں تھی اور میں اس وقت جن احساسات کے ساتھ وہاں بیٹھا تھا انہیں بیان کرنے سے قاصر تھا۔

"ہر انسان کے لیے وہی ہوتا ہے۔ جو اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔" پاپا کی آواز پر میں نے چونک کر انہیں دیکھا تھا۔ مما اور شیبا وہاں نہیں تھیں اور میز پر ہم دونوں ہی موجود تھے۔ میں نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا تھا یہ اور بات کے ان سوالیہ نظروں میں بہت سا دکھ پچھتاوا اور کھو دینے کی چبھن بھی تھی اور اتنی بڑی بات چھپانے کا شکوہ بھی یہ شکوہ تو مجھے عذیر سے بھی تھا۔

"ماہین کو جب میں گھر لایا تھا تو میں نے خود سے عہد کیا تھا میں اس کی ذمہ داری پوری ایمان داری سے نبھاؤں گا لیکن افسوس میں اپنے عہد کو نباہ نہیں سکا اور جب عذیر میرے سامنے ماہین کا سوال لے کر آیا تو یہی وعدہ میں نے اس سے بھی لیا تھا۔ مجھے خوشی ہے اس نے یہ وعدہ نباہیا۔" میں خاموشی سے انہیں سن رہا تھا۔

"جب پہلی دفعہ عذیر میرے پاس ماہین کا پرپوزل لے کر آیا تو مجھے بہت حیرت ہوئی عذیر جیسے قابل لڑکے کو ماہین میں کیا نظر آیا تھا؟ اور یہی سوال میں نے اس سے بھی کیا تھا۔"

"وہ اچھی لگتی ہیں مجھے۔" اس کے لہجے میں سادگی اور عزت دونوں تھے "بس یہی وجہ ہے؟" میں نے اگلا سوال کیا تھا۔

"دراصل میں محبت کرتا ہوں ان سے۔" وہ ذرا سا جھجکا تھا۔ "اب سے نہیں تب سے جب میں نے انہیں پہلی بار صوفیہ آپی کی شادی میں دیکھا تھا۔ میرا ارادہ تب ہی پرپوزل بھیجنے کا تھا مگر میں صارم کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکا۔ وہ بھی انٹرسٹڈ تھا ماہین میں اور دوست کی خواہش کے لیے میں نے اپنی خوشی سے دست بردار ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا' لیکن اب جب کہ صارم اپنی زندگی کا فیصلہ کر چکا ہے اور وہ اپنی لائف سیٹ بھی کر چکا ہے میرے اس ایثار اور سمجھوتے کی کوئی ضرورت نہیں بچتی۔"

وہ صاف گو تھا اور اس کی یہ خوبی مجھے پسند آئی تھی لیکن ایسے صاف گو انسان سے کوئی جھوٹ بولنا یا بددیانتی کرنا جرم تھا اور میں ایسے جرم کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا میں نے اسے صاف صاف لفظوں میں ہر چیز سے آگاہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ماہین کی کند ذہنی بے اعتمادی' غبی پن اور سب سے بڑھ کر فراز نامی لڑکے والا واقعہ..... میں نے ساری بات اسے بتا دی تھی۔ اور وہ خاموشی اور سکون سے سنتا جا رہا تھا پھر اسی خاموشی سے وہ وہاں سے اٹھا تھا۔ وہ اگلے دو ہفتے واپس نہیں آیا تھا اور جب دو ہفتوں بعد واپس آیا تو اس کے ساتھ وہ لڑکا بھی تھا۔ وہ لڑکا ایک آوارہ اور لالچی انسان تھا اور وہ سب اس نے پیسوں کے لالچ میں لیا تھا۔ وہ سب کچھ اگلنے کے بعد اب معافی مانگ رہا تھا۔ میں اسے کیا کہتا اس اچانک لگنے والے شاک نے میری زبان ہی گنگ

کردی تھی۔ مجھے آج تک سمجھ نہیں آیا تمہاری ماں نے ماہین کے ساتھ وہ سب کیوں کیا' مگر ایک چیز مجھے سمجھ آ گئی' کسی بھی انسان کو اچھا ثابت کرنے کے لیے اس کے نام کے آگے لگی ڈگریاں کافی نہیں ہوتیں۔ بلکہ یہ انسان کا اخلاق' کردار اور عمل ہوتا ہے' جو اس چیز کا تعین کرتا ہے کہ اسے انسانوں کی کس کیٹگری میں رکھا جائے ماہین کند ذہن' غبی' بے اعتماد نہیں تھی۔ وہ بد کردار تو ہر گز نہیں تھی۔ یہ تمہاری ماں تھی جو اسے ایسا ثابت کرتی رہی اور یہ ہم تھے' جو اسے اس زاویے سے دیکھتے رہے جس زاویے سے وہ ہمیں دکھائی رہی۔ تمہاری ماں ہمیشہ اسے دبانے اور اس کی صلاحیتوں کو کچلنے کی کوشش کرتی رہی' مگر وہ اس کے اندر کے اچھے انسان کو نہیں دبا سکی اور جسے عذیر جیسے انسان شناس انسان نے دیکھ لیا تھا۔ ماہین کے لیے عذیر سے بہتر چوائس کوئی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اس لیے میں نے پھر فیصلہ کرنے میں لمحہ بھی نہیں لگایا' مگر عذیر کی ہی درخواست پر میں نے یہ بات تم لوگوں سے چھپائی اور جب تمہاری ماں سارہ کے پاس دبئی اور تم اپنی بیوی کے ساتھ ماریشس گئے ہوئے تھے تب سادگی سے ماہین کو عذیر کے ساتھ رخصت کر دیا۔ اور تم لوگوں کو کہا کہ ماہین کی شادی اپنے ایک سینئر ور کر کے بیٹے سے کر دی ہے۔ عذیر کے مطابق ایسا کر کے میں نے ایک بہت بڑے ہنگامے سے سب کو بچا لیا ہے اور اس دن تمہاری ماں کے چہرے کی خوشی دیکھ کر مجھے اس کی بات کا یقین آ گیا تھا۔"

☼ ☼ ☼

قابلیت کو ڈگری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ قابلیت ایک خداداد صلاحیت ہے اور یہ قدرت کی طرف سے ودیعت ہوتی ہے ضروری نہیں بہت پڑھا لکھا انسان بہت قابل بھی ہو اور ضروری نہیں وہ شخص جو کبھی اسکول نہ گیا ہو وہ کسی قابل ہی نہیں۔ تعلیم آپ کی صلاحیتوں کو جلا بخشتی ہے' مگر ضروری نہیں جو شخص بہت پڑھ لکھ نہ سکا ہو اس میں کوئی خوبی یا قابلیت بھی نہیں ہوگی۔ کسی انسان کی اچھائی و برائی اور قابلیت کو جانچنے کے لیے ڈگری کو پہچان بنانا غلط تھا اور ماہین نے اس بات کو ثابت کر دیا تھا۔ ٹھیک ہے وہ بہت پڑھی لکھی نہیں تھی' مگر وہ ایک ناکام عورت نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ کی دی صلاحیت کو اس نے استعمال کیا تھا اور آج وہ اپنے شوہر اور بچوں کے لیے فخر بنی کھڑی تھی۔

میں نے دیکھا وہ پُراعتماد انداز میں کھڑی اپنے اردگرد کھڑی چند خواتین سے محو گفتگو تھی۔ بہت سی نظریں رشک سے اور کچھ حسد سے اس کی طرف اٹھ رہی تھیں اور پھر میری نظر ایک چہرے پہ ٹھہری تھی' وہ چہرا میری ماں کا تھا اور اس چہرے پر میں نے حیرت کی وہی دھند تنی محسوس کی جو کل سے میرے اپنے وجود سے لپٹی ہوئی تھی اور جسے تا عمر ہم دونوں کے ساتھ ہی رہنا تھا۔

☼ ☼

فرح بخاری

گلِ کہسار

چوتھی قسط

"کیا مطلب گل آویزہ... تم نے تو کہا کہ صنوبر تمہیں بتا چکی ہے۔" ناز بھابھی کی حیرت بھی بجا تھی۔

"بھابھی آپ پڑھنا لکھنا جانتی ہیں...؟" اس نے پچھلی بات کو یکسر نظرانداز کر دیا۔

"ہاں... اردو پڑھ لیتی ہوں۔ ساتویں جماعت میں اسکول چھوڑا تھا۔" وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ گل آویزہ نے شال کے اندر سے ڈائری نکالی اور وہ چھ صفحات اس کے سامنے رکھ دیے۔

"یہ پڑھیں..."

"اوہ..." پہلا صفحہ پڑھتے ہی ان کا رنگ متغیر ہوا۔ ناز نے چونک کر سر اٹھایا۔

"آپ پورا پڑھ لیں بھابھی... پھر سمجھاتی ہوں۔"

"یہ سب کیا ہے آویزہ... صنوبر اور اسجد تو..."

"یہی میں بھی جاننا چاہتی ہوں بھابھی... اس لکھے ہوئے کی تصدیق یا تردید سوائے آپ کے کوئی نہیں کر سکتا اور..." وہ لحظے کو جھجکی۔ "معذرت چاہتی ہوں کہ مجھے بس آدھا سچ ہی معلوم ہے۔ صرف اتنا کہ آپ اس راز سے واقف ہیں... اور..."

"لیکن وہ اسجد نہیں تھا۔" ناز نے بے ساختہ اس کی بات کاٹی اور جیسے منوں بوجھ کسی نے آویزہ کے سر سے اتار پھینکا ہو۔ وہ اسجد نہیں تھا۔ اس حقیقت کے آگے ہر راز بے معنی تھا۔

"آپ کس کی بات کر رہی تھیں بھابھی..." آویزہ کے چہرے پر اطمینان اترنا شروع ہوا۔

"میں اتنی دیر سے بخت کی بات کر رہی تھی... وہ بخت تھا آویزہ جسے میں نے اس رات صنوبر کے ساتھ دیکھا تھا۔ اور اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا تب ہی کچھ دیر بعد خود ہی میرے پیچھے آگیا۔ اس نے مجھے باقاعدہ دھمکی دی کہ اگر میں نے کسی سے بھی اس کا ذکر کیا تو وہ میری اور زمان خان کی طلاق کروا دے گا۔ میں نے اسے بس اتنا کہا تھا کہ صنوبر سے شادی کر لو... لیکن وہ بنا جواب دیے باہر نکل گیا۔"

"پھر کیا ہوا بھابھی... اس کے بعد..." گل آویزہ نے بعد کے واقعات پر دھیان لگانے کی کوشش کی۔

"ہاں... پھر شاید صنوبر دو تین روز کے لیے اپنے گاؤں چلی گئی تھی اور اس کے بعد جب واپس آئی تو..." ناز نے ایک آہ بھری۔ "پھر زندہ واپس نہیں گئی۔"

"آپ کو کیا لگتا ہے بھابھی... اس کے قتل میں کون ملوث ہو سکتا ہے؟ کیا آپ اس بارے میں کچھ جانتی ہیں کہ...؟"

"جانتی تو کچھ نہیں ہوں۔" ناز نے فوراً اس کا خیال رد کیا۔ جہاں تک اندازوں کی بات ہے تو جب اپنی آنکھوں سے کچھ نہیں دیکھا، بلاوجہ اندازے لگا کر خود کو گناہ گار کیوں کریں۔ یہ تو اللہ پاک بہتر جانتا ہے، لیکن آویزہ، یہ بات واقعی سمجھ میں نہیں آئی۔" ناز نے الجھے الجھے انداز میں آویزہ کو دیکھا۔

"مگر وہ واقعی بخت سے محبت کرتی تھی اور اسی سے ملتی تھی تو ڈائری میں اس نے اسجد کا نام کیوں لکھا۔"

"شاید وہ دو لوگوں کو دھوکا دے رہی ہو اور ہو سکتا ہے یہی بات اس کے قتل کی وجہ بن گئی ہو۔" گل آویزہ نے تجزیہ کیا۔

"ہاں' شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" ناز نے تائید کی۔

"لیکن قاتل کون ہو سکتا ہے... بخت' اسجد یا کوئی تیسرا شخص..."

"اسجد تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔" ناز بھابھی نے فوراً" نفی میں سر ہلایا تو گل آویزہ نے حیرت سے سر اٹھایا۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں؟ کیا صرف اس لیے کہ وہ پڑھا لکھا اور شہری مزاج کا ہے۔"

"ارے نہیں پاگل..." ناز ہنس پڑیں۔ "جس رات صنوبر کا قتل ہوا اسجد تو شہر میں تھا۔"

"جی...!" گل آویزہ کا دل خوش گوار لے پر دھڑکنے لگا۔

"اسجد تو میرے سامنے ہی مغرب کی نماز کے بعد خان بیگم سے رخصت لے کر شہر کے لیے روانہ ہو گیا تھا جب کہ صنوبر کا قتل اسی رات کہیں دس بجے کے آس پاس ہوا۔"

"اچھا...؟" یک لخت اس نے بے یقینی سے محسوس کی۔ اسجد کے الفاظ کانوں میں گونجنے لگے۔

"ہاں ہاں... وہ آئی تھی رات کو یہاں..." ایسا کیوں کہا اسجد نے...؟ کیا پتا وہ کسی اور رات کی بات کر رہا ہو... ناز بھابھی اتنے یقین سے کہہ رہی ہیں تو ضرور اس میں صداقت ہو گی۔

"تم نے اسجد سے بات کی اس معاملے پر...؟" ناز نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے متوجہ کیا۔

"جی ابھی تک تو نہیں کی..." اس نے ڈیرے والا قصہ گول کیا۔

"تو کرنا بھی مت... مجھے نہیں لگتا اسجد کا اس سارے معاملے سے کوئی لینا دینا ہو گا اور جہاں تک ڈائری میں اس کا نام آنے کی بات ہے تو بہتر ہے کہ خود کو ان "کیوں" اور "کیسے" کے سوالوں سے نکالو... بس سوچ لو' صنوبر کی کوئی مجبوری ہو گی۔" ناز کا ناصحانہ انداز بہت مصالحت لیے ہوئے تھا اور اس لمحے گل آویزہ کو بھی "مصالحت" اس معاملے کا سب سے مناسب حل محسوس ہوا۔ خصوصاً" اس صورت میں کہ نہ تو اسجد سے صنوبر کی دلی وابستگی ثابت ہو پائی تھی اور نہ ہی حالات و واقعات اسے قاتل ٹھہراتے تھے۔

تو اسجد کی ناراضی' اس کا غصہ جائز تھے۔ یعنی اب اس نے اپنے روٹھے ہوئے محبوب کو منانا تھا۔ اس پورے دورانیے میں پہلی بار آویزہ کے لب مسکرائے۔

"جانے تمہیں منانا کتنا مشکل ہے خان... چلو اپنی ہمت آزماتے ہیں..." اس نے ایک جذب کے ساتھ خود سے عہد باندھا۔

☼ ☼ ☼

"میرے لیے کیا حکم ہے خان صاحب... کہیں تو کابینہ بلوائیں...؟" فراز نے ٹھنڈے اپنے غصے کا اظہار کیا' لیکن اسجد سرد سپاٹ چہرا لیے درمیانی میز کو گھور رہا تھا۔ فراز ابھی گھنٹا بھر پہلے ہی یہاں پہنچا تھا۔ ڈیرے کے اندر والے چھوٹے لان میں دونوں نے چائے پی تھی۔ جانے دھوپ کی تمازت سے اسجد کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا یا اندرونی خلفشار سے... فراز نے پوری توجہ سے نظریں اس پر ٹکائیں۔ چائے کے دوران ہی اسجد نے اسے اب تک کے حالات گوش گزار کر دیے تھے۔ فراز کو غصہ اس بات پر تھا کہ پردہ پوش حسینہ کے بیوی ثابت ہونے اور پھر اتنا کچھ مزید ہو جانے کا قصہ وہ اب تک چھپا کر کیوں بیٹھا تھا' لیکن اسجد نے مزید کچھ بھی نہ بولنے کی جیسے قسم کھالی تھی۔ آخری جملے کے بعد سے چپ کے روزے پر چلا گیا تھا اور وہ آخری جملہ یہ تھا کہ

"وہ دھوکے باز میری جاسوسی کرنے آئی تھی' وہ جس پر میں نے اپنی بے پناہ محبت لٹائی' میرا وجود اس کے لیے صفر کی حیثیت رکھتا تھا۔"

"ارے آگے بھی بولو کچھ..." فراز کا استفسار جھنجلاہٹ میں تبدیل ہو چکا تھا۔

"کیا بولوں..." اسجد نے نتھنے پھلائے۔ "سنا تو چکا اس کی دھوکا دہی کی داستان۔"

"اس کی بے وفائی اور دھوکے پر اگر ہم کچھ دیر بعد بات کریں تو بہتر ہو گا۔" فراز کا لہجہ خاصا چبھنے والا تھا۔

اسجد طنزیہ مسکرایا۔

"میں جانتا ہوں تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔"

"کہنا چاہ رہا ہوں۔" فراز بلبلایا۔ "یہ کہو اپنا سر پھوڑنا چاہ رہا ہوں اس بے حس پتھر سے 'دنیا جسے میرا دوست کہتی ہے۔" فراز کا بس نہیں چل رہا تھا اٹھ کر سچ مچ کسی پتھر سے جا ٹکرائے۔ "تمہاری لائف میں کوئی صنوبر تھی' جو تمہاری کسی مہربانی کے نتیجے میں قتل ہو گئی اور تم مجھے آج بتا رہے ہو۔ وہ بھی حادثاتی طور پر یوں کہ تمہیں میرا کندھا درکار ہے۔ حد تو یہ کہ بجائے شرمندہ نظر آنے کے۔ دیوداس بنے بیٹھے ہو۔" فراز کی جھلاہٹ عروج پر تھی۔ اسجد پہلی مرتبہ لطف لے کر ہنسا۔

"یعنی تم بھی مجھے قاتل سمجھ رہے ہو۔"

"او بھائی.... کیوں نہ سمجھوں.... جب تک منہ سے پھوٹو گے نہیں یہی سمجھوں گا نا.... اب کیا تمہارے دائیں بائیں کے دو فرشتے آکر ڈھائی سال پرانا رجسٹر مجھے دکھائیں گے کہ ایکچوئلی اس رات ہوا کیا تھا بلکہ فرشتہ بھی آپہنچا تو پہلے میں اس سوچ میں پڑ جاؤں گا کہ یہ "دائیں" والا ہے یا بائیں والا...." فراز کا غصہ اب آخری حدوں کو چھونے لگا تھا۔ اسجد کا بے ساختہ قہقہہ نکل گیا۔ فراز کا بلڈ پریشر ہائی کر کے اب وہ کافی ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

"اچھا آؤ.... باہر چلتے ہیں۔" اس نے جیپ کی چابی اٹھائی تو لامحالہ وہ بھی برے برے منہ بناتا پیچھے ہولیا۔ دریائے سوات کے کنارے نرم مخملی گھاس پر پیر لمبے کیے وہ دونوں اچھلتے' شور مچاتے پانی کو آگے ہی آگے جاتا دیکھ رہے تھے۔

"صنوبر اور میرا قصہ محض پندرہ دنوں پر مشتمل ہے۔ وہ پندرہ دن جس کے آخری اور پندرھویں روز اس کا قتل ہو گیا۔ ویسے تو صنوبر چار پانچ ماہ سے اورنگ زیب چاچا کے گھر پر تھی' لیکن میرا بھی اس سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ بہنوں اور اماں جان سے البتہ اس کے فیشن' کپڑوں اور انداز اطوار کی باتیں ضرور سنی تھیں۔ میں تین دنوں کے لیے گاؤں آیا ہوا تھا۔ لائق محمد سے اورنگ زیب چاچا کی خرابی طبیعت کا پتا چلا تو خیریت دریافت کرنے چلا آیا اور جوں ہی ان کے گھر میں داخل ہوا تو نیلے رنگ کے ڈریس میں ایک شہری قسم کی لڑکی سے سامنا ہوا۔ گلے میں دوپٹا ڈالے وہ پراندہ لہراتی میرے قریب سے گزر گئی۔ میں ایک فلمی ہیروئن کے حلیے جیسی لڑکی کو سامنے پا کر ایک دم نروس سا ہو گیا۔ بچوں میں سے کسی نے صنوبر باجی کہہ کر پکارا تو عقدہ حل ہوا۔ بہر حال یہ تو تھی پہلی ملاقات.... اگلے روز وہ خوش بخت کے ساتھ صبح صبح ہمارے گھر آگئی۔ نورینہ اور بانو سے ہنسی مذاق کے دوران وہ چوری چھپے مجھے دیکھ رہی تھی اور ہولے ہولے مسکرا بھی رہی تھی۔ میں ایک بار پھر گھبرا کر باہر چلا گیا اور تیسرے دن جب میں پشاور آنے کے لیے تیار ہو کر سب سے اجازت لے کر گھر کے پھاٹک تک پہنچا تو میری بھانجی آروش دوڑتی ہوئی میرے پاس آئی' گلاب کا پھول میرے ہاتھ میں تھما کر کہا کہ 'یہ صنوبر

باجی نے دیا ہے اور وہ پوچھ رہی ہے آپ اگلی بار کب آئیں گے۔ پھول تو میں آروش کے ہاتھ سے لے ہی چکا تھا پیار سے اس کا گال سہلا کر مڑنے لگا کہ نظر درمیانی دروازے میں کھڑی صنوبر پر پڑی۔ میں نے ذرا دیر رک کر کچھ سوچا اور کہا پندرہ دن بعد اور چلا گیا۔

حالانکہ بعد میں پشاور پہنچ کر میں اپنے جملے پر خوب پچھتایا کہ کیوں میں نے اس کی دلچسپی کو بڑھاوا دیا، لیکن بہرحال پچھتانے کا فائدہ نہیں تھا اور پندرہ دنوں بعد جب دوبارہ گاؤں آیا تو صنوبر اسی دن حویلی بھاگی چلی آئی۔ مجھے اس کے کنسرن اور توجہ پر پہلی مرتبہ ذرا تعجب ہوا۔ دل میں خوش گوار سا احساس بھی جاگا حالانکہ شہر میں گزرے دو ہفتوں میں، میں نے ایک بار بھی اس کے متعلق نہیں سوچا تھا، لیکن وہ بھی میری بھرپور توجہ حاصل کرنے کا تہیہ کیے بیٹھی تھی۔

سیکنڈ ٹائم ہم لڑکوں کی عادت ہے کہ کسی نہ کسی کی بیٹھک یا پیچھے کے باغ میں جمع ہوتے ہیں اس روز بھی بخت لالہ نے مجھے یہی کہا کہ پانچ بجے باغ میں آجانا اور مقررہ وقت پر جب میں باغ پہنچا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں ان کی بیٹھک کا دروازہ بجانے کے لیے آگے بڑھا تب ہی گھر کے دروازے سے صنوبر باہر نکلی۔ مجھے اچانک سامنے دیکھا تو جھٹ مسکرا کر سلام کیا۔ میں جواب دے کر سنجیدگی سے پلٹ گیا کیوں کہ ریزرو رہنے کا عہد کرلیا تھا خود سے۔

”مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا تھا۔“ پیچھے سے اس کی آواز سنائی دی تو میں حیرت سے مڑا۔

”شکریہ... کس لیے...؟“

”آپ وعدے کے مطابق پندرہ دن بعد آئے اس لیے...“ وہ ذرا سا شرمائی۔ ”مجھے اپنے گاؤں جانا تھا، لیکن میں آپ کی وجہ سے رکی ہوئی تھی۔“

”تم ایسا کیوں کر رہی ہو؟“ میں نے خشک لہجے میں استفسار کیا، لیکن اس نے پروانہ کرتے ہوئے مسکرانا جاری رکھا۔

”کیا آپ نہیں جانتے...؟“ اس نے کسی جذبے کے تحت میری آنکھوں میں دیکھا تو پہلی مرتبہ میرے

دماغ میں گھنٹی سی بجی کہ یہ سب کچھ ٹھیک نہیں ہے... بے شک وہ کافی خوب صورت تھی، لیکن میرے مزاج کی نہیں تھی۔ مجھے بولڈ لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں... بے احتیاطی میرے لیے کئی مسائل کھڑے کرسکتی تھی، میں بنا جواب دیے واپس آگیا۔ اگلی رات مجھے پشاور کے لیے نکلنا تھا۔ ان دنوں قبیلوں کے حالات کافی بہتر تھے، میں بے فکری سے رات کو بھی سفر کرلیا کرتا تھا۔

خیر اگلی رات تقریباً ”سات بجے اماں جان اور بہنوں سے مل کر میں سامان لیے ڈیرے پر آیا اور بس نکلنے ہی والا تھا کہ چند مہمان آگئے۔ میں اور بابر ان کے ساتھ بیٹھ گئے، وہ لوگ تقریباً“ نو بجے رخصت ہوئے۔ میں اپنے ڈیرے والے کمرے میں آکر سامان سمیٹنے لگا۔ بابر نے جانے کی اجازت مانگی تو میں نے اسے بھیج دیا ویسے وہ بنا مجھے رخصت کیے جاتا نہیں ہے، لیکن قربان چاچا شام سے ہی اسے باڑے پر بلا رہے تھے شاید کسی بیمار جانور کا مسئلہ تھا۔ میں نے اسے کہا کہ باقی کے کمروں وغیرہ کو لاک لگا کر چابیاں وہ اپنے ساتھ لیتا جائے۔ مجھے اس نے کمرے اور مین گیٹ کے دو اوپن تالے دیے اور چابیاں لے کر چلا گیا۔ آنے والے وقت میں اسی بات نے مجھے بہت بڑے خطرے سے بچایا۔ بابر کے جانے کے بعد مشکل سے دس منٹ میں وہاں رکا۔ اس دوران تھوڑی دیر کے لیے بخت آیا۔ دو چار باتیں کیں اور چلا گیا۔ میں نے سامان باہر نکال کر کمرے کو لاک لگایا اور ابھی برآمدے میں ہی کھڑا تھا کہ گیٹ سے کسی کو اندر آتے دیکھ کر رک گیا۔ کالے برقع میں وہ کوئی عورت تھی جس نے مڑ کر اپنے پیچھے گیٹ بند کیا تھا۔

”کون ہے...؟“ میں نے قدرے برہم لہجے میں آواز دی۔ رات کے اس پہر کسی عورت کی آمد... وہ بھی ڈیرے پہ... ہمارے ہاں ڈیروں پر عورتوں کے آنے کا رواج نہیں ہے۔ وہ اعتماد سے چلتی ہوئی قریب آئی اور اس نے اپنا برقع اتار دیا، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا برقع کے اندر صنوبر ہوگی۔

”تم... تم یہاں کیوں آئی ہو صنوبر...“ وہ بھی باہر

سے۔۔۔ تمہیں کسی نے دیکھا نہیں ہے۔۔۔ گھر پر کیا
کہا۔۔۔؟" میرے پاس سوالوں کی بھرمار تھی۔

"میں چوری چھپے آئی ہوں خان۔۔۔ کسی کو پتا نہیں
ہے۔ بس مجھے پتا چلا کہ آپ واپس جا رہے ہیں تو خود کو
روک نہیں پائی۔"

"تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔" میں نے
پریشان ہو کر خواہ مخواہ آس پاس پہ نظر ڈالی۔ اتنے بڑے
ڈیرے پر رات کے اندھیرے میں ایک جوان لڑکی اور
میں۔۔۔ مجھے ایک گدگداتا خوف لاحق ہوا۔ اورنج کلر
کے کپڑوں میں تیکھے نقوش اور چونکی تیز نگاہیں لیے وہ
عجیب ساحرہ سی لگ رہی تھی۔ پھر سراپا مہمان تھی۔
میرا دل حیرت کے جھٹکے سے نکل آیا تھا۔ خیالات میں
یک دم ایک خوش کن بدلاؤ آیا۔۔۔ وہ میری محبت میں
اچھا خاصا رسک لے کر وہاں تک آئی تھی۔ ٹھکرانے
اور رد کرنے کو دل قطعاً" رضامند نہ ہوا۔

"خان۔ آپ مجھ سے پیار نہیں کرتے تو آج اور
ابھی مجھے مایوس کردیں پھر میں کبھی آپ کی راہ میں
نہیں آؤں گی۔"

"ایسی بات نہیں ہے صنوبر۔" میں الفاظ تلاش
کرنے لگا۔ نہ کبھی محبت کی تھی نہ اظہار کی نوبت آئی
تھی۔ ایسے موقع پر کیا کہنا چاہیے کچھ سوجھ نہیں رہا تھا
جب کہ محبت تو میں اس کے لیے بھی قطعاً" محسوس
نہیں کر رہا تھا۔ وہ مسکرا کر تھوڑا قریب آئی۔۔۔ پہلی بار
مجھے اس کی بولڈنیس اچھی لگی۔۔۔ شاید میں بہکنا چاہتا
تھا۔ شیطان کو ایسے ہی لمحے بڑے پسند ہوتے ہیں۔ ہم
دونوں نامحرم تھے اکیلے تھے۔۔۔ میرا دل کم از کم اس لمحے
سراسر دماغ کا ساتھ چھوڑ کر بہکتی وادیوں میں قدم رکھ
چکا تھا' میں نے ہمت کر کے دو قدم آگے بڑھائے تب
ہی موبائل کی بیپ بجی۔ وہ حقیقتاً" بوکھلا کر اچھلی اور
ایک نظر موبائل کی چمکتی اسکرین پر ڈالی۔

"کیا ہوا۔۔۔ کیا گھر سے کسی کی کال تھی۔" مجھے فکر
لاحق ہوئی کہ کہیں نور زادہ چاچی کے گھر میں اس کی
تلاش نہ جاری ہو چکی ہو۔

"نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ یہ میسج کی ٹون تھی۔۔۔ کال

نہیں۔"

"اوہ۔" میں تھوڑا ریلیکس ہوا۔

"خان۔ ہم کچھ دیر اندر بیٹھ جائیں۔ یہاں کافی ٹھنڈ ہے۔"

"ہاں۔ ہاں۔۔۔" میں پورے دل کی خوشی اور رضا مندی سے مڑا' لیکن مڑتے ساتھ ہی بھڑکتے شعلوں سے جذبات پر ٹھنڈا پانی پڑ گیا۔ تالا میں بند کر چکا تھا اور چابیاں بابر کے پاس تھیں' میں نے تمہیں بتایا تھا نا چابیاں بابر کو دینے کی وجہ سے میں بہت بڑے خطرے کا شکار ہونے سے بچ گیا تھا۔۔۔ یہ تو تھا پہلا خطرہ۔۔۔ دوسرے کا میں آگے چل کر ذکر کروں گا۔" اسجد نے کچھ دیر توقف کیا۔

اللہ کی مدد شیطان کے بہکاوے کے آڑے آگئی۔ نہ کمرے کھل سکتے تھے نہ ہی ہم اندر جا سکتے تھے مجبوراً" برآمدے میں رکھی کین کی کرسیوں پر ٹک گئے۔ صنوبر نے لاشعوری طور پر ہاتھ میں پکڑا برقع اور موبائل سامنے میز پر رکھ دیے میرے جذبات میں کچھ دیر پہلے والی گرمی اور تیزی میں قدرے کمی آگئی تھی۔۔۔ میں بولنے کے لیے پر تول رہا تھا جب دوبارہ وہی بیپ بجنے لگی' میں نے پوچھا کس کا ہے تو گھبرا کر بولی۔

"کسی کا نہیں۔۔۔" مجھے اس کا جواب کافی عجیب لگا کیونکہ مسیج تو آیا تھا اور ظاہر ہے کسی نہ کسی کا تو تھا۔ میرے حواس اچانک ہی پورے بیدار ہو گئے' دماغ میں سوچنے کا عمل شروع ہو گیا تھا۔ ہمارے ہاں لڑکیوں کو موبائل وغیرہ سے دور رکھا جاتا ہے' لیکن وہ۔۔۔ ایک تو دھڑلے سے موبائل ہاتھ میں لیے ہوئے تھی دوسرے گاہے گاہے کسی سے رابطے میں بھی تھی' میری "محبت" میں اتنا بڑا خطرہ اٹھا کر یہاں تک آجانے والی میری طرف کم موبائل کی طرف زیادہ متوجہ تھی' میرا دل ایک دم ہی اچاٹ ہوا۔ دماغ نے بھی کہا "اسجد عالم یہ کیا مصیبت مول لیے بیٹھے ہو' نکلو اس گھن چکر سے' مجھے اب سچ مچ گھبراہٹ سی ہونے لگی تھی۔ تب ہی تیسری مرتبہ بیپ بجی' صنوبر نے موبائل اٹھایا اور میں نے گیٹ کا تالا اور لیپ ٹاپ ہاتھ میں لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔ مسیج پڑھتی صنوبر نے بے ساختہ میری کلائی تھامی۔

"بس۔۔۔ پانچ منٹ اور۔۔۔"

"مطلب۔۔۔؟" میں ایک دم چونکا۔۔۔ پانچ منٹ اور۔۔۔ سے کیا مراد تھی وہ ایک ہاتھ سے میری کلائی پکڑے دوسرے ہاتھ سے کچھ لکھنے میں مصروف تھی' میں نے بس ایک لمحہ لیا سوچنے میں اور اس کے ہاتھ سے موبائل چھین لیا' میرے سامنے "ان باکس" ہی کھلا تھا۔ پیغام کسی "جانو" کی طرف سے تھا۔ جسے پڑھتے ہی میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ میں نے جلدی سے پچھلے دو پیغام بھی پڑھ لیے۔ خوف سے میری ریڑھ کی ہڈی جیسے منجمد ہو گئی۔۔۔ کوئی بہت بڑا خطرہ اس وقت میرے انتہائی قریب آچکا تھا۔ جس کی بو میرے نتھنوں کے اندر تک گھس گئی تھی۔ بالترتیب ان پیغامات میں کچھ یوں درج تھا۔

پہلا۔ "اس کو فی الحال کسی طرح مصروف رکھو!"

دوسرا "ہم یہیں ڈیرے کے آس پاس ہی ہیں' گھبرانا مت۔"

تیسرا۔ بس پانچ منٹ اسے اور روک لو۔۔۔ کام ہونے والا ہے۔"

"کیا ہے یہ سب۔۔۔؟" میں نے خونخوار نظروں سے صنوبر کی طرف دیکھا "کون ہے تمہارے ساتھ۔۔۔ اور کیا مقصد ہے تم سب کا۔۔۔؟ کیا چاہتی ہو صنوبر۔۔۔؟" میں نے جنونی انداز میں اس کا بازو دبایا۔

"میں بے قصور ہوں اسجد۔۔۔ میں نہیں جانتی ان کا مقصد۔۔۔"

"اور میرے لیے تمہاری دلچسپی محبت کا اظہار۔۔۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"وہ سب جھوٹ تھا خان۔۔۔ میں کسی اور سے پیار کرتی ہوں اور۔۔۔" اس نے اچانک نہایت پھرتی سے موبائل چھینا' برقع اٹھایا اور بھاگ کھڑی ہوئی' میں چاہتا تو پل میں اسے جالیتا لیکن میں شدید اعصابی تناؤ کا شکار تھا' فوری طور پر صنوبر سے جان چھڑوانا ہی

میری اولین ترجیح تھی۔ میں نے اسے جانے دیا اور آگے کے بارے میں سوچنے لگا۔ اتنی سمجھ ضرور آگئی تھی کہ کوئی میری جان کے درپے ہے اور بہت نزدیک کہیں ہے۔۔۔۔ عافیت تو اسی میں تھی کہ میں ڈیرے کے اندرونی راستوں سے ہوتا ہوا اپنے گھر چلا جاتا لیکن اس لمحے میں اپنے آپ سے اس قدر شرمندہ تھا کہ کسی کو بھی فیس کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ بس جھٹ پٹ سامان گاڑی میں ڈالا اور اسٹارٹ کرکے باہر لے آیا۔ گیٹ کو تالا لگایا اور پوری طاقت سے بھگا لے گیا۔۔۔۔ ہاں اور تھوڑی دور جانے پر گاؤں کی سکوت بھری خاموشی میں دو فائر ہونے کی آواز میں نے بہت واضح طور پر سنی تھی۔ لیکن یہ دھماکہ خیز خبر مجھے اگلی صبح پشاور پہنچ کر ملی کہ رات یہاں صنوبر کا قتل ہو گیا ہے۔

چابیاں بابر کے پاس ہونے والی بات نے مجھے یوں بچایا کہ چونکہ صنوبر کی لاش ڈیرے کے باہر ملی تھی تو سب سے پہلے ڈیرے میں رات گزارنے والوں پر شبہ ظاہر کیا گیا۔ تب بابر نے بتایا کہ نو بجے ڈیرے کو تالا لگا کر وہ قربان چاچا کے پاس چلا گیا تھا۔ اور قربان چاچا نے گواہی دی کہ ہاں جب فائر ہوئے وہ اور بابر دونوں باڑے میں تھے۔ لہٰذا قتل کا تعلق ڈیرے سے نہیں ہے۔۔۔۔ بات آئی گئی ہو گئی اور میں جو اپنے آپ سے نظریں ملانے کے قابل بھی نہ رہا تھا اس معاملے پر کچھ بھی بولنے کی ہمت آج تک اپنے اندر پیدا نہیں کرسکا۔۔۔۔ پھر بابر نے بھی میری وہاں موجودگی کا کسی سے ذکر نہیں کیا۔۔۔۔ کبھی اس بات پر شرمندگی محسوس کروں بھی۔۔۔۔ کہ کہیں نہ کہیں صنوبر کے قتل سے میرا کوئی تعلق بنتا ہے تو کبھی اس بات پر شکر بھی ضرور ادا کرتا ہوں کہ اس رات نہ تو شیطان کے بہکاوے میں آکر کسی غلطی کا مرتکب ہوا تھا نہ ہی دلی طور پر اس کی طرف راغب تھا۔ بس اتنا ضرور جانتا ہوں کہ کسی بہت عجیب و غریب سازش کا شکار ہونے سے بال بال بچا تھا۔"

"ہوں۔" توجہ سے ایک ایک لفظ سنتے فراز نے طویل خاموشی کے بعد ایک ہنکارا بھرا۔ "اب یہ نہیں پتا کہ گل آویزہ بھابھی کے پاس اس واقعے کی کتنی معلومات ہیں اور تمہارے اس رات اس معاملے میں ملوث ہونے کا انہیں کس نے بتایا۔؟"

"چھوڑو۔۔۔۔" گل آویزہ کے نام پر اسجد کے دل میں عجیب سی کسک اٹھی۔۔۔۔ فراز نے پل میں بدلتے اس کے تاثرات کو دیکھ کر بہت حیران کن اندازہ لگایا۔

"تم اس سے بہت پیار کرتے ہو اسجد۔۔۔۔" وہ اسے بہت محبت سے دیکھ رہا تھا۔ اسجد کی آنکھوں کے گوشے نم ہو گئے۔ کرب سے اس نے اپنے لب بھینچے اور اپنی کیفیت چھپانے کے لیے فوراً ہی وہاں سے اٹھ گیا۔ دریا کے کنارے کھڑے اپنے دونوں ہاتھ پشت پر باندھے وہ پتھروں سے ٹکراتی شفاف لہروں کو دیکھنے لگا، پتھر جو اس لمحے اسجد کو گل آویزہ کی طرح لگے بے درد، بے رحم۔۔۔۔ جذبات سے عاری اور ان پتھروں سے سر پھوڑتی اجلی شفاف لہریں اپنے دل کی طرح۔۔۔۔ ذرا سی نرمی اور محبت پاتے ہی جو کسی کی ہونے لگتی ہیں۔

"تم اور گل آویزہ شاید یہ سمجھتے ہو کہ پہلی ہی نظر میں، میں گل آویزہ کی صورت پہ فریفتہ ہو گیا تھا۔ اس رات۔۔۔۔ جب وہ ڈیرے پر حملے کی خبر دینے آئی تھی۔۔۔۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہت حسین ہے لیکن حقیقتاً "پہلا خیال اس رات گل آویزہ کو دیکھ کر میرے اندر یہ جاگا کہ ایک وہ تھی جو اس اندھیری رات میں بے خوفی سے ڈیرے پر آئی تھی۔ مجھے کسی سازش کا حصہ بنانے کے لیے۔۔۔۔ جس کی مہربانی محض دھوکا اور فریب تھی۔۔۔۔ اور ایک یہ ہے جو اس کالی رات میں جانے کہاں کہاں کی مصیبتیں اٹھاتی آئی ہے، میری خیر خواہ بن کر۔۔۔۔ میری جان بچانے اور مجھے خطرے سے آگاہ کرنے۔۔۔۔ نہ وہ بجلیاں گرانے کی کوشش کر رہی تھی نہ رجھانے کی۔۔۔۔ بس وہ میری سلامتی چاہ رہی تھی۔ میرا بے چین دل جو نجانے کب سے کسی مہربان کے انتظار میں بھٹک رہا تھا، پل میں میرا ساتھ چھوڑ کر اس کے ساتھ رخصت ہو گیا۔ وہ حسن اور سیرت دونوں میں کمال تھی۔۔۔۔ نہ مجھے سنبھلنے اور سوچنے کا موقع ملا اور

نہ ہی دماغ کسی مصلحت اور احتیاط پر آمادہ ہوا۔ لیکن آج..... "وہ استہزائیہ ہنسا "آج اپنی بے وقوفی پر ہنسی آئی ہے..... صنوبر تو صرف صورت سے رجھا رہی تھی' اس نے صورت اور کردار دونوں سے دھاک بٹھا کر لوٹا..... اور مجھ پر بھروسے کا یہ عالم ہے کہ اس روز چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی..... ضرور صنوبر میری زیادتی کا شکار ہوئی ہوگی۔ میں نے اسے بھی استعمال کیا ہوگا۔"

وہ بڑی تکلیف سے مسکرایا۔

"بھی۔" سے مراد یہ ہے کہ میں نے اسے بھی استعمال کیا..... حد ہوگئی۔ یعنی میری بیوی جسے میں ایک زمانے کے سامنے بیاہ کر' رخصت کرا کر اپنے گھر لایا۔ میں اس کا استعمال کر رہا تھا۔ اس کے نزدیک میں ایسا جنگلی گنوار انسان ہوں' جسے تہذیب چھو کر بھی نہیں گزری۔ جسے بیوی اور غیر عورت میں تمیز کرنا بھی نہیں آتی۔ میری بے تحاشا محبت' دیوانگی اور بے تابی کو اس نے میرا وحشیانہ پن سمجھ کر میری محبت کی جو تذلیل کی ہے' شاید میں اسے معاف کرنے کا حوصلہ زندگی بھر اپنے اندر نہیں پا سکتا۔ کبھی نہیں۔" وہ فراز کو دھیرے دھیرے خود پر گزرنے والی کیفیت کا حال بیان کر رہا تھا اور فراز اس سچویشن میں سوائے خاموش کھڑے رہنے کے کچھ نہیں کر پایا۔

☆ ☆ ☆

حویلی میں میلاد شریف کی تیاریاں ہو رہی تھیں' ہر سال ربیع الاول میں خان بیگم کی حویلی میں بڑے پیمانے پر میلاد کی تقریب منعقد ہوتی۔ گاؤں بھر کی عورتیں حویلی میں مدعو ہوتیں' گھر کے اندر اسی سلسلے میں صفائی مہم کا آغاز ہو چکا تھا۔ گل آویزہ بھی اب خادماؤں اور نندوں کے ساتھ سارا سارا دن سامنے کے حصے میں رہنے لگی تھی' تاکہ خان بیگم کو شکایت نہ ہو۔ اسجد خان سے سامنے کا امکان بھی کم سے کم تھا کیونکہ اپنے دوست کی آمد کے بعد اس کا زیادہ وقت ڈیرے پر ہی گزرنے لگا تھا۔

دلناز اسجد کا کمرا صاف کرنے گئی تو وہ بھی خان بیگم کی نظر بچا کر پیچھے آگئی۔ آج پہلی مرتبہ وہ کمرے کے اندر داخل ہوئی تھی۔ جس کے متعلق اسجد نے کہا تھا..... چاہوں تو ابھی بازو سے پکڑ کر اپنے کمرے میں لے جا سکتا ہوں..... گل آویزہ نے بے ساختہ اپنی کلائی کو دیکھا' جسے تھامنے والا اب میلوں کی دوری پر کھڑا دکھائی دیتا تھا..... وہ اپنے ہی کمرے میں خالی ذہن کھوئی کھوئی آنکھیں لیے کھڑی تھی۔

کاش میرے مقدر میں پہاڑوں جیسی سختی نہ لکھی ہوتی تو آج میں اور خان دنیا سے بے نیاز اپنی اس جنت میں ایک دوسرے کی محبت سے سرشار ہنسی خوشی وقت گزار رہے ہوتے۔

یا اللہ..... ان چٹانوں سے بھی سخت اور کھردرے "نصیب" سے میرے نازک مزاج خان کو دور رکھنا۔ اس میں برداشت کا مادہ بہت کم ہے میرا جذباتی رانجھا۔ جو شاید اب محبت ترک کرنے کی راہ پر چل پڑا ہے۔ وہ درد بھرے انداز میں مسکرا کر کمرے کو غور سے دیکھنے لگی۔

یہاں تو کچھ صاف کرنے کی ضرورت نہیں تھی..... کمرا بھی اس کے شاہانہ مزاج جیسا ہی تھا۔ حویلی کے باقی تمام کمروں سے بالکل الگ اور بہت خوب صورت ویلویٹ کے میرون پردے..... میرون ایرانی قالین' بڑا سا بھاری پلنگ' الماریاں' صوفہ سیٹ' شیشے کی میز' دیواروں پر خوب صورت پینٹنگز' قیمتی ڈیکوریشن..... وہ رشک سے ایک ایک چیز کو دیکھ رہی تھی۔

"کمرا تو پہلے ہی شیشے کی طرح چمک رہا ہے۔" اس نے حیرت سے دلناز کی طرف دیکھا۔

"پردے تبدیل کرنے ہیں بھابھی..... لالہ کہتے ہیں' اس رنگ سے دل اوب گیا ہے۔" دلناز صوفے پہ چڑھ کر ہک کھولنے کی سائنس سمجھنے لگی۔

"اچھا.....؟" اس نے نئے نکور' صاف ستھرے پردوں پہ حیرت کی نظر ڈالی۔ "اور نئے پردے.....؟"

"ہاں....." وہ ادھر الماری کے سب سے نیچے والے خانے میں رکھے ہیں..... کھولو نا بھابھی۔"

"ہاں..... ہاں۔" وہ جلدی سے الماری کے طرف

آئی۔ کھول کر دیکھا تو سب سے نیچے والے خانے میں کچھ پیکٹ رکھے تھے۔ اس نے نکال کر سامنے پلنگ پر رکھے اور کھولنا شروع کیا۔ مہندی اور براؤن کے امتزاج سے بنے وہ پھولوں والے جدید طرز کے پردے پہلے والوں سے زیادہ خوب صورت تھے۔

"پتا ہے بھابھی..... لالہ ان نئے پردوں کو دیکھ کر کیا کہے گا۔؟" وہ ریلنگ سے پردے نکال نکال کر نیچے صوفے پر پھینکنے لگی گل آویزہ اسے بغور سننے لگی۔

"کہیں گے۔" "یہ میرون قالین اب پردوں کے ساتھ میچ نہیں کر رہا۔ اسے تم لوگ رکھ لو..... میں پشاور سے نیا لے آؤں گا۔" "اب یہ پرانے پردے تو میں ویسے بھی اپنے کمرے میں لگا رہی ہوں۔ سمجھو قالین بھی آپ ہی آپ کچھ دن بعد میرا ہو جائے گا۔" وہ کھلکھلا کر ہنسی اور پھر کام میں لگ گئی۔ گل آویزہ نے اس کے بکھرے کی روشنی میں ذرا دیر رک کر کچھ سوچا اور الماری کھول کر پیروں کے بل نیچے بیٹھ گئی۔ میچنگ قالین بچھانا تو اس کے بس میں نہیں تھا۔ کم از کم بیڈ شیٹ تو ملتی جلتی بچھائی جا سکتی ہے..... جہاں سے اس نے نئے پردے نکالے تھے وہاں کچھ چادریں وغیرہ بھی رکھی تھیں۔ اس نے خان کے مزاج کو مد نظر رکھتے ہوئے کوئی میچنگ بیڈ شیٹ تلاش کرنے کی کوشش کی۔

"کیا مصیبت ہے..... تم لوگوں کو..... اتنی دور سے خود آنا پڑتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی چیزیں اٹھانے کے لیے..... اندھے ہو سب کے سب۔" باہر سے اسجد کی غصے بھرے آواز سنائی دی تو گل آویزہ اپنی جگہ پتھر کی ہو گئی۔

"ہائے لالہ....." دلناز ایک ہی جست میں صوفے سے چھلانگ لگا کر یہ جا وہ جا۔ گل آویزہ نے تو ہلنے اور مڑنے کی کوشش بھی نہیں کی کہ شاید اس طرح وہ اسجد کی نظروں سے چھپ جائے۔

"ہٹو مڑے..... یہیں سامنے تو رکھی تھی۔" اسجد نے اسے جو کوئی بھی سمجھا بہر حال گل آویزہ ہرگز نہیں سمجھا، تب ہی اٹھ کر کھڑی ہوتی گل آویزہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سائیڈ پر کیا..... اور سامنے کے خانے میں کسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھاتے اچانک ٹھٹکا اور فوراً "پلٹ کر دیکھا۔ گل آویزہ۔ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں کے مصداق جم کر کھڑی تھی۔ لیکن اسجد چونکنے، حیران ہونے اور حیرت پر قابو پا لینے کے سارے مراحل سے گزر لینے کے بعد ایک دم نارمل ہو گیا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو.....؟" سامنے الماری میں نظریں جما کر کچھ تلاش کرتے اس نے نہایت بد مزاجی سے سوال کیا اور حالانکہ گل آویزہ کے حساب سے یہ بھی بہت کم تھا، وہ تو چیخنے چلانے کی توقع کر رہی تھی۔

"کک..... کمرے کی صفائی....." اسے اپنی مری ہوئی آواز خود بھی کم سنائی دی۔

"یہ تمہارے کرنے کا کام نہیں ہے۔ ادھر اپنی سائیڈ پہ رہا کرو۔" وہ کچھ اٹھا کر واپس مڑا۔

"خان..... مجھے آپ سے کچھ بات....." اس نے بڑی مشکل سے نظر اٹھائی۔ وہ بھی اسی کو دیکھ رہا تھا۔ غصے اور نفرت کی تہیں لاکھ گہری سہی..... ان کے پیچھے کالی اداس آنکھوں میں چھپی محبت آج بھی صاف نظر آتی تھی۔ وہ اس کے ایک ایک نقش کو یوں تک رہا تھا جیسے تنہائیوں میں اس بے وفا کی شبیہہ دہرانا چاہتا ہو۔

"کیا میرا قتل ثابت ہو گیا ہے.....؟" اس نے الفاظ کے نشتر چلائے۔ گل آویزہ کھڑے کھڑے زمین میں گڑ گئی۔

"خان میں.....!"

"جس روز ثبوت مل جائیں، بات بھی کر لیں گے۔" اسجد نے دھاڑ سے الماری کا دروازہ بند کیا اور اکھڑ لہجے میں کہتا باہر نکل گیا تب ہی بوکھلائی ہوئی زرمینے کمرے میں داخل ہوئی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو.....؟" وہ اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھیں حالانکہ گل آویزہ نے فوراً ہی گھونگھٹ نیچے کر لیا تھا۔

"وہ میں دلناز کے ساتھ۔"

"تمہیں کہاں کیا کام کرنا ہے، ہم بتائیں گے، چلو جاؤ یہاں سے۔" آج تو کوئی بھی اس کی پوری بات سننے

کو تیار نہیں تھا۔ اس نے قدم باہر کی طرف بڑھائے۔
"سنو...... اسجد نے تم سے کوئی بات کی ہے۔"
جانے اسے کیوں شک گزرا۔
"جی نہیں۔ وہ تو بس اپنے آپ سے بولے جا رہے تھے۔ سب پہ غصہ کر رہے تھے۔"
"ہاں ہاں ٹھیک ہے جاؤ۔" زرمین نے فوراً" جواز قبول کر لیا کیونکہ بھائی کی غصے میں بڑبڑانے کی عادت سے خوب واقف تھی۔

☆ ☆ ☆

آج بہت دنوں بعد دھوپ نے اپنے سنہری پر پھیلائے تھے۔ فراز کو جیپ میں بٹھائے وہ کھیتوں میں چلا آیا۔ جیپ کچھ راستے پہ روک کر اس نے چابی نکالی' اب وہ دونوں کھیت کے کنارے کنارے چلنے لگے۔
"السلام علیکم خان۔" دو آدمی دوڑ کر نزدیک آئے۔
"خان کچھ چاہیے۔؟"
"شکریہ جانباز..... ویسے ہی ذرا چکر لگائیں گے۔"
"چائے' پانی خان.....؟"
"واپسی پہ......" وہ ہاتھ سے اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔ ہوا ابھی چل رہی تھی لیکن دھوپ کی وجہ سے ناگوار نہیں گزر رہی تھی۔ کھیتوں میں گندم لہلہا رہی تھی لیکن خوشے ابھی سبز تھے۔ پیلا ہو کر پکنے میں ابھی مہینہ ڈیڑھ کا وقت تھا۔ کہیں کہیں سرسوں کے پیلے قطعے بھی آجاتے..... کافی آگے سرسوں کا ایک بہت بڑا کھیت تھا..... اسجد کا رخ بھی اسی جانب تھا کیونکہ دور دور تک پھیلی سرسوں' سرما کی دھوپ کی وجہ سے آنکھوں کو اور بھی بھلی لگ رہی تھی۔ سرسوں کے پیچھے کچھ دور تک پتھریلی زمین اور اس کے پیچھے سبزے میں نہائے بلند پہاڑ۔
"اس جگہ کو دیکھو اسجد..... اور یہاں اپنی حیثیت کو۔" فراز نے رک کر اس کی طرف دیکھا "مقام شکر ہے سراسر..... ایک چھوٹا سا دل کسی کو ہر گز اتنا بے بس نہیں کر سکتا کہ وہ اپنا مقصد' اپنی ذمہ داریاں اپنے لوگوں کا احساس بھول جائے..... کیا یہ اسجد عالم کا تعارف کہ وہ محض اپنے دل کی خاطر جیے گا اور اگر اس کا دل مردہ ہو جائے تو وہ جینے کی امنگ ہی چھوڑ دے گا۔"
"جسے تم مقام شکر کہہ رہے ہو..... میرے نزدیک وہ گاؤں والوں کی بدنصیبی ہے۔ نہ ہی میں اپنے باپ کی جگہ لینے کا اہل تھا' نہ گاؤں کی ذمہ داری اٹھانے کا۔" اسجد وہیں قریبی پگڈنڈی پر پاؤں کھیتوں میں جما کر بیٹھ گیا۔ فراز نے بڑے دکھ سے بغور اس کی کیفیت کو دیکھا اور ایک سانس کھینچ کر قریب بیٹھ گیا۔
"وفاداری پر مجبور ان غریب سادہ لوگوں کے لیے میرے دل میں بہت درد پیدا ہوتا ہے۔ جانے اس معمولی شخص کو یہ لوگ کیا سمجھتے ہیں..... جو نہ ان کی امیدوں پر پورا اترتا ہے..... نہ ان کے کسی درد کا درماں ہے۔" اسجد مایوسی کی ایسی حدوں کو پہنچا ہوا تھا کہ فراز نے حقیقتاً" خود کو بے بس محسوس کیا۔
"تم سے بہادر تو وہ لڑکی ہے۔ جس نے بہن کی خاطر اپنا آپ جنونی کی آگ میں جھونک دیا۔"
"کم از کم تم سے اس جملے کی توقع میں ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔" گل آویزہ کے تصور سے اسجد کا ایک لخت چہرا سرخ ہوا۔
"جسے تم دھوکے باز اور بے وفا سمجھ رہے ہو' میرے نزدیک وہ قابل تعریف ہے اسجد۔" فراز پہلی مرتبہ قدرے ترش ہوا۔ "ارے کم از کم اس کی زندگی کا کوئی مقصد تو ہے..... وہ کام جس پر دو سالوں سے کسی مرد نے بھی ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کی وہ لڑکی ہو کر اس کا سراغ ڈھونڈنے نکلی ہے..... اینڈ بائی دا وے....." فراز ایک خیال کے آتے ہی اس کی طرف مڑا۔ "تم اسے دھوکے باز کس سلسلے میں کہہ رہے ہو..... بھول گئے کہ یہی وہ لڑکی ہے۔ جس نے تمہاری جان بچائی۔ تمہارے گاؤں کے غریب لوگوں کا اناج جلنے سے بچایا' تم پر حملے کی سازش ناکام بنائی..... جس طرح بھی ایسے بن پڑا اس نے تمہیں خطرات سے بچایا۔ اب تم کہتے ہو وہ تو تم سے پیار ہی نہیں کرتی اور تم سے بدلہ لینے آئی تھی۔"

"تو میں کب انکاری ہوں....." اسجد کا لہجہ قدرے نرم ہوا۔ "تم یہی دیکھ لو' باوجود اس کے کہ وہ میری بیوی ہے اور میں اس سے کچھ بھی پوچھنے کا حق رکھتا ہوں۔ آج تک میں نے اس سے ان خفیہ پیغامات اور موبائل فون سے متعلق کوئی سوال نہیں کیا..... صرف یہ سوچ کر کہ اگر وہ اپنے گھر سے کوئی موبائل یا سم وغیرہ چھپا کر لے آئی تھی تو اس پہ ظاہر کر کے اسے شرمندہ نہ کروں۔" اسجد ہنوز خفا سا تھا۔

"ٹھیک ہے..... مان لیا' لیکن اس پہلو پر کیوں نہیں سوچنا چاہتے کہ وہ بطور خاص "تم" سے کوئی عناد یا دشمنی پال کر اپنے گھر سے نہیں چلی تھی..... اسے اپنی بہن کے قاتلوں کی تلاش ضرور تھی لیکن یہ کہاں پتا تھا کہ اس راہ میں اس کا سامنا تم سے ہو جائے گا' اگر اسے تمہارے اس معاملے میں ملوث ہونے کا ذرا سا شبہ ہوتا تو وہ اتنی حیرت اور صدمے کا اظہار نہ کرتی' بجائے اس کے کہ تم اس کی غلط فہمی دور کرتے' اسے تسلی دیتے..... اسے دھتکار کر آ گئے۔"

"اس نے مجھے قاتل سمجھا ہے۔" اسجد کا انداز بدستور نروٹھا سا تھا۔

"تو بھائی میرے..... اور کیا سمجھے۔" فراز نے ماتھا پیٹا۔

"اچھا ایک بات کا جواب دو۔" وہ پوری طرح جرح پر اتر آیا۔ "دو سال پہلے جب اس رات تم وہاں سے نکلے اور پیچھے صنوبر کا قتل ہو گیا' تم یہ بھی جان چکے تھے اس لڑکی کے پیچھے کوئی تھا' گزرے دو سالوں میں تم نے یہ تک جاننے کی زحمت نہیں کی کہ وہ کیوں اور کس کے ہاتھوں قتل ہوئی۔ تم مستقبل کے سردار' اپنے ڈیرے' اپنے گاؤں میں ہونے والی ایک اتنی بڑی سازش اور مسٹری کو حل کرنے کو تیار نہیں ہوئے..... اب یہ بزدلی تھی' احتیاط یا کچھ اور..... میرے حساب سے تمہیں زیب نہیں دیتی تھی۔" فراز اب خاصے روکھے لہجے میں بات کر رہا تھا۔ اسجد کو جوگی کے چولے میں دیکھ دیکھ کر وہ خاصا تپ چکا تھا..... عنقریب اگر وہ بال بکھیرے' کرتا پھاڑے کھیتوں میں یہ گاتا نظر آتا کہ "یہ دنیا یہ محفل میرے کام کی نہیں....." تو فراز کو بالکل حیرت نہ ہوتی۔

"ایک ذرا سی لڑکی نے تمہیں تو بےکار ہی کر کے بٹھا دیا ہے۔" اس نے غصے سے نتھنے پھلائے۔

"اس ذرا سی لڑکی کی تعریف میں ابھی تم زمین آسمان ایک کر رہے تھے۔" اسجد نے طنز سے مسکرا کر جملہ جوڑا اور شاید پہلی مرتبہ مسکرایا۔ فراز نے بے ساختہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

"یار تم کیا کر رہے ہو اپنے ساتھ..... ہوش مندی سے معاملات کو دیکھو' انہیں سمجھو..... اور....." وہ ذرا دیر کو رکا۔ "میرا مشورہ ہے کہ تم ایک بار بھابھی سے ملو' اسے بتاؤ کہ....."

"یہ مت کہنا۔" اسجد نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"میں اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا اور نہ ہی اسے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ قاتل کوئی اور تھا..... نفرت ہے مجھے صفائیاں دینے سے..... اور اس سے بھی زیادہ کسی کے ہاتھوں استعمال ہونے سے..... اور اس نے میری محبت کو میری کمزوری سمجھ کر اسے استعمال کرنے کی بھول کی ہے۔" وہ اچانک ہی دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں لاکھ برا سہی فراز..... لیکن میرا دل اس کی محبت میں بہت خالص بہت کھرا تھا۔" بنا جواب کا انتظار کیے وہ واپسی کے لیے مڑ گیا۔ فراز نے بھی بنا کسی بھرے کے پیش قدمی کی..... بھلا کہتا بھی کیا۔

✡ ✡ ✡

خان بیگم اپنے سفید صبیح چہرے کے گرد کشمیری کڑھائی والا سفید دوپٹا اوڑھے ایک شان سے برآمدے کے تخت پر براجمان تھیں۔ دونوں دیورانیاں سلطانہ اور دلشاد بھی ان کے پاس بیٹھی تھیں۔

گاؤں بھر کی عورتیں اپنے بچوں کو لیے جوق در جوق آ رہی تھیں جن عورتوں نے قرآن پاک پڑھنا تھا انہیں زرمین اور ناز اندر ہال سے متصل بڑے کمرے میں لے جاتیں جہاں وہ سکون کے ماحول میں قرآن پاک کا ختم کر رہی تھیں..... اور وہ عورتیں جو اپنے بچوں کے ساتھ آئی تھیں ان کے لیے برآمدے میں

دریاں بچھی ہوئی تھیں۔ خان بیگم ہر ایک سے باری باری حال احوال پوچھ رہی تھیں۔ نسیمہ اور رحیمہ کھانے سے پہلے مہمانوں کی خشک میوے اور سوجی کی مٹھائی سے تواضع کر رہی تھیں۔

دیر سے باہر آنے پر گل آویزہ کو خان بیگم کی کڑی نگاہوں کا سامنا کرنا پڑا۔ تب ہی وہ چپکے سے ہال کمرے میں آگئی۔ اور خود کو کاموں میں مصروف کرنے کی کوشش کی۔

"تم بھی ایک سپارہ پڑھ آؤ۔ اندر کافی عورتیں تمہارے بارے میں پوچھ رہی ہیں۔ قرآن پاک تو پڑھی ہونا.....؟" زرمین باجی اپنی مخصوص بدمزاجی ماتھے پر سجائے اس سے مخاطب تھیں' ساتھ ساتھ اس کا ناقدانہ جائزہ بھی لے رہی تھیں۔ شاید گاؤں کی عورتوں کی نظر سے اسے جانچ پرکھ رہی تھیں۔ گل آویزہ نے آج اسجد کا دیا پیلا سوٹ پہنا تھا..... تینوں ان سلے ڈریس اس نے جمال بی بی سے سلائی مشین مانگ کر خود ہی تیار کر لیے تھے۔

گل آویزہ کچن کے کام چھوڑ کر اندر آگئی۔ جن سے آنکھیں چار ہوئیں انہیں سر ہلا کر سلام کیا۔ اونچی آواز میں کچھ بھی بولنا اس محفل میں بے ادبی تصور ہوتی' لہٰذا چپ کر کے سپارہ اٹھالیا۔ بیچ بیچ میں کسی وقت نظریں اٹھا کر سامنے بیٹھی خواتین کو بھی دیکھ لیتی..... یوں تو سب ہی چہرے ہی یہاں اس کے لیے اجنبی تھے' لیکن ایک خاتون معلوم نہیں کیوں کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی تھی۔ گل آویزہ کی جتنی مرتبہ بھی نظر پڑی اس نے بڑی شناسا مسکراہٹ سے نوازا۔ گل آویزہ مسلسل ذہن پر زور دے رہی تھی لیکن کچھ یاد نہیں آرہا تھا۔ زیادہ تر خواتین نے اب قرآن پاک ختم کر لیا تھا۔ کچھ نے اب کھجور کی گٹھلیوں پر درود پاک کا ورد شروع کر لیا تھا۔ کچھ نے آپس میں ہلکی پھلکی گفتگو شروع کر دی تھی۔ گل آویزہ نے سپارہ ختم کر کے اٹھنے کی کوشش کی تو اس عورت نے ہاتھ کے اشارے سے بلالیا۔

"السلام علیکم۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آئی۔

"پہچانا نہیں مجھے....." وہ ابھی بھی مسکرا رہی تھی۔

"معافی چاہتی ہوں..... شکل دیکھی بھالی تو لگ رہی ہے لیکن....."

"ارے بھئی۔ تمہارے گاؤں سے ہوں۔ یہاں میری سسرال ہے۔"

"تو کیا آپ بھی ونی....." بے ساختہ گل آویزہ کے منہ سے پھسلا پھر فوراً لب دبا لیے لیکن وہ خاصی خوش اخلاق تھی' پھر بھی ہنسنے لگی۔

"ارے نہیں' ہمارا معاملہ ذرا الگ ہے..... اصل میں میرے سسر آج سے بہت سال پہلے اپنا گاؤں چھوڑ کر یہاں آبسے تھے' کچھ خاندانی جھگڑوں اور دشمنیوں وغیرہ کے مسائل تھے۔ میرے سسر نے تمہارے سسر مشعل خان سے پناہ کی درخواست کی اور بس ان کی اجازت ملنے پر ہم یہاں آگئے..... لیکن میرا میکا اور میرے خاوند کے کئی دوسرے رشتہ دار چونکہ ادھر ہی ہیں تو آنا جانا بھی لگا ہی رہتا ہے۔ تمہاری ماں مجھے بہت اچھی طرح جانتی ہے۔ تمہیں میں نے ہاجرہ خانم کے گھر دیکھا تھا۔ تم ان کے بچوں کو پڑھانے جاتی تھیں نا.....؟"

"او ہاں..... گل آویزہ کو ایک دم یاد آیا۔" میں نے آپ کو وہیں تو دیکھا تھا۔ آپ خانم کی دوست ہیں نا۔"

"ہاں مڑے..... مجھے تو گاؤں جا کر سکون سے بیٹھنا نصیب ہی نہیں ہوتا..... اتنا ملنا ملانا ہو جاتا ہے کہ پوچھو مت۔"

"آپ کو گاؤں آنے جانے میں پرابلم نہیں ہوتی۔؟ میرا مطلب ہے کسی کو اعتراض نہیں ہوتا اس طرح کھلم کھلا آنے جانے پر....." وہ حیران تھی اس لیے پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"بالکل نہیں..... پھر وہ بلاور خاناں تو پکا دوست ہے میرے شوہر کا۔ اب جب خان ہمارے ساتھ ہے تو کسی کی کیا جرأت کہ اعتراض کرے۔"

"آپ کے شوہر کیا کرتے ہیں.....؟"

"لو تمہیں تو کچھ بھی پتا نہیں....." وہ پھر ہنسی

"اپنے بخت لالہ کا ڈرائیور ہے میرا شوہر.... ولی بخش۔"

"ولی بخش...." گل آویزہ نے زیر لب دہرایا۔ یہ نام تو وہ روز حویلی میں سنتی تھی.... بخت لالہ کا ڈرائیور.... اور.... بلاور خان کا دوست....؟ کچھ عجیب سا احساس جاگا اندر کہیں۔ بخت کے نام پر تو وہ ویسے بھی آج کل خوب چونک جاتی تھی۔ فوراً" وہاں سے اٹھ کر ناز بھابھی کے پاس آئی۔ وہ کچن میں قہوہ بنا رہی تھیں۔ ساتھ نسیمہ بھی تھی لیکن اسے گل آویزہ نے باہر بھیج دیا۔

"بھابی۔ یہ ولی بخش کیسا بندہ ہے....؟" اس نے سرگوشی کی۔

"کیوں....؟" وہ بے طرح چونکیں۔ "خیر تو ہے....؟"

"نہیں وہ اس کی بیوی ابھی مجھ سے باتیں کر رہی تھی۔ اسی سے پتا چلا کہ ولی بخش بلاور کا دوست ہے اور بخت لالہ کا ڈرائیور۔"

"ہاں۔ بہت شاطر آدمی ہے۔ کسی کے ساتھ بھی مل سکتا ہے اور کسی کو بھی دھوکا دے سکتا ہے۔ اس کا کوئی بھروسا نہیں مجھے تو سمجھ نہیں آتی کہ بخت اس پر اتنا اعتبار کیوں کرتا ہے۔"

"شاید.... کسی فائدے کے لیے...." گل آویزہ نے بے ساختہ اپنا تجزیہ بیان کیا تو ناز نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اور پھر تائید میں سر ہلایا۔

"ہاں۔ بہت ممکن ہے۔"

✡ ✡ ✡

"کل دوپہر کا پروگرام بنا ہے بلاور...." ولی بخش کی آواز موبائل سے ابھری تو بلاور کی ساری حسیں بے دار ہو گئیں۔

"کتنے بجے....؟"

"دوپہر کے آس پاس کا سن رہا ہوں.... اس کے ساتھ مہمان ہے نا.... شاید دوپہر کا کھانا کھا کر نکلیں۔"

"یعنی دو لوگ ہیں....؟" بلاور نے تھوڑی دیر رک کر کچھ سوچا۔

"ہاں.... فی الحال تک تو یہی پروگرام ہے کہ اسجد خود ڈرائیو کر کے لے جائے گا۔ باقی میں ساتھ ساتھ تمہیں ساری صورت حال سمجھاتا رہوں گا۔ بس تم پلان میں رتی برابر تبدیلی نہ کرنا۔ جیسا خان نے سمجھایا۔ ویسا ہی کرنا۔"

"میری طرف سے بے فکر رہا کرو ولی۔ بلاور کی بات ایک ہی ہوتی ہے۔ جو طے کر دیا بس وہی زندگی کا مقصد ہے' پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ تم اپنے خان کی بات کرو۔ اس بار بھی ہیرا پھیرا ہوئی تو انجام اچھا نہیں ہو گا۔"

"انجام کی فکروں سے تمہیں ہمیشہ کے لیے آزاد کر دیں گے۔ پریشان کیوں ہوتے ہو۔" ولی بخش نے مسکرا کر دل میں سوچا اور فون بند کر دیا۔

✡ ✡ ✡

بکرے کے بھنے ہوئے گوشت اور کابلی پلاؤ سے مکمل انصاف کرنے کے بعد فراز نے ہاتھ منہ دھو کر کلی کی اور تولیے سے چہرا صاف کرتا اس کی طرف مڑا۔

"کب نکلنا ہے اسجد....؟ دو تو ہم نے یہیں بجا دیے۔"

"بس یہیں جرگے تک جاتا ہے۔ اعظم کاکا نے کسی ضروری کام سے بلا بھیجا ہے۔ واپس آتا ہوں تو چلتے ہیں۔ تم چائے وغیرہ پی لینا اس دوران۔"

"نہیں یار۔ فی الحال چائے پینے کا بالکل موڈ نہیں ہے۔ خوب ڈٹ کر کھانا کھایا ہے۔ میرا پروگرام تھا راستے میں کہیں چھپر ہوٹل سے چائے پئیں گے۔ خوب انجوائے کرتے ہوئے جائیں گے' زیادہ مزا آئے گا۔" وہ جانے کیا کیا پلان کر کے بیٹھا تھا۔ اسجد مسکرانے لگا۔

"وہ اسجد اب کہاں سے لاؤ گے۔" وہ محض دل میں سوچ کر رہ گیا' لیکن وہ دوست ہی کیا جو دوست کے دل کی بات نہ سمجھ سکے۔ فراز اٹھ کر اس کے سامنے آیا۔

"مایوسی کی انتہا میں بھی ایک امید ضرور چھپی ہوتی

ہے۔ خصوصاً" جب ہم اس پروردگار پر پورا یقین رکھتے ہوں۔"

"ہوں۔۔۔" اسجد نے تائید میں سر ہلایا۔ "میں جاؤں۔۔۔؟"

"آں۔۔۔" فراز نے کچھ سوچتے ہوئے سر کھجایا۔ "میرا خیال ہے ساتھ ہی نکلتے ہیں۔ حجرے سے ہوتے ہوئے آگے نکل جائیں گے۔ یہاں بے کار بیٹھنے سے بہتر ہے تھوڑا میں بھی گھوم پھر لوں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" اسجد نے فوراً" اتفاق کیا۔ "چلو پھر۔۔۔ تمہارا سامان رکھوا دیتا ہوں اور میں ذرا اماں جی سے مل کر آتا ہوں۔" بابر کو چند ضروری ہدایات دے کر وہ حویلی کی طرف بڑھ گیا اسے پشاور میں چند ایک ضروری کام تھے اس لیے فراز کو چھوڑنے کا پروگرام خود ہی بنالیا۔

☆ ☆ ☆

"گل آویزہ۔۔۔ او گل آویزہ۔۔۔ کہاں ہو۔" ناز بھابھی کی گھبرائی ہوئی آواز پچھلے حصے میں سن کر وہ ازحد حیران سی باہر نکلی۔ دوپہر کے کھانے سے فراغت پا کر وہ روزانہ ہی تقریباً" دو ڈھائی گھنٹے کے لیے اپنے کمرے میں واپس آجایا کرتی تھی۔ حیران ہونے کی وجہ فقط یہ تھی کہ اپنے گھر والوں کے علاوہ اس حصے میں کم ہی کبھی کوئی آیا تھا۔ بھابھیوں وغیرہ سے تو خان بیگم کی موجودگی میں ہی ملاقات ہوپاتی تھی۔ ناز بھابھی کا بلا جھجک اسے پکارتے ہوئے یہاں تک آنا واقعی عجیب تھا۔

"بھابھی آپ۔۔۔" اس نے حیرت سے چاروں جانب دیکھا۔ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ جمال بی بی کا کمرا بھی خالی پڑا تھا۔ بھابھی کے ساتھ ان کی تین سالہ پشمینہ تھی۔

"کسی کو نہیں پتا کہ میں یہاں تمہارے پاس آئی ہوں۔ سب ہی اپنے کمروں میں تھیں شاید۔۔۔ اور پتا چل بھی گیا تو کہہ دوں گی کہ پشمینہ کھیلتے ہوئے ادھر نکل آئی تھی اس کو لینے آئی ہوں اور تم چھوڑو ان باتوں کو۔۔۔" وہ اس سے پہلے ہی کمرے میں داخل ہوگئیں۔ "میں نے ابھی بخت کو فون پر کسی سے بات کرتے سنا ہے۔ تت۔۔۔ تم ذرا حوصلے سے سننا خدا کے لیے اور جو بھی تم سے بن پڑے جلد از جلد کرو۔۔۔ وقت بہت کم ہے۔"

"کیا ہوا بھابھی۔۔۔ کیا سنا آپ نے۔" دل آویزہ کا لمحے میں دل ڈوب گیا۔

"وہ۔۔۔ اصل میں۔۔۔" ناز نے کانپتے ہاتھوں سے اس کا بازو تھاما۔ وہ اس وقت ٹھنڈی یخ ہورہی تھیں۔ لہجے میں خوف کی واضح لرزش تھی۔ "میں اپنے گھر کی بیٹھک صاف کررہی تھی۔ باغ کی طرف والی کھڑکی کھلی تھی۔ بخت باہر باغ میں کھڑا کسی سے فون پر بات کررہا تھا۔ اس کا مشکوک انداز دیکھ کر میں نے قریب جاکر کان لگائے۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"بلاور جیسے ہی خان کا کام تمام کرے تم وہیں پر بلاور کو بھی ماردینا۔۔۔ اولہ بدلی کا کیم اسی ایک حملے میں برابر کردو۔"

"گل آویزہ "خان" سے اس کی مراد سوائے اسجد کے اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ اسجد کہاں ہے اس وقت۔۔۔؟ اگر وہ کہیں جارہا ہے تو روکو کسی طرح۔۔۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتی۔ تم تو جانتی ہو۔" ناز بھابھی کی آنکھوں سے پانی بہہ نکلا جب کہ گل آویزہ کے اوسان تو اسجد کا سن کر ہی خطا ہوگئے تھے وہ کسی مورتی کی طرح بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ "ہوش میں آؤ گل۔۔۔ تمہارے پاس وقت بہت کم ہے اور میں جارہی ہوں کہیں بخت کو کسی قسم کا شک نہ ہوجائے۔" ناز نے باقاعدہ اسے جھنجوڑ ڈالا تھا۔

"میں خان کو کچھ نہیں ہونے دوں گی بھابھی۔۔۔ آپ جائیں۔" اس نے ایک جذبے سے بھابھی کا ہاتھ دبایا اور ناز پہلی مرتبہ قدرے سکون محسوس کرتی پشمینہ کو لیے واپس لوٹ گئیں۔

"بلاور لالہ اسجد کو جان سے مارنے جارہا ہے۔۔۔ وہ بھی بخت کے حکم سے اور اسجد۔۔۔ وہ فراز کے ساتھ پشاور جارہا ہے اور اگر خان ابھی نہیں نکلا تو اسے روکنا

ہے۔" وہ فوراً" اٹھی اور الماری سے اپنا موبائل نکالا۔ لمبی سوچ بچار کا وقت ہی نہیں تھا۔ اس نے اسجد کا نمبر ملایا۔ بیل مسلسل جارہی تھی' لیکن وہ کال نہیں لے رہا تھا۔ تنگ آکر اس نے کال آف کی اور بلاور کا نمبر ملا دیا' لیکن اس نے بھی کال ریسیو نہیں کی۔ ذرا دیر رک کر اس نے کچھ سوچا اور حمدان کو فون کیا اور اسے کہا کہ وہ فوراً" بلاور خان کے ڈیرے پر جائے اور اگر وہ وہاں موجود ہے تو اس کی بلاور سے بات کرادے۔ حمدان اس کے کہنے کے مطابق فوراً" ہی ڈیرے کی طرف چل پڑا تھا۔

"اب۔۔۔ اور کیا کروں۔۔۔" اس نے پریشانی سے لب کاٹے۔ "خان بیگم کو بتادوں۔۔۔؟ لیکن کیا کہوں۔۔۔ ناز بھابھی کا نام کسی قیمت پر نہیں لے سکتی۔ کسی بچے کو دوڑاؤں ڈیرے کی طرف یا جمال بی بی' حاضر جان کو ڈیرے سے بلائے اور۔۔۔ اور اچانک اسے ایک اچھوتا خیال سوجھا۔ فی الحال پچھلے حصے میں وہ بالکل اکیلی تھی تو کیوں نہ خود۔۔۔ لیک کر اس نے الماری سے اپنا برقع نکالا اور بھاگتے بھاگتے ہی اوڑھ کر اصطبل کے درمیانی دروازے پر آئی۔ لکڑی کا ٹکڑا ہک میں سے نکال کر دروازے کو دھکا لگایا تو وہ کھل گیا۔ اصطبل میں سوائے گھوڑوں کے کوئی نہیں تھا۔ وہ بھاگ کر ڈیرے کے دروازے پر آئی اپنی طرف کی کنڈی کھول کر زور دیا' لیکن دروازہ دوسری طرف سے بھی بند تھا۔ اس نے بنا سوچے زور زور سے بجانا شروع کردیا۔ کچھ دیر بعد بابر نے دروازہ کھولا اور اب وہ حیرت سے ایک برقع پوش کو دیکھ رہا تھا۔

"خان کہاں ہے بابر بھائی۔۔۔؟"

"جی خان تو شہر کے لیے نکل چکے ہیں۔"

"م نہیں فون ملائیں اور روکیں جانے سے۔۔۔ وہ کب نکلے تھے۔" جانے کا سن کر گل آویزہ کا دماغ پھٹنے سا لگا۔

"بات کیا ہے۔۔۔ آپ پریشان کیوں ہیں۔" بابر بے چارہ تو یہ بھی سمجھ نہیں پارہا تھا کہ وہ ہے کون۔ اور اس سے کس انداز میں بات کرنی ہے۔

"ان کی جان کو خطرہ ہے بھائی۔۔۔ انہیں کسی بھی طرح روکیں جلدی فون ملائیں۔" اب کی بار وہ شدت سے چلائی تھی۔ بابر نے گھبرا کر موبائل جیب سے نکالا اور اسجد کا نمبر ملایا۔

"بیل جارہی ہے' لیکن وہ اٹھا نہیں رہے۔ شاید ڈرائیونگ کررہے ہیں اور موبائل بھی جیب میں ہوگا۔"

"تو اب کیا کریں۔۔۔؟ کیا آپ ان کے پیچھے جاسکتے ہیں۔۔۔؟"

"جی میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ میں دوسری گاڑی میں نکلتا ہوں۔ انہیں نکلے زیادہ دیر نہیں ہوئی۔" وہ فوراً" بھاگتا ہوا اندر گیا اور غالباً" آدھے منٹ کے اندر اندر بابر اور رستم دونوں کار میں بیٹھ کر اس کے سامنے حویلی کے گیٹ سے باہر نکلے۔ وہ بھی درمیانی دروازہ بند کرکے تیزی سے اپنے کمرے میں واپس آئی۔ موبائل اٹھایا تو حمدان کی مس کال آئی ہوئی تھی اس نے فوراً" نمبر ملایا۔

"بلاور نہیں ہے گلے۔۔۔ یہ لو زرتاج کاکا سے بات کرو۔" حمدان نے کال ریسیو کرتے ہی کہا اور موبائل شاید کاکا جان کی طرف بڑھادیا۔

"کیا بات ہے آویزہ۔ کیا کام ہے بلاور سے۔" زرتاج کاکا کی بارعب آواز موبائل میں گونجی۔

"کاکا جی۔۔۔ بلاور کیا اسجد کی جان لینے والا ہے۔" اس نے لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔

"کیا مطلب۔۔۔ یہ کس نے کہا تم سے۔؟" بڑے خان کی آواز انتہائی سخت اور کھردری ہوگئی۔

"بلاور کی جان کو خطرہ ہے کاکا جان۔۔۔ بخت ایک تیر سے دو شکار کررہا ہے۔ بلاور کے ہاتھوں اسجد کو مرواکر وہ موقع پر ہی بلاور کو بھی مروانے والا ہے۔ آپ اپنے بیٹے کو بچانے کے لیے جلدی کچھ کریں۔ اسے روکیں کسی طرح۔" گل آویزہ نے ان کے نفرت آمیز لہجے کی پروانہ کرتے ہوئے انہیں پوری تفصیل سے آگاہ کیا اور زرتاج خان تو جیسے آندھیوں کی زد میں آگیا۔

"مجھے بلاور کو روکنا ہوگا۔۔۔ ٹائم نہیں ہے۔"

انہوں نے فوراً" موبائل آف کیا۔ گل آویزہ نے تھکے تھکے انداز میں پیشانی مسلی۔

اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اب بس اللہ کے حضور ڈھیروں دعائیں مانگنے کا وقت تھا۔ پروردگار سے مدد طلب کرنی تھی۔ اتنی کہ جس سے بری تقدیر کا لکھا مٹ جائے۔ وہ خیال آنے پر فوراً" ہی وضو کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☼ ☼ ☼

کبھی تنہائیوں میں یوں ہماری یاد آئے گی.....
اندھیرے چھا رہے ہوں گے کہ بجلی کوند جائے گی.....
کبھی تنہائیوں میں یوں.....

اسجد نے ڈیش بورڈ کے اندر سے خوب چھانٹ کر ایک سی ڈی نکالی تھی۔ مبارک بیگم کی دلسوز آواز میں خوب صورت نغمہ گاڑی میں گونجا تو فراز نے ہنسی چھپانے کے لیے چہرا دوسری جانب پھیر لیا کہ مجنوں میاں کو پھر ایک حسب حال گانا مل گیا تھا۔

"ہنس لو جی بھر کے....." اسجد نے تیوری چڑھائی۔ "اللہ کرے تمہارے سر پر بھی عشق کا ایسا ڈنڈا پڑے.... چودہ طبق روشن ہوں گے تب ہی کسی مظلوم کی کیفیت ٹھیک سے سمجھ آئے گی۔"

"یہ دعا تو ہرگز نہیں لگ رہی۔" فراز نے مسکرا کر رخ موڑا۔

"ایسے دوست دعا کے حق دار بھی نہیں ہوتے۔" اسجد بھی ہنس پڑا۔

"ویسے خوش قسمت ہے وہ۔ نفرت کے دعوے بھی کرتے ہو اور تنہائیوں میں یاد بھی اسی کو کرتے ہو۔"

"نہ محبت پر اختیار ہے نہ دل سے اٹھتے درد پر۔" اس کے صاف سچے جواب پر فراز کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"چھوڑو یہ اداس، دکھی نغمے سننا۔ خود کو اس کیفیت سے نکالنے کی کوشش کیا کرو نہ کہ مزید طاری کرنے کی۔" فراز نے آگے بڑھ کر پلیئر آف کیا تب ہی سامنے سے آتی ایک کالے رنگ کی کار جب بائیں طرف سے گزرتے ہوئے عین ان کی جیپ کے مقابل آئی تو اچانک تین فائر ہوئے۔ اسجد کو اپنے کندھے سے تھوڑا نیچے بازو سے گرم سیال سا ابلتا نظر آیا اور اس نے پلیئر آف کرتے فراز کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکراتے دیکھا۔ وہ اچانک ہی بے سدھ ہو کر گرا تھا۔ اسجد کی اسٹیئرنگ پر گرفت کمزور ہوئی تو جیپ بری طرح لڑکھڑا کر سڑک کے کنارے تک چلی گئی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا حملہ آوروں کی کار اب ٹرن لے رہی تھی۔ یعنی وہ لوگ اب دوسرے حملے کی تیاری کر رہے تھے۔ اسجد نے گاڑی سیدھی کر کے دوبارہ سڑک پر ڈالنے کی کوشش کی۔ پچھلی کار اب مکمل ٹرن لے چکی تھی اور یقیناً" اب تیزی سے ان کی طرف بڑھنے والی تھی، لیکن اچانک پیچھے سے ایک اور کار نے قریب آ کر اس کالی کار کو دھکا مار کر سڑک کے کنارے تک دھکیلا اور وہ سڑک سے اتر کر رک گئی۔

اسجد نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھال کر دوسرے ہاتھ سے فراز کو ٹٹولا۔ "فراز..... فراز..... کیا ہوا۔" اسجد کو سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے۔ جانے مدد بھی کہاں سے اور کیسے آئی تھی۔ اتنا تو سمجھ میں آ گیا کہ مڑ کر آتی گاڑی کو دوسرے حملے سے روک دیا گیا تھا۔ وہ جلد از جلد فراز کی حالت دیکھنا چاہتا تھا، لیکن اس کے لیے پہلے پیچھے کا جائزہ لینا بہت ضروری تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو سڑک سے اتر جانے والی کار اب سنبھل کر دوبارہ تیزی سے اسی طرف کو آ رہی تھی۔ دوسری گاڑی بھی اس کے پیچھے تھی۔ اسجد نے اپنی سیدھی کھڑی کار کو فوراً" دوبارہ نالے کی طرف موڑا تاکہ دشمن اگر قریب سے گزرتے ہوئے دوبارہ فائر کرے تو اس کے سامنے جیپ کی پشت آئے، لیکن دشمن کی کار اب حملے کے بجائے اپنے بچاؤ کے چکر میں تھی تب ہی تیزی سے نکل کر بھاگتی چلی گئی۔

"خان..... آپ ٹھیک تو ہیں۔" دوسری گاڑی سے رستم اور بابر نکل کر جیپ کی طرف بھاگے۔ اسجد نے ان سنی کر کے فراز کو سیدھا کیا۔ بازو کی گولی تو صاف نظر

آ رہی تھی۔ دوسرا خون کا نشان کمر کے آس پاس کہیں تھا۔ بابر نے قمیص اوپر کر کے خون نکلنے کی جگہ دیکھی اور کندھے پہ رکھا اپنا صافہ اتار کر فوراً" اس کی کمر کے گرد باندھا۔ رستم نے اسی تیزی سے رومال جیب سے نکال کر اس کے بازو پر کسا اور پھر اٹھا کر اسے اپنی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔

"ہمیں فوراً" شہر کے اسپتال جانا ہو گا۔ جلد کرو۔" اپنے بازو کو ہاتھ سے دباتے ہوئے وہ تیزی سے کار کی طرف آیا۔

"خان آپ کا کندھا۔" رستم گھبرا کر اس کی طرف لپکا۔ اسجد کی بائیں سائیڈ پوری خون سے بھری ہوئی تھی۔

"خان آپ کو بھی گولی لگی ہے۔" بابر بھی حواس باختہ سا آگے بڑھا۔

"فراز کو دیکھو بابر۔۔۔ وقت ضائع مت کرو۔ میں ٹھیک ہوں۔" وہ بری طرح اس پر برس پڑا۔ بے سدھ پڑے فراز کو دیکھ کر وہ ہرگز اپنے آپے میں نہیں تھا۔ بابر نے بس چند سیکنڈز لیے سوچنے کے لیے اور رستم کی طرف دیکھا۔

"میں فراز صاحب کو لے کر نکلتا ہوں۔ تم خان کی جیپ میں میرے پیچھے آؤ جلدی۔" وہ کہہ کر رکا نہیں اور فوراً" ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر کار اسٹارٹ کر دی۔ رستم نے اس دوران اپنے کندھے کا کپڑا اتار کر اسجد کے بازو پر باندھ دیا تھا۔

بابر کے روانہ ہوتے ہی اس نے اسجد کو جیپ کی فرنٹ سیٹ پر بٹھایا اور اسٹیئرنگ سنبھال کر جیپ بابر کی گاڑی کے پیچھے ڈال دی۔ اسجد نے سیٹ سے سر ٹکایا تو آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ وہ ہوش میں رہنا چاہتا تھا۔ جلد از جلد شہر پہنچنے اور فراز کو خیریت سے دیکھنے کی خواہش میں آنکھیں کھلی رکھنا چاہتا تھا' لیکن اب یہ اس کے اختیار سے باہر ہوتا جا رہا تھا اور بس چند ہی لمحوں میں وہ بھی ایک سائیڈ کو لڑھک گیا۔

☆ ☆ ☆

"کاش میں بھی بابر بھائی کے ساتھ گاڑی میں چلی جاتی۔ جانے خان کہاں ہو گا۔ کس حال میں ہو گا۔ کس سے پوچھوں خیریت کی خبر۔" اعصاب جیسے گل آویزہ کا ساتھ چھوڑنے لگے تھے۔ اسجد کی سلامتی کی دعا مانگتے وہ ہچکیوں سے رو پڑی۔ "بچانے والی ذات ایک تمہاری ہے میرے مالک۔۔۔ خان کو کچھ نہ ہونے دینا اس کی حفاظت فرمانا مولا۔۔۔ اسے مصلے پر بیٹھے شاید پندرہ یا بیس منٹ ہی گزرے تھے جب حویلی کا بڑا دروازہ زور زور سے دھڑدھڑانے کی آواز سنائی دی۔

"یا اللہ خیر۔۔۔" وہ جو کسی جیپ یا گاڑی کی آواز پر کان لگائے بیٹھی تھی۔ بے تابانہ بھاگ کر حویلی کے اگلے حصے میں آئی۔ جمال بی بی پورے صحن میں چلاتی پھر رہی تھی۔ "خان کو گولی لگ گئی ہے۔"

خان بیگم بھی دروازے کے اس طرح عجلت میں بجائے جانے کی وجہ بر آمدے میں آ گئی تھیں۔

"کسے گولی لگ گئی' کون تھا دروازے پہ۔۔۔ سینے پہ ہاتھ دھرے وہ صحن میں اتر آئیں۔

"وہ۔۔۔ خان بیگم۔۔۔ حاضر جان آیا ہے گیٹ پہ۔۔۔ اسے رستم نے فون پر بتایا۔۔۔ اسجد بچے کو شہر کے اسپتال لے گئے ہیں۔ اس کے دوست کو بھی گولی لگی ہے۔"

"ہائے میرے اللہ۔" انہوں نے بے ساختہ دونوں ہاتھوں میں سر تھاما بیٹیوں نے فوراً" آگے بڑھ کر انہیں سہارا دیا اور گل آویزہ ستون کو تھامے نیچے بیٹھتی چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

"یہی تھی تمہاری منصوبہ بندی۔۔۔ اور یہی ہیں تمہاری دوستیاں نہ کسی سے مشورہ نہ صلاح۔ بندوق اٹھائی اور چل پڑے میاں' جان لینے۔" زرتاج خان کسی شیر کی طرح حویلی کے درمیان کھڑے دھاڑ رہے تھے۔

"سنبھالو اپنے سپوت کو۔۔۔ اور شکرانے کے دو نفل بھی پڑھ ڈالو موت کے منہ سے بچ کر نکلا ہے کم بخت۔۔۔ دشمن تو جانے مرا یا نہیں۔۔۔ ادھر تیری

حویلی میں ضرور بین اٹھ رہے ہوتے۔" انہوں نے بیوی کی طرف دیکھ کر کہا تو انہوں نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔ "احسان مانو اس غریب کا جو تمہیں اپنا بھائی کہتی ہے۔ بار بار بے چاری ایک ہی بات دہرا رہی تھی کہ کسی طرح تیری جان بچالوں۔"

"تو کون آیا میری مدد کو۔" بلاور نے بھنویں تان کر بے ساختہ شکوہ کیا تو زرتاج خان کو مزید پتنگے لگ گئے۔

"اور جو رستم اور بابر اچانک فرشتے بن کر آئے تھے وہاں۔ انہیں دیکھ کر تیرا وہ لومڑ ولی بخش اپنے ساتھیوں سمیت دم دبا کر بھاگ نکلا۔"

"ولی بخش۔۔۔؟" بلاور نے چونک کر سر اٹھایا۔ "وہ وہاں کیسے آسکتا ہے۔ اس سے تو صرف فون پر رابطہ تھا۔"

"جھوٹے ہیں وہ سب۔۔۔ دھوکے باز۔۔۔ تمہارے ہاتھوں اسجد کو مروا کر تمہارا بھی کام تمام کرنے والے تھے۔ میں پرانے روڈ سے چکر کاٹ کر نکلا تو اپنی آنکھوں سے اسے بھاگتا دیکھا تھا اب پوچھ ذرا اس سے کہ بابر اور رستم کو آتے دیکھ کر کیوں وہ تیری مدد کو سامنے نہیں آیا۔۔۔ اور یہ بھی پوچھ کہ جھاڑیوں میں چھپا وہ وہاں کرنے کیا آیا تھا۔ کیا اس نے بتایا تھا تجھے کہ وہ بھی یہ ساری کارروائی دیکھنے وہاں آئے گا۔ اگر نہیں بتایا تھا تو خود سوچو کہ وہ وہاں کیا کر رہا تھا۔ لیکن افسوس یہ سب سوچنے کے لیے کھوپڑی میں ایک چیز کا ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔ شکر پڑھ کہ رستم اور بابر نے فائرنگ نہیں کی۔ ورنہ اپنے خان کی محبت میں وہ کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں۔ یہ بھی شاید اسجد خان کا حکم ہے انہیں۔"

"نام نہ لیں میرے سامنے اس کم ظرف کا۔" بلاور اب کھسیانا ہو کر بلاوجہ چونچ لڑا رہا تھا۔

"یوں کرو تم۔۔۔ پورے گاؤں کو کسی بم سے اڑا دو۔" زرتاج خان نے بھپر کر اس کی طرف دیکھا۔

"او میاں۔ یہ خون خرابا ہی کرنا تھا تو کیوں ایک یتیم لڑکی کو ونی کی بھینٹ چڑھایا۔ لڑنے مرنے دیتے قبیلوں کو آپس میں۔"

"آج بڑا ترس آرہا ہے گل آویزہ پہ۔۔۔ آپ بھی تو شامل تھے اس پورے قصے میں۔" بلاور کی کھوپڑی ایک مرتبہ پھر گھوم گئی۔

"تیری طرح احسان فراموش نہیں ہوں۔ میری اولاد کو موت کے منہ سے بچانے والی کو برا بھلا کہوں۔۔۔ نہ ہی یہ زرتاج خان کا شیوہ ہے۔ اور نہ ہی ایک سردار کی شان۔" آخر کو وہ ایک باپ تھا۔ مجبور ہو کر بتانا ہی پڑا کہ اس کی جان انہیں کتنی عزیز ہے۔ بلاور ان کے چلے جانے کے بعد کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

✡ ✡ ✡

اسجد کی آنکھ کھلی تو اپنے اوپر اسپتال کی چھت کو پایا۔ دھیرے دھیرے حواس بھی بے دار ہونے لگے۔ اور۔ فراز۔۔۔ کوندے کی طرح ایک نام ذہن میں لپکا اور ایک لخت ساری حسیں ایک جھٹکے سے ہوشیار ہوگئیں۔

"خان آپ کو ہوش۔۔۔" بابر آگے بڑھا۔

"فراز کیسا ہے۔۔۔؟" اسجد نے فی الفور اس کی بات کاٹی۔

"خان۔۔۔ ان کا آپریشن جاری ہے۔۔۔ پسلی کی گولی کہیں پھنس گئی ہے۔ بازو کی البتہ نکال دی تھی۔"

"اوہ۔۔۔" اس نے کرب سے آنکھیں بھینچیں۔

"یا اللہ فراز کو کچھ نہ ہو۔ اسے بچالو میرے مولا۔۔۔ میری محبت میں، مجھ سے ہمدردی کرنے وہ وہاں آیا تھا۔۔۔ مہمان تھا وہ میرا۔" تکلیف کی شدت اتنی بڑھی وہ وہ ڈرپ کی پروا کیے بغیر اٹھ بیٹھا۔ اور حالانکہ اٹھ کر بیٹھتے ہی اسے زور سے چکر آیا تھا، لیکن بمشکل اس نے اپنی کیفیت پر قابو پایا۔۔۔ جب تک فراز کی خیریت معلوم نہ ہو جاتی اسے کسی بات سے کچھ سروکار نہیں تھا۔

"میں باہر جانا چاہتا ہوں۔ اسے ہٹانے میں مدد کرو میری۔" اسجد نے رعب سے بابر کو مخاطب کیا۔

"خان بس تھوڑی دیر رک جائیں۔ رستم آپریشن تھیٹر کے باہر ہے۔ میں دیکھ کر آتا ہوں۔ ابھی کچھ مت

کھولیں خان۔ آپ کو اللہ کا واسطہ۔" بابر نے باقاعدہ اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔

"اچھا جلدی جاؤ اور دیکھ کر مجھے بتاؤ۔"

"جی خان۔ ابھی آیا۔" وہ فوراً" باہر لپکا لیکن آپریشن تھیٹر کی طرف جاتے ہوئے بھی نرس کو اس کے پاس بھیجنا نہیں بھولا۔

اسجد نے کچھ سوچتے ہوئے موبائل فون ہاتھ میں لیا۔ فراز کے گھر والوں کو اطلاع دینا ضروری تھا۔ لیکن۔۔۔ کیا کہوں۔۔۔؟ اوہ فراز۔۔۔ اسجد نے تھک کر ہاتھ نیچے گرایا۔ پلکوں سے بے ساختہ آنسو ٹوٹ گرا۔ "ساتھ نہ چھوڑنا میرے یار۔۔۔ میں زندہ نہیں بچوں گا۔" اس نے ماتھا اپنی ہتھیلی پر گرایا۔

"خان۔۔۔ آپریشن مکمل ہو گیا۔ فراز صاحب خطرے سے باہر ہیں۔" بابر بھاگ کر اس کے بیڈ کے نزدیک آیا۔

"سچ کہہ رہے ہو۔" اسجد نے جوش سے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"بالکل سچ خان۔ مجھے ڈاکٹر نے خود بتایا ہے۔"

"نرس۔۔۔ میری ڈرپ کھول دیں۔ پلیز جسٹ فار سم ٹائم۔" (تھوڑی دیر کے لیے) وہ اس کی شخصیت کے رعب میں آکر فوراً" آگے بڑھی اور ڈرپ اس کے ہاتھ سے الگ کر کے اوپر کیپ چڑھا دی۔ پیر جوتوں میں گھسا کر وہ بابر کے سہارے اٹھا۔ طبیعت بے حال، لیکن قدموں میں عجیب سی تیزی تھی۔ باہر آئے تو عین اسی وقت آپریشن تھیٹر سے ایک اسٹریچر باہر آیا جسے وارڈ کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ وہ تقریباً" بھاگتا ہوا اسٹریچر کے نزدیک آیا۔ فراز ہوش میں نہیں تھا، لیکن صحیح سلامت تھا۔ اسے وارڈ میں لے جا کر بیڈ پر لٹا دیا گیا۔ اسجد اور بابر ساتھ ساتھ ہی تھے۔ اسجد نے پہلے جھک کر اس کی پیشانی چومی اور پھر بے ساختہ فرش پہ سجدہ ریز ہو کر اللہ کا شکر ادا کیا۔ سجدے سے اٹھ کر اس نے جیب سے موبائل نکالا۔ فراز کے گھر والوں کو اب اطلاع دی جا سکتی تھی۔ فراز کی ڈسٹربنس کے خیال سے وہ بابر کو لیے باہر آگیا۔

"آپ کا کافی خون بہہ گیا تھا سر۔۔۔ آپ کو فی الحال چلنے پھرنے کی اجازت نہیں ہے۔ پلیز آپ اپنے بیڈ پہ ریسٹ کریں۔" وہ فراز کے گھر والوں کو اطلاع دے کر مڑا تو ایک وارڈ بوائے اس کے قریب آیا اور باقاعدہ بازو سے پکڑ کر اس کے کمرے کی طرف لے جانے لگا۔

اسجد سمجھ گیا کہ ضرور یہ اس نرس کی مہربانی ہے جس نے مجبوراً" ڈرپ تو کھول دی تھی، لیکن محترمہ مطمئن ہرگز نہیں تھیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ وارڈ میں واپس آگیا۔ ذہن میں کچھ سوالات ابھر رہے تھے اس نے بابر کو روک لیا۔

"تم لوگ کس کے کہنے پر پیچھے آئے تھے۔۔۔ حملے کا پتا کیسے چلا۔۔۔؟"

"خان وہ۔۔۔ گھر سے ایک بی بی آئی تھیں اندر اصطبل کے راستے سے۔۔۔ بس یہی کہا کہ آپ کی جان کو خطرہ ہے۔ کسی طرح آگے جانے سے روکنا ہے آپ کو۔" وہ سر جھکائے مودب سا تفصیل بتا رہا تھا۔ اسجد نے "بی بی" پر ابھی سوچ بچار کا آغاز ہی کیا تھا کہ رستم کمرے میں داخل ہوا۔

"خان، پولیس کے دو بندے آئے ہیں، شاید بیان لینا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ آنے دو۔۔۔" اس نے لیٹ کر سرہانے پہ سر ٹکایا۔ فراز کے ابو اور بڑے بھیا بھی آنے والے تھے۔ فی الحال تمام ضروری معاملات نمٹنے تک تو وہ یہیں تھا۔ اماں جان کے خیال نے البتہ اچانک ہی کافی ڈسٹرب کر دیا۔ کچھ دیر پہلے تک وہ فراز کی وجہ سے اتنا اپ سیٹ تھا کہ ان سب باتوں کی طرف دھیان ہی نہیں گیا، لیکن ریلیکس ہوتے ہی دماغ دوسرے اہم معاملات کی طرف بھی منتقل ہونے لگا۔

"گھر والوں کو بتایا تھا بابر۔۔۔؟"

"جی خان۔ راستے میں ہی خبر کر دی تھی۔"

"اور اب۔۔۔؟" اس نے ابرو اٹھائے۔

"جی خان۔ خیریت کی اطلاع بھی دے دی ہے۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔" وہ قدرے مطمئن سا لیٹ گیا۔

٭ ٭ ٭

"سارا کیا دھرا اس منحوس لڑکی کا ہے۔ جب سے آئی ہے کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو رہا۔" خان بیگم اپنا سر باندھے تخت پر لیٹی تھیں۔ "ونی کا فیصلہ مصیبتیں ٹالنے کے لیے کیا تھا نہ کہ دعوت دینے کے لیے۔ روز میرے بچے کو ایک نئے امتحان کا سامنا ہے۔ کہاں چھپا کر رکھوں۔" وہ پھپک پھپک کر رونے لگیں۔ ساری بیٹیاں پاس بیٹھی انہیں تسلی دے رہی تھیں۔ گل آویزہ مجرموں کی طرح سر جھکائے کچن کے دروازے میں کھڑی تھی۔

آج واقعے کو تیسرا دن تھا۔ اسجد صبح ہی رستم اور بابر کے ساتھ شہر سے واپس آیا تھا۔ فراز کو آج ہی ڈسچارج کیا گیا تھا۔ اسجد اب تک اسی کی وجہ سے وہاں رکا ہوا تھا۔ اسے اس کے گھر پہنچا کر وہ سب گاؤں کو لوٹے تھے۔ اس کے اپنے بازو پر بھی پٹی بندھی تھی۔ کافی دیر تک وہ ماں اور بہنوں کے ساتھ بڑے کمرے میں بیٹھ کر حال احوال کرتا رہا تھا۔ اور ابھی کچھ گھنٹہ بھر پہلے آرام کرنے اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ گل آویزہ نے اس کی ساری باتیں کچن میں کھڑے رہ کر سنی تھیں۔

دوپہر کے کھانے کے بعد بھی وہ اپنے کمرے میں نہیں گئی۔ حتیٰ کہ مغرب کی اذانیں ہونے لگیں۔ نماز ادا کر لینے کے بعد رات کا کھانا بھی کھالیا گیا اور اسجد کو اس کا کھانا اگرچہ کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا، لیکن جانے کیوں آج اس کا ڈھیٹ بن کر اسجد کے آس پاس رہنے کو دل چاہ رہا تھا، مگر خان بیگم کو اس کی مسلسل یہاں موجودگی کھٹک ہی گئی اور انہوں نے باقاعدہ جھاڑ کر گل آویزہ کو اس کے کمرے کی طرف بھیج دیا اور وہ با دل ناخواستہ اپنے کمرے میں آ تو گئی، لیکن بہت مضطرب بہت بے چین تھی۔ بے دھیانی کا یہ عالم تھا کہ گھنٹوں اس نے ایک ہی جگہ ایک ہی پوزیشن میں بیٹھے گزار دیے۔ جمالی بی بی اور بیٹیاں کب کی اپنے کمرے میں آ کر سو چکی تھیں۔

رات بھی کچھ آدھی تو گزر ہی گئی تھی۔ کسی خیال کے تحت وہ اٹھ کر برآمدے میں آئی تو ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ رسک اٹھانے کی عادت اچانک ہی ہر احتیاط پر غالب آگئی۔ اس نے گہری سبز شال اپنے گرد اوڑھ کر ایک چیز اس کے اندر چھپائی اور بنا سوچے سامنے والے حصے کا رخ کیا۔ بھلے سے وہ پر یقین تھی کہ اس وقت کسی نے باہر نہیں ہونا، لیکن پھر بھی انداز میں ایک فطری سی جھجک تھی۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ لگی آہستہ روی سے سامنے کے حصے میں آئی۔ برآمدے میں داخل ہو کر دبے پاؤں بڑے کمرے کا رخ کیا۔ کسی کے ہونے کا خدشہ بس یہیں ہال میں تھا اگر ہال خالی مل جاتا تو پھر خان کے کمرے تک پہنچنے میں اور کوئی دقت نہیں تھی۔ اس نے بہت ڈرتے ڈرتے صرف سر آگے کر کے ہال میں جھانکا، ہلکی سبز روشنی میں نہ صرف ہال خالی ملا بلکہ سب ہی کمروں کے دروازے بھی بند تھے۔ وہ سانس بحال کرتی اندر آگئی۔ اب تو بس ایک ہی ممکنہ رکاوٹ اس کی درمیان حائل تھی کہ خان نے کمرے کی چٹخنی اندر سے چڑھا نہ رکھی ہو۔ اس صورت میں سوائے واپسی کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

وہ دل ہی دل میں دعا مانگتی آگے بڑھی اور دروازے پر ہاتھ سے ہلکا سا دباؤ دیا اور گویا اس کی مراد بر آئی کیوں کہ دروازہ غیر آواز کے کھل گیا تھا۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے شال درست کر کے اندر جھانکا۔ بیڈ پر کمبل اوڑھے وہ یقیناً "خان" تھا جو آس پاس سے بے خبر میٹھی نیند سو رہا تھا۔ وہ دروازے کو ہلکا سا مزید کھول کر اندر آگئی اور پھر احتیاط سے چٹخنی بھی چڑھا دی۔ کمرے میں کوئی نائٹ بلب وغیرہ آن نہیں تھا کیوں کہ جنوبی سمت کی بڑی کھڑکی پر سے پردہ ہٹا ہوا تھا اور پورے چاند کی ٹھنڈی روشنی اندر تک آ رہی تھی اب اس کی نظریں وضاحت سے ایک ایک چیز کو دیکھ پا رہی تھیں۔ گل آویزہ نیچے قالین پر دو زانو بیٹھ کر بغور اسے دیکھنے لگی۔ پچھلے تین چار دنوں کی بے تابی کا حاصل تھی اس کی دید۔ جس سے وہ اس وقت سیراب ہو رہی تھی۔ اس لمحے گل آویزہ کو محسوس ہوا محبت کا سارا حسن جیسے محبوب کو ایک نظر دیکھ لینے میں مخفی

ہے۔ اپنے یہاں آنے کے فیصلے پر لب آپ ہی آپ
مسکرانے لگے۔ اگر جو یہاں نہ آتی تو بھلا اتنا حسین منظر
کب اور کیسے دیکھ پاتی۔ اتنی فرصت سے اپنے محبوب
کو دیکھنے کی مہلت جاگتے میں تو شاید عمر بھر اسے نہیں
مل سکتی تھی۔ سو وہ اسے دیکھ رہی تھی اور بس دیکھے
جا رہی تھی۔

وہ صاف ستھرے کھرے دل اور موتیوں سے
شفاف جذبات کا مالک... سیدھا سادا اس کا خان... وہ
تو بالکل بے قصور تھا... نہ وہ قاتل ہو سکتا ہے نہ
فریبی... صرف محبت کرنے والا پیار لٹانے والا...
سیدھے سچے جذبوں کی قدر کرنے والا' صرف اور
صرف محبت کی زبان سمجھنے والا اس کا اپنا خان... کیوں
نہیں سمجھ پائی میں اسے... کیوں... دل یک لخت موم
کی طرح پگھلا... اپنے جذبات پر اسے خود قابو نہ رہا۔
ندامت اور شرمندگی کے آنسو ایک لکیر کی طرح گال پر
اترے اور وہ بے آواز روتی چلی گئی۔

اپنی سسکیوں پر قابو پانے کی کوشش میں اس نے
بے ساختہ منہ پہ ہاتھ رکھا اور نگاہ انجانے میں اسجد کے
پیروں پر پڑی جو اس وقت کمبل سے باہر تھے۔ اس
شدت کی سردی میں کمبل اس کے پیروں سے ہٹ گیا
تھا۔ یقیناً" اسے ٹھنڈ لگ رہی ہوگی۔ بھیگی پلکیں ہتھیلی
سے صاف کر کے وہ کمبل درست کرنے کے لیے آگے
بڑھی اور پھر جانے کیا ہوا۔ اس نے اپنے ہونٹ اسجد
کے ٹھنڈے سفید پیروں پر رکھ دیے۔ پچھتاوے کے
آنسو ایک بار پھر اسی شدت سے بہہ نکلے۔ کچھ لمحے
واقعی بڑے غیر اختیاری کیفیت لیے ہوئے ہوتے
ہیں۔ اس مرتبہ گل آویزہ کو اپنی سسکیوں پر بھی قابو نہ
رہا۔ وہ پیشانی اس کے پیروں سے ٹکائے اس کے ٹخنے
پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی جب دونوں پیر اچانک اس کے
ہاتھوں تلے سے پھسلے۔ گل آویزہ نے چونک کر سر
اٹھایا۔ اسجد جاگ گیا تھا نہ صرف اس نے اپنے پاؤں
سمیٹ لیے تھے بلکہ اٹھ کر بھی بیٹھ گیا تھا۔ بالوں میں
انگلیاں پھیر کر اس نے کچھ سوچا اور شال اپنے گرد
لپیٹتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر کھڑکی کے سامنے جا کھڑا
ہوا۔ جانے اس کی غیر متوقع آمد پر وہ کیا سوچ رہا تھا۔
زیادہ حیران نہیں تھا پر خاموش تو تھا...

گل آویزہ جو اسے زندہ سلامت پا لینے کی خوشی میں
بہت سی تلخ حقیقتیں بھلا بیٹھی تھی۔ خود کو جیسے اس
کے سامنے کے لیے تیار کرنے لگی۔ آنکھیں صاف
کر کے وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور آہستہ روی سے چلتی
ہوئی اسجد کے پیچھے آکھڑی ہوئی۔

"میں آپ کی معافی کے لائق تو نہیں ہوں خان...
پھر بھی اتنا ضرور جانتی ہوں کہ آپ کا ظرف بہت بڑا
ہے۔ مجھے معاف کرنے کے لیے کم از کم اتنا دل بڑا
کر لیں کہ میں اپنے ضمیر کی قیدی بن کر یہاں سے نہ
جاؤں۔ آپ ایک بار کہہ دیں کہ آپ نے مجھے معاف
کر دیا ہے تو میرے لیے آپ سے دور جانا قدرے
آسان ہو جائے گا۔"

"کہاں جاؤ گی...؟" وہ ہنوز اسی سمت میں دیکھ رہا
تھا۔

"اپنے گاؤں واپس جانا چاہتی ہوں خان... اپنی
نحوست کے سائے ہمیشہ کے لیے آپ سے دور کر دینا
چاہتی ہوں۔ یہ وجود نرا گرہن ہے آپ کی زندگی پر...
مجھے آزاد کر دیں خان اور اپنی خوشیوں بھری زندگی میں
واپس لوٹ جائیں۔" بھیگی آواز میں بات کا آغاز کرتے
وہ اختتام تک ہچکیوں میں رونے لگی تھی۔

اسجد کی زندگی سے چلے جانے کا فیصلہ ہرگز زبانی
کلامی نہیں تھا۔ اس سے دور جانے کا مصمم ارادہ اس
نے پچھلے دو دنوں کے دوران ہی کر لیا تھا۔ اب چاہے
زمانہ اس ونی کو پھانسی پر لٹکا دیتا۔ خان کی زندگی کے
بدلے میں یہ سودا بھی اسے منظور تھا۔ دل نے طے
کر لیا کہ اب ہرگز کسی قیمت پر اسے اسجد کے آس
پاس بھی نہیں رہنا۔ سوائے دکھ کے جسے آج تک اس
نے کچھ نہیں دیا تھا۔

"معافی کس بات کی...؟" اسجد نے ایک اور مختصر
جملے کا انتخاب کیا۔

"آپ کو غلط سمجھنے کی' آپ پر شک کرنے کی...
آپ کو قاتل سمجھنے کی... میرے قصور بہت ہیں

خان۔۔۔ اور آپ شیشے جیسے صاف، بہتے پانی جیسے شفاف۔۔۔ میری تو اوقات ہی نہیں تھی کہ آپ کے سامنے سر اٹھا کر سوال کرتی، کجا کہ ایسے ایسے الزامات۔۔۔" وہ پھر رونے لگی۔

"اس روز بابر کے پاس تم آئی تھیں اصطبل کے راستے۔۔۔؟" پچھلی بات جیسے اسجد نے سنی ہی نہیں۔

"جی خان۔۔۔ وہ میں تھی۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا تھا مجھ پر حملے کا۔۔۔ اور ہمیشہ ہی آخر کیسے تم ہر بات جان لیتی ہو۔" وہ اب سینے پر ہاتھ باندھے کڑی تفتیش کر رہا تھا۔

"ہر بار کا معاملہ ایک بالکل الگ قصہ ہے۔" اس نے اپنے بھرائے لہجے پر قابو پا کر اب کافی حد تک اپنی حالت سنبھالتے ہوئے وضاحت کا آغاز کیا۔ یہی کیا کم تھا کہ وہ اس سے بولنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ جانے سے پہلے یوں بھی اسے دشمن کے متعلق آگاہ کرنا بہت ضروری تھا۔

"لیکن اس بار کے حملے کی خبر سراسر اللہ پاک کی مدد تھی آپ کے لیے دراصل۔۔۔" وہ ذرا دیر کو رکی۔ "مجھے ناز بھابھی نے بتایا تھا۔"

"ناز بھابھی۔۔۔ اسجد نے حیرت سے دہرایا۔ "زمان لالہ کی بیوی۔۔۔؟"

"جی خان۔ میں ان ہی کی بات کر رہی ہوں۔ اگر یہ سوال کسی اور نے مجھ سے کیا ہوتا تو میں ہرگز ان کا نام نہ لیتی، لیکن آپ سے آج میں کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ جانے سے پہلے آپ کو ہر وہ بات بتا دوں گی جو آپ کے لیے جاننا بہت ضروری ہے۔۔۔ دراصل۔۔۔" اس نے پہلی مرتبہ نظریں اونچی کر کے اسجد کی آنکھوں میں دیکھنے کی جسارت کی۔ "آپ پر حملہ بخت لالہ نے کروایا تھا۔"

"بخت لالہ۔۔۔" پہلا جملہ ہی اسجد کے لیے بہت شاکنگ تھا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ وہ میرا بھائی۔۔۔"

"وہ فون پر کسی کے ساتھ حملے کا پروگرام بنا رہے تھے اور ناز بھابھی نے ساری گفتگو اپنے کانوں سے سنی تھی۔ وہ اسی وقت بھاگتی ہوئی میرے پاس آئیں کہ کسی طرح میں آپ کی جان بچالوں۔"

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ وہ کیوں مجھ پر حملہ کروائے گا۔" اسجد حیرت سے پورا اس کی جانب مڑ چکا تھا۔۔۔ سرد مہری اور بے اعتنائی کا رویہ یک لخت حیرت اور استفسار میں بدل گیا تھا۔

"پھر بلاور کو اس روز میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پہچانا تھا۔"

"جو آپ نے دیکھا خان۔۔۔ وہ بھی ٹھیک تھا اور جو بھابھی نے کہا وہ بھی ٹھیک تھا، لیکن آپ یہ نہیں جانتے کہ بلاور اور بخت دراصل آپس میں ملے ہوئے ہیں اور بخت لالہ کا ڈرائیور ولی بخش درمیان میں رابطے کا کام کرتا ہے۔"

"لیکن بخت ایسا کیوں کرے گا اور ناز بھابھی تمہارے پاس کیوں دوڑی چلی آئیں۔۔۔ انہیں ایسی سچوئیشن میں اماں جان کے پاس جانا چاہیے تھا۔"

"میں آپ کو ہر بات بتاتی ہوں خان۔۔۔ لیکن پہلے آپ آرام سے بیٹھ جائیں آپ کی طبیعت۔۔۔"

"میں ٹھیک ہوں۔۔۔" اسجد نے رکھائی سے جملہ کاٹا۔ اس کے بچوں جیسے نروٹھے پن پر پہلے تو گل آویزہ مسکرا دی۔ کچھ سوچا اور پھر آگے بڑھ کر باقاعدہ اس کو شانوں سے تھاما اور دو قدم کی دوری پر رکھے بیڈ پر زبردستی بٹھا دیا۔ گل آویزہ کا یہ ایکشن اتنا فوری اور بے ساختہ تھا کہ اسجد کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملا اور اس سے پہلے کہ وہ اس گستاخی پر زبان سے کوئی جوابی حملہ کرتا گل آویزہ نے بیڈ کی پائنتی کی طرف بیچے قالین پر رکھی ڈائری اٹھا کر اسجد کی طرف بڑھائی۔

"میری بات بہت لمبی ہے اور آپ کی تکلیف ابھی بہت نئی نئی۔۔۔ آرام سے بیٹھنا بہت ضروری ہے۔ اور۔۔۔" اس نے مطلوبہ صفحہ کھول کر اسجد کے سامنے کیا۔ "پہلے آپ یہ پڑھ لیں۔ پھر مجھے اپنی ساری باتیں سمجھانے میں آسانی ہوگی۔" اسجد نے حیرت سے ایک نظر گل آویزہ کو دیکھا اور بنا کچھ بولے ڈائری لے لی۔ چھوٹے چھوٹے چھ صفحات اس نے مشکل سے تین منٹ میں پڑھ لیے۔

"یہ کیا بکواس ہے۔۔۔؟" اسجد کے ابرو تن گئے۔ "میرا صنوبر سے بھی ایسا کوئی تعلق نہیں تھا پھر کیوں اس نے۔۔۔"

"جی خان۔۔۔ یہ بات تو اب میں بھی جان گئی ہوں کہ آپ دونوں میں ایسا کوئی تعلق نہیں تھا' پھر کس لیے صنوبر نے یہ سب باتیں لکھیں' سمجھ میں نہیں آتا' لیکن مجھے لگتا ہے خان۔۔۔ اس کے علاوہ ہر گتھی سلجھ چکی ہے۔ آپ کو یہ چند صفحے پڑھا کر یہ بتانا چاہتی ہوں کہ آپ پر شک کرنے اور الزام لگانے کی وجہ یہ ڈائری تھی۔۔۔ اور میں۔۔۔" وہ جھجک کر رکی۔ "میں آپ کے حوالے سے ایسی باتیں خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی۔ غصے اور حسد نے میرے اندر ایسی آگ لگائی کہ میں نے جانے کیا کچھ کہہ دیا اور یہ حقیقت بھی مجھے ناز بھابھی سے پتا چلی کہ صنوبر تو دراصل بخت لالہ سے پیار کرتی تھی۔ بھابھی نے انہیں اپنی آنکھوں سے ایک ساتھ دیکھا تھا۔" یہاں پر گل آویزہ نے اسجد کو رویدہ سے ملنے اور اس ملاقات میں ناز بھابھی کا اشارہ ملنے کی تفصیل بھی بتادی۔ مزید یہ بھی کہ کس طرح واپس آکر وہ ناز بھابھی سے ملی اور وہ ساری باتیں جو اس ملاقات میں بھابھی سے ہوئیں۔ اسجد سنتا گیا اور حیران ہوتا گیا۔

اب گل آویزہ اتنی روانی اور تسلسل سے کم از کم جھوٹ تو نہیں گھڑ سکتی تھی' اوپر سے اس کا پر اعتماد لہجہ۔۔۔ ہر بات کا اپنے آپ یقین آنے لگا' لیکن اب بھی جانے کیوں ہر شاکنگ نیوز ہر ہلا دینے والی اطلاع پر ایک ہی بات حاوی اور طاری تھی کہ گل آویزہ یہاں اپنے سوالوں کے جواب پانے آئی تھی اور اسجد کی ذات اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی اور جانے کیسے اس لمحے گل آویزہ نے اس کی آنکھوں میں ثبت یہ تحریر صاف پڑھ لی۔

"خان! ابھی آپ نے پوچھا تھا کہ ہمیشہ مجھے کیوں اور کیسے ہر بات کی خبر ہو جاتی ہے' میں چاہتی ہوں کہ شروع سے آپ کو ہر بات بتاؤں' اس دن سے۔۔۔ جب سے میں یہاں آئی ہوں' بلکہ۔۔۔" وہ ذرا دیر کو رکی۔

"بلکہ اس سے بھی کچھ پہلے سے۔۔۔ شاید آپ کے لیے ہر بات سن کر فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ میں کس حد تک آپ کی گناہ گار ہوں' میرے قصور آپ معاف بھی کر پائیں گے یا نہیں۔۔۔" گل آویزہ نے درخواست کے انداز میں اسجد سے اجازت چاہی۔۔۔ لیکن وہ چپ بیٹھا سامنے کھڑکی سے نظر آتے چاند کو دیکھے گیا۔ اس کی خاموشی کو نقطہ آغاز تصور کرتے ہوئے گل آویزہ نے آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا۔

"اگر میں اپنی بات صنوبر کے قتل سے شروع کروں تو سوائے ایک لاحاصل بحث کے کچھ ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا۔ اس لیے میں اپنی بات کا آغاز حمدان سے کرتی ہوں۔۔۔ بہن کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے اس نے بنا سوچے زرمین باجی کے شوہر کی جان لے لی۔ یہ آپ کے خاندان پر زرمین باجی پر یقیناً" بہت بڑا ظلم تھا اور چاہیے تو یہ تھا کہ یہاں سے کوئی بھی جاکر حمدان کو جان سے مار دیتا' لیکن خان بیگم نے حوصلے اور صبر سے کام لیتے ہوئے ونی کی شرط رکھ دی۔ تب ظاہر ہے حمدان کی بہن ہونے کے ناطے یہ قربانی میرے حصے میں آئی۔۔۔ مجھے جب فیصلہ سنایا گیا تو میں بہت روئی' بہت چیخی چلائی' لیکن بلاور نے یہ کہہ کر مجھے رضامند کرلیا کہ تم وہاں جاکر اپنی بہن کے قتل کی وجہ اور اس کے قاتلوں کا پتا کرنا۔ یہی تمہاری زندگی کا مقصد ہے۔۔۔ میں خاموشی سے مان گئی' لیکن نہ تو لالہ نے میرے سامنے آپ کا نام لیا تھا اور نہ ہی میرے ذہن میں کبھی یہ بات آئی تھی کہ آپ اس معاملے میں ملوث ہوں گے۔۔۔ یہاں آکر میں ویسے رہنے لگی جیسے خان بیگم اور آپ چاہتے تھے۔ وہ ہفتوں تک تو مجھے کسی نے یہ تک نہیں دیکھنے دیا کہ جس سے میری شادی ہوئی ہے وہ کون ہے اور کیسا ہے۔ پندرھویں دن بھی اتفاقاً" میں نے آپ کو دیکھا' تب پہلی بار مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ میں تو اپنے محسن کی بیوی ہوں۔ وہ محسن جس نے انجانے میں میری عزت کی حفاظت کی تھی۔" وہ کہہ کر ذرا دیر کو رکی۔ اسجد اب بغور اس کی باتیں سن رہا تھا۔

"آپ کو وہ دن یاد ہے خان۔۔۔ آج سے کوئی ڈیڑھ سال پرانی بات ہے آپ گاؤں سے شہر جارہے تھے کہ سڑک کے نیچے گھنے درختوں والی جگہ پر آپ نے ایک لڑکی کے چلانے اور مدد مانگنے کی آواز سنی تھی۔ وہاں کچھ آوارہ لڑکے تھے جنہیں آپ نے ہوائی فائر کرکے بھگا دیا تھا۔۔۔ یاد ہے آپ کو۔۔۔" گل آویزہ نے کسی امید پر اسجد کو دیکھا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"وہ لڑکی میں تھی خان، جو اس وقت مدد مانگ رہی تھی۔ لڑکے تو بھاگ گئے، میں پھر بھی کچھ دیر تک جھاڑیوں میں چھپی رہی، لیکن آپ کی شکل میں نے واضح طور پر دیکھ لی تھی اور آپ کو اپنا محسن سمجھتی تھی۔ آپ تو لڑکوں کے بھاگتے ہی وہاں سے چلے گئے، لیکن میں کبھی ایک دن بھی آپ کو نہیں بھولی تھی۔ جس روز میں نے آپ کو اصطبل میں دیکھا اور مجھے پتا چلا کہ آپ ہی اسجد خان ہیں تو جیسے مجھے جینے کا بہانہ مل گیا۔ اب مجھے قسمت سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ مجھے اتنی بڑی خوشی ملی تھی کہ اس کے سامنے سارے شکوے ساری زیادتیاں چھوٹی پڑ گئی تھیں۔ میں آپ کو چوری چھپے دیکھ لینے کے بہانے ڈھونڈا کرتی اور اسی میں خوش رہنے لگی تھی۔

شادی کے وقت بلاور لالہ نے ہی مجھے موبائل ساتھ رکھنے کو کہا تھا، تاکہ میں ان سے اور اپنے گھر والوں سے رابطے میں رہوں۔۔۔ پہلی بار بلاور کی بہن یاسمین سے پتا چلا کہ بلاور آپ پر حملے کی تیاری کر رہا ہے۔ تب میں نے آپ کو میسج بھیجا تھا کہ آپ اپنے ساتھ گارڈز رکھا کریں۔ دوسری مرتبہ گودام کے معاملے میں کسی نے کوئی خبر نہیں دی تھی۔ نور زادہ چاچی ویسے ہی باتوں باتوں میں مجھ سے بلاور اور زرتاج کاکا کی عادتوں کے بارے میں بات کر رہی تھیں اور ان سے ہوشیار رہنے کی تنبیہہ کر رہی تھیں، مجھے فوراً ہی خیال آیا کہ مکئی کی فصل کٹنے والی ہے اور بلاور ایک سال پہلے بھی آگ لگانے کی ناکام کوشش کر چکا ہے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اس سال بھی وہ ضرور اپنے مشن کے حوالے سے ضرور کوئی نئی سازش سوچے گا۔ کیوں کہ جب تک اس کا کام پورا نہ ہو جائے اسے چین نہیں آتا۔ بس جس رات گاؤں والوں کا غلہ گودام میں منتقل ہوا میں نے آپ کو میسج بھیج دیا اور تیسری مرتبہ جب میں اعظم کاکا کی بیٹی کی شادی میں آپ سے ملی تھی تب ایک بار پھر یاسمین سے پتا چلا تھا کہ بلاور آپ پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس روز مجھے خود آنا پڑا کیوں کہ موبائل میں پیغام بھیجنے تک کی بھی رقم نہیں تھی اور اب ڈائری ملنے کے بعد جو کچھ پیش آیا وہ آپ کے سامنے ہے۔۔۔ اس بار میں نے بھی اپنی کوششیں تیز کر دی تھیں۔ مجھے یقین سا ہونے لگا کہ آپ کو پھنسانے کی سازش ہو رہی ہے پھر ان ہی کوششوں کے دوران میں ناز بھابھی کے قریب آ گئی۔ وہ اندر کی بہت سی باتوں سے واقف ہیں خان، لیکن بخت لالہ سے بہت ڈرتی ہیں۔ مجھے بھی اس وعدے پر سب کچھ بتایا کہ ان کا نام بیچ میں نہیں آنے دوں گی۔"

"لیکن بخت لالہ سے تو میری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ وہ مجھے کیوں مروانا چاہتے ہیں۔" اسجد منہ ہی منہ میں بڑبڑایا اور اس مرتبہ گل آویزہ بھی خاموش بیٹھی رہی کہ اس سوال کا جواب تو وہ بھی ڈھونڈ رہی تھی۔

اسجد پلنگ کے کنارے پر یوں بیٹھا تھا کہ اپنی دونوں کہنیاں اس نے گھٹنوں پر ٹکائی ہوئی تھیں اور دونوں ہاتھ آپس میں پھنسا کر اپنا چہرا ان پر رکھا ہوا تھا۔ گل آویزہ اب پائینتی کے قریب نیچے قالین پر اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ خاموشی کے کئی دن کے وقفے نے ان کے درمیان اجنبیت اور سرد مہری کی بہت بلند دیوار کھڑی کر دی تھی۔ آج کی بات چیت نے جہاں انکشافات کے کئی پردے سرکا دیے تھے وہاں آپس کی تلخی کو بھی بہت حد تک معدوم کر دیا تھا۔ اپنے حصے کی گفتگو مکمل کر لینے کے بعد گل آویزہ میں جان لینے کی جستجو پیدا ہوئی اور پھر کچھ دیر سوچ بچار میں صرف کرنے کے بعد وہ سوال اس کے لبوں پر مچل ہی گیا۔

"خان۔۔۔ اس رات جو کچھ ہوا، کیا آپ مجھے۔۔۔" بات تو وہ شروع کر بیٹھی تھی، لیکن اسجد کے ردعمل کے ڈر سے فوراً ہی لب دبا لیے۔ پہلے بھی اسی موضوع

نے ان کے درمیان دوریاں پیدا کردی تھیں۔ کوئی جواب نہ پاکر ڈرتے ڈرتے اس نے نگاہ اٹھائی۔ اسجد اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"صرف اس رات ہی کیوں.... میں تمہیں صنوبر کے حوالے سے سب باتیں شروع سے بتاتا ہوں جن کا جاننا تمہارے لیے بہت ضروری ہے۔" پرانے دنوں کی نرمی اور محبت کی جھلک لیے کیا وہ واقعی اسی سے مخاطب تھا۔ گل آویزہ حیران حیران نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی جب شانوں سے تھام کر اسجد نے اسے اپنے مقابل کھڑا کیا اور پھر دھیرے دھیرے اپنے اور صنوبر کے حوالے سے وہ تمام باتیں دہرا دیں جو اس سے قبل وہ فراز کو بتا چکا تھا۔

"غلط فہمی صرف تمہیں ہی نہیں آوی.... مجھے بھی تمہارے متعلق ہو گئی تھی۔ اس رات کے بعد میں بھی یہ سوچنے لگا تھا کہ شاید تم یہاں مجھ پر نظر رکھنے یا میری جاسوسی کرنے آئی ہو اور جب تم نے کہا کہ میں نے صنوبر کو بھی استعمال کیا ہوگا تو اس جملے نے مجھے بہت ہرٹ کیا۔ تمہارے لیے میرے دل میں جو بے پناہ محبت تھی، تم نے بڑی آسانی سے اس کا مقابلہ صنوبر سے کر دیا۔ بنا کچھ بھی جانے۔ لیکن خیر...."

اسجد نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا۔ "اس وقت میں تمہارے غصے کی وجہ نہیں جانتا تھا۔ ڈائری میں جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھ کر کوئی بھی یہی سوچتا اور کہتا۔"

"مجھے معاف کردیں خان۔ میں غصے میں واقعی بہت الٹا سیدھا بول گئی تھی۔" وہ ازحد شرمندہ تھی۔ پھر اسجد اور صنوبر کا قصہ سن کر تو اور بھی زیادہ۔ اس کی بہن اسجد کو محبت کے جھوٹے جال میں پھنسانے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ اس کے لیے انتہائی شرمناک بات تھی۔

"معافی ایک شرط پر ملے گی۔" اسجد اب بھرپور توجہ اور محبت سے اس کے ایک ایک نقش کو نہار رہا تھا۔

"شرط....؟" گل آویزہ نے حیرت سے گھنی پلکیں اٹھائیں۔

"ہاں...." وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب آیا۔

"ایک سوال کا جواب چاہیے۔"

"جی خان.... پوچھیں۔" اس نے پرجوش سعادت مندی سے سر ہلایا۔

"اپنے محسن کو چوری چھپے دیکھنے کی وجہ جان سکتا ہوں....؟"

"جی....؟" گل آویزہ نے ایسے غیر متوقع سوال پر حیرت سے اسجد کی طرف دیکھا جس کے سپاٹ چہرے پر بظاہر تو کوئی تاثر نہیں تھا' لیکن آنکھوں میں وہی چمک در آئی تھی جو صرف گل آویزہ کے لیے مخصوص تھی۔ محبت بھری.... معنی خیز چمک.... گل آویزہ نے مسکرا کر رخ موڑا "کیوں کہ ڈیڑھ سال کے ہر لمحے میں نے اسے یاد کیا تھا' اسے سوچا تھا اور جب وہ سامنے آیا تو مجھے پورا حق تھا اسے دیکھنے کا.... بھرپور...." مسکرا کر اقرار کرتے اس نے دوبارہ رخ ادھر موڑا۔ "وہ اتنا حسین ہے کہ اسے چوری چھپے دیکھنا دنیا کا سب سے خوب صورت کام ہے۔" آپس کی بدگمانیوں نے ان کے بیچ فاصلوں کی اتنی بڑی خلیج حائل کردی تھی کہ بنا اظہار کے لفظوں کے اسے پاٹنا ناممکن تھا اور گل آویزہ اب ہرگز کسی غلط فہمی کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

اسجد نے بے ساختہ اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

کچھ ہی دنوں میں یہ دل جانے کیسی کیسی تھکا دینے والی اعصابی جنگیں لڑ آیا تھا۔ جیت اگرچہ ہمیشہ اس کی محبت کی ہوئی تھی' لیکن وہ ایک ہارے ہوئے دل کی چوٹ کھائی ہوئی محبت تھی پر اب.... اب وہ اپنے اور گل آویزہ کے درمیان کچھ بھی برداشت کرنے کو ہرگز تیار نہیں تھا.... "گل آویزہ" جو اللہ نے اسے ضرور کسی نیکی کے بدلے میں عطا کی تھی۔ اس کی ذہین اور سمجھ دار بیوی۔ محبت کرنے والی' حساس' ہمدرد اور بہت خوب صورت۔

"مجھے چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گی۔"

"کبھی نہیں خان...." وہ بچوں کی طرح اس کے گرم سینے میں اپنا منہ چھپا رہی تھی۔ "آپ سے دور میں جی نہیں پاؤں گی۔ پھر آپ کے دشمن بھی تو دھڑلے سے آس پاس دندنا رہے ہیں۔ ان کے بیچ

آپ کو اکیلا چھوڑ کر میں کیسے کہیں جاسکتی ہوں۔"
"تو تم مجھے دشمنوں سے بچاؤ گی۔" اسجد کو ہنسی آگئی۔
"جی خان۔۔۔ میں ہر خطرے میں آپ کے سامنے آجاؤں گی۔ آپ پر آنچ بھی آنے نہیں دوں گی۔" وہ اس سے یوں لگ کر کھڑی تھی گویا خطرہ ابھی بھی کہیں آس پاس ہو۔ اسجد کا دل بے اختیار ہونے لگا۔ آہستہ سے اسے خود سے الگ کیا۔
"جو میرے نصیب میں لکھا ہے گل آوی۔۔۔ وہ تو سامنے آکر ہی رہے گا۔۔۔ بس تم اب خود کو کسی خطرے میں نہیں ڈالو گی۔"
"ایسا کیوں کہہ رہے ہیں خان۔۔۔ ہم بخت کے عزائم سامنے لاکر رہیں گے۔ میں آپ کو کبھی کچھ نہیں ہونے دوں گی۔" اس کے لہجے میں بھرپور اعتماد تھا' لیکن پلکوں پر انجانے خوف کے ستارے چمکنے لگے تھے۔
"تم تو میری بہادر بیوی ہو' پھر اتنا ڈر کیوں رہی ہو۔" اسجد اس کی کیفیت سے مزا لے رہا تھا۔ اسے اپنی محبت اپنی گل آویزہ واپس مل گئی تھی۔ موت زندگی کا کھیل بھی بے معنی سا لگنے لگا۔
"میں اپنے لیے نہیں ڈرتی خان۔۔۔ لیکن آپ کو کچھ بھی ہونے کا خیال میں اپنے دل میں لانا نہیں چاہتی' ہمیں کسی طرح بخت کو سامنے لانا ہی ہوگا۔" آنکھیں صاف کرتے ہوئے اس نے بھرائے لہجے پر قابو پایا۔
"فکر نہ کرو۔۔۔ جتنا میں بخت کی طبیعت کو جانتا ہوں فی الحال فوری طور پر وہ کوئی بھی ایسا ویسا قدم نہیں اٹھائے گا۔ اتنا تو اب میں جان ہی گیا ہوں کہ اپنا نام وہ کسی قیمت پر ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتا۔"
"لیکن ایسے لوگ زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔"
"اچھا۔۔۔ تو پھر کیا چاہتی ہے میری بیگم۔۔۔" اسجد نے مسکرا کر اس کی ٹھوڑی اونچی کی۔ "بخت کی اگلی سازش کو ناکام بنانے کے لیے پھر سے ایکشن میں آنے کا ارادہ ہے۔۔۔ ارے اتنا تو ہماری پشتو فلموں کی ہیروئن بھی پہاڑوں پر نہیں بھاگتی جتنا میری بیگم صاحبہ گاؤں بھر میں دوڑتی پھرتی ہے اپنے ہیرو کو بچانے کے لیے۔۔۔" وہ خوب مزے لے کر اسے چھیڑ رہا تھا۔ اس بار گل آویزہ کا بھی بے ساختہ قہقہہ نکل گیا' لیکن فوراً ہی حبرا کر منہ پہ ہاتھ رکھا۔ اچانک ہی وقت اور جگہ کے نامناسب ہونے کا خیال آگیا۔
"خان اب مجھے چلنا چاہیے' کوئی دیکھ نہ لے۔" اس نے گھڑی پہ نگاہ کی' ساڑھے تین بجے کا وقت تھا۔ چاند اب کھڑکی کی حدوں سے بہت اوپر کہیں نکل گیا تھا۔
"اور میں کہتا ہوں یہیں رہ جاؤ۔۔۔ صبح میرے کمرے سے نکلو گی تو خود بخود سب کو پتا چل جائے گا۔ اچھا ہے نا' ایک ہی بار میں سوالوں جوابوں کے جھنجھٹ سے جان چھوٹ جائے گی۔" وہ اب شوخ ہو رہا تھا۔
"ابھی نہیں خان۔۔۔" وہ اچانک سنجیدہ ہوئی۔
"خان بیگم مجھ پر بہت غصہ ہیں ابھی۔۔۔ انہیں لگتا ہے یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے وہ جانتی ہیں ناکہ بلاور میرا بھائی بنا ہوا ہے تو۔۔۔"
"تو کیا ہوا۔۔۔ بخت لالہ کو میں بھی تو اپنا بھائی سمجھتا ہوں۔ بتادوں گا انہیں کہ میرے بھائی نے میرے ساتھ کیا کیا۔"
"نہیں خان۔ ہمیں بخت کے بارے میں ابھی خان بیگم سے کوئی بات نہیں کرنی چاہیے۔ وہ تو بہت پریشان ہو جائیں گی فی الحال وہ یہ سمجھتی ہیں کہ ان کا دشمن پاس والے گاؤں میں رہتا ہے' لیکن اگر انہیں یہ پتا چلا کہ وہ پاس والے گھر میں رہتا ہے' تو ان کی راتوں کی نیند ہی اڑ جائے گی۔ وہ بیمار بھی رہتی ہیں۔"
"ہاں اور ہو سکتا ہے پریشان ہو کر مجھے واپس شہر ہی دھکا دے دیں' جس کا اب میں ہرگز متحمل نہیں ہو سکتا۔" اس نے گل آویزہ کے دونوں ہاتھ ہاتھوں میں لے کر اپنے مقابل کھڑا کیا۔
"میں جاؤں خان۔۔۔" وہ بلاوجہ نظریں چرانے لگی۔

"جاکر دکھاؤ۔" اسجد نے ہاتھ کھینچ کر اسے اپنے قریب کیا۔ "بڑے حساب کتاب برابر کرنے ہیں۔ ایسے تو نہیں جانے دیں گے۔" وہ اب بھرپور شوخی آنکھوں اور لبوں پر سجائے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"چلو شاباش' خاموشی سے یہاں بیٹھ جاؤ۔ تمہیں پتا ہے نا' ہمارے ہاں مہمان آنا اپنی مرضی سے ہے اور جانا میزبان کی مرضی سے ہے۔" وہ اسے بیڈ کے کنارے پر بٹھا کر خود بھی قریب ٹک گیا۔

"میں کوئی مہمان تھوڑی ہوں۔" وہ نظریں نیچی کیے' مسکراہٹ دبائے اپنے ناخنوں سے کھیلنے لگی۔ جانتی تھی خان صاحب نے تو اپنی مرضی ہی کرنی ہے۔ بات ماننے کے سوا چارہ نہیں تھا۔ پھر شوہر کی اجارہ داری کبھی کبھی اچھی بھی تو بہت لگتی ہے۔ وہ پوری خوشی اور رضامندی سے اپنے محبوب کے رحم و کرم پر تھی' جسے سوائے گل آویزہ کے اس وقت کسی اور بات کا ہوش نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

گڑ کی روٹی اور دیسی گھی... خان بیگم نے چنگیر ناک کے قریب لے جاکر خوشبو سونگھی اور تشکر بھری نگاہ اوپر اٹھائی' لیکن نظر گل آویزہ پر پڑتے ہی یک لخت چہرہ سنجیدہ کیا۔

"کس کے لیے بنائی ہے اور میرا دلیہ کہاں ہے۔" ان کا لہجہ ایک دم روکھا ہوگیا۔

"آج دلیہ نہیں بنایا۔" گل آویزہ نے ڈرتے ڈرتے آغاز لیا۔ "وہ کل آپ دلشاد چاچی سے کہہ رہی تھیں کہ دلیہ کھا کھا کر دل اوب گیا ہے تو....."

"تو یہ گڑ کی روٹی کیوں....؟" انہوں نے تیوری چڑھائی۔

"جمال بی بی نے بتایا کہ آپ کو گڑ کی روٹی وہ بھی دیسی گھی والی' بہت پسند ہے۔"

"ڈاکٹر نے مجھے ثقیل چیزیں کھانے سے منع کیا ہے۔ لے جاؤ۔" انہوں نے چنگیر پرے کھسکائی۔

"ہمیشہ ایک سا کھانا کھانے سے بھی بندہ بیمار ہی رہتا ہے۔ کبھی کبھار کی بدپرہیزی طبیعت پر اچھا اثر ڈالتی ہے۔" گل آویزہ نے چائے دانی میں سے چائے کپ میں انڈیلی اور چنگیر دوبارہ ان کے نزدیک کی۔

"چائے میں الائچی ڈالی ہے۔" انہوں نے پتا نہیں کیوں پوچھا۔ گل آویزہ نے گھبرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

"اچھا جاؤ... نسیمہ سے کہو' کھانے سے پہلے والی میری دوا دے جائے۔" شاید وہ بدپرہیزی پر آمادہ ہوگئی تھیں۔ گل آویزہ مسکراہٹ چھپائے واپس لوٹ آئی اور اب اگلے مرحلے کی تیاری تھی۔ نورینہ اور بانو اسکول چلی گئی تھیں۔ زرمین باجی اپنا اور آروش کا ناشتا لے کر اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ دلناز دھوپ میں چارپائی بچھا کر قرآن پڑھ رہی تھی اور بدخنہ ہاتھ میں میلے کپڑے اٹھائے صحن کے کونے والے نل کی طرف چلی گئی تھی۔ کچن اور ہال کمرا اب بالکل خالی پڑے تھے۔ اسجد اپنے کمرے میں تھا اس کا ناشتا کچن میں تیار رکھا تھا جو روزانہ جمال بی بی یا نسیمہ' رحیمہ دے آتے تھے' لیکن آج وہ خود ناشتا لے جانے کا تہیہ کیے ہوئے تھی۔ جانے کیوں اسجد کو احتیاط کے سبق پڑھاتے پڑھاتے وہ خود کسی بڑی بے احتیاطی پر اچانک ہی آمادہ ہوجاتی تھی۔ بہت دن پہلے اسجد نے فرمائش کی تھی کہ وہ اس کا ناشتا خود لایا کرے اور آج صبح ہی صبح اس کی خواہش پوری کرکے وہ اسے خوش کرنا چاہتی تھی۔ نسیمہ کو البتہ اس نے اپنی پلاننگ میں شامل کرلیا تھا اور وہ برتن دھوتے ہوئے کھی کھی کرکے ہنس رہی تھی۔ گل آویزہ اسے منہ چڑا کر ٹرے اٹھالے گئی۔ کمرے میں وہ بنا دستک دیے ہی داخل ہوگئی۔ اسجد دروازے کی طرف پیٹھ کیے سر تولیے سے رگڑ رہا تھا۔ اس نے ہلکا سا کھنکار کر ٹرے میز پر رکھی تو اسجد بری طرح چونک کر پلٹا۔

"تم...؟"

"کیا نہیں آنا چاہیے تھا....؟" گل آویزہ نے گھبرانے کی ایکٹنگ کی تو اسجد ہنستے ہوئے قریب آیا۔

"ہاں' ویسے آنا تو نہیں چاہیے تھا۔ اب صبح

صبح۔" اس نے سر کھجاتے ہوئے زبان کو بریک لگائی۔

"ناشتا کرلیں۔" گل آویزہ نے مسکراہٹ دبا کر بات بدلی۔

"آؤ نا۔ تم بھی ساتھ بیٹھ کر کھاؤ۔" اسجد نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھاما۔

"ناں جی۔ ابھی ہمارے حالات ایسے بھی اچھے نہیں۔" اس نے ہنس کر ہاتھ چھڑوایا۔

"دنیا کے سامنے۔" اسجد نے ایک آنکھ دبا کر اضافہ کیا تو مارے شرم کے وہ اسے گھور بھی نہ سکی۔

"یہ دینے آئی تھی۔" اس نے مٹھی میں بند ایک پیپر اسجد کی طرف بڑھایا۔ تولیہ کندھے پر ڈال کر اس نے انگلیوں سے بال درست کیے۔

"یہ کیا ہے۔؟" اس نے پیپر کھولا۔ "آیت الکرسی۔" اسجد نے حیرت سے گل آویزہ کو دیکھا۔

"یہ تم نے لکھی ہے۔؟" موتیوں سی پیاری ہینڈ رائٹنگ میں نیلی روشنائی کے ساتھ خوب محنت اور توجہ سے سورۃ لکھی گئی تھی۔

"جی۔ آج صبح نماز کے بعد قرآن پاک سے دیکھ دیکھ کر لکھی ہے تاکہ اعراب کی غلطی نہ ہو۔ اسے آپ اپنے بٹوے یا جیب میں ہر وقت اپنے پاس رکھیں۔ یہ آپ کی حفاظت کرے گی۔"

"جی بہتر۔ جو حکم۔ ابھی رکھ لیتے ہیں۔" اس نے نفاست سے تہ لگا کر اسی وقت سامنے کی جیب میں رکھ کر ہاتھ سے تھپکا۔ "ٹھیک ہے۔؟"

"ہوں۔" وہ اس کی تابعداری پر مسکرانے لگی۔

"ویسے۔ ہوا کیا۔؟ میری "سپر لیڈی" کے سارے رپورٹر کہیں استعفی تو نہیں دے گئے۔ جو "اس کی" نوبت آگئی۔" اس نے ابرو سے جیب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شرارت کی تو گل آویزہ نے خفگی سے گھورا۔

"آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔؟"

"ارے نہیں بھئی۔" اسجد نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔ "تمہارا دل کی یہ سپر لیڈی تو لاجواب ہے۔ واللہ دل سے قدر کرتے ہیں۔" وہ باقاعدہ آگے کو جھکا تو گل آویزہ ہنستی ہوئی باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

جرگے کے سب ہی ممبران اس وقت اسجد کے ڈیرے پر جمع تھے۔ سب نے اسجد کی عیادت کی اور اس کے دوست کا حال دریافت کیا۔ اب یہ معاملہ دونوں قبیلوں کی سطح پر اٹھانا ناگزیر ہو گیا ہے۔

"خان۔ "ونی" کی رسم کے مطابق اب ہر قسم کا خون خرابہ ختم ہو چکا تھا۔ پھر پانچ، چھ ماہ کے اندر اتنی بڑی خلاف ورزی کیوں۔؟ قبیلے کے خان سردار پر براہ راست حملہ، وہ بھی زرتاج خان کے بیٹے کی طرف سے، جو اپنے گاؤں کے بڑے خان کا بیٹا بھی ہے اور ہونے والا سردار بھی۔ اسجد بیٹا۔ تم کہو تو آج ہی ان کی طرف کے مشران کو بیٹھک بلوانے کا پیغام بھجوایا جائے۔" اعظم کاکا نے اپنی آمد کا دوسرا مقصد بھی ظاہر کر دیا۔ اسجد نے کن انکھیوں سے ایک نظر بخت کی طرف دیکھا اور کچھ سوچ کر براہ راست اسی کو مخاطب کر لیا۔

"کیا کہتے ہو بخت لالہ۔؟"

"جی۔ جیسا مناسب سمجھیں خان۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" گھبراہٹ سے انگلیاں چٹخاتے بخت کے لہجے میں اتنی جھجک تھی کہ فوری طور پر اسے تائید کے لیے الفاظ میسر نہیں آئے۔

"ٹھیک ہے کاکا جان۔ آپ جرگہ بلوالیں۔ دیکھتے ہیں بلاور کا جواب کیا ہے۔" اسجد نے فوراً ہی فیصلے پر پہنچ کر کاکا جان کو آگاہ کر دیا۔ بخت تب بھی گم صم ہی بیٹھا رہا۔ اسجد نے بطور خاص اس کے تاثرات جانچے پریشانی اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔ بلاور جیسے خر دماغ سے کچھ بھی توقع کی جا سکتی تھی۔ اس کے چہرے پر لکھی پریشانی کی تحریر پڑھتے ہوئے ساتھ بیٹھے ولی بخش نے خاموشی سے اس کے گھٹنے پر ہاتھ کا دباؤ دیا۔ گویا تسلی دینے کا عندیہ۔ اسجد سمجھ گیا کہ ضرور اس شاطر کے دماغ میں کوئی نئی کھچڑی پک رہی ہے۔

پلان کی ناکامی کے بعد سے بخت اور بلاور نے اب تک ایک دوسرے سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ بخت تو ابھی تک یہی نہیں سمجھ پایا تھا کہ بات کہاں سے لیک ہوئی تھی اور رستم اور بابر اچانک کیسے وہاں پہنچ گئے تھے۔ اب دشمن سے ہاتھ ملانے کے نتیجے میں تو کچھ بھی ممکن تھا۔ جان بلاور کی بھی بچ گئی تھی اور اسجد کی بھی۔۔۔ مصیبت میں تو نری اب بخت کی جان آگئی تھی۔ جانے کھلے جرگے میں سامنا ہونے پر کون کیا کہنے والا ہے' بخت ہر گز کوئی بھی اندازہ لگانے سے قاصر تھا۔

"یہ تو بڑا مسئلہ ہو جائے گا ولی۔۔۔ اگر بلاور نے میرا نام لے دیا تو سمجھو پلان کے ساتھ ہم بھی مٹی میں مل جائیں گے۔" بخت نے مکا مار کر غصہ اسٹیئرنگ پر نکالا۔ دونوں اس وقت ڈیرے سے نکل کر ولی کی بیٹھک کی طرف جا رہے تھے۔

"ہوش سے کام لیں خان۔۔۔ معاملہ ابھی پوری طرح نہیں بگڑا۔ بس آپ مجھ پر چھوڑ دیں خان۔۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ولی نے کچھ ایسے اعتماد سے تسلی دی کہ بخت چپ رہنے پر مجبور ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

"میں صاف کہہ رہی ہوں اسجد بچے۔۔۔ یہ سارا کیا دھرا اس چالاک لڑکی کا ہے۔ جرگہ ہی بٹھانا ہے تو اسے یہاں سے رخصت کرنے کے لیے بٹھاؤ۔"

"اب اس کا سارے معاملے سے کیا لینا دینا اماں۔" اسجد دبے لہجے میں احتجاج کرتا جھنجلا سا گیا۔

"ارے دشمن ہے، ہم سب کی۔۔۔ نفرت کرتی ہے ہم سے۔۔۔ ناگن ہے ناگن' سارا زہر اسی نے نکالا ہے۔" خان بیگم آج ہر گز معاف کرنے کو تیار نہیں لگ رہی تھیں۔ اسجد کو دانتوں پسینہ آگیا۔ گل آویزہ کی سائیڈ لے تو اماں کو شک ہو سکتا تھا اور نہ لے تو گل آویزہ کی طرف سے ان کا دل کیسے صاف کرے۔

"جرگہ ضرور بٹھاؤ' لیکن بلاور کے باپ سے صاف کہو کہ ونی کا فیصلہ خون خرابا روکنے کے لیے کیا گیا تھا۔ اگر جو نہیں روکنا تو ونی کا یہ بوجھ بھی ہمارے گھر سے لے جاؤ۔ مجھے اب اس کی صورت بھی نہیں دیکھنی۔" وہ ہر گز مصالحت پر آمادہ نہیں تھیں۔

"یہ میں نہیں کروں گا اماں۔۔۔ انہوں نے بے اصولی کی ہے تو کیا ہم بھی وہی کریں۔ ونی کی لڑکی کو ساری زندگی کے لیے پناہ میں لیا جاتا ہے اور وہ میں لے چکا ہوں۔ اب بے اصولی نہیں کر سکتا۔ باقی میرا نہیں خیال کہ ان معاملات میں اس کا کوئی قصور ہو گا اور آپ کی اجازت ہو تو میں "اس" سے خود ایک بار بات کر لیتا ہوں۔" اسجد نے ایک طرح سے ماں کا ری ایکشن دیکھنے کی کوشش کی' لیکن برا ہی کیا کیوں کہ انہیں تو پتنگے لگ گئے۔

"تم کیوں بات کرو گے؟ حد ہو گئی۔" خان بیگم کے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ بلڈ پریشر بھی مزید ہائی ہو رہا تھا۔ "میں اسے یہاں سے واپس بھیجنے پر غور کر رہی ہوں' تم ہو کہ اس سے ملنے کی باتیں کر رہے ہو۔"

"یہاں سے تو وہ کسی قیمت پر نہیں جائے گی اماں۔۔۔" وہ حتمی فیصلہ سنا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "اور نہ ہی کوئی اسے کچھ کہے گا۔ جب تک کسی پر کوئی جرم ثابت نہ ہو جائے کسی قسم کا منفی اور غلط مظاہرہ اصول کے خلاف ہے۔ اگر کسی نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھیں میں بنا کسی سے اجازت لیے اس سے بات کرنے کے لیے بلالوں گا۔ جو میرا خیال ہے کہ آپ ہر گز نہیں چاہتیں۔" اسجد نے قدرے جتانے کے انداز میں طنز کیا اور پلٹا تو نظریں برآمدے کے ستون سے لگی کھڑی آویزہ پر پڑی۔ اسجد ایک گہری سانس کھینچ کر حویلی کے پھاٹک کی طرف بڑھ گیا۔ دل اس افسوس سے بھر گیا کہ گل آویزہ نے ساری باتیں سن لی تھیں۔۔۔ کتنا تکلیف دہ ہوتا ہو گا لڑکیوں کے لیے ایسے ماحول میں جینا اور سروائیو کرنا جہاں وہ ان چاہی' ناپسندیدہ بلکہ قابل نفرت سمجھی جاتی ہیں۔ ڈیرے پر آکر بھی اسجد دیر تک افسردہ سا بیٹھا ایک ہی نہج پر سوچ رہا تھا۔

"گر اماں کو پتا چلے کہ جس سے وہ اتنی شدید نفرت

کررہی ہیں۔ وہ ان کے بیٹے کے جینے کی آس ہے۔ اس کی دھڑکنوں کے اتنے قریب ہے کہ سانس اگر وہ لیتی ہے تو ان سانسوں کی مہک وہ اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔ جس کا ایک بھی آنسو اس کی جان تک کھینچ سکتا ہے۔ وہ ان کے الفاظ کے نشتر صرف اس لیے خاموش کھڑی سنتی رہی کہ اسجد سے دور جانے کا اب وہ تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔ اب اس گھر میں چاہے اس کے ساتھ غلاموں کا سا سلوک کیا جاتا یا اس سے بھی بدتر۔۔۔۔ اس نے سہنا ہی تھا۔ ونی ہونے والی عورت کو شاید عام عورتوں سے دگنا بڑا دل کرنا پڑتا ہو گا کہ اگر نہ کرے تو اس کا جینا بھی مشکل ہو جائے۔ اسجد نے گل آویزہ کی تمام تر مجبوریوں کو اپنے دل پر یوں محسوس کیا کہ پلکوں کے گوشے نم ہو گئے۔

"نہیں۔۔۔۔ میں اپنی آوی کو نہ تو ونی کیے جانے کی تکلیف اٹھانے دوں گا' نہ مجھ سے محبت کرنے کی سزا سہنے دوں گا۔۔۔۔ وہ یہاں رہے گی تو پورے حق سے حویلی کی بہو اور خان کی بیگم بن کر۔۔۔۔ ورنہ۔۔۔۔ خان بھی یہاں نہیں رہے گا۔

☆ ☆ ☆

زرتاج خان نے جرگے میں معافی نامہ جمع کروایا تھا جس کے مطابق بلاور نے اس روز اسجد خان پر غلط فہمی میں حملہ کیا تھا۔ اس کا مقصد اسجد کو مارنا ہرگز نہیں تھا۔ وہ لوگ ونی کی شرائط پر اب بھی کاربند ہیں اور دوسرے قبیلے سے دوستانہ مراسم چاہتے ہیں۔ لہٰذا بلاور خان کو معاف کردیا جائے۔ اسجد نے معافی نامہ پڑھ کر وہیں سب کے سامنے دو ٹکڑے کردیا تو حجرے میں موجود سب ہی افراد نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"بجائے کاغذوں کا سہارا لینے کے یہی بات بلاور بھرے جرگے میں خود آکر بتائے کہ وہ کس غلط فہمی کی بنا پر مجھ پہ حملہ کر بیٹھا تھا۔ پوری تفصیل سننے کے بعد اگر میری تسلی ہوئی تو معافی بھی دے دیں گے۔"

"ٹھیک کہتے ہو بیٹا۔ بنا واقعے کی پوری تفصیل جانے' معافی نامے پر عمل نہیں ہونا چاہیے۔ حاجی

متین خان جرگے کے بزرگ مشر تھے انہوں نے اسجد کے فیصلے کی فوری تائید کی۔

ان کی طرف سے زرتاج خان کو پیغام پہنچادیا گیا کہ معافی نامہ بھیج دینا کافی نہیں ہے۔ بلاور کو کھلے جرگے میں خود آکر بیان دینا ہوگا۔ زرتاج خان نے چاروناچار حامی بھرتے ہوئے چند دن کی مہلت مانگی کیونکہ ان کی طرف سے جرگے کے ممبران پورے نہیں تھے۔

حاجی متین خان اور اعظم کاکا نے باہمی صلاح مشورے کے بعد دس دن کا وقت دے دیا۔ اب ایک طرف بخت خان اور ولی بخش تھے جو اس وجہ سے پریشان تھے کہ بھرے جرگے میں بلاور کیا کہنے والا ہے.... اپنا پردہ چاک ہونے کے خوف نے ان کی راتوں کی نیند اڑا رکھی تھی۔ حالانکہ زرتاج خان کو معافی نامے کا مشورہ ولی بخش نے ہی دیا تھا۔ کیونکہ اپنی اور بخت کی گلوخلاصی کے لیے معاملے کو رفع دفع کرنا بہت ضروری تھا۔ زرتاج خان کو نہ چاہتے ہوئے بھی یہ صلاح مان لینا پڑی کیونکہ معاملہ بلاور کی زندگی کا تھا۔ اب کوشش تو ان سب کی معاملہ ٹالنے کی تھی' اور معاملہ یوں تو ٹل بھی جاتا' اگر اسجد بخت اور ولی کے عزائم سے آگاہ نہ ہوگیا ہوتا۔ اس کے لیے اب چھپے دشمن کو سامنے لانا' ناگزیر ہوگیا تھا۔ چشم پوشی خود اس کے حق میں نقصان دہ تھی۔ اس لیے آر یا پار کی روایت پر عمل کرتے ہوئے معافی نامہ فوری طور پر مسترد کردیا۔

اس کی اصل پریشانی کی وجہ تو آج کل اماں جان کا رویہ بنا ہوا تھا۔ گل آویزہ سے بہانگ دہل نفرت کا اظہار کرنے کا نتیجہ کچھ یوں ظاہر ہوا تھا کہ وہ خاموشی سے ایک مرتبہ پھر اس سے دور ہوگئی تھی۔ چند دن پہلے ہنستی کھلکھلاتی' شوخی اور پیار کے موڈ میں اسے ناشتا دینے آنے والی کچھ ایسے افسردہ اور مایوس ہوگئی تھی کہ اپنی صورت تک دکھانے کو تیار نہ تھی۔ جانے کتنے روز ہوگئے تھے اسے دیکھے اس سے ملے ہوئے۔

دن بھر کے دوران جانے وہ کتنے چکر حویلی کے لگا آتا لیکن گل آویزہ نے تو سامنے کے حصے میں شاید آنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ جس کی ایک جھلک دیکھنے کو ترس گیا تھا' معلوم نہیں کیوں اداسیوں کی چادر اوڑھے اس سے منہ موڑ بیٹھی تھی۔ اسجد کو نہ تو اس پر غصہ تھا اور نہ ہی کوئی ناراضی.... وہ تو اس کی تکلیف کے احساس سے افسردہ تھا کہ جانے وہ کیا سوچتی رہتی تھی۔ کیوں اتنی دل گرفتہ اتنی خاموش ہوگئی تھی۔ وہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ اسے تسلی دینا چاہتا تھا کہ کبھی اس کے ساتھ کچھ برا نہیں ہونے دے گا۔ مرتے دم تک اس کے ساتھ کھڑا رہے گا۔ لیکن کیسے کرتا اس سے بات.... جو کہیں نظر ہی نہیں آتی تھی.... نمبر ملا ملا کر بھی اب وہ تھک چکا تھا جو مسلسل آف آرہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا خان.... معافی نامے کے بعد معاملہ مزید بگڑ جائے گا.... معاف کردیں خان' بہت بڑی غلطی ہوگئی۔" ولی بخش نے گڑگڑانے کے اگلے پچھلے ریکارڈ توڑتے ہوئے بخت کے سامنے ماتھا رگڑا.... "لیکن جوابا" جب بخت نے ایک زوردار قہقہہ لگایا تو ولی نے بے یقینی سے سر اٹھایا۔ بخت خان کی ذہنی حالت خراب ہونے کا یقین سا ہونے لگا۔ پچھلے تین چار دنوں کے دوران جتنا وہ پریشان اور بدحال دکھائی دیا تھا۔ ولی بخش نے آتے ہی معافی مانگ لینے میں عافیت جانی' لیکن آگے ایسا ردعمل؟

"کک.... کیا بات ہے خان.... آپ ٹھیک تو ہیں...." وہ باقاعدہ گھور گھور کر اس کی صورت دیکھنے لگا۔

"کبھی کبھار بہت بڑی منصوبہ بندی بھی وہ نتیجہ نہیں دیتی جو ایک چھوٹی سی غلطی دے جاتی ہے۔" گھنی مونچھوں میں چھپے بخت کے لب دھیمے دھیمے مسکرا رہے تھے۔

"میں سمجھا نہیں خان.... کیا کوئی حل نکل آیا ہے مسئلے کا۔" ولی کی آنکھوں کی چمک بھی یک لخت لوٹ آئی۔

"ہوں...." وہ مسکراتی نظریں ولی پر جمائے ہوئے

تھا۔ "یوں سمجھو گرم لوہے پر چوٹ لگانے کا وقت آگیا ہے۔"

"کیسی چوٹ خان۔۔۔ کس کو۔۔۔؟" ولی کا تیز دماغ کسی حساب کتاب میں لگ گیا تھا۔

"بلاور سے ہاتھ ملا کر دیکھ لیا ولی۔۔۔ دشمن سے ہاتھ ملانے میں بھی کبھی کسی کا بھلا ہوا ہے۔۔۔ یہ آخری معرکہ اب اپنے بل پہ جیتنے کا وقت آگیا ہے۔"

"ہم کیا کرنے والے ہیں خان۔۔؟" ولی کی دھڑکنیں اودھم مچانے لگیں مصیبت سے نجات پانے کے لیے اس کی بھی نیندیں حرام ہوئی پڑی تھیں۔

"اس بار ہم بنا بلاور کو کچھ بھی بتائے اسے مشکل میں ڈالنے والے ہیں۔"

"وہ کیسے خان۔۔۔" ولی ابھی بھی پلان سمجھنے سے معذور تھا۔

"اسجد کو جان سے مار کے۔۔۔ بلاور کو اس کا قاتل ظاہر کر کے۔۔۔" ایک بڑی ہی خباثت بھری معنی خیزی تھی بخت کے لہجے میں، ولی کے تو چودہ طبق روشن ہو گئے۔

"اتنے جلدی خان اور۔۔۔ اور کیسے۔" حیرت اور بے یقینی کے ملے جلے تاثرات نے اس کے چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا۔

"ویسے اگر جلدی نہ کی تو بلاور کے بعد اگلی پیشی ہماری ہوگی جرگے میں۔۔۔ اب سنو۔" وہ سرگوشی کے انداز میں بولتا قدرے نزدیک آیا۔

"جرگے کے اجتماع سے عین ایک روز پہلے ہم اسجد کا قتل کر دیں گے۔ جس سے سیدھے سب کا شک بلاور پر ہی جائے گا۔ کیونکہ سب کے دماغوں میں اس وقت ایک ہی سوال ہے کہ آیا بلاور سچ بول رہا تھا کہ جھوٹ۔۔۔ اسجد کے قتل سے ایک تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ وہ جھوٹا تھا۔ دوسرے ہمارے پاس جواز ہو گا بلاور کو علی الاعلان قتل کرنے کا بھئی ہمارے جوان سردار کی موت کا بدلہ لیے بنا تو ہمیں چین نہیں آنا چاہیے نا۔۔۔" بخت نے ابرو چڑھا کر مسکراہٹ پھینکی۔ "ہم اسجد کے خون کا بدلہ لینے کے لیے خوب دھڑلے سے بلاور پہ ٹوٹ پڑیں گے۔ اب یہ تو ہمارا فرض بنتا ہے نا۔" اس نے ولی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر تائید چاہی۔

"لیکن خان۔۔۔ ہم کامیاب تو ہو جائیں گے۔۔۔ اگر اس بار بھی اسجد بچ گیا تو؟"

"اسجد بچ گیا تو سمجھو ہم نہیں بچیں گے ولی۔ کیا سمجھے۔۔۔؟" بخت کے چہرے پر طوفان سے پہلے کی سی گمبھیرتا ٹھہر گئی تھی۔

"یہی خان کہ اسجد کی موت اس مرتبہ یقینی ہے۔" اس نے جیسے تصور میں خطرے کے سیاہ بادلوں کو صاف اسجد کے سر پر منڈلاتے دیکھا۔

"اس بار ہمارے مشن کو ہر قیمت پر کامیاب ہونا ہے ولی۔۔۔ ورنہ یوں سمجھو کہ دوسری صورت میں موت "ہماری مقدر بن جائے گی۔"

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

راشدہ علی

اسکول کی چھٹی کے بعد گراؤنڈ تقریباً" خالی تھا۔ چند لڑکیاں بیگ اٹھائے گیٹ کے قریب گاڑی کی آمد کی منتظر تھیں۔ شاید میری طرح ان کی گاڑی بھی لیٹ آتی تھی۔ میں چادر اوڑھے 'بیگ اٹھائے فاکہہ کے ساتھ بائیں طرف بے تحاشا گھنے پیپل کے درختوں کے جھرمٹ میں چہل قدمی کر رہی تھی۔ یہ ہمارا روز کا معمول تھا۔ اس کا گھر قریب تھا وہ میری وجہ سے دیر سے جاتی تھی۔ میری گاڑی مختلف اسکولوں سے بچوں کو پک کرتے ہوئے آتی تو لیٹ ہو جاتی تھی۔ ہم دونوں اوسط درجے کے اس پرائیویٹ اسکول میں اتالیق مقرر تھیں۔

وہ مجھے معمول سے ہٹ کر بہت چپ لگی تھی۔ کھوئی کھوئی سی۔ ان دیکھی اذیت کے دائرے میں الجھتی... اس کی اتنی لمبی چپ... مجھے ورطہ حیرت میں ڈال رہی تھی۔ وہ بے تحاشا بولتی تھی... بے تکان ' بے سبب 'بول بول کر میرا سر کھالیتی۔ میں بچپن کی دوستی کے سبب بے توجہی... بظاہر خوش دلی سے سنے جاتی۔ اس کے پاس بے شمار قصے ہوتے تھے۔ لاتعداد کہانیاں... بے تکی باتیں ہوتی تھیں اس کی بھابھی کی ' محلے کے کسی چاچے ماسے کی... خالہ کی بڑی دیورانی کی اس بڈھے کی جو اس کی گلی کے نکڑ والی بوڑھی کے عشق میں گرفتار ہو گیا تھا۔ اور کسی نہ کسی سیلبریٹی کی شادی علیحدگی یا لڑائی کا قصہ۔

وہ بے تحاشا بولتی اور بے تحاشا ہنستی تھی اور یہ دونوں عادتیں پچھلے چند سالوں سے اس کی شخصیت کا حصہ بنی تھیں۔ شروع میں اس کی بے سروپا باتوں نے مجھے چونکایا تھا۔ وہ اتنا فضول تو نہیں بولتی تھی۔ وہ اتنا بے مقصد تو نہیں ہنستی تھی... کئی روز میں نے سبب تلاش کرنے کی کوشش کی... پھر روٹین بنتی چلی گئی... مجھے وجہ کا سرا نہ مل سکا۔ آج خلاف معمول اس کی خاموشی اور گہری چپ نے مجھے ایک بار پھر چونکایا تھا۔ جیسے اتنے سال پہلے بے تحاشا بولنے نے چونکایا تھا۔ وہ سر جھکا کر میرے ساتھ آگے بڑھتی پھر پلٹ کر اسی راستے پر پھر چلنے لگتی... کافی دیر گزر گئی ہم دونوں تھک گئے تھے۔ پیپل کی ٹھنڈی چھاؤں میں ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گئے۔

"حمرہ...!" بہت دیر بعد اس نے مجھے دھیرے سے پکارا تھا۔ میں نے دائرے میں لگے انواع و اقسام کے گلوں سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔ وہ بہت چبھتی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی کسی گہرے درد کے زیر سایہ... عمیق سوچ میں ڈوبی... غیر یقینی سی۔

"تمہیں محبت ہو گئی ہے۔"

اس کی اگلی بات نے میری سانسوں کو منجمد کر دیا تھا۔ میں نے اپنے وجود سے حرارت نکلتی محسوس کی تھی۔ پیپل کی سروقد شاخوں پر سورج کی تپش بڑھنے لگی تھی۔

میں نے سن۔ ساکت آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

"جابر رضوی سے...؟" اس کی سرگوشی پر ہوائیں مچلنے لگیں۔ ہواؤں کا گول پھندہ میری گردن کے گرد

اپنٹا تھا۔ میری آنکھوں نے اب بھی جنبش نہیں کی تھی۔ اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں کرب ہچکولے کھا رہا تھا۔ میرے جادو جود نے اس کا شک یقین میں بدل دیا تھا۔ وہ مجھ سے تو پوچھ نہیں رہی تھی۔ تصدیق چاہ رہی تھی۔

"فاکہ میں۔۔۔" بہت دقتوں سے خود کو کچھ کہنے کے قابل کیا۔ لیکن لفظ حلق میں پھنس گئے تھے میں چور تھی۔ سرعام پکڑلی گئی تھی۔ اور اب اپنے فیصلے کی منتظر تھی۔ سیاہ سلگتی آنکھیں مجھ پر جمی تھیں۔۔۔ اور

میں ان آنکھوں کے طلسم میں پگھل رہی تھی۔ لفظ اندر ہی کہیں بکھر گئے۔ اسی وقت چوکیدار نے میری گاڑی آنے کی اطلاع دی تھی۔ میں ہڑبڑا کر اٹھی۔ سیاہ آنکھوں کا طلسم بکھر گیا۔ میں یوں بھاگی جیسے برسوں بعد زندان سے رہائی پائی ہو۔ بیرونی دروازے کے قریب میرا پاؤں رپٹا تھا۔ اسٹریپ نکل گیا۔ میں پاؤں گھسیٹتے باہر آئی۔۔۔ پلٹ کر دیکھا سیاہ گیٹ نے سیاہ چبھتی۔۔۔ پیچھا کرتی آنکھوں کو اپنے اندر قید کرلیا تھا۔

"اوہ خدا!۔۔۔" میں نے بے اختیار گہری سانس لی

تھی۔ پھر قدم گاڑی سمیت بڑھ گئے تھے۔

٭ ٭ ٭

"تم نے جابر رضوی سے ہی محبت کیوں کی حمرہ۔۔۔"
ٹیبل پر کوک اور سموسے رکھ کر وہ میرے سامنے بیٹھ گئی تھی۔ میں اس سے چھپ نہیں سکتی تھی۔ مجھے اس کا سامنا کرنا تھا۔ مجھے پوری دنیا کا سامنا کرنا تھا۔۔۔ صفائیاں پیش کرنی تھیں۔۔۔ لیکن اس لڑکی سے آنکھیں چار کرنے کی ہمت نہیں تھی مجھ میں۔ میں دو دن سے اس سے بھاگ رہی تھی۔ جہاں وہ نظر آتی۔ بے مقصد کاموں میں مصروف ہو جاتی۔۔۔ آخر کب تک بھاگتی۔ تھکنا تو تھا۔ تھک کر رکنا بھی تھا۔ رک کر پلٹنا بھی تھا اور پلٹ کر اسی کے پاس آنا تھا۔

میرے پاس اس کے سوال کا جواب نہیں تھا۔ محبت کب ہے۔ کیوں۔۔۔ کس سے۔۔۔ کس لیے۔۔۔ جیسے سوالات سے مبرا ہوتی ہے۔ محبت کی تو کوئی وضاحت نہیں۔ اس کی تو بس تعریف ہے۔

محبت تو لازوال جذبہ ہے۔۔۔ عاشقوں کے مرنے سے بھی نہیں مرتا۔۔۔ "وجود کھو جاتے بس نام امر رہتے ہیں۔ بقا۔۔۔ فنا' پانا کھونا۔۔۔ محبت تو ان رسموں سے مقید نہیں۔۔۔ یہ تو جاوداں ہے رواں دواں۔۔۔ سانسیں چلتی رہتی ہیں تو یہ بڑھتی رہتی ہے۔ سانسیں تھم جائیں تو یہ قصہ بن جاتی ہے۔"

"کیوں؟" مجھے حیرت ہوئی تھی۔ یہ سوال تو میں نے دل سے بھی نہیں پوچھا۔ اسے جابر رضوی ہی کیوں اچھا لگا۔ دل نے اس کے ہی قدموں میں سر کیوں جھکایا تھا۔۔۔ محبت نے وضاحت نہیں دی۔ وہ وضاحت دے ہی نہیں سکتی تھی۔

"وہ کوئی بھی ہوتا۔۔۔" وہ لانبے ناخنوں کو رگڑتے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ "لیکن جابر رضوی نہیں۔"

"وہ کسی کی جاگیر نہیں ہے فاکہہ۔" مجھے اس کے مبہم تاثرات پہ طیش آیا تھا۔ وہ چند لمحے میری آنکھوں میں اترے تیکھے پن اور کاٹ کو دیکھتی رہی تھی۔ میں نے اس کے چہرے پر سایہ لہراتا محسوس کیا تھا۔

"وہ میرا ایکس ہے۔" اس نے تھکے تھکے انداز میں کوک گلاسوں میں انڈیلی۔ "میں کیسے قبول کروں حمرہ۔۔۔ میری عزیز از جان دوست۔۔۔ میری اتنی قریبی سکھی ہے میرے سابقہ سے۔۔۔" اس نے آنکھیں میچ کر سر جھٹکا تھا۔ میرے تن بدن میں آگ سی بھڑک اٹھی تھی۔ میرا لہجہ آتش زیر پا تھا۔

"یہ میری زندگی کا معاملہ ہے فاکہہ! میں تمہاری دوستی کے ناطے اپنی خوشیوں سے کیوں دستبردار ہوں اب جبکہ تم اسے چھوڑ چکی ہو۔ تو کیا ہر وہ شخص اس سے تعلق نہ رکھے جو تم سے وابستہ ہے۔ ایسا نہیں ہوتا فاکہہ کسی ایک شخص کی وجہ سے ساری دنیا کسی سے منہ نہیں موڑ سکتی۔"

"میں اپنی وجہ سے نہیں کہہ رہی۔ میں تمہاری وجہ سے کہہ رہی ہوں۔"
بجلی غائب تھی۔ پنکھے ساکن میں نے سلگتے قطرے اس کی پیشانی پر اترتے محسوس کیے تھے۔ اس کا لہجہ پست تھا۔ دکھ سے چور۔ اسے مجھ سے اس تیز طراری کی امید نہیں تھی۔ اسے شاید لگا تھا کہ میں اس کے جھانسے میں آکر جابر رضوی سے تعلق توڑ لوں گی۔ میں نے اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

"وہ میرے قابل نہیں تھا۔۔۔" اس نے بجھی نظریں کوک کے بھرے گلاسوں پر جمائیں۔۔۔ اتنی تپش میں وہ کھولتے پانی کی طرح گرم ہو گئے تھے۔ "تو تمہارے قابل کیسے ہو سکتا ہے۔" میں چونکی۔ اس کا لہجہ بڑا عجیب سا تھا۔ ناقابل فہم بہت عمیق اور الم ناک سا۔

"تم مجھ سے ہر لحاظ سے بڑھ کر ہو۔ خوب صورتی میں، تعلیم میں' دولت میں اور سب سے بڑھ کر۔۔۔" اس نے کچھ توقف کیا۔ میری بے گانہ آنکھوں میں جھانکا اور سرگوشی کی قدرے جھجکتے ہوئے۔ "تقویٰ میں۔"

میں نے ٹھنڈے سائے اپنے اندر اترتے محسوس کیے تھے۔ اتنی تپتی چلچلاتی گرمی میں بھی۔۔۔ ٹھنڈے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

پسینے میں نہا گئی تھی میں "تو وہ تمہارے قابل کیسے ہو سکتا ہے۔ سوچ لو حمرہ۔۔۔ ورنہ ساری عمر پچھتاؤ گی میری طرح۔" کہہ کر وہ رکی نہیں تھی۔ کوک اور سموسے یونہی چھوڑ کر چلی گئی۔ میں نے فقط کندھے اچکا کر اس کی باتوں کے اثر کو زائل کیا تھا۔

وہ مجھ سے جیلس تھی۔ میں جانتی تھی۔ وہ ہمیشہ سے مجھ سے جلتی آئی تھی۔ میں اس کے سابقہ شوہر سے محبت کرتی تھی۔ اسے انگاروں پر تو لوٹنا تھا نا۔ وہ مجھے اپنے جیسا بننے سے روکنا چاہتی تھی اور میں۔۔۔ سر پر ناچتے عشق کے بھوت کی انگلی پکڑے۔۔۔ انہی راہوں پر چل پڑی تھی۔

☆ ☆ ☆

انسان کی خواہشیں اس بچے کی طرح ہوتی ہیں۔ جو اندھیری رات میں جگنوؤں کے تعاقب میں بھاگتا ہے۔ انہیں اپنی مٹھی میں بند کرنے کی امنگ لیے۔ وہ ان کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے۔ میں بھی اپنی ہی اندھی خواہشوں کے تعاقب میں دوڑ رہی تھی۔ خواہش اس اندھے کنویں کی طرح ہوتی ہیں، جن میں گر کر۔۔۔ "آہ" بھی نہیں نکلتی۔

میں گود میں کتاب رکھے پڑھ رہی تھی اور وہ۔۔۔ میرا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہی گہری سیاہ کاٹ دار آنکھیں۔۔۔ مجھے ان آنکھوں کے طلسم نے بے زار کر دیا تھا۔ میں ان آنکھوں کے تعاقب سے فرار چاہتی تھی۔ دیوار پر سائے ڈھل رہے تھے۔ مغربی افق کی طرف گامزن آفتاب کا تھکا ماندہ سفر باقی تھا۔ دوپہر۔۔۔ سہ پہر میں ڈھل رہی تھی۔

"تم اس سے شادی کرو گی؟"

مجھے اس کے بے تکے سوال پر حیرت نہیں ہوئی تھی۔ میں ذہنی طور پر تیار تھی میں جانتی تھی عنقریب وہ مجھ سے پوچھے گی۔ میں نے کتاب سے نظریں ہٹائیں سیاہ آنکھوں کا سحر مجھے جکڑے ہوئے تھا۔

"محبت کی ہے۔ تو شادی بھی کروں گی۔" میرا لہجہ فخر محبت کی چاشنی سے پر تھا۔ وہ یک ٹک میرے چہرے پر اترا ست رنگی تاثر دیکھتی رہی تھی۔ جس نے سیاہ گھنور آنکھوں میں کرچیاں بکھری دیکھی تھیں۔ اس نے بوجھل سی سانس بھری تھی۔

"وہ تمہیں برباد کر دے گا حمرہ۔۔۔ جیسے اس نے مجھے برباد کر دیا ہے۔ بھٹک رہی ہوں میں تنہائی کے عذاب میں جلتی بد روحوں کی طرح۔۔۔ جو محبت میں رل جائے نا اسے کوئی "در" نہیں ملتا۔"

"ہر انسان کا تجربہ ایک جیسا نہیں ہوتا۔" میں نے اس کے وسوسوں کی تردید کی تھی۔

"انسان ایک ہو تو تجربہ ایک ہی بن جاتا ہے۔ اس تجربے کا فارمولا نہیں بدلتا۔ نتیجہ ایک ہی آتا ہے۔" اس کی وہی بے سروپا باتیں میں اکتا گئی تھی۔

"تو تم چاہتی ہو میں اس سے شادی نہ کروں؟"

"ہاں۔۔۔ کیونکہ آگے بہت اندھیرا ہے۔ گھپ اندھا اندھیرا۔۔۔ تم بھٹک جاؤ گی۔ بکھر جاؤ گی۔ لیکن واپس نہیں آپاؤ گی۔ یہ ون وے ہے۔ واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"تم جیلس ہو؟" میں نے اس کی باتوں کو سراسر نظر انداز کر دیا تھا۔ میری خوشی اسے چبھ رہی تھی۔ میں جانتی تھی حاسد انسان دوسروں کی خوشیوں پر یونہی زوال کی خواہش رکھتا ہے۔ وہ میری دوست تھی مجھے اس پر بے تحاشا تاؤ آ رہا تھا۔ کیا تھا اگر جابر رضوی اس کا ایکس تھا تو۔۔۔ تو کیا میں اس کے لیے اپنی محبت فراموش کر دیتی۔ وہ مجھے بڑی سازشی لگی تھی۔ وہ مجھے جابر سے برگشتہ و متنفر کرنے کے لیے گوہر افشانی کر رہی تھی۔ گہری سیاہ آنکھیں ساکت تھیں۔ انتہائی متعجب غیر یقینی۔

"جیلس؟" اس کے لب پھڑپھڑائے تھے۔ میں نے اپنے زعم میں اس کے وجود کے پرخچے اڑا دیے تھے۔

"تم اسے چھوڑ چکی ہو۔ پھر کیا فرق پڑتا ہے۔ میں اس سے شادی کروں یا۔۔۔ کوئی اور۔"

"اس نے مجھے نہیں چھوڑا۔۔۔ میں نے اسے چھوڑا تھا۔ تم شاید بھول گئیں۔ وہ ایک نمبر کا شکی الصفت

انسان ہے۔ رنگین تتلیوں کے پیچھے بھاگنے والا۔۔۔ حیوان صفت درندہ۔۔۔ بلا مبالغہ اسم بامسمیٰ ہے وہ۔" وہ مارے طیش کے چیخی تھی اور میرا منہ حیرت کی زیادتی سے کھلتا چلا گیا تھا۔ آنکھوں میں غیض و غضب چھلکا تو لبوں پر آتش فشاں پھٹ پڑا تھا۔

"شرم آنی چاہیے تمہیں کسی انسان کے کریکٹر پر یوں انگلی اٹھاتے۔۔۔ اس نے تمہیں چھوڑ دیا اس لیے بلبلا رہی ہو۔ میری خوشی ہضم نہیں ہو رہی تم سے۔۔۔ مجھے ورغلانا چاہتی ہو تو سنو مس فاکہہ اعتزاز میں جابر رضوی سے شادی کر کے رہوں گی چاہے تم مجھے جتنا متنفر کرنے کی کوشش کرو۔ میں تمہاری کوئی کوشش کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔۔۔ میں جانتی ہوں وہ کیسا ہے۔ تم اپنے اندر کی جلن۔ کھولن باہر نکال رہی ہو بس۔" میری ترش روی نے گہری سیاہ آنکھوں میں مرچیں بھر دی تھیں۔ اس کے چہرے پر سناٹے اتر آئے تھے۔ وہ مجھے سپاٹ نظروں سے دیکھتی رہی تھی۔ پھر چپ چاپ اٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔

"ربش۔۔۔" میں نے کتاب اٹھا کر میز پر پٹخی۔ اب دل پڑھنے کو نہیں کر رہا تھا۔ فاکہہ نے موڈ کا بیڑہ غرق کر دیا تھا۔ میں نے چہرے پر پھیلے تناؤ اور تند سلوٹوں کو ہاتھ پھیر کر دور کیا۔ مجھے جابر کے ساتھ لنچ پر جانا تھا۔ میں خود کو ریلیکس کرنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس کے بعد فاکہہ سے میری باضابطہ ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ وہ دانستہ مجھے دیکھ کر کنی کترا جاتی۔۔۔ دور بچوں میں مگن نظر آتی۔ اسے دیکھ کر میرے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ رینگ جاتی تھی۔

"بے چاری۔"

میں سر جھٹک کر اپنے کاموں میں لگ جاتی۔ پھر میری شادی ہو گئی۔ وہ تب بھی میرے پاس آنے سے گریزاں رہی۔ وہ کیسے اپنے شوہر کے سابقہ سہی وارفتگیوں اور والہانہ پن کے قصے سن سکتی تھی۔ اتنا حوصلہ بھلا انسان میں کہاں۔۔۔ جابر کے حوالے سے میرے سارے خدشے' واہمے پانی کی دیوار ثابت ہوئے تھے۔ وہ میرے تصور سے بھی بڑھ کر اچھا تھا۔ اس کا شوخ مجھے سراہتا مخمور گمبھیر لہجہ۔ مجھے دلستانوں کی سیر کروا دیتا۔ میں مہکتی کلی کی مانند کھل گئی تھی۔ فاکہہ کے بے بنیاد خدشات مجھے سجا سنورا۔ نکھرا دیکھ کر اس کا منہ چراتے تھے۔ اس وقت میں حواسوں میں نہیں تھی۔ ناچتی' اچھلتی کودتی پھر رہی تھی۔ میں اسکول میں ہوتی تو وہ مجھے لاتعداد ایس ایم ایس کرتا تھا۔ جس میں اس کی محبت۔۔۔ میری خوب صورتی اور اپنی بے تابی' بے قراری کا اظہار ہوتا تھا۔ میں دنیا بھولنے لگتی تھی۔

اس نے مجھے ہاتھ کا چھالا بنا رکھا تھا۔ گھر کا کوئی کام کاج نہ کرنے دیتا۔ اسے میں بنی سنوری اچھی لگتی تھی۔ میں خوب تیار رہتی۔ ہمہ وقت۔ وہ مجھے آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتا۔ میں کسی ملکہ کے سے طمطراق' تمکنت کے ساتھ زندگی گزار رہی تھی۔ میری کولیگز میری دمکتی۔ شفاف جلد کی تعریف کرتیں۔ میں جھینپ جاتی۔ یہ نکھرتا روپ جابر کی والہانہ محبت کا ثبوت تھا۔ چند ایک کولیگز رشک کرتیں اور کونے میں سر جھکائے بیٹھی فاکہہ وہ مجھے پتھر بنی دکھائی دیتی تھی۔

وقت کا سکہ اچھلا اور اس کا رخ بدل گیا۔

خاصا وقت بیت گیا تھا۔ جابر کی شدتوں میں کمی آنے لگی تھی۔ وہ گھر دیر سے لوٹتا تھا۔ میں باز پرس کرتی تو چنگاڑنے لگتا۔ میں سکتہ زدہ رہ جاتی تھی۔ وہ مجھ سے خار کھانے لگا تھا۔ میرا دل خدشوں سے بھرنے لگا تھا تو اضطراب و بے چینی میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ وہ مجھ سے اکتا رہا تھا۔ آئے روز کے جھگڑے اس کا ثبوت تھی۔ پہلے پہل میں سمجھی شاید کاروبار کی وجہ سے تھک جاتا ہو گا تو چڑ جاتا ہے۔ یا دوست کا اختلاف پیدا ہو گیا ہو گا یا پھر اور کوئی مسئلہ میں سمجھ ہی نہیں پائی تھی کہ 'مسئلہ میں' تھی۔ وہ صرف' مجھ سے لڑتا تھا۔ وہ صرف لڑتا نہیں تھا۔ اس کی شخصیت کا نقاب مجھ پر اس روز کھلا تھا۔

وہ بہت تھکا ہوا گھر آیا تھا۔ رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ میں اس کے انتظار میں دیدہ راہ فرش کیے بیٹھی تھی۔ اتنی رات بھی۔۔۔ صرف اس کے لیے۔

وہ کھانا کھا کر آیا تھا۔ میں اس کی تھکن کے پیش نظر چائے بنا کر لے آئی تھی وہ چپ چاپ بیٹھا رہا تھا۔ میں اس کے قریب بیٹھ گئی تھی۔ خاموشی کے طویل وقفے نے میری دل کی دھڑکن بڑھا دی تھی۔ ہمارے درمیان کبھی اتنی خاموشی نہیں چھائی تھی۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہاں بے زاری اکتاہٹ اور تیکھا پن چھایا تھا۔

"کیا بات ہے جابر! بہت پریشان رہتے ہیں۔"

"ہوں۔" وہ ماتھا مسلتے ہنکارہ بھر کے رہ گیا تھا۔

اس کی انگلیوں میں ادھ جلا سگریٹ۔۔۔ میں لب بھینچ کر رہ گئی تھی۔ وہ سگریٹ بھی پینے لگا تھا۔ میری غلط فہمی تھی شاید۔۔۔ وہ تو برسوں کا عادی دکھائی دیتا تھا۔ جامن اور شہتوت کے درختوں سے چھن کر آتی روشنی۔۔۔ کمرے میں فسوں پھیلا رہی تھی۔ چاند مدار پورا کرتا اب سر پر آن رکا تھا۔ بھید بھری خاموشی چہار سو چھائی ہوئی تھی۔

"آپ کی محبت میں اب وہ بات نہیں رہی جابر۔"

میں ذرا ٹھہری "یا شاید وہ محبت تھی ہی نہیں۔۔۔ محبت کبھی کم نہیں ہوتی۔ محبت لفظوں کی محتاج نہ سہی۔ احساس کی محتاج ضرور ہوتی ہے۔ اور آپ کو کچھ میرا احساس ہے۔ سارا سارا دن آپ کی راہ تکتی ہوں۔ آپ مجھ سے بے زار ہو رہے ہیں کیا۔" ہلکی سی ہوا نے سمبل کے پتوں کو چھیڑا۔ سسراہٹ سی ابھری تھی۔

اس نے سرخ نظروں سے مجھے گھورا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے میں بس تمہاری پٹی سے لگ کر بیٹھا رہوں۔ سخت زہر لگتی ہیں مجھے وہ عورتیں جو مردوں سے پوچھ گچھ کرتی ہیں۔ آئے گئے حساب رکھتی ہوں۔" وہ دانت پیس کر غرایا تھا۔ میری آنکھوں میں بے یقینی کا دریا اتر آیا تھا۔ وہ خوب صورت لب و لہجے والا شخص کتنے جاہلانہ انداز میں بات کر رہا تھا۔ مجھے سماعتوں پر یقین نہ آیا تھا۔

"میں آپ کی بیوی ہوں حق ہے میرا۔" میں چیخ پڑی تھی۔ اس نے جھٹکے سے مجھے دور پھینکا تھا۔

"حق۔۔۔ مائی فٹ میں دو ٹکے کی عورتوں کو خود پر dominate (غالب) نہیں ہونے دیتا۔" غضب ناک سی نگاہ مجھ پر ڈال کر وہ واش روم میں گھس گیا تھا۔ میں پتھرائی سی بیٹھی تھی۔

"دو ٹکے کی عورت۔" حلق میں لفظ پھنس گئے تھے۔ آہ و فغاں کرتے۔۔۔ پھڑپھڑانے لگے۔ چاند کی چاندنی یک دم بڑھی تھی۔ وہ روشنی میں ناچنے لگے تھے۔ لفظوں کے حصار میں میرا وجود تنگ پڑنے لگا تھا۔ پھر یہ سل[illegible] بڑھتا [illegible]یا۔ میں کچھ کہتی۔۔۔ وہ بھڑ جاتا "زبان دراز عورت" کا لقب مل گیا تھا مجھے گالم گلوچ محبت کہیں [illegible] ہی رہ گئی تھی۔ جابر کی ستم گری اور میرا بڑھتا خوف اس گھر میں تنہا رہ گئے تھے۔

غنچوں پہ کھلے گل مرجھا گئے۔ میری چمکتی آنکھیں ویران ہو گئی تھیں۔ چمکتی رنگت کائی زدہ۔ اور مردہ ہو گئی۔ مجھے لگتا تھا میرے تن پر بس سانسیں باقی تھیں۔ دل مر گیا تھا۔ خواب دفن ہو گئے تھے۔ محبت آہوں کا کفن اوڑھے مقبرے میں مقید تھی۔

اسٹاف کے اسی کونے میں۔۔۔ سر جھکائے فاکہہ۔۔۔ میرا زرد کائی زدہ۔۔۔ کملایا چہرہ دیکھتی رہتی تھی۔ چپ۔۔۔ خاموش نظروں سے وہی چپ۔ جو میری شادی کے بعد اس کی آنکھوں میں اتر آئی تھی۔ مجھے اب پتا چلا تھا۔ وہ اتنا بولتی کیوں تھی۔ بے تحاشا ہنستی کیوں تھی۔۔۔ درد چھپانے کے لیے۔۔۔ لبوں پہ چسپاں مسکراہٹ اور آنکھوں کی اوٹ سے چمکتا کرب۔۔۔ مجھے اب نظر آیا تھا۔ وہ ٹھیک کہتی تھی جابر نے اسے برباد کر دیا تھا۔ اور اب۔۔۔ مجھے کر رہا تھا۔

میری عزیز از جاں دوست نے جہاں سے دھوکا کھایا تھا۔ وہیں سے مجھے چوٹ پڑی تھی۔

ہر انسان کا تجربہ ایک جیسا نہیں ہوتا۔ لیکن ایک ہی انسان پر بار بار وہی تجربہ۔ ایک ہی نتائج نکالتا ہے۔

جس نے ایک کی زندگی میں زہر گھولا تھا۔ وہ دوسری کی زندگی میں گل کیسے کھلا سکتا تھا۔ مجھے اپنی ماں کی نصیحت یاد آئی تھی۔ وہ مجھے جابر سے شادی سے روکنا چاہتی تھی۔ اس وقت میں آنکھیں ' کان بند کیے ہوئے تھی۔ محبت اندھی ہوتی ہے۔ لیکن اس کی آنکھیں بہت خوب صورت ہوتی ہیں۔ کمبخت بہت چمکدار خواب دکھاتی ہے۔

"جب مرد ایک عورت کو چھوڑتا ہے نا تو اسے "راہ" مل جاتی ہے۔ دوسری تیسری ڈھونڈنے کی راہ۔ اسے تو لت پڑ جاتی ہے۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ اتنی آسانی سے دوسری مل گئی تو۔۔۔ تیسری بھی مل جائے گی۔۔۔ وہ بھاگتا جائے گا حمرہ۔۔۔ تم کیسے اسے روکو گی جو ایک کو چھوڑ سکتا ہے اس کے لیے دوسری کو چھوڑنا۔ کبھی مشکل نہیں ہوتا۔ تم سوچ لو۔ یہ رسک ہے۔ سراسر رسک تم جوان ہو' خوب صورت ہو' تمہیں ہم پلہ مل سکتا ہے بیٹا۔" ماں سچ کہتی تھیں۔ جابر کسی تیسری کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ اور تیسری بھی بڑی آسانی سے اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی تھی۔ جانے لڑکیاں بے وقوف تھیں۔ یا مرد زیادہ چالاک تھے۔

میں نے جابر سے لڑنا چھوڑ دیا تھا۔ اس نے مجھے مارنا چھوڑ دیا۔ میں بے جان روح کی طرح۔۔۔ چپ چاپ خالی مکان میں بھٹکتی رہتی تھی۔ فاکہہ اسے کھو کر ہنس سکتی تھی۔ باتیں کر سکتی تھی۔ لیکن میں نہیں۔ فرق بس اتنا تھا کہ۔۔۔ فاکہہ نے اس سے شادی کی تھی محبت نہیں اور میں نے اس سے محبت کی تھی۔ مجھے تو چپ چاپ بکھرنا تھا۔

☆ ☆ ☆
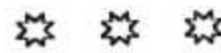
وہ میرے سامنے تھی۔ کئی برسوں بعد!

پارک میں سنگی بینچ پر میرے ساتھ بیٹھی۔ سیاہ لباس میں۔ گہری سیاہ پرسوز آنکھوں کے ساتھ۔۔۔ مخصوص مسکراہٹ لبوں پر سجائے۔ میرے ساتھ میری بیٹی بھی تھی۔ سامنے فٹ بال کے ساتھ بچوں کے ساتھ کھیلتے۔۔۔ وہ ‌سی نظر مجھ پر ڈالتی۔ میری موجودگی کا اطمینان کرتی۔۔۔ پھر کھیلنے میں مشغول ہو جاتی۔

فاکہہ اپنے بھتیجے کے ساتھ آئی تھی۔ وہ آج بھی تنہا تھی۔ اس نے شادی نہیں کی تھی۔ جنوری کی سرد۔ ٹھٹھرتی شامیں۔ خزاں رسیدہ۔ زرد پتے۔۔۔ پاؤں کے نیچے بے سائباں پڑے تھے۔

"کیسی ہو حمرہ؟"

"ٹھیک ہوں۔" میں نے ہولے سے جواب دیا تھا۔ میں اس سے نظریں ملانے سے قاصر تھی۔ "اور تم خوش ہو؟"

"خوش؟" وہ اسی مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔ گہرے درد میں لپٹی مسکراہٹ۔ "پتا نہیں خوش ہوں یا نہیں۔ ہاں مطمئن ضرور ہوں۔" اس نے سردی سے ہاتھ رگڑے تھے۔ اس کے وہی لانبے ناخنوں والے ہاتھ۔۔۔ وقت نے اسے ذرا نہیں بدلا تھا۔ بس تھکا ضرور دیا تھا۔ وہ میرے جذبات سے عاری۔ چپ چہرے کو یک ٹک دیکھتی رہی تھی۔ "تم جابر کے ساتھ خوش ہو۔" جنوری کی کرلاتی۔ یخ بستہ ہوا کا جھونکا مجھے اندر تک جھنجھوڑ گیا تھا۔

"پتا نہیں میں اس کے ساتھ بھی ہوں یا نہیں۔" میرے حلق میں کچھ پھنسا تھا۔

"میں نے کہا تھا نا حمرہ۔۔۔ وہ تمہارے قابل نہیں وہ تمہیں خوش نہیں رکھ سکے گا۔"

"خوش۔۔۔" میں نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔ "اس نے تو مجھے بکھیر دیا ہے۔ میں تو خود کو جمع ہی نہیں کر پا رہی۔ خود کو ڈھونڈ رہی ہوں میں۔۔۔ خود کو تلاش رہی ہوں۔" چند زرد پتے برگد کی شاخوں سے اڑتے میری گود میں گرے تھے۔

وہ چپ رہی تھی۔ اتنی چپ کہ خاموشی کرلانے لگی۔ بین کرنے لگی تھی۔

میں نے بیٹی سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔ وہ حسرت بھری نظروں سے میری بیٹی کو دیکھ رہی تھی۔ مجھے جھٹکا لگا تھا۔ وہاں حسد نہیں تھی۔ رشک نہیں تھا۔ جنوں خیزی تھی۔ محبت کا ٹھاٹھیں مارتا بیکراں

سمندر تھا۔ میرے اندر کچھ ٹوٹا تھا۔ سیاہ آنکھوں کا سحر میں بنا پلکیں جھپکائے اسے دیکھتی رہی تھی۔ آگاہی کے نوکیلے پنجے نے... بہت زور سے دانت گاڑے تھے۔ میرے بے جان وجود پر۔ اس کی پراسرار سی سحر انگیز درد میں ڈوبی سیاہ آنکھیں اس کی کرب ناک ہنسی اسے جابر رضوی سے محبت تھی۔ وہ جھوٹ کہتی تھی وہ اس سے نفرت کرتی تھی اور اس نفرت نے اسے چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ نفرت جھوٹ تھی یا... اس کی آنکھوں سے چھلکتی محبت... فرق تو دراصل یہ تھا۔ اس نے "محبت" کی خاطر اسے چھوڑ دیا تھا۔ وہ جابر کی فطرت سے واقف تھی۔ اسے محبت کی رسوائی قبول نہیں تھی۔ وہ محبت کے نام پر پڑنے والا... چابک برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اور میں... میں نے "محبت" کے لیے اسے نہیں چھوڑا تھا۔

"تمہاری بیٹی بہت خوب صورت ہے۔" میری کیفیت سے بے خبر وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی تھی۔ "بہت معصوم... جابر کو بچوں سے بہت محبت تھی وہ ساری دنیا سے نفرت کر سکتا تھا۔ لڑ جھگڑ سکتا تھا۔ لیکن بچوں سے نہیں تم اسے کبھی مت چھوڑنا... وہ ٹوٹ جائے گا۔ اس کی زندگی میں لڑکیاں آئیں گی۔ بیوی نہیں۔" محبت پانا کھونا کہاں دیکھتی ہے۔ یہ تو محبوب کی خوشی دیکھتی ہے۔ اسے آج بھی جابر کی پروا تھی۔ میرے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آکر ٹوٹ گئی تھی۔ آنکھوں نے ساتھ نہیں دیا تھا۔

شام کے سائے یکدم اتر آئے تھے۔ سورج مغرب کی اور ڈھل چکا تھا۔ ٹھٹھرتی سردی نے خاموشی اور ویرانی کا قفل چار سو پھیلا دیا تھا۔ وہ بھتیجے کو لے کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"اچھا چلتی ہوں حمرہ! اپنا خیال رکھنا۔" مجھے مل کر وہ چل دی تھی۔ آج بھی ہلکا سا خلا ہمارے درمیان موجود تھا۔ وہ بے تکلفی لوٹ کر نہ آسکی تھی جو کبھی ہمارے درمیان قائم تھی۔ وہ دور جا رہی تھی۔ پارک میں اترے اندھیرے اور سناٹے سے دور اور مجھ سے بھی دور۔ اسے میری جابر سے شادی پر جیلسی نہیں

تھی۔ فکر تھی، وہ ٹھوکر کھا چکی تھی۔ اور میں اسی پتھر سے بار بار ٹھوکر کھاتی رہی۔ میں اندھی بہری ہو گئی تھی۔ محبت نے میری ساری حسیات چھین لی تھیں۔

محبت کی کہانی میں
نہ تم تھے... نہ ہم تھے
یہ تو دو راہیں تھیں جن پر ہم کو چلنا تھا
کہیں یہ ٹوٹنا، کہیں یہ بکھرنا تھا
نہ تم رہے، نہ ہم رہے
بس نام محبت زندہ رہا

کاش یہ وہم ہو۔ وہ اس سے محبت نہ کرتی ہو۔ سرد پختگی نے میرا لہو منجمد کر دیا تھا۔ وہ شکستہ قدموں نڈھال۔ تھکے وجود کے ساتھ جا رہی تھی۔ اور میں بے جان سی اسی دیکھتی رہی تھی۔

وہ دور ہوتی گئی۔ اور دور اور دور...

☼ ☼

منشا محسن علی

23 جنوری 2014ء

سو باتوں کی ایک بات کہنے کا ہنر تو مجھے آج تک نہیں آیا، مگر ہزار باتوں کی ایک بات کہنے کی خوبی مجھ میں بدرجہ اتم موجود ہے اور صد شکر کہ میں کوئی گھمنڈی لڑکی نہیں ورنہ اس خوبی بلکہ عظیم الشان خوبی پر پھول کر "کدو" ہو جاتی... خیریات ہو رہی تھی ہزار باتوں کی ایک بات کی تو دراصل میرا ذاتی تجربہ اور تحقیق یہ ہے کہ "زندگی میں اگر کبھی بھی آپ کی خوشی کے ساتھ کسی دوسرے کی خوشی بھی جڑی ہو، تو خود ذرا سائیڈ پر ہو جائیں اور اپنی یہ خوشی موت نامی پلیٹ میں سجا کر دوسروں کے آگے پیش کردیں۔"

یہ کام خاصا مشکل تو ہے ہی مگر ناممکن ہرگز نہیں... اور میں تو "موت زادی" ہوں... موت، خودداری، ایثار، بردباری اور عاجزی جیسے تقریباً" تقریباً" ناپید جذبے مجھے ننھی سی جان پر لدے ہوئے ہیں... اور اسی بات نے مجھے "مجھکا" رکھا ہے... میں رسیلے پھل سے لدا پھندا پیڑ ہوں جس پر اکثر ضربیں، ٹھوکریں لگائی جاتی ہیں اور میں بغیر برا مانے قہقہہ لگا دیتی ہوں... بقول ابا کے...!

"تم بڑی ڈھیٹ ہو..." اور میں گردن شمال، جنوب گھماتے ہوئے کہے جاتی، کہ ڈھیٹ ابن ڈھیٹ کو صرف ڈھیٹ کہنا "توہین" کے زمرے میں آتا ہے کوئی اور اس بات کا یقین کرے یا نہ کرے مگر میں تو کرتی ہوں... اس کی قابل ذکر وجہ ایک ہی ہے...

"لوگ میری پروا نہیں کرتے اور میں لوگوں کی پروا نہیں کرتی..."

مارکونی نے ریڈیو ایجاد کیا اور عالمگیر شہرت پائی... گراہم بیل نے ٹیلی فون دریافت کیا اور خوشی سے پھولے نہ سمایا... اور اس لال ٹماٹر نیل آرم سٹرانگ نے تو چاند پر چہل قدمی کر کے چاند، تاروں کو بھی شرمندہ کردیا... بے چارے ہکا بکا سوچتے رہ گئے۔

"یہ ہماری سلطنت پر کون آن ٹپکا...؟" اور ان تین بندوں کی شہرت دیکھ کر مجھے تشویش ہو گئی ہے کہ کیوں نہ میں بھی کچھ ایجاد کر ڈالوں اور پھر خوشی سے الٹی قلابازیاں کھاؤں جو مس رفعت ہیلتھ کے پیریڈ میں لگواتی تھیں... اور یہ الگ بات کہ گول لٹو کی طرح گھومتے گھومتے میں اللہ کو پیاری ہوتے ہوتے سو بار بچی ہوں "آج بھی وہ خوف ناک لمحے یاد کر کر کے لرز جاتی ہوں... اور جہاں میں لرز گئی، سمجھو ڈیئر ابا بھی کانپ کانپ جاتے تھے۔

"تم کچھ سالوں پہلے تو بڑی خوف ناک ہوتی تھیں۔ اللہ بخشے تمہاری اماں تمہیں برداشت کرتی تھیں... آفرین ہے اس نمانی پر۔"

اور میں مطمئن ہوتی اس کا مطلب اب میں بالکل بھی خوف ناک نہیں ہوں۔ خیر۔ بات ہو رہی تھی ایجاد کی تو... اور پھر میں نے "قہقہے" ایجاد کر لیے کھوکھلے، بناوٹی کانچ جیسے جو میرے وجود کی عمارت کے اندر ہی ننھے منے ایٹم بموں کی طرح پھوٹ پڑتے تھے۔ اور میں خوف سے پیلی پھٹک ہو جاتی... اور ڈیئر ابا ٹھٹک جاتے۔

"آنکھیں دکھاؤ ذرا...؟" ابا ایسے موقعوں پر

طبیب بن جاتے اور میں اچھی مریض آج تک نہیں بن پائی ہوں۔

"کیوں ابا۔۔۔؟"

"ارے یرقان کی علامات لگتی ہیں۔۔۔" وہ تشویش میں مبتلا نظر آتے اور میں اپنی ایجاد ہونٹوں پر سجا لیتی تھی۔۔۔ قہقہے۔

"یار ابا آپ بالکل بھی اچھے طبیب نہیں ہیں۔ یرقان کو مجھ سے اور مجھے یرقان سے خدا واسطے کا بیر ہے۔"

ابا مجھے چپت لگاتے ہنس دیتے۔ اور میرا تو قلق ختم نہیں ہو رہا کہ مارکونی گراہم بیل کی ایجادات تو دھوم مچا گئیں۔۔۔ اور رہ گئی میں۔۔۔ تو میری ایجادات تو میرے اپنے اندر پھٹے ڈھول کی طرح بج رہی ہیں بجتی جا رہی ہیں۔

دنیا میں اور بھی غم ہیں ایجادات کے سوا
میں پھلجھڑی ہوں۔۔۔

اشعر نے نہایت نفاست سے اس ڈائری کے صفحے کو موڑ کر رکھ دیا تھا۔۔۔ مطالعہ گاہ کی کھڑکیوں کے پار رات ٹھہری ہوئی تھی۔۔۔ وال کلاک پر رات کے دو بج رہے تھے۔۔۔ اس نے تھرماس سے سامنے پڑے خالی کپ کو گرین ٹی سے بھرا اور چسکیاں بھرنے لگا تھا۔۔۔ اس کی سوچیں اس کے ذہن کے پردوں سے اٹھ کر مطالعہ گاہ کی دیواروں پر لرزنے لگی تھیں۔

وہ کون ہے۔۔۔؟ کیا ہے۔۔۔؟

ایسی بھید بھری لڑکی جو قہقہوں کی موجد ہے۔۔۔ جو سوچ کی کھڑکی پر الفاظ کی ضرب لگاتی ہے اور پھر سوچیں سنہری سنہری ہو جاتی ہیں۔۔۔ پگھلے سونے جیسی۔۔۔ خاص۔۔۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا کھڑکیوں کے پار اندھیرا تھا۔ کپ سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔

"میں نہیں جانتا تم کون ہو؟ مگر پھر میرا دل یہ کیوں کہہ رہا ہے کہ تم شناسا ہو۔۔۔ اپنی اپنی سی کوئی کسی کو دیکھے بغیر کسی کا اسیر کیسے ہو سکتا ہے؟ مگر میں ہو رہا ہوں ہو گیا ہوں تمہارے لفظوں کی لت پڑ گئی ہے مجھے۔۔۔ تمہاری ڈائری کا ورق میرے لیے سلیپنگ پلز جیسا ہے کاش تم کبھی میرے سامنے آؤ۔

"آئی وانٹ ٹو سی یو" (میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔)

اور وہ ڈائری قلمدان کے پاس پڑی تھی۔۔۔ جس کے پہلے صفحے پر ہی ایک عبارت درج تھی۔

"کسی کی ڈائری اس کی رضا کے بغیر پڑھنا اخلاقی جرم ہے۔۔۔"

اور اشعر یہ جرم پچھلے سترہ روز سے کرتا آ رہا تھا۔۔۔ اس ڈائری سے خوشبو کی لپٹیں اٹھتی تھیں۔۔۔ باب بنے ہوئے تھے اور ہر باب کے اختتام پر مختلف رنگوں کے ٹشو پیپرز پر کوئی خوب صورت سی خوشبو سپرے کی گئی ہوتی تھی۔۔۔ لفظ جیسے پوٹلی سے گرے سچے موتیوں جیسے تھے۔۔۔! حیرت زدہ کر دینے والے۔۔۔ حیران کن۔۔۔ اور سب سے زیادہ حیران کن تو وہ خود تھی ہزار پردوں میں لپٹی ہوئی۔۔۔!

ہر باب کے اختتام پر وہ اپنا تعارف لکھتی تھی۔۔۔ اور وہ تعارف اشعر کو ششدر کر دیتا تھا وہ لمحوں سوچنے بیٹھتا تو پہروں بیٹھا رہتا۔۔۔!

میں پھلجھڑی ہوں۔۔۔!
میں رات کا پہلا تارا ہوں۔
میں شمس کی پہلی کرن ہوں۔

✡ ✡ ✡

وہ ارد گرد سے مکمل طور پر بے نیاز اور سکون سے پلاسٹک کی کرسی پر بیٹھی تھی۔۔۔ کالونی والی سڑک کے پوسٹ لیمپ کے نیچے وہ بیٹھی تھی۔۔۔ چہرہ کسی بھی طرح کے تاثرات سے عاری تھا۔۔۔ وہ شاید کوئی اسائنمنٹ مکمل کر رہی تھی۔۔۔ تارکول کی سڑک پر لاٹھی کی آواز اور ابا کی آواز دوسروں میں بٹ جاتی تھی۔۔۔!

"جاگتے رہو۔۔۔ جاگتے رہو۔" کالونی کے مکانوں کی کھڑکیوں سے نائٹ بلبوں کی روشنی پھیل رہی تھی۔۔۔ وہ لاٹھی سڑک پر بجاتے قریب آ گئے تھے۔

"جاگتے رہو۔"

اسائنمنٹ پر چلتا پین رکا۔۔۔ سر اٹھایا اور انہیں

مسکراہٹ سے نواز دیا۔

"جاگ رہی ہوں۔۔۔" وہ بوٹوں کے تسمے باندھ رہے تھے۔

"تم نے ڈھیٹ بندے دیکھے ہوئے ہیں۔۔۔؟"

"کل تک تو نہیں دیکھے تھے۔۔۔ خیر یہ مخلوق کب دریافت ہوئی؟" سوال میں جتنا ہو سکتا تھا تجسس بھر لیا گیا۔۔۔ وہ اطمینان سے بال کیچو میں سمیٹ رہی تھی۔

"یہ مخلوق دریافت ہوئے آج بیس سال ہونے کو آئے ہیں۔۔۔" تلملا کر کہا گیا تھا۔

"قسم لے لیں جو مجھے اس بریکنگ نیوز کی پہلی براڈ کاسٹنگ کا شرف حاصل ہوا ہو۔۔۔"

"ڈھیٹ مخلوق کو اپنی ڈیٹ آف برتھ کا لازمی پتا ہونا چاہیے۔۔۔" وہ لاٹھی ٹیبل پر رکھتے دوسری کرسی پر بیٹھ گئے تھے۔۔۔ وہاں پلاسٹک کی ایک ٹیبل اور دو کرسیاں پڑی تھیں۔۔۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔۔۔" زمانے بھر کی مسکینیت طاری کر لی گئی تھی۔

"کہا بھی تھا جلدی کیک دے جانا۔۔۔ مگر نہیں سارے فراڈی ہیں۔" غصے سے کان سرخ ہو گئے۔

"ہر بار میری برتھ ڈے پر اس بابا آدم کے زمانے کی بیکری سے کیک ضرور منگوانا ہوتا ہے؟ جو ہر بار لیٹ پہنچتا ہے۔" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔۔۔ اسائنمنٹ اور پین سامنے ٹیبل پر پٹخ دیا تھا۔۔۔ ابا نے پیار سے اسے دیکھا تھا۔

"مگر تمہیں بھی تو اسی بیکری کا کیک پسند ہے نا۔۔۔"

وہ ہنس دی تھی۔۔۔ تارکول کی سڑک چپ چاپ لیٹی تھی۔۔۔ کالونی سے ذرا آگے سفیدے کے درخت تھے۔۔۔ جیسے ہی ہوا چلتی تھی۔۔۔ سفیدے کی خوشبو پھیل جاتی۔۔۔ اور وہ خوب گہرے گہرے سانس لیتی وہ خوشبو اپنے اندر اتار لیتی تھی۔

ٹن ٹن ٹن۔۔۔ سڑک پر اپنے پھیلے وجود کے ساتھ سائیکل پر سوار وہ شخصیت یقیناً" صفدر نان بائی کے بیٹے کی ہی تھی۔

وہ دور سے ہی پیڈل مارتا چلاتا ہوا آ رہا تھا۔

"ہٹ جاؤ۔۔۔ ہٹ جاؤ۔۔۔" ہالہ نے ڈر کر ابا کو دیکھا تھا۔

"ابا نے جلدی سے ٹیبل اور کرسیاں ہٹالیں ورنہ اس نے سائیکل انہی میں مار دینی ہے۔" اس کا بھونپو بج رہا تھا۔۔۔ اور بجتا ہی جا رہا تھا۔

"ہٹو۔۔۔ ہٹ جاؤ' سائیکل کی بریکیں فیل ہیں۔"

وہ دھواں دھار پیڈل مارتا آیا اور ہالہ سے ہی آگے نکل گیا تھا۔۔۔ وہ ہکا بکا سی کھڑی تھی ابا نے پیچھے بھاگ کر اسٹینڈ سے پکڑ کر روکا تھا۔۔۔ اسٹینڈ سے کیک کا ڈبا اتارا اور پیسے اس کی جیب میں اڑسے تھے صفدر نان بائی کا موٹا فرزند تھوک لگا لگا کر نوٹ گن رہا تھا ہالہ دھاڑی تھی۔

"موٹے گینڈے۔۔۔ پیسے پورے ہیں۔ میرے ابا کی ایمانداری پر سوالیہ نشان نہ اٹھانا۔۔۔" وہ کھسیانی ہنسی ہنستا سائیکل ریورس کر کے اپنی راہ ہو لیا۔۔۔ ہالہ

نے کیک کا جائزہ لیا "صد شکر اس بار کیک شہید نہیں ہوا ورنہ پچھلی برتھ ڈے تو پچک ہی گیا تھا۔" ابا نے بھی کیک کا بغور مشاہدہ کیا تھا پھر تاسف سے سر ہلایا تھا۔

"صفدر کو کہہ بھی آیا تھا کہ چاکلیٹ کی گولیاں ذرا زیادہ رکھنا۔۔۔ مگر نہیں۔" ہالہ نے انہیں پکڑ کر کرسی پر بٹھایا تھا۔

"کوئی بات نہیں ابا۔"

"یہی ایک دن تو تیرا ہوتا ہے۔۔۔ جو تیری پسند ہو پوری کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔" ہالہ نے پیار سے انہیں دیکھا اور گود میں پڑے کالج بیگ سے کٹر نکالنے لگی تھی۔۔۔ ہوا چلی تھی اور جیسے ساری فضا سفیدے کی خوشبو سے اٹ گئی تھی۔۔۔ لیمپ پوسٹ کی زرد روشنیاں بھلی محسوس ہو رہی تھیں۔

"آپ اپنے آپ کو ہلکان نہ کیا کریں ڈیئر ابا۔۔۔ میرے لیے آپ بہت اہم ہیں۔"

"باپ ہوں نا' تیری ماں کے جانے کی کمی تو پوری نہیں کر سکتا۔۔۔ مگر کوشش تو کر سکتا ہوں۔" وہ اٹھی اور بازو ان کے گرد حمائل کر دیے۔

"آپ کو پتا ہے ابا۔۔۔ آپ دنیا کے سب سے اچھے والے ابا ہیں۔"

"آہم۔۔۔ آہم مکھن لگا رہی ہو۔۔۔؟"

"ارے نہیں ابا۔۔۔ مکھن تو کیک پر لگا ہے۔۔۔" وہ ہنستی ہوئی دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی تھی کچھ بال کیچر کی گرفت سے آزاد ہو کر دائیں بائیں پھیل گئے تھے۔ اس نے کٹر اٹھایا تھا۔

"ابا۔۔۔ کاٹوں کیک۔۔۔؟" وہ اجازت طلب کر رہی تھی۔

"وہ۔۔۔ وہ اس نے کہا تھا وہ آئے گا۔۔۔" ابا نے جیسے اس سے زیادہ اپنے آپ کو مطلع کیا تھا۔۔۔ وہ طنز سے ہنسی تھی۔

"اس نے کہا۔۔۔ اور آپ نے یقین کر لیا۔۔۔؟" ابا پر وہ سوال بڑا بھاری تھا۔

"وہ کہہ رہا تھا وہ آئے گا۔" ابا نے جیسے بنجر زمین میں یقین نامی پودے کو اٹھان دینی چاہی تھی۔۔۔ ہالہ نے رسٹ واچ کے ڈائل کو دیکھا تھا اور پھر انہیں دیکھا۔

"آپ کو کتنا وقت چاہیے اس کے انتظار کے لیے" دوسرا سوال جیسے بھری بھری چٹان تھا۔

"صرف پانچ منٹ دیکھ لو۔۔۔ صرف پانچ منٹ۔۔۔" ہالہ نے ان کے لہجے کے یقین کو پرکھا۔۔۔ پھر کٹر ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

"میں آپ کو دس منٹ دیتی ہوں۔۔۔" یہ کہہ کر کرسی سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔۔۔ وقت ریشم سے الجھ گیا تھا اور الجھتا ہی گیا۔۔۔ ہوائیں سفیدے کی خوشبوئیں اڑاتی رہیں۔ رسٹ واچ پر نظر ڈالی اور ابا کو دیکھا جو شرمسار سے نم آنکھیں لیے بیٹھے تھے۔۔۔ کرسی پر سنبھل کر تھوڑا آگے ہوئی۔۔۔ مسکرائی اور کٹر اٹھا لیا۔

"جو لوگ ہماری پروا نہیں کرتے۔۔۔ ہمیں بھی ان کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔۔۔" ابا چپ بیٹھے تھے اس نے کیک کے دو حصے کیے اور ایک پیس ابا کی طرف بڑھا کر گنگنائی تھی۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔" ابا سر ہلاتے بے ساختہ ہنس دیے تھے۔۔۔! وہ مڑی تھی۔۔۔ لیمپ پوسٹ کی روشنی پر سایہ ٹھہر گیا تھا۔۔۔ اس کے ہاتھ میں تھما آدھا کیک پیس چھوٹ کر گرا تھا۔۔۔ وہ آ گیا تھا جینز میں ہاتھ ڈالے وہ مکمل اطمینان سے وہاں کھڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

نیناں گلاس ڈور دھکیلتی باہر آئی تھی۔ آسمان کالے بھیگے بھیگے بادلوں سے اٹا ہوا تھا یوں لگتا تھا ابھی کے ابھی اپنی ساری کھڑکیاں کھول کر جل تھل کر دے گا۔۔۔ بارشوں کی تو وہ سدا سے شوقین تھی۔۔۔ اشعر گلاسز تھامے کار کے ساتھ لگا اسے دیکھ رہا تھا جو بادلوں کو دیکھ کر یوں لگ رہی تھی جیسے ہفت اقلیم کی دولت ہتھیا کر بے نیازی سے ہاتھ جھٹک رہی ہو۔

"نیناں۔۔۔ آج کالج جانا ضروری ہے کیا؟" اشعر نے تشویش سے کہا تھا۔۔۔ وہ اپنا دایاں پاؤں ہولے

ہولے جھکتی اس کی طرف آئی تھی۔ اس کا پاؤں حادثے میں فریکچر ہوا تھا تو وہ ناقابل علاج ٹھہرا تھا۔۔۔ وہ روشن خدوخال ' سنہری آنکھوں اور دلفریب مسکراہٹ والی ایک انتہائی خوب صورت لڑکی تھی۔۔۔

" بھیا آج ہی تو کالج جانا سب سے زیادہ ضروری ہے۔" وہ خوب صورت مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

" اچھا۔۔۔ وہ کیوں ؟" اشعر نے دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔

" بادل ہو۔ بارش ہو اور نیہناں کالج سے چھٹی کر لے یہ ناممکن ہے۔۔۔" اک پل کو تو یوں لگا تھا ایک بارش اس کے چہرے پر پھوٹ پڑی ہو۔۔۔ ست رنگی بارش۔۔۔ رنگ ہی رنگ۔۔۔

" ابھی تو صرف بادل ہیں۔۔۔ کیا پتا بارش ہو ہی نہیں " اس نے اطمینان سے اسے اس فینٹیسی سے نکالا تھا۔۔۔ وہ کار کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ رہی تھی۔۔۔ اشعر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔۔۔ لان میں لگے پام کے درخت جھول رہے تھے۔

" ہالہ کہہ رہی تھی اس نے چھ بجے کے نیوز بلیٹن میں خود سنا ہے کہ موسم کی پیش گوئی ہو چکی ہے کہ آج بارش ہو گی۔۔۔" وہ کار کے شیشوں پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔

" یہ ہالہ کون ہے۔۔۔ ؟" اس نے مرر سیٹ کرتے ہوئے بیک سیٹ پر بیٹھی بہن سے استفسار کیا تھا۔

" میں سو بار بتاتی ہوں اور آپ سو بار ہی بھول جاتے ہیں۔۔۔ ایک ہی تو دوست ہے میری۔۔۔" وہ نچ ہو کر بولی تھی اور یہ واقعی حقیقت تھی کہ وہ کئی بار اس کے سامنے ہالہ کا ذکر کر چکی تھی اور وہ ہمیشہ بھول جاتا تھا۔

" وہ بھی تم جیسی ہو گی تم دونوں ہی ایک دوسرے کو برداشت کر رہی ہو گی۔۔۔ خیر یہ تم دونوں کی صحت کے لیے بہتر ہے۔" وہ اسے چڑا رہا تھا۔۔۔ اور وہ چڑ بھی گئی تھی۔

" ہالہ کہتی ہے کہ نیہناں تم جیسی دوست دنیا پر ایک

ہی ہے جو نایاب ہے اور میرے پاس ہے۔" اس نے بڑی محبت سے اس کا ذکر کیا تھا۔۔۔ کار باہر سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔۔۔ وہ شیشے کے پار کے منظر دیکھتی رہی۔۔۔ آسمان پر بادل اب بھی روئی کے گالوں کی طرح تیر رہے تھے۔

گاڑی جھٹکے سے کالج کے سامنے رکی تھی۔۔۔ رنگ برنگے آنچل لہرا رہے تھے۔۔۔ قہقہے پھوٹے پڑ رہے تھے بادلوں نے کھڑکیاں وا کی تھیں۔۔۔ ٹپ ٹپ ہلکی ہوا کے ساتھ بارش برسی تھی۔۔۔ ٹین کی چھتوں کے نیچے کھڑے مونگ پھلی والے ریڑھیاں لگائے کھڑے تھے۔۔۔ نیناں خدا حافظ کہتی سر پر فائل رکھتی کالج کی طرف بڑھ گئی تھی۔

وہ گاڑی ریورس کرتا ٹیپ ریکارڈر آن کر رہا تھا۔

Give me some sunshine

Give me some Love

تبھی اسے گاڑی کو بریک لگانی پڑی تھی۔۔۔ بارش اب چھاجوں چھاج برس رہی تھی۔۔۔ پیپل کے درختوں سے پانی کسی ساز کی طرح بہہ رہا تھا جیسے رباعیاں تھیں۔۔۔ وہ جو کوئی بھی تھی سڑک کی سیدھ میں چلتی جا رہی تھی اس کی چال بڑی متوازن سی تھی اسے برستی بارش کی بھی جیسے قطعاً "کوئی پروا نہیں تھی۔ اشعر نے گاڑی روکی۔۔۔ چھتری کھول کر سر پر تانی اور باہر آیا تھا۔

"آر یو میڈ؟ پاگل ہو گئی ہیں آپ اتنی تیز بارش میں اطمینان سے چہل قدمی کا شغل فرما رہی ہیں۔۔۔" اسے ایک پل کو لگا تھا جیسے وہ لڑکی کوئی پاگل تھی، جو اردگرد سے بے نیاز سڑک کے بیچوں بیچ چلتی جا رہی تھی۔۔۔!

تبھی وہ پلٹی تھی اس کی بلیک چادر پوری بھیگی ہوئی تھی۔۔۔ بیگ کندھے پر جھول رہا تھا اور اس نے ایک ہاتھ میں بلی کا ایک چھوٹا سا بچہ تھام رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑی فائل سے اسے بارش سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی۔۔۔ وہ ایک معمولی صورت کی عام سی لڑکی تھی جس پر دوسری نظر ڈالنا بھی گوارہ نہ کی جائے۔۔۔ اس کے باوجود اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور غیر معمولی سی تھیں۔۔۔ غلافی۔۔۔ ان آنکھوں میں جیسے کالی رات اتری ہوئی تھی۔۔۔!

وہ اطمینان سے مڑی تھی اور مکمل پرسکون لہجے میں پوچھا تھا۔

"کیا آپ نے مجھ سے کچھ کہا۔۔۔؟" اشعر کو اس کے انجان بننے پر جی بھر کے طیش آیا تھا۔

"تو کیا ان درختوں سے مخاطب ہوں۔۔۔" اس نے سڑک کنارے بھیگتے درختوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"کیا خبر ایسا ہو۔۔۔ اکثر لوگ ناسٹلجیا میں ایسی حرکات کرتے ہیں۔۔۔" وہ ویسے ہی بلی کا بچہ اٹھائے اطمینان سے کھڑی تھی غلافی آنکھوں پر بارش کی بوندیں ٹھہری ہوئی تھیں۔

"ناسٹلجیا بڑھاپے میں ہوتی ہے۔۔۔ میں آپ کو اولڈ مین نظر آتا ہوں؟" وہ بھڑک اٹھا تھا بارش ہولے ہولے تھم رہی تھی۔۔۔ درختوں کے ٹوٹے پتے روڈ پر بکھرنے لگے تھے۔

"سوری۔۔۔ میرا آپ پر پی ایچ ڈی کرنے کا ارادہ ہرگز نہیں۔۔۔" وہ بے نیازی سے کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی۔۔۔ چال اب بھی وہی تھی ٹھہری ٹھہری اور مطمئن سی۔۔۔! وہ چھتری فولڈ کرتا کار کا دروازہ کھولتا جیسے دھاڑا تھا۔

"تم ایک سائیکو کیس ہو۔۔۔" وہ جاتے جاتے پلٹی۔۔۔ ٹھٹکی اور مسکرائی۔

"شاید میں واقعی ایک سائیکو ہوں۔۔۔ احمد بھی یہی کہتا ہے۔۔۔ خیر میں اب دو لوگوں کی آراء کی مخالفت نہیں کر سکتی۔" اشعر طیش میں اس کے قریب سے کار دوڑاتا آگے بڑھ گیا تھا۔۔۔ وہ گرتے گرتے بچی تھی۔ ایک دم سنبھلی اور غنودگی میں جاتے بلی کے بھورے بچے کو ایک ہلکی سی چپت لگائی تھی۔

"جاگ جاؤ۔۔۔ پور لٹل سول۔۔۔ اور دنیا کو دیکھو۔۔۔ یہ جو سائیکو انسان ہوتے ہیں نا انہیں ہمیشہ دوسرے ہی سائیکو نظر آتے ہیں۔۔۔ اپنے سامنے آئینہ رکھ کر خود کو نہیں دیکھتے۔" میاؤں میاؤں کرتے بلی کے بچے کو سڑک پر ہولے سے بٹھایا۔۔۔ اپنی چادر کو اچھی طرح سر

پر جمایا۔۔۔ جب ذرا بھاری محسوس ہوئی تو نچوڑ کر دوبارہ سر پر رکھا۔۔۔ پھر جھک کر بلی کے بچے کو نرمی سے اٹھایا ۔۔۔ پیار سے اس کے وجود پر ہاتھ پھیرا۔

"آؤ۔۔۔ تمہیں تمہارے محفوظ ٹھکانے پر پہنچا آؤں۔۔۔ آئندہ ایسے خراب موسم میں باہر نکلنے سے پہلے سو بار سوچنا۔۔۔ ورنہ امیر گاڑیوں والے کچل ڈالیں گے۔" وہ اب سج سج کر آگے چلتی جارہی تھی۔۔۔ ہلکی ہوا سوندھی مٹی کی مہک اڑائے پھر رہی تھی۔۔۔ سڑک درختوں کے ٹوٹے پھوٹے پیلے پڑتے پتوں سے اٹ چکی تھی۔۔۔!

یہ ہالہ اکرام اور اشعر عالم کی پہلی ملاقات تھی۔۔۔!"

☼ ☼ ☼

"ایک تو لیٹ ہو اور اوپر سے بھیگی بلی بنی آنکھیں پٹپٹا رہی ہو۔۔۔ ذرا جو شرم اور حیا ہو تم میں۔۔۔ میں آدھے گھنٹے سے تمہارے انتظار میں کھڑی سوکھ رہی ہوں۔" نہناں نوٹس بورڈ کے سامنے کھڑی اس پر برس رہی تھی اور مقابل بڑے آرام و سکون سے نوٹس بورڈ پر لگے اعلانات پر نظریں دوڑا رہی تھی۔

"جب کوئی برستی بارش میں لیٹ ہو جائے اور بھیگی بلی بنا کھڑا ہو تو اس کا استقبال اس طرح تو نہیں کرتے نہناں ڈیئر۔" چہرے پر معصومیت کے ساتھ ساتھ مسکینیت بھی تھی۔

"تو کس طرح کرتے ہیں۔۔۔؟" اسے نہناں کی خشمگیں نظروں سے ذرا بھی خوف نہیں آیا تھا۔

"ایم اے بلاک والے کینٹین کی کریم کافی آفر کرتے ہیں۔۔۔" نہناں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تھا۔

"آؤ۔۔۔ مرو پلواتی ہوں۔" وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے وہیں آگئی تھیں۔۔۔ ایم اے کی موٹی تازی لڑکیاں ہمیشہ متنازعہ بحث میں مشغول دکھائی دیتی تھیں اور کپ توڑتی تھیں۔۔۔ اور کپ توڑنے کا فائن بھی بے نیازی سے ادا کر دیا جاتا تھا۔۔۔ بہر حال یہ سارے چونچلے اپر کلاس طبقے کے ہی تھے۔۔۔!

کافی آرڈر کر کے وہ باہر سیڑھیوں پر آبیٹھی تھیں۔۔۔

نہناں فائل میں لگے کاغذ اسٹیپل کر رہی تھی۔

"تم لیٹ کیوں ہوئیں؟" تشویش کا اظہار اب کیا جارہا تھا۔

"آج مجھ میں مدر ٹریسا کی روح حلول کر گئی تھی۔۔۔ بلی کے ننھے سے بچے کو محفوظ ٹھکانے پر پہنچانے کی مہم پر تھی۔" یہ کہتے ہوئے وہ مسکرا رہی تھی۔

"ہاں۔۔۔ تم سیکنڈ مدر ٹریسا ہو کیونکہ ایسے عظیم کارنامے تم ہی انجام دے سکتی ہو۔۔۔"

"ہیں۔۔۔ واقعی؟" خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوئے تصدیق چاہی گئی تھی۔

"جی۔۔۔ جی یو آر گریٹ۔۔۔"

"شکریہ۔۔۔" وہ جواباً" مسکرائی تھی۔۔۔ کافی آگئی تھی۔۔۔ وہ دونوں بھاپ اڑاتی کافی سے لطف لیتی رہیں ۔۔۔ قطار در قطار پھیلے پیپل کے پیڑ آج نہائے ہوئے بڑے پیارے لگ رہے تھے۔۔۔ کال کلچھاں پیپل پر جھرمٹ کی شکل میں آن بیٹھی تھیں۔

"سنو۔۔۔ وہ کیسا تھا؟" ایسا تجسس تھا لہجے میں کہ ہالہ کو اچھو لگ گیا۔

"کون کیسا تھا۔۔۔ کس کا پوچھ رہی ہو۔۔۔؟"

"کس کا پوچھ سکتی ہوں۔۔۔ بلی کے بچے کا ہی پوچھ رہی ہوں۔" نہناں نے ڈپٹ دیا تھا۔ وہ پہلے گڑبڑائی تھی۔۔۔ پھر سنبھل گئی۔

"وہ بالکل ویسا تھا جیسے تم اپنی بلی کا بچہ مجھے دکھانے کے لیے بیگ میں ڈال کر لائی تھیں۔۔۔ اور اس دن ہم نے سارے پیریڈ بنک کر کے اس کے ساتھ انجوائے کیا تھا۔" وہ نہناں کو یاد دلا رہی تھی۔۔۔ نہناں نے افسردگی سے سر ہلایا تھا۔

"ہاں۔۔۔ بھائی کو بلی کے بچے نہیں پسند!۔۔۔ تو انہوں نے چڑیا گھر والوں کو دے دیا تھا۔"

"تمہارے بھائی کو کیوں پسند نہیں بلی کے بچے؟"

ہالہ حیران تھی دونوں کی بحث میں کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

"وہ بہت شرارتی تھا۔۔۔ اس نے بھائی کے لیپ ٹاپ کے بٹن توڑ دیے تھے۔۔۔" وہ جیسے نئے سرے سے

غم میں مبتلا تھی "مجھے بہت افسوس ہوا تھا۔۔۔ کتنا پیارا تھا نا۔۔۔ نرم سی فروالا۔"

"ہائے ہائے۔۔۔ بہن میں تمہارے اس صدمے میں برابر کی شریک ہوں۔"

صدمے سے جب دونوں معزز خواتین سنبھلیں تو نظریں سیڑھی کے سٹیپ پر رکھے کافی کے کپوں پر پڑی تھیں۔۔۔ ہالہ کے کپ پر ٹھنڈی اور اکڑی ہوئی تہ جمی ہوئی تھی۔۔۔ جبکہ نمناں کے کپ کا تو کافی برا حال تھا۔۔۔ ایک موٹی تازی مکھی کپ میں غوطے لگاتی ڈوبنے کو بچنے کا سہارا ڈھونڈ رہی تھی۔۔۔!

"آخ۔۔۔ آخ۔" بیگ جھاڑتی' فائلیں اٹھاتیں وہ بھاگی تھیں۔ پیپل کے گھنے درختوں پر بیٹھی کال کلچھیاں اپنے پر پھڑپھڑا رہی تھیں۔۔۔

☆ ☆ ☆

وہ دو دو سیڑھیاں اکٹھی پھلانگتا جا رہا تھا' جب چچی وہاں آئی تھیں۔

"آئے ہائے۔ احمد بیٹا۔۔۔ اتنی رات کو کہاں جا رہا ہے ابھی تھکا ہارا آفس سے آیا ہے۔" وہ جیسے اپنی جھونک میں تھاماں کی آواز پر ہڑبڑا کر پلٹا تھا۔

"امی۔۔۔ ایک تو آپ پیچھے پڑ جاتی ہیں' کالونی کے سرے پر دوست کھڑا انتظار کر رہا ہے اس کو مل کر ابھی آیا" یہ کہہ کر وہ سیڑھیاں اترتا چلا گیا تھا۔ پیچھے وہ ہکا بکا سی کھڑی تھیں۔

"آئے ہائے ماں کو فریب دیتا ہے۔ سب خبر رکھتی ہوں۔ اسی حرافہ سے ملنا ہوگا۔" وہ بکتی جھکتی واپس آئی تھیں۔ ٹی وی لاؤنج میں انگریزی میوزک سے لطف اندوز ہوتی نمرہ مونگ پھلی بھی کھا رہی تھی۔

"اب کیا ہوا امی؟" کافی نزاکت سے باریک آواز کو مزید باریک کر کے پوچھا گیا تھا۔ اور وہ تو پھٹ پڑی تھیں۔

"ارے امی کمینی سے ملنے گیا ہے۔ حیرت ہے بڑے میاں نے جوان بیٹی کو اتنی چھوٹ دے رکھی ہے۔ کھلے عام رات کے اندھیرے میں لڑکوں سے ملتی پھرتی ہے۔ ارے بھئی۔۔۔ ہم تو ایسی آنکھوں دیکھی مکھی کبھی نہ نگلیں۔۔۔ ایک تو شکل و صورت خاص نہیں اوپر سے جہیز کے نام پر کیا آئے گا۔۔۔ میں تو اپنے خوبرو بیٹے کی شادی کسی اونچے گھر میں کروں گی۔" تلملاتے ہوئے وہ ادھر ادھر ٹہل رہی تھیں۔۔۔ نمرہ نے ریموٹ سے چینل بدلا تھا۔

"ارے امی۔۔۔ آپ نے اسے کالج میں نہیں دیکھا۔ ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی۔۔۔ یہ اور اس کی امیر زادی لولی لنگڑی دوست کالج میں یوں رہتی ہیں جیسے انہی کی اجارہ داری ہو۔" نمرہ نے ہالہ کی برائیوں میں حتی المقدور اپنا حصہ ڈال کر اپنے سینے پر برف ڈالی تھی۔۔۔ کارپٹ پر مونگ پھلی کے چھلکوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔۔۔ چچی نے سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر غٹاغٹ چڑھا لیا یوں لگتا تھا اندر آگ کی آندھی چلی ہو۔۔۔ سارا وجود کھول رہا تھا۔۔۔ پریشانی جونک کی طرح دل سے چمٹ گئی تھی ہٹتی ہی نہ تھی۔۔۔!

"میں آج ہی ان باپ بیٹی کا دماغ درست کرتی ہوں۔۔۔" وہ جانے لگی تھیں نمرہ نے بازو سے پکڑ لیا۔

"ارے امی۔۔۔ وقت دیکھیں۔۔۔ آدھی رات ہے کہاں مغز ماری کرتی پھریں گی۔۔۔ یہ معرکہ کل پر اٹھا رکھیے۔۔۔" نمرہ کی بات پر لال بھبھوکا چہرے کے ساتھ دوبارہ صوفے میں دھنس گئیں۔۔۔!

ساجدہ خاتون کو شروع سے ہی اپنی دیورانی سے خدا واسطے کا بیر رہا تھا جب تک وہ حیات رہیں ساجدہ خاتون انگاروں پر لوٹتی رہیں۔۔۔ دیورانی کے گزر جانے کے بعد ان کی ازلی رقابت کا نشانہ اب ہالہ اکرام بن رہی تھی۔۔۔ ہالہ اور احمد کے رشتے کا ان کے اپنے مرحوم شوہر اکثر ذکر کرتے تھے مگر بیوی کے غیض و غضب کے آگے دب جاتے تھے۔۔۔ یہ الگ بات تھی کہ وہ اپنے ان خیالات کا اظہار اکرام صاحب سے کر چکے تھے اور اکرام صاحب نے اسی امید' آس کو ایک تناور درخت کی شکل دے رکھی تھی۔۔۔ اور اب یہ الگ بات تھی کہ وقت کی آندھی میں وہ درخت اپنی جڑوں سمیت زمین بوس ہونے والا تھا۔۔۔ وہ اپنی خوش فہمیوں

میں خوش وقت کے تیور ہی نہ سمجھ پائے تھے مگر اب جو ہونے والا تھا۔۔۔ وہ انہیں بہت کچھ سمجھانے والا تھا۔

☆ ☆ ☆

روشنیوں میں رخنہ ڈالے وہ شخص وہاں کھڑا مسکرا رہا تھا۔۔۔ ہالہ اکرام کو یوں لگا سفیدے کی خوشبو کافور میں ڈھل گئی ہو۔ دم گھٹتا جا رہا تھا۔۔۔ ابا سیٹی بجاتے' لاٹھی اٹھاتے "جاگتے رہو" کا نعرہ لگاتے آگے بڑھ گئے تھے۔۔۔ وہ انہی کی چھوڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔۔۔ ہالہ نے نظر اٹھا کر دیکھا تھا۔۔۔ وہ ہمیشہ کی طرح خوب صورت لگ رہا تھا۔۔۔ گھنگھریالے بال پیشانی پر پڑے تھے اور ہونٹوں پر بڑی خوب صورت سی مسکراہٹ تھی۔

"کیسی ہو۔۔۔؟" خاموشیاں توڑدی گئیں وہ پہل کر رہا تھا۔۔۔ جانے کیوں اسے اختتام سے خوف آیا تھا۔

"اچھی ہوں۔۔۔" اس نے نظروں کو کالونی کے آخری سرے پر فٹ کرلیا اور پکا ارادہ کرلیا کہ اسے پلٹ کر نہ دیکھے گی۔

"میرا حال نہیں پوچھو گی۔۔۔؟" سوال ایسا تھا کہ اسے وہ پکا ارادہ توڑنا پڑ گیا تھا۔۔۔ مسکراہٹوں کی موجد نے ایک پیاری ہنسی ہونٹوں پر سجالی تھی۔۔۔ جبکہ وہ ایک کیک پیس اٹھا کر منہ میں ڈال رہا تھا۔۔۔ لیمپ کی زرد روشنی میں وہ سنہرے پانیوں سے بھیگا ہوا لگ رہا تھا۔۔۔ خالص۔۔۔ قیمتی اور رسائی سے دور بھی۔۔۔!

"مسکرا رہے ہو تو اچھے ہی ہو گے۔۔۔"

"مسکرا تو تم بھی رہی ہو۔۔۔" ہالہ کو لگا وہ اس کے گرد دیواریں کھڑی کر رہا تھا۔

"مسکرانا چھوڑ دوں۔۔۔؟"

"جھوٹی ہنسی ہنسنا چھوڑ دو۔۔۔" اب وہ جینز کی جیب سے ٹشو پیپر نکال کر نفاست سے منہ پونچھ رہا تھا۔

"اتنا جانتے ہو مجھے۔۔۔؟" اس نے گہری سانس لی تھی۔۔۔ تیز ہوا سے سفیدے کے پتے شور مچاتے ان کے قدموں کے پاس آکر ٹھہر گئے تھے۔۔۔ اس نے کچھ سوکھے پتے اٹھا لیے وہ ہالہ کا سوال گول کر چکا تھا۔

"تم اب بھی سوکھے پتوں پر رومانوی خطوط لکھتی ہو کیا۔۔۔؟" وہ انداز۔۔۔ وہ لہجہ۔۔۔ ہالہ کے گرد دیواریں تن گئی تھیں۔۔۔ قہقہوں کی موجد اپنی ایجاد بھول بیٹھی تھی۔۔۔ سارے روزن بند تھے۔۔۔

"پتا ہے مجھے تمہارے وہ خطوط بڑے پسند تھے۔۔۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے تم اب بھی مجھ سے ویسا ہی عشق کرتی ہو مگر اظہار سے ہچکچاتی ہو رنگ برنگے ٹشو پیپرز جو خوشبوؤں میں بھیگے ہوتے تھے اور ان پر لکھے وہ تین لفظ۔۔۔ کیا تھے وہ تین لفظ؟ رکو مجھے یاد کرنے دو۔۔۔"

شطرنج کی بازی میں وہ کھوٹا مہرہ تھی۔۔۔ بے وقعت ہالہ اکرام کو لگا اگلے پل۔۔۔ ہاں اگلے پل وہ ٹوٹے شہتیر کی مانند تارکول کی سڑک پر گرے گی اور وہیں دم توڑ دے گی۔۔۔ اور احمد اس کی قبر کے کتبے پر اک لفظ کندہ کروائے گا۔۔۔ عشق زادی۔۔۔ "آئی لو یو۔" "ارے بھئی یہ میں تمہیں نہیں کہہ رہا بلکہ تمہیں یاد دلا رہا ہوں کہ یہ وہ الفاظ ہیں جو تم مجھے کہتی تھیں۔۔۔ ہاؤ فنی اٹ واز۔۔۔" وہ اب ہنس رہا تھا۔۔۔ اور وہ ہنسی جیسے ہالہ اکرام کے لیے صور اسرافیل بن گئی ہے۔

وہ پتھر بنی بیٹھی تھی ساکت جامد سانس لی تو مر جائے گی پلکوں پر چمکتے آنسو برف ہو گئے تھے۔

"وہ میرا ماضی تھا۔۔۔ اب ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔" اس نے سسکی لی تھی۔

"پھر تمہاری آنکھوں میں مجھے دیکھ کر رنگ کیوں اترتے ہیں۔۔۔ کیوں مجھے دیکھتی ہو تو نظر اٹھانا بھول جاتی ہو۔۔۔؟" سوال اڑ اڑ کر اس کے وجود پر اذیت کا لیپ ہو گئے۔

ابا کی آواز جیسے دور سے، بہت دور سے آرہی تھی۔۔۔ جاگتے رہو' جاگتے رہو۔۔۔ وہ عجیب شہزادی تھی جو وجود میں گڑی ہوئی سوئیوں سے زندہ تھی۔۔۔ سوئیاں نکلتیں تو وہیں مر جاتی۔۔۔ اور وہ دھیرے دھیرے ساری سوئیاں نکال رہا تھا۔

آنکھوں کے پار جیسے زرد دھند سی چھا گئی تھی۔۔۔ وہ نابینا ہو رہی تھی یا پتھر ہو چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

11 فروری 2014ء۔

آپ کو بخوبی علم ہے کہ میں کتنی عقل منداور ذہین ہوں اور میرا ہر قول و فعل سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے اور میں اب ہر کسی کو یہ نصیحت کرنا چاہوں گی کہ "ہمیشہ اپنے ماضی کو صاف ستھرا رکھیں ورنہ آپ کے ماضی کی ڈسٹ بن آپ پر الٹ دی جائے گی اور آپ آئیل مجھے مار کی تفسیر ہوں گے۔" میری زندگی کے بہت بڑے بڑے المیوں میں سے ایک المیہ یہ ہے کہ عین بحث کرتے وقت میری دلیلیں اور اسٹرونگ پوائنٹ مجھ سے پانچ فٹ دور بھاگ جاتے ہیں اور میں جیتی ہوئی بازی میں شان دار طریقے سے "فیل" ہو جاتی ہوں... پڑھائی کے امتحانات میں کبھی نہ فیل ہونے والے بھی کبھی زندگی کے امتحانات میں ضرور فیل ہو جاتے ہیں... ایک بات کا دعوا کر سکتی ہوں کہ میں سانپ گزر جانے کے بعد لکیر پیٹنے والوں میں سے تو ہرگز نہیں ہوں... کبھی کبھی میری سوچوں کی کھڑکیاں بڑے بے ڈھنگے رخ کی طرف کھلتی ہیں اور میں سوچتی ہوں کہ میں ایسی کیوں ہوں...؟

میں ویسی کیوں نہیں جیسے لوگ ہوتے ہیں۔ اپنی زندگی میں مگن' دوسرے کے دکھ درد کی پروا نہ کرنے والے... اکھڑ... شاید میرے وجود کی مٹی کسی مقدس زمین سے اٹھائی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھ میں ہیومینٹی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔

میری دوست سنڈریلا (جس کا اصل نام کچھ اور ہے مگر میں اسے سنڈریلا کہتی ہوں) کہتی ہے۔

"یار میں نے تم جیسے لوگ کبھی نہیں دیکھے..."

"یہ میری تعریف ہے یا...؟" میں ہر بار اسے کڑے تیوروں سے گھور کر پوچھتی ہوں۔

"تم ان لوگوں میں سے ہو... جو بہت کم ہوتے ہیں... مگر نایاب ہوتے ہیں... کوہ نور ہیرے جیسے۔" اور میں ہکا بکا سنڈریلا کی اس بات پر غور کرتی ہوں کہ یہ کوہ نور ہیرا کیا ہے؟

اور ابا سے اس سوال کا جواب پوچھنا تو اپنے گلے سوا گھنٹے اپنے آپ کو کسی تجاہل بحث میں الجھانا ہے... اور ان مباحثوں میں' میں ہمیشہ فیل ہو جاتی ہوں۔ جیسے اس رات ہوئی تھی ہاں وہ رات مجھ معصوم پر' کھوکھلے قہقہوں کی موجد پر' بڑی بھاری تھی۔ یہ اک اینڈیل رہا تھا اور میں جل جل راکھ ہوتی جا رہی تھی...

"تم اب بھی وہ محبت بھرے خط لکھا کرو نا... یار مجھے انتظار رہتا ہے آہ... وہ خوشبو میں بھیگے خط سچے موتیوں جیسے لفظ... اوہ... سو سوری آج تمہاری سالگرہ پر میں گفٹ لانا ہمیشہ کی طرح بھول گیا... مجھے پتا ہے تم ناراض ہو گی کہ تم تو ہر بار میری سالگرہ یاد رکھتی ہو... اور مہکتے لال گلابوں کے تحفے بھی دیتی ہو..."

"آئی ایم تھینک فل ٹو یو۔" اور ایسی "شکر گزاری" مجھ پر بڑی بھاری تھی... میں ایسے سم سم میں قید تھی۔ جس کا منتر کسی کو بھی نہیں آتا اور اس رات میں اکیلی ابا سے چھپ چھپ کر روتی رہی تھی اور میں سنڈریلا سے بھی کچھ نہیں کہہ پائی میرا ماضی میرے سامنے پھن پھیلائے آن کھڑا ہوا تھا... اب میں کیا کرتی؟

خوب صورت چہروں والے خوب صورت کیوں نہیں ہوتے؟ میں سب کی رازداں ہوں ابا کی' سنڈریلا کی' ہوسموں کی۔ اور میں... میرا کوئی بھی "رازداں" نہیں ہے۔ "میں اپنی رازداں خود ہوں...!"

اشعر عالم نے اس باب کی روشنائی کو دھندلا ہوتے دیکھا تھا... سیاہی بکھری بکھری سی لگ رہی تھی... جیسے یہ باب آنسوؤں سے لکھا گیا تھا وہ یقیناً" یہ سب روتے ہوئے لکھ رہی تھی وہ گہری سانس لیتا ہوا ٹیرس کے جھولے پر بیٹھا تھا ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی' وہ سوچ رہا تھا۔

"تمہاری دوست سنڈریلا سچ کہتی ہے تم تو واقعی نایاب ہو شاید کوہ نور سے بھی زیادہ اور میں ہوں نا تمہارا رازداں تم واقعی باقی سب کے جیسی نہیں ہو میں حیرت میں ہوں کہ کیا اس دنیا پر تم جیسی سوچ والے ہیں... مگر تم ہو اسٹرینج واقعی آئی ایم سرپرائزڈ۔" وہ اب مسکرا رہا تھا بڑی پیاری اور بے ساختہ سی مسکراہٹ تھی وہ۔

نیفال کارڈز تھامے اوپر آئی تھی حیرت سے اسے دیکھا ٹھٹکی پھر سنبھل گئی۔

"آہم... آہم... یہ اکیلے اکیلے کیوں مسکرایا جارہا ہے؟" وہ گڑبڑایا۔

"کون... کون مسکرا رہا ہے...؟"

"آپ اور کون..." وہ ہنستی ہوئی اس کے پاس ہی ٹیرس کے جھولے پر بیٹھ گئی تھی۔

"جی نہیں... تمہیں وہم ہوا ہے دماغ سیٹ رکھا کرو اپنا۔" اس کے سر پر چپت لگا تو وہ سیدھا ہوا تھا... وہ انویٹیشن کارڈز پر نام لکھ کے لائی تھی۔ پرسوں اس کی برتھ ڈے تھی۔

"یہ لیں کارڈ... یہ آپ نے خود جا کر ہالہ کے ابو کو دے آنا ہے... اور اصرار کرنا ہے کہ وہ اسے میری برتھ ڈے پر ضرور بھیجیں..." وہ کارڈ اشعر کی طرف بڑھا رہی تھی۔

"میں میں جاؤں دینے... تم خود جاؤ۔"

"میں یہاں ارینجمنٹ میں بزی رہوں گی' پلیز بھائی آپ دے آنا پلیز۔" وہ اصرار کر رہی تھی اور وہ اپنی لاڈلی بہن کے اصرار کے آگے ہمیشہ ہار مان جاتا تھا۔

"اوکے ٹھیک ہے تم مجھے ایڈریس سمجھا دو..." وہ اسے ایڈریس سمجھانے لگی تھی۔ ٹیرس کے اوپر آسمان پر پہلی راتوں کا چاند کھڑا تھا... زرد روشنیوں پر پتنگے منڈلا رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

"ماں سے جھوٹ بولتے آج کل کی نسل کی زبان بھی نہیں کانپتی..." وہ طنز کے تیر فائر کر رہی تھیں' مگر مقابل آرام سے فریج سے سیب نکال کر کھا رہا تھا جیسے ساجدہ خاتون کی بات سنی ہی نہ ہو۔

"واقعی امی... آپ سچ کہہ رہی ہیں..." ذرہ جو انکار کیا ہو... وہ بھڑک اٹھیں۔

"کہہ رہی ہوں اکرام کی لڑکی کا پیچھا چھوڑ دو' ارے ہے کیا اس میں؟"

"تو کون اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے؟" وہ سیب کی بائٹ لیتا حیران ہوا تھا۔

"تم اور کون... بھاگ بھاگ کر وہاں جاتے ہو..."

"اے لو... میری بھولی ماں... اکس جسٹ ٹائم پاس' ورنہ کہاں وہ اور کہاں میں' آپ بے فکر رہیں۔" وہ انہیں ساری فکروں سے آزادی کی نوید دے رہا تھا۔

"ارے جادو وادو کر دیا تو... ایسی لڑکیوں کے پاس بڑے ہتھکنڈے ہوتے ہیں..."

"ارے امی... دفع کریں کیوں بی پی ہائی کرتی ہیں۔" وہ ان کے گرد بازو حمائل کیے کھڑا تھا... اور ساجدہ خاتون کے سر سے خطرہ ابھی ٹلا نہیں تھا... وہ پکا بندوبست کرنا چاہ رہی تھیں... اور انہوں نے سوچ لیا تھا کہ انہیں کیا کرنا تھا... تبھی چونکیں اور اسے دور ہٹایا۔

"آئے ہائے... ہانڈی لگ گئی..."

چولہے کے نیچے نارنجی آگ نیلی ہو کر بھڑک رہی تھی... شرارے۔

☆ ☆ ☆

وہ دونوں سائنس بلاک کے سامنے والے میدان میں بیٹھی تھیں... ہالہ کو نئے سرے سے پریشانی لاحق ہوئی تھی۔

"سنو... تمہاری برتھ ڈے پر تمہیں کیا گفٹ دوں یار...؟" نہال نے حیرت سے اسے دیکھا پھر ہنس دی تھی۔

"برتھ ڈے گرل سے نہ پوچھو... خود اپنی پسند کا دے دینا۔" ہالہ نے سوچا ذہن پر زور دیا۔

"دعائیں دے دوں...؟" ہالہ نے گفٹ کو ایسے پلڑے میں تولا جہاں وہ بھاری تھا۔

"ہائیں... یہ بھلا کیسا گفٹ ہوا۔" وہ ہکا بکا تھی۔

"تم نے میری پسند پوچھی تھی میں نے بتا دی... اب گو تم بدھ کیوں بن گئی ہو؟"

"آج کل ایسا گفٹ کون دیتا ہے؟"

"میں دیتی ہوں... لوگوں کی خبر نہیں۔"

"ہاں... تم واقعی آٹھواں عجوبہ ہو۔" تاسف سے سر ہلا کر اگلی کو شرمندہ کیا گیا۔ اگلی نے خوشی سے چیخ مار

دی۔

"جی نہناں۔۔۔ ابا بھی یہی کہتے ہیں۔" نہناں نے سر پر ہاتھ مارا۔

"تین منٹ پہلے شک تھا اب یقین ہو گیا۔۔۔"

"ابا نے نہ آنے دیا تو پھر نہناں۔۔۔؟" لہجے میں بلا کی تشویش تھی۔

"میں بھائی کو بھیجوں گی۔۔۔ وہ شام کو آفس سے واپسی پر کارڈ دیتے جائیں گے اور انکل سے میری فون پر بات بھی کروا دیں گے۔" نہناں نے آگاہ کیا تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔۔۔ مگر اتنی رات کو برتھ ڈے سے واپسی پر میں کیسے آؤں گی۔۔۔ ابا تو چوکیداری پر ہوں گے۔" ایک اور پریشانی نے آن گھیرا تھا۔

"ڈونٹ وری یار۔۔۔ میں چھوڑ دوں گی۔۔۔ بھائی اور میں چھوڑ جائیں گے۔"

"اچھا سنو۔۔۔ تمہیں کیا گفٹ دوں؟" اصل پریشانی نے اب سر نکالا تھا۔

"دعائیں۔۔۔" نہناں نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا اور اٹھ کر چل دی۔

"ارے رکو۔۔۔ سنو تو۔۔۔ اس میدان میں تو بہت چھپکلیاں اور مکوڑے ہیں اکٹھے چلتی ہیں۔" نارنجی دھوپ میدان کے ریتلے ذروں پر بکھری ہوئی تھی۔۔۔ چمکدار آنکھیں جھپکانے پر مجبور کرتی۔

✡ ✡ ✡

ہالہ اکرام اور اکرام صاحب کا باپ بیٹی والا رشتہ کم اور شاید دوستی والا زیادہ تھا۔۔۔ بیوی کے گزر جانے کے بعد، وہ بیٹی کے قریب آ گئے تھے۔۔۔ وہ کالونی میں ہی چوکیدار تھے اور اپنی ذاتی دو دکانیں بھی تھیں، جو کرائے پر چڑھا رکھی تھیں۔۔۔ اسی سے اچھی خاصی گزر بسر ہو رہی تھی۔۔۔

ہالہ کو انہوں نے کبھی ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی۔۔۔ اس کی تعلیم جلد ہی مکمل ہونے والی تھی اور وہ اس کے مستقبل کے حوالہ سے کافی متفکر تھے۔۔۔ انہیں قوی امید تھی کہ ساجدہ خاتون ان کے بھائی کی کہی گئی بات کا مان رکھیں گی۔۔۔ مگر ان کی خوش گمانیوں کی معیاد بہت کم تھی۔ ساجدہ خاتون اپنے خوبرو بیٹے کے لیے کسی اونچے خاندان سے بہو لانے کا ارادہ رکھتی تھیں۔۔۔ اور اکرام صاحب کے پاس تو کچھ نہ تھا۔۔۔ چھوٹی سی چار دیواری تھی۔۔۔ بس گزر بسر ہو رہی تھی رہ گیا احمد تو وہ بھی جو تھوڑا بہت لحاظ کرتا تھا اب وہ بھی نہ رہا تھا۔۔۔ وہ ایم بی اے کے بعد ایک پرائیویٹ فرم میں اچھی سی جاب پر تھا۔۔۔ اور ہالہ اکرام اس کے لیے کچھ نہ تھی۔۔۔ سوائے اس کے کہ اس کی عام سی شکل و صورت والی چچا زاد تھی۔۔۔ یہ مرتبہ تھا ہالہ اکرام کا۔۔۔

✡ ✡ ✡

اور پھر وہی رات تھی کالی اور گہری۔۔۔ آسمان پر کوئی تارا تک نہ تھا۔۔۔ ہر طرف دھند چھائی ہوئی تھی۔۔۔ وہ دونوں مقابل تھے اور آج وہ چپ نہ رہی تھی اس سے پہلے کہ شہزادے سوئیاں نکالنے آئیں شہزادیاں پہلے ہی خود اپنے ہاتھوں سے وجود میں گڑی سوئیاں نکال پھینکیں۔ اس طرح تکلیف بہت کم ہوتی ہے۔۔۔ ٹھنڈی یخ ہوائیں تھیں اور اس کا لہجہ ذرا بھی تو نہ کپکپایا تھا۔۔۔ ایسا اطمینان اور سکون تھا جو حاصل کرتے کرتے زمانے لگا کرتے ہیں۔۔۔ ایک پل میں وہ زمانوں کا سفر طے کر کے آئی تھی۔

"ہاں میں نے تمہیں خط لکھے تمہیں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی رہی۔ دیکھتی تھی تو نظر اٹھانا بھول جاتی تھی، وہ عمر ہی ایسی تھی، جب ساری لڑکیاں ایسا کرتی ہیں۔ کاش کہ آنے والا وقت ہمارے سامنے کوئی آئینہ رکھا کرے اور ہم ماضی میں ایسا کرنے سے پہلے سو بار ضرور سوچیں۔۔۔ تم کتنے کم ظرف اور کمینے ہو احمد سلیم کہ مجھے میرا ماضی دکھا کر شرمندہ کرنے آئے ہو۔۔۔ میں بھی انسان ہوں اور خطائیں انسان ہی کیا کرتے ہیں۔ میں شرمندہ نہیں ہوں۔۔۔ خطا میری سرشت کا فیصلہ تھا جو ہو چکا۔۔۔ اب میں اپنے صرف اور صرف حال کی ذمہ دار ہوں۔۔۔ آئندہ میرے سامنے حال کے مقدمے

رکھنا۔" وہ بول رہی تھی اور وہ سن رہا تھا اس نے جینز سے ہاتھ نکالے اور ذرا سا مسکرایا اور ہالہ اکرام کو وہ مسکراہٹ ذرا بھی خوب صورت نہ لگی تھی۔۔۔ زمانوں کے سحر لمحوں میں ٹوٹا کرتے ہیں۔۔۔ اور یہ سحر بھی پاش پاش ہوا تھا۔

"تو تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں۔۔۔؟"

"میں تم سے محبت کرتی تھی۔۔۔ اب صرف اور صرف نفرت کرتی ہوں۔"

"واہ کتنی جلدی مکر گئیں تم۔۔۔" وہ حیران تھا یا واقعی اداکاری کر رہا تھا۔

"شاید میں تو محبت بھی نہیں کرتی تھی۔ وہ تو صرف اور صرف پسندیدگی تھی جو ٹین ایج میں ہو جاتی ہے اور پسندیدگی کا کھیل لمحوں کا ہوتا ہے۔ پھر فل سٹاپ لگ جاتا ہے مجھے اب پتا چل گیا ہے کہ تم کیا ہو۔۔۔ کچھ خوب صورت چہرے اندر سے بڑے بد صورت ہوتے ہیں۔۔۔ اور تمہارا شمار انہی میں ہوتا ہے۔" اس کے منہ سے نکلتا دھواں دھند میں مدغم ہوتا گیا۔۔۔ زرد روشنی دھند کا غلاف توڑنے میں بار بار ناکام ہو رہی تھی۔

احمد غصے سے بھڑک اٹھا تھا۔

"تم نے۔۔۔ تم نے مجھے بدصورت کہا۔۔۔ ارے خود کو دیکھا ہے کبھی آئینے میں تم جیسی بد صورت لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔۔۔ تم پر تو دوسری نظر ڈالنے کا بھی دل نہیں کرتا۔"

"اور تم جیسے غلیظ انسان پر پہلی نظر ڈالنے کو دل نہیں کرتا۔" وہ جواباً بولی تھی۔ وہ آگے بڑھا تھا۔۔۔ اس کو بازو سے پکڑ لیا۔

"تم نے مجھے غلیظ کہا۔۔۔ تم ہوتی کون ہو ایسا کہنے والی۔" ہالہ نے اپنے بازو پر جمے اس کے ہاتھوں کو دیکھا اور دھاڑی۔

"میرا بازو چھوڑو۔۔۔" وہ سرخ چہرے کے ساتھ کھڑا رہا۔ "میں کہہ رہی ہوں میرا بازو چھوڑو۔۔۔"

"کیا کر لوگی تم۔۔۔ ہاں۔۔۔ کیا کر لوگی؟"

ہالہ کا ہاتھ اٹھا تھا اور احمد سلیم کے چہرے پر نشان چھوڑ گیا تھا۔

"آئندہ ایسا کرنے سے پہلے ہزار بار سوچنا۔۔۔ اب تو تم اچھی طرح جان گئے ہو گے کہ میں کیا کیا کر سکتی ہوں۔۔۔"

جھٹکے سے اپنا بازو چھڑاتی وہ آگے بڑھ گئی تھی۔۔۔ چال میں عجیب سی تمکنت اور اعتماد سا تھا۔ احمد سلیم ششدر سا کھڑا تھا دھند لیمپ پوسٹ کی زرد روشنی پر حاوی ہو رہی تھی۔۔۔ تارکول کی سڑک پر سفیدی چھا گئی تھی۔۔۔ دھند میں سفیدے کی خوشبو مہک رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

ابا تو ایسے گم صم سے کرسی میں دھنسے بیٹھے تھے چاہے جتنی آوازیں دے لو نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں گے۔ ان کی اسی کیفیت کے پیش نظر ہالہ خود ہی کالونی کے نکڑ تک ہو آئی تھی۔ تین چار بار سیٹی بھی بجائی اور کم از کم دس گیارہ مرتبہ لاٹھی کو بھی سڑک پر بجایا تھا۔۔۔ دل تو بڑا چاہا کہ جاگتے رہو جاگتے رہو کے دو تین نعرے بھی بلند کر دے مگر دل مسوس کر کے رہ گئی۔

"ساجدہ نے کہا تمہاری بیٹی آوارہ ہے اور یہ بھی کہا کہ آدھی راتوں کو بیٹی کو چوراہے پر سجا کر بیٹھ جاتے ہو تاکہ ہر آتا جاتا آنکھیں سینکتا پھرے۔" ابا کی آواز جیسے گنبدوں کے ڈھیر میں سے برآمد ہوئی تھی۔۔۔ ان کا آنسو ٹپ سے ان کے ہاتھ پر گرا تھا۔۔۔ ہالہ تھوڑے فاصلے پر جلتی آگ پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔۔۔ گیلی لکڑیاں سلگ رہی تھیں۔۔۔ پہلی نظر ان پر ڈالی اور دوسری نظر ابا کے ہاتھ کی پشت پر پڑے آنسو کو دیکھا تھا۔

"میں نے آپ کو کہا تھا ابا کہ مرے ہوئے انسان کے ساتھ اس کی کہی ہوئی باتیں بھی مرجاتی ہیں۔۔۔ چچا جان جاتے جاتے اپنے وعدے بھی ساتھ لے گئے۔۔۔ مجھے حقیقت کا علم تھا کہ ایسا ضرور ہو گا مگر میں آپ کی خوشی کو موت نہیں دے سکتی تھی۔" سرد موسم کی نمی اس کے لہجے میں سمٹ آئی تھی۔۔۔ کالونی پر شام ہوتے ہی چہل پہل ختم ہو جاتی تھی جیسے ہی شام ہوتی

تھی وہ اور ابا کھانا کھا کر یہیں آتے تھے۔۔۔ وہ کرسیاں اور میز ساتھ لے آتے تھے۔۔۔ چائے کا تھرماس لبالب بھر لیا جاتا تھا۔۔۔ وہ کالج کا کام کرتی رہتی تھی اور ابا وہیں سڑک پر چہل قدمی کرتے رہتے تھے جب آنکھیں نیند سے بوجھل ہو جاتی تھیں تو وہ گھر آجاتی تھی۔۔۔ گھر بھی سڑک پر ہی بالکل عین کنارے پر تھا دروازہ کھولو تو سامنے سڑک تھی۔

"احمد اچھا لڑکا تھا۔" وہ تاسف سے کہہ رہے تھے ۔۔۔ وہ اب بھی بھڑکتی آگ کو دیکھے جا رہی تھی۔

"وہ اچھا تھا یا برا تھا۔۔۔ جو بھی تھا ابا مگر وہ آپ کی بیٹی کے قابل نہیں تھا۔۔۔ اب اس کی وجہ مت پوچھیے گا۔" اگر وہ کبھی وجہ نہ بتانے کا کہہ دیتی تھی تو وہ بھی کبھی وجہ نہ پوچھتے تھے۔۔۔ وہ اپنی بیٹی کی ہر رمز سے واقف تھے۔۔۔

ٹھنڈی ہوا چلی تو سر پر رکھی ٹوپی کو نئے سرے سے سر پر جمایا۔

"تم۔۔۔ تم پریشان تو نہیں ہو نا۔۔۔؟" اس لہجے میں کیا کچھ نہ تھا۔۔۔ یہ سب وہ اچھی طرح جانتی تھی۔۔۔ بوڑھی آنکھوں میں بڑے خوف تھے۔۔۔ وجود کے گرد لپٹی شال کو درست کیا تھوڑا آگے ہو کر مسکرائی۔

"یار ابا۔۔۔ آپ اکثر اپنی کہی ہوئی باتیں کیوں بھول جاتے ہیں کہ ہر فیصلے میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت ہوتی ہے۔"

"مجھے لگتا تھا کہیں تمہارے دل میں احمد کے لیے۔" سردی سے ان کی ناک سرخ ہو جاتی تھی۔

"ارے نہیں ابا بے فکر رہیں۔۔۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔ آپ کو مجھ پر یقین ہے نا؟" اپنے ٹھنڈے برف ہاتھ ابا کے ہاتھوں پر رکھ کر تصدیق چاہی گئی تھی۔۔۔ پہلے سے سرخ ہوتی ناک کے ساتھ ٹھٹھرے بیٹھے ابا مزید جھرجھری لے کر رہ گئے تھے۔

"ہاں۔۔۔ مجھے یقین ہے میری بیٹی مجھ سے جھوٹ نہیں بولتی۔" وہ قمقموں کی موجد لڑکی ایک زوردار قہقہہ لگاتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔۔۔ کچھ ثانیے کھڑی سوچتی رہی پھر تھرماس میز پر سنبھال کر رکھتی بولی تھی۔

"پتا ہے ابا۔۔۔ یہ جو عام سے لوگ ہوتے ہیں نا یہ بالکل بھی "عام" نہیں ہوتے۔۔۔ یہ تو بہت خاص ہوتے ہیں۔" ہلکی ہوا سے ننھی ننھی سرخ چنگاریاں اڑی تھیں۔۔۔ بیرن ہوا سفیدے کی خوشبو لیے ادھر ادھر اڑی پھر رہی تھی۔ "آپ کی ہالہ بھی انہی عام لوگوں میں بڑی خاص سی ہے۔۔۔ اور اس کے لیے اللہ کوئی خاص ہی بھیجے گا۔" آخر میں شرارت سے مسکراتی وہ مڑی تھی اور ٹھٹک گئی تھی۔

لیمپ پوسٹ کی روشنی میں تھری پیس سوٹ میں ملبوس سردی میں ٹھٹھرتا ہوا انوی ٹیشن کارڈ تھامے کھڑا وہ شخص اشعر عالم تھا ہالہ اکرام اندازہ نہیں کر سکی تھی کہ وہ کتنی گفتگو سن چکا ہو گا۔۔۔ ایک تو ان دونوں باپ بیٹی کو دنیا جہان سے بے خبر ہو کر راز و نیاز کرنے کی عادت تھی۔۔۔ اس سرد موسم میں گیلی سڑک پر وہ اشعر عالم اور ہالہ اکرام کی دوسری ملاقات تھی۔

✿ ✿ ✿

عالم منزل برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔۔۔ رنگ و نور کا سیلاب امڈ آیا تھا۔۔۔ شہر کی ساری کریم جمع تھی۔۔۔ لان میں تقریب کا انتظام کیا گیا تھا۔۔۔ باوردی ویٹر ادھر ادھر گھوم رہے تھے ہالہ اکرام حیران و پریشان سی آنکھیں میچ کر یہ شان و شوکت دیکھتی رہی۔

"یار سنڈریلا۔۔۔ تم تو واقعی امیر کبیر ہو۔۔۔ میں گلٹی فیل کر رہی ہوں۔" وہ تقریب کے بعد اوپر ٹیرس پر چلی آئی تھیں۔۔۔ پام کے درختوں پر رنگ برنگی روشنیاں ہوا کی چھیڑ سے لرز رہی تھیں۔۔۔ نہنال عرف سنڈریلا نے اسے دیکھا تھا۔

"کیا بکواس ہے یہ۔۔۔؟"

"تم اتنی امیر ہو یار اور مجھے دیکھو۔" وہ واقعی شرمندہ لگ رہی تھی آف وائٹ چوڑی دار پاجامے میں ملبوس وہ ہاتھ مل رہی تھی غلافی آنکھیں جیسے بوجھل بوجھل سی تھیں۔

"ہالی۔۔۔ میری طرف دیکھو یہ روشنیاں' یہ رنگ' یہ سب قیمتی نہیں ہوتا قیمتی تو صرف انسان ہوا کرتے ہیں

اور پتا ہے تمہارے جیسا قیمتی انسان میں نے آج تک نہیں دیکھا۔۔۔ تمہارا دل بڑا قیمتی ہے اور ایسے گنے چنے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔۔۔ تم اور تمہاری دوستی میرے لیے اعزاز ہے۔" نہناں اس کے سامنے اس کا ہاتھ تھامے کھڑی نہایت خلوص سے کہہ رہی تھی۔۔۔ پام کے درختوں پر روشنیاں اب بھی جھول رہی تھیں۔۔۔ ست رنگی۔

"جھوٹی تعریفیں۔۔۔؟" ہالہ نے اسے گھورا تھا جبکہ نہناں چند ثانیے کھڑی اسے دیکھتی رہی اور پھر روتے ہوئے اسے گلے آن لگی تھی اور سسکیاں لیتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

"پتا ہے ہالی۔۔۔ ساری زندگی لوگوں نے میری معذوری کو ترحم سے دیکھا۔۔۔ اور مجھے جیسے احساس کمتری کے خول میں بند کر دیا۔۔۔ اور پھر کالج میں ہماری ملاقات ہوئی فارم جمع کروانے کی لاسٹ ڈیٹ تھی اور میں ڈری سہمی سی کھڑی تھی تب تم نے اپنے ساتھ میرا فارم بھی جمع کروا دیا تھا۔۔۔ اور پھر پتا ہے تم نے کیا کہا تھا۔۔۔؟" وہ بھرائے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔۔۔ یوں لگا جیسے ساری فضا نم سی ہو۔

"میں نے کیا کہا تھا سنڈریلا؟" ہالہ کا لہجہ رندھ گیا تھا۔ ٹیرس کا جھولا ہولے ہولے جھول رہا تھا۔ شام روشنیوں سے جیسی ہوئی تھی۔

"تم نے۔۔۔ تم نے کہا تھا کہ ہمیشہ آگے بڑھ کر اپنا حق چھینو۔۔۔ اپنا حق لینے والے غاصب نہیں ہوتے خود آگے بڑھنا پڑتا ہے، تبھی کچھ ہاتھ آتا ہے۔۔۔ ورنہ لوگ ہمیں روندتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں اور پتا ہے میری زندگی میں دو لوگ ایسے ہیں جنہوں نے مجھ پر ترس نہیں کھایا۔۔۔ بلکہ انہوں نے مجھے آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا۔۔۔ بھائی کے بعد وہ دوسری ہستی تم ہو ہالی۔۔۔" وہ ہالہ کو جکڑے کھڑی تھی۔۔۔ ہالہ نے اسے ہولے سے پرے کیا۔

"رونا بند کرو پاگل لڑکی۔۔۔ بیوٹیشن کی محنت کیوں غارت کرنے پر تلی ہو۔۔۔" وہ نم آنکھوں سے ہنس دی تھی۔۔۔ ہالہ نے اسے جیسے دھمکی دی تھی۔

"اور میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔۔۔ جسم کی معذوری کچھ نہیں ہوتی اصل معذوری تو سوچ کی ہوتی ہے۔" وہ دونوں نیچے سیڑھیاں اتر رہی تھیں۔۔۔ نہناں کے کمرے میں جا کر گفٹ کھولنے لگیں۔۔۔ نہناں نے سب سے پہلے ہالہ کا دیا ہوا گفٹ کھولا تھا اور پھر حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"یہ تو وہی سوٹ ہے جو تم دو ماہ سے کڑھائی کر رہی تھیں۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ جب میں یہ تمہیں دکھانے کالج لائی تھی تو تمہیں بہت پسند آیا تھا۔۔۔ میں نے سوچا یہی تمہیں دے دوں۔" ہالہ نے مسکرا کر اسے مطلع کیا تھا۔۔۔ نہناں کی آنکھیں نئے سرے سے نم ہوئی تھیں۔

"ہالی۔۔۔ یہ تو تمہیں بہت پسند تھا نا۔۔۔ تم نے تو اس پر بہت محنت کی تھی نا۔"

"تم اور میں الگ تھوڑی ہیں۔۔۔ تم پہنو یا پھر میں ایک ہی بات ہے۔" وہ خلوص سے کہہ رہی تھی۔ تبھی وہ تیزی سے اندر داخل ہوا تھا۔

"نہناں۔۔۔ تمہیں خالد انکل کی مسز بلا رہی ہیں۔" نہناں نے ہالہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا۔

"ہالی۔۔۔ تم یہیں بیٹھو۔۔۔ میں ابھی آئی۔۔۔" ہالہ سر ہلاتی وہیں بیٹھی رہی۔۔۔ لائٹ کلر کے کرتے میں ملبوس وہ قدم قدم چلتا اس کی طرف آیا تھا۔

"یہ میری بہن کی برتھ ڈے کے دن آپ اسے کیوں رلانے پر تلی ہوئی تھیں۔" لہجہ طنزیہ تھا یا نہیں مگر ہالہ کو محسوس ہوا تھا۔۔۔ غلافی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا اور جواب دیا۔

"آنکھوں کی بینائی کے لیے کبھی کبھی رونا بہت ضروری ہو جاتا ہے۔" بڑا پرسکون لہجہ تھا۔ وہ سر اثبات میں ہلاتا ہوا کہہ رہا تھا۔

"گڈ۔۔۔ خیر۔۔۔ بہت بہت شکریہ آپ کا۔" ہالہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"تھینکس فار واٹ" وہ ہولے سے خوب صورت ہنسی ہنسا تھا۔

"کل شام کی جو چائے پلائی تھی۔ میں زیادہ تر کلفی

پیتا ہوں۔ مگر آپ کے ہاتھوں کی بنی چائے پی کر سوچا کہ کبھی کبھی چائے ضرور پی لینی چاہیے۔۔۔ آپ واقعی بہت اچھی چائے بناتی ہیں۔"

"پھر تو میں ہرگز بھی آپ کے شکریہ کی مستحق نہیں۔" بڑا ٹھنڈا ٹھار لہجہ تھا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" وہ حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"شام کی چائے ہمیشہ ابا بناتے ہیں۔۔۔ میں خود بہت بری چائے بناتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اس کے پاس سے گزرنے لگی تھی۔۔۔ وہ ہکا بکا کھڑا تھا۔۔۔ ہولے سے بڑبڑایا۔

"یہ تو واقعی سائیکو۔۔۔" ہالہ کی تیز سماعتوں نے اس کے کہے گئے الفاظ اچک لیے تھے۔ جاتے جاتے مڑی اور طنزیہ لہجے میں بولی۔

"دوسروں کو سائیکو قرار دینے والوں کو خود کسی اچھے سائیکاٹرسٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔" وہ بے نیازی سے کہہ کر چلتی چلی جا رہی تھی۔۔۔ چال میں عجیب سی تمکنت اور وقار تھا۔۔۔ یہ ہالہ اکرام اور اشعر عالم کی تیسری ملاقات تھی۔۔۔

☆ ☆ ☆

ہالہ اکرام اور نیناں عرف سنڈریلا کی تعلیم مکمل ہو گئی تھی مگر ملاقاتیں زور و شور سے جاری تھیں۔۔۔ وہ یک جان دو قالب تھیں۔۔۔ جب تک ساتھ تھیں خوب رونقیں لگائی تھیں۔۔۔ مگر اب تو شب و روز کاٹ کھانے کو دوڑتے تھے۔۔۔ وہ کالز اور ٹیکسٹ میسجز پر بھی رابطے میں تھیں۔

ہالہ اور ابا کے شب و روز اب بھی وہی تھے۔۔۔ ہالہ پہلے تو کالج کا کام کرتی رہتی تھی اب تعلیم مکمل ہونے کے بعد وہ موٹے موٹے ہارر ناول لے کر مزے سے پڑھتی رہتی اور ان کی اسٹوری من و عن ابا کو سناتی تھی اور ابا ہول جاتے تھے۔۔۔ پہلے کالونی کا گیٹ آخری پڑاؤ تھا اب سفیدے کے درختوں کی قطاروں تک جاتے تھے اور سیٹیاں بجاتے واپس آجاتے۔۔۔

اب بھی چائے کے ساتھ ساتھ گپیں ہانکی جاتیں اور آگ تاپی جاتی۔۔۔ ہلکی ہوا سفیدے کی خوشبو لے کر چلتی تھی۔۔۔ ان ریشم سے الجھے سلجھے دنوں میں کبھی وہ سائیکو بھی یاد آجاتا تھا تو وہ قہقہوں کی موجد لڑکی ہولے سے ہنس دیتی تھی۔

☆ ☆ ☆

30 مارچ 2014ء

کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے کہ میں موم کا محل ہوں جسے زندگی آہستہ آہستہ، ہولے ہولے اپنی تابناک شعاعوں سے پگھلا رہی ہے اور میں پگھل رہی ہوں۔۔۔

میرے لکھے ہوئے اقوال زریں میں ایک اور اہم اقوال زریں شامل کر دیا جائے "انسانوں کی محبت بڑا خوار کرتی ہے یہ آپ کی خودداری، انا کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔۔۔ پھر ہاتھ کچھ بھی نہیں آتا۔۔۔ ہم خالی ہاتھ ہوتے ہیں۔۔۔ جو جتنا اس سچ کو جھٹلائے گا اپنا ہی نقصان کرے گا۔"

کبھی کبھی تو خیر نہیں مگر ہر دوسرے دن سنڈریلا کو کہتی ہوں کہ میرے ان چیدہ چیدہ اور سنہری اقوال زریں کی ایک خوب صورت سی ڈائری مرتب کرے۔۔۔ مگر وہ بھی اپنے نام کی ایک ہے مجال ہے جو کبھی مجھ معصوم کی باتوں پر کان دھرے ہوں۔۔۔ ایک میں ہی ہوں جو اس اول درجے کی کمینی کی بے جا فرمائشیں پوری کرتی ہوں۔۔۔ اور وہ ہے کہ مجال ہے جو میری بات مان لے۔۔۔ پھکڑیا کہیں کی۔۔۔

آج کل میں بار بار ایک ہی مصرعہ گنگنا رہی ہوں اور ابا کو خاصی تشویش میں بھی مبتلا کر چکی ہوں۔۔۔

زمانے میں اور بھی غم ہیں محبت کے سوا

اور میں اس "محبت" نامی بلا کے ہاتھوں بال بال بچ چکی ہوں اور مستقبل کے لیے پکا تہیہ کر لیا ہے کہ کبھی بھی محبت نہیں کروں گی۔۔۔ بڑی ہی نامراد چیز ہے۔ "میں" سے "تم" تک کا درجہ پار کروا دیتی ہے۔۔۔ اسی محبت نامی آفت کی پرکالہ کی وجہ سے اپنا فیورٹ موسم بہار داؤ پر لگا چکی ہوں اور اب بہار آ کے گزر چکی۔۔۔ لال گلاب مرجھا چکے۔۔۔ گیندے باسی ہو چکے برش

بوتل سوکھی ہو کر بیرن ہوا سے مشرق مغرب ہچکولے
کھا رہی ہے۔۔۔ بہار کے پرندے کب کے اپنے
ٹھکانوں کی طرف لوٹ چکے۔۔۔ اور میں گم صم' حیران و
پریشان سی بہار کو صدائیں دے رہی ہوں۔

"ارے یار۔۔۔ کچھ پل تو ٹھہر جاتی۔۔۔ یہ آنا کیا تھا۔۔۔
اور جانا کیا تھا۔۔۔ بہاروں کو جلدی آنا چاہیے مگر واپسی کا
راستہ بھول جانا چاہیے۔۔۔"

"میں بہار کا آخری پھول ہوں"

☆☆☆

وہ اردگرد کھڑے لوگوں کی نظریں بڑی مشکل سے
برداشت کر رہی تھی۔۔۔ دل سلگ رہا تھا۔۔۔ وہ بار بار
آنکھیں جھپک رہی تھی۔۔۔ وہ صرف ابا کی وجہ سے احمد
سلیم کی شادی کی تقریب میں آئی تھی ورنہ کبھی نہ آتی
۔۔۔ ابا خود آدھے گھنٹے کے لیے آئے تھے اور اسے
فنکشن کے اختتام تک رکنے کی تاکید کر گئے تھے۔

"مگر ابا۔۔۔ شرکت تو کرلی نا۔۔۔ میں بھی آپ کے
ساتھ چلتی ہوں۔"

"ارے نہیں بیٹا۔۔۔ تم رکو یوں اچھا نہیں لگتا۔" وہ
شاکی ہوتی مجبوری کے عالم میں اب وہاں کھڑی تھی۔۔۔
اسٹیج پر وہ اپنی دلہن کے ساتھ بیٹھا تھا۔۔۔ ساجدہ نے
کسی امیر گھرانے کی لڑکی ڈھونڈی تھی۔ لڑکی تو خیر واجبی
سی تھی مگر دولت نے جیسے اس میں چار چاند لگا دیے
تھے۔۔۔ احمد کئی بار اسے جتاتی نظروں سے دیکھ چکا تھا اور
مسکرایا بھی تھا۔۔۔ وہ بے نیاز سی بنی کھڑی رہی تھی۔
سارے میں رنگ و نور کا سیلاب آیا ہوا تھا۔۔۔ حلق میں
کانٹے چبھنے لگے تو اس نے سامنے سے گزرتے
باوردی ویٹر کے ہاتھوں میں پکڑی ٹرے سے ایک کولڈ
ڈرنک اٹھالی تھی۔۔۔ ابھی پہلا ہی گھونٹ بھرا تھا کہ
پیچھے سے آتی آوازوں پر ٹھٹک گئی۔

"ارے۔۔۔ یہی تو ہے اکرام کی بیٹی جو ساجدہ نے
اپنے بیٹے کے لیے نہیں لی۔" وہ سن سی کھڑی تھی۔

"ہاں۔۔۔ ہاں شکل وصورت بھی خاص نہیں واجبی
سی ہے اور اکرام صاحب تو کنگلے ہیں چار جوڑوں
میں بیٹی بیاہ دیتے آج کل کون خالی خولی بہو برداشت
کرتا ہے۔" خاتون نے ٹھٹھا لگایا تھا۔

ہالہ کے ہاتھ میں وہ کانچ کا گلاس لرزنے لگا تھا۔

"ساجدہ تو یہ بھی کہہ رہی تھی کہ لڑکی کردار کی بھی
ہلی ہے۔"

"ماں سر پر ہوتی تو تربیت بھی کرتی۔۔۔ باپ کہاں
دیکھ بھال کرتے ہیں۔"

چاروں طرف جیسے آگ ہی آگ تھی۔۔۔ اسے لگا
کچھ دیر اور کھڑی رہی تو وہیں گر کر فنا ہو جائے گی۔
گلاس ٹیبل پر رکھا اور میکانیکی انداز میں چلتی باہر نکل
آئی تھی۔ کالونی کی سڑک ویران سی مردہ پڑی تھی۔۔۔
آج ہوا بند تھی سفیدے کی خوشبو بھی نہیں تھی مگر
یوں لگتا تھا جیسے فضا میں کافور کی خوشبو گھلی ہوئی ہو۔۔۔
اس کا دوپٹا سڑک پر گھسٹتا آرہا تھا۔

"میں نے تو کبھی کسی کے خلاف دل میں کینہ'
بغض کو جگہ نہیں دی مگر پھر بھی میرے بارے میں
لوگ ایسا کیوں سوچتے ہیں۔۔۔" آنسو آنکھ سے پھسل کر
گال پر ٹھہرا۔۔۔ چند لمحوں بعد تار کول میں جذب ہو
گیا۔

گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔۔۔ اس نے دوپٹے سے
آنکھیں صاف کیں اور مضبوطی سے دوبارہ دوپٹا سر پر
جما لیا۔۔۔ شاید بجلی نہیں تھی برآمدے کے کیل پر
لالٹین ٹنگی ہوئی تھی اور ہلکی نارنجی روشنی پھیلی ہوئی
تھی۔

وہ آگے بڑھی اور وہیں جم گئی۔۔۔ برآمدے کی
سیڑھیوں پر گرا وہ وجود ابا کا ہی تھا۔۔۔ وہ دوڑ کر ان تک
پہنچی تھی ابا آنکھیں کھولیں۔۔۔ پلیز آنکھیں کھولیں۔"
نبض رکی ہوئی تھی۔۔۔ وہ باہر کی طرف لپکی تھی۔

"احمد۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ ابا۔۔۔ انہیں کچھ ہو گیا ہے
سیڑھیوں پر گرے ہوئے تھے۔ پلیز تم میرے ساتھ چلو۔"

ہالہ کا ہاتھ کسی نے جھٹکا تھا۔

"اے ہے۔۔۔ دفع ہو لڑکی۔۔۔ کیوں میرے بیٹے کی
خوشیوں پر نحوست پھیلانے چلی ہو۔۔۔ بیماری کا بہانہ کر
رہا ہو گا بڈھا۔" ساجدہ خاتون احمد کو بازو سے پکڑتی اندر

لے گئی تھیں وہ تنہا اور اکیلی وہیں کھڑی روتی، سسکتی، کراتی رہی۔۔۔

تیز ہوا کے کافور سے مہکتے جھکڑ چلے تھے اور اکرام صاحب زندگی ہار گئے۔ وہ ساری رات اکیلی سیڑھیوں پر ان کا سر گود میں رکھے روتی، سسکتی رہی۔

لالٹین کی نیم زرد اور ہلکی روشنی میں رات بھیگتی رہی۔۔۔ بھیگتی رہی۔۔۔

☆ ☆ ☆

ہالہ اکرام نے اس عالی شان آفس کے چمکتے دمکتے فرش میں اپنا چہرہ دیکھا تھا وہ فرش جیسے آئینہ بنا ہوا تھا ۔۔۔ وہ اس میں اپنا آپ دیکھتی رہی زندگی کے حادثات کی تھکن سے چور وجود والی ایک معمولی لڑکی جس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے ناقابل فہم سے آنکھوں کے گرد گہرے حلقے تھے۔۔۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ برسنے لگے تھے۔

"آر یو اوکے۔۔۔؟" سیکرٹری اس کے سر پر کھڑی پوچھ رہی تھی۔۔۔ وہ جیسے غائب دماغ سی ہو رہی تھی۔

"جی۔۔۔ جی ہاں میں ٹھیک ہوں۔" جھٹ سے آنسو صاف کرلیے تھے۔۔۔ ہاں ہالہ اکرام دنیا کے تماش بینوں کے لیے تماشا تو نہیں تھی۔۔۔ وہاں کی ہر چیز شیشے کی تھی اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔

"میرا نہیں خیال کہ ہمارے پاس کوئی ویکنسی خالی ہے۔۔۔ باس اس وقت میٹنگ میں ہیں وہ ہی بہتر طور پر بتا سکتے ہیں۔ آپ آدھے گھنٹے تک ان کے آنے کا ویٹ کرسکیں تو۔" وہ خوب صورت اور نرم آواز کی مالک لڑکی جو سیکرٹری تھی اس سے کہہ رہی تھی۔

"میں پہلے ہی دو گھنٹے سے انتظار کر رہی ہوں۔" اس نے بے بسی سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"میں معذرت خواہ ہوں مگر باس کی آج ایک فارن کمپنی سے میٹنگ تھی تو آپ کو اتنا ویٹ کرنا پڑا۔" شاید ہر وقت مسکراتے رہنا اس کی جاب کا حصہ تھا۔۔۔ وہ مسکراتے ہوئے معذرت کر رہی تھی۔ ہالہ نے بیگ اٹھایا اور تھکے تھکے قدموں سے بیرونی دروازے کی

طرف بڑھ گئی تھی اس بات سے بالکل بے خبر کہ وہ اپنی ڈائری وہیں صوفہ سیٹ پر بھول آئی تھی۔۔۔ اس شیشے کے گھر میں کانچ کی ٹیبل پر وہ ڈائری کسی قیمتی خزانے کی طرح دھری تھی۔

وہ ریوالونگ چیئر پر جھولتا ہوا اپنے سر کو ہولے ہولے دبا رہا تھا۔ فون اٹھا کر کان سے لگایا تھا۔

"پلیز۔۔۔ ایک کافی اور سر درد کی ٹیبلٹ بھجوا دیں۔" کچھ ہی دیر میں کافی آگئی تھی۔۔۔ وہ کافی پی ہی رہا تھا کہ آواز آئی تھی۔

"مے آئی کم ان سر۔۔۔" سیکرٹری اجازت لے رہی تھی۔

"یس۔۔۔ کم ان۔۔۔" وہ اندر آگئی تھی "سر ایک لڑکی جاب کے سلسلے میں آئی تھی مگر اس وقت آپ فارن کمپنی کے ساتھ میٹنگ میں بزی تھے وہ تین گھنٹے تک ویٹ کرتی رہی پھر چلی گئی۔۔۔ بہت ہی مشکل میں لگ رہی تھی شاید اس کا تعلق کسی مڈل کلاس گھرانے سے تھا۔"

"انہوں نے اپنا کوئی رابطہ نمبر نہیں دیا۔۔۔؟" اشعر عالم نے پوچھا تھا۔

"نو سر۔۔۔ رابطہ نمبر تو نہیں، مگر وہ اپنی ڈائری یہیں بھول گئی ہیں۔" سیکرٹری نے ڈائری اس کی طرف بڑھائی تھی۔۔۔ اشعر عالم نے ڈائری تھام کر اسے جانے کا اشارہ کیا اور خود دائیں ہاتھ میں کافی کا کپ اور بائیں ہاتھ میں وہ ڈائری تھامے کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا جو باہر کی طرف کھلتی تھی۔۔۔ کھڑکی کے ساتھ بیرونی جانب شیلف میں مختلف رنگوں کے پھولوں سے کرسٹل کے گلدان سجے ہوئے تھے۔۔۔ ملے جلے پھولوں کی خوب صورت سی مہک کمرے میں گھوم رہی تھی۔۔۔ اشعر عالم نے ڈائری کے پہلے ورق پر نظر دوڑائی تھی۔ بہت ہی صاف ستھری اور خوب صورت ہینڈ رائٹنگ تھی۔

ابتدائیہ

کسی کی اجازت کے بغیر اس کی ڈائری پڑھنا اخلاقی جرم ہے۔۔۔ میں نے یہ ڈائری صرف اور صرف اپنے

لیے لکھی ہے ناکہ کبھی زندگی میں حوصلہ ہاروں تو اپنا کامیاب ماضی دیکھوں، غموں کے کوہ گراں پر خوشیوں کے ننھے ننھے دیپ جلاؤں۔۔۔ میرا ماضی میری رہنمائی کرے گا۔۔۔ شاید میں دنیا جہان کی سب سے خبطی لڑکی ہوں۔۔۔ مجھے اس تعارف پر ذرا بھی شرمندگی نہیں۔۔۔ میری سوچیں صرف ایک سوال کے گرد گھومتی ہیں جس کا جواب مجھے خود بھی آج تک نہیں ملا کہ۔۔۔

"میں ایسی کیوں ہوں؟ میں ویسی کیوں نہیں جیسے لوگ ہوتے ہیں۔"

اس سوال کا جواب تو میرے ڈیئر فلاسفر ابا کے پاس بھی نہیں۔۔۔ اور رہی بات سنڈریلا کی تو وہ اپنے سوال لے کر میرے پاس آتی ہے تو میرے سوالوں کا کہاں جواب دے پائے گی۔

اور میں گنجلک تجربات اور سرپھرے مشاہدات کی بھٹی میں "کندن" ہو کر اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ میں دنیا جہان کی خبطی لڑکی ہوں اور لوگ تو خبطی نہیں ہوتے نا۔۔۔

"میں بنت خبط ہوں۔۔۔!"

اور وہ ڈائری اشعر عالم کے لیے جیسے ایک خوش گوار ہوا کا جھونکا تھی وہ اس لڑکی کو اس کے الفاظ کی وجہ سے جانتا تھا۔۔۔ ہر رات وہ ڈائری کا ایک ایک ورق پڑھتا تھا اور جب وہ پڑھ رہا ہوتا تھا تو اس کے گرد دنیا سی بج جاتی تھی۔۔۔ کبھی ہنسی کی، کبھی اداسی کی اور کبھی حیرانی کی۔۔۔ اور زیادہ تر شدید حیرانی کی۔۔۔ اس کے الفاظ جانے کب ہنساتے ہنساتے آنکھوں میں کبھار پانی بھر دیتے تھے۔۔۔ خبر ہی نہ ہوتی تھی اور پتا بھی نہ چلتا تھا کسی کو جاننے کے لیے وجود آشنا ہونا ضروری تو نہیں ہوتا اور وہ اس "بنت خبط" سے بڑے ہولے سے بڑی خاموشی سے محبت کر بیٹھا تھا یہ اتفاق تھا، معجزہ تھا یا پھر کچھ اور۔۔۔؟

☼ ☼ ☼

نمناں عالم نے شدید حیرت سے اپنے جوان خوبرو بھائی کو دیکھا تھا جو بے شک اس کا دوست پہلے اور بھائی بعد میں تھا۔۔۔ مگر اس نے اپنی بہت سی باتیں کبھی اس سے شیئر نہیں کی تھیں مگر آج کر رہا تھا اور اسے حیرت میں مبتلا کر رہا تھا۔

"نمناں۔۔۔ یہ کتنی بچکانہ سی بات ہے نا کہ کسی کو دیکھے بغیر، ملے بغیر، آپ کو اس سے محبت ہو جائے۔۔۔ اور اس محبت کا کوئی پروف (ثبوت) بھی آپ کے پاس ہو تو وہ ایک ڈائری ہو۔۔۔ خوب صورت ہینڈ رائٹنگ سے سجی۔۔۔ مجھے اس لڑکی نے جیسے ہپناٹائز کر دیا ہے۔۔۔ میں نہیں جانتا یہ ہپناٹزم کی کوئی قسم ہے یا پھر کوئی جادو۔۔۔ جس نے مجھے اپنے آپ کے لیے پرایا کر دیا ہے۔۔۔ میں بہت پریکٹیکل انسان بنا بس کام، کام اور صرف کام میں لگا رہا۔۔۔ مجھے محبت جیسی چیزوں پر سوچنے کی فرصت بھی میسر نہیں تھی مگر اب۔۔۔" اشعر عالم نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔۔۔ وہ جیسے تار میں الجھے ساز سنا رہا تھا۔۔۔ کھڑکیوں کے پار دھند جیسے نیلی سی ہو رہی تھی۔۔۔ گیندے کے پھول ساکت تھے۔

"بٹ ناؤ آئی ایم ہیلپ لیس۔" اس کی روشن پیشانی پر پریشانی صاف پڑھی جا سکتی تھی۔

"آپ نے اسے ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی۔۔۔"

"نمناں۔۔۔ ڈھونڈا انہیں جاتا ہے جن کا نام پتا یا کوئی نشانی ہو ہمارے پاس" وہ بے بس لگ رہا تھا۔

"بھائی آج کے دور میں یہ بہت عجیب بات ہے نا کہ کسی کو دیکھے، جانے بغیر آپ کسی کی محبت میں مبتلا ہو جائیں۔۔۔" نمناں بے یقینی کے درمیان میں تیر رہی تھی۔۔۔ اور وہ یقین کے دریا میں سر تا پیر ڈوبا ہوا تھا۔

"اس نے اپنا نام، پتا کچھ بھی تو نہیں لکھا۔۔۔ وہ میرے لیے پہیلی ہو کر بھی پہیلی نہیں رہی۔۔۔ وہ میرے اندر کے شور کو گونگا کر دیتی ہے۔۔۔" اشعر عالم کے ہونٹوں سے مسکراہٹ لپٹ گئی تھی۔

"اگر وہ کوئی عام، معمولی سی لڑکی ہوئی تو پھر۔۔۔؟"

نمناں کو لگا تھا اس سوال کے جواب پر وہ دو منٹ تو ضرور سوچے گا۔۔۔ مگر اس نے ایک منٹ بھی نہیں سوچا تھا۔

"محبت وجود کی چاہ نہیں ہوتی۔۔۔ خوب صورت ہے تو محبت ہے اگر خوب صورت نہیں تو محبت بھی

نہیں۔۔۔ اصل قیمت تو دل کی ہوتی ہے اور اس کا دل تو اتنا قیمتی ہے کہ مجھے لگتا اس کی قیمت میں کبھی ادا ہی نہیں کر پاؤں گا ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں اور ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملا کرتے" اس کی بھوری خوب صورت آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔۔۔ باہر ہلکی ہوا چل رہی تھی۔۔۔ کھڑکیاں ہولے ہولے بجنے لگی تھیں۔

"میں وہ ڈائری دیکھ سکتی ہوں۔۔۔؟"

"سائیڈ ٹیبل کی دراز میں ہے۔۔۔" وہ اوور کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑکی کے پار دیکھتا رہا۔۔۔ شام سے پہلے کا وقت تھا۔۔۔ اسے کچھ یاد آیا تھا وہ لفظ وہ سنہرے موتیوں سے الفاظ۔۔۔

"مجھے شام سے پہلے کا وقت بڑا اچھا لگتا ہے شور تھمنے لگتا ہے ہر طرف خاموشی ہوتی ہے۔۔۔ اور آسمان طرح طرح کے پرندوں سے اٹ جاتا ہے جو شام سے پہلے پہلے اپنے ٹھکانوں کی طرف رخ کرتے ہیں۔۔۔ اور شام کے بعد کا اندھیرا تو پرندوں کو بھٹکا دیتا ہے اور کبھی کبھی انسانوں کو بھی۔۔۔"

اشعر عالم نے آسمان کی طرف نظر دوڑائی تھی۔۔۔ خاکستری چڑیاں، کونجیں، بگلے قطار در قطار آسمان کی وسعتوں میں پھیلے ہوئے اپنے ٹھکانوں کی طرف جا رہے تھے۔۔۔ وہ شام کے بعد کے اندھیرے میں بھٹکنے سے خوف کھاتے تھے۔۔۔ پیچھے سے دھپ کی آواز آئی تھی۔ پلٹ کر دیکھا۔۔۔ نہناں حیرت سے اسی ڈائری کو دیکھ رہی تھی جو اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ارانی غالیچے پر گری ہوئی تھی۔۔۔ نفیس اور خوب صورت کور۔۔۔

"میں۔۔۔ میں جانتی ہوں کہ یہ ڈائری کس کی ہے۔" نہناں کی سرگوشی کمرے میں بازگشت کی طرح گونجی تھی۔۔۔ کھڑکیوں کے پار اترتا شام کے بعد کا اندھیرا ہر بار بھٹکایا نہیں کرتا۔۔۔ کبھی کبھی وہ کھوئی ہوئی منزلوں کا "نشان" ہو جایا کرتا ہے۔

☆ ☆ ☆

میری ڈائری کا اختتامیہ

کبھی کبھی جب زندگی ہمیں خود ترسی کے دروازے پر جا کر کھڑا کرتی ہے تو پیچھے سے ایک اور دستک سنائی دیتی ہے اور مجھے بھی وہ دستک ہکا بکا کر گئی تھی اور یہ دستک دی بھی تو میری اکلوتی یار غار نہناں عرف سنڈریلا۔۔۔ مجھے ایک شک تو یہ بھی ہے کہ نہناں سنڈریلا سے بھی زیادہ خوب صورت ہے، مگر یہ بات میں نے اسے کبھی نہیں بتائی۔۔۔ خوامخواہ سر چڑھ جاتی۔۔۔ ذرا تعریف کر دو اور اسے پھول کر کپا ہونے میں ایک لمحہ لگتا ہے۔ خیریات ہو رہی تھی اس دستک کی۔۔۔ اور اس دستک کی آواز سنڈریلا کی تھی۔

"جب تمہیں یہ پتا چلے کہ کوئی تمہاری محبت میں ڈوب چکا ہے اور وہ بھی بغیر تمہیں دیکھے۔"

"یہ کون سی صدی کی بات ہے؟" میں نے گھورا تھا۔

"محبت تو ہر صدی کا قصہ ہے۔۔۔" وہ گنگنائی تھی۔۔۔ دل چاہا چماٹ رسید کر دوں مگر نہ وہ پہلے خوب ترسائے گی پھر اصل جواب اگلے گی۔

"مجھ سے پہیلیاں نہ بجھواؤ۔۔۔ میں ہار جاؤں گی۔" میں روہانسی ہوئی تھی۔

"تمہیں وہ ڈائری یاد ہے جو صرف اور صرف تمہاری "ذاتی" ڈائری تھی۔۔۔ جو میرے ہزار بار مانگنے کے باوجود بھی تم نے مجھے پڑھنے کو نہیں دی تھی۔۔۔ وہ ڈائری کہاں ہے؟" وہ مجھ سے اس ڈائری کا پتا پوچھ رہی تھی جس پر میں کب سے فاتحہ پڑھ چکی تھی میں نے اسے گھورا تھا۔

"تم نے چوریاں، ڈاکے بھی شروع کر دیے۔۔۔؟" یہ خوف ناک سوال نہناں کو پریشان کر گیا تھا۔

"میں نے۔۔۔ میں نے تو چوری نہیں کی۔"

"تو پھر گڑے مردے اکھاڑنے کا مقصد۔۔۔؟"

"اتنے خوف ناک کام میں نہیں کرتی۔"

"تو پھر۔۔۔؟"

"وہ ڈائری تم بھائی کے آفس چھوڑ آئی تھیں۔۔۔ اب وہ بھائی کے پاس ہے۔"

"واپس نہیں کر سکتا تھا مجھے۔۔۔" میں نے ناراضی

دکھانے کی کوشش کی تھی۔۔۔ مگر بے سود۔
"اسے الہام نہیں ہوا تھا کہ وہ تمہاری ہے۔"
جواباً "میری ناراضی میرے سر پر منڈلانے لگی تھی۔
"پھر اب کیسے پتا چلا۔۔۔؟" وہ استعاروں' اشاروں' کنایوں میں لکھی باتیں میرا کیسے سراغ دے گئی تھیں' حیرت صد حیرت۔۔۔ نہنال برآمدے کے پلر سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔
"میں نے دیکھی تو مجھے خیال آیا کیونکہ میں کئی بار اسے ہتھیانے کی ناکام کوششیں کر چکی تھی" خاصے فخر سے سینہ چوڑا کر کے سنڈریلا اپنی یہ برائی مجھ سے بیان کر رہی تھی۔۔۔ یہ الگ بات ہے کہ اکثر ایسی صورت حال میں وہ ایسا کرتی رہتی ہے۔۔۔ ہاتھ اٹھائے اور مسکرا دی "او کے۔۔۔ او کے اب سنجیدہ ہو جاتی ہوں اصل میں میرے بھائی تم سے ملنا چاہتے ہیں۔۔۔" اور میں حیرت سے اصنام تراشوں کا بغیر تراشا ہوا بت بن گئی تھی۔
وہ خوبرو' بھوری آنکھوں اور روشنی سے بھرپور رنگت والا شخص مجھ سے ملنا چاہتا تھا۔۔۔
میں برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی تھی اور وہ کافی فاصلے پر بیٹھا تھا۔۔۔ سر جھکائے۔۔۔ کوئی تمہید باندھنے کی سعی کرنے کی کوششیں کرتا ہوا۔ گزری شام ٹھنڈی ہواؤں کے ساتھ جھکڑ چلے تھے سارا آنگن اور برآمدہ نیم کے پتوں سے اٹا پڑا تھا۔۔۔
"آپ کو پتا ہے آپ لوگوں جیسی کیوں نہیں ہیں؟" جب وہ خبر رکھتا تھا تو پھر بے خبری دکھانے کی کیا تک بنتی تھی! نیم کے پیڑ پر کال کلیجیاں آکر بیٹھ گئی تھیں۔
"کیوں کہ لوگ بھی میرے جیسے نہیں ہیں۔۔۔" میرا جواب ادھورا تھا' مگر انداز مکمل تھا۔ وہ مسکرایا تھا اور ویسی مسکراہٹ میں نے آج تک نہیں دیکھی۔۔۔ ہونٹ مسکرائیں اور آنکھیں جگنو ہو جائیں۔
"لوگ کبھی آپ جیسے نہیں ہو سکتے۔۔۔ ہالہ اکرام۔۔۔ آپ وہ ہیں' جو حیرت ہیں۔۔۔ اسرار ہیں۔۔۔ سحر ہیں۔۔۔ جتنا بھی کھوجو گے۔۔۔ الجھ جاؤ گے۔۔۔ اور پھر سر ہو

جاؤ گے۔" وہ میری طرف نہیں دیکھ رہا تھا اور میں اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔۔۔ اور شرارتی کال کلیچھاں بھی ادھر نظریں گاڑے ہوئے تھیں۔

"مجھے پہیلیاں بوجھنی نہیں آتیں۔" میں نے شرمندگی سے اعتراف کیا تھا۔

"جن کو کھو کھلے قہقہے لگانے کا فن آتا ہو وہ پہیلیاں نہیں بوجھا کرتے۔" مجھے خوف محسوس ہوا تھا۔۔۔ وہ قہقہوں کی موجد سے کیسے سوال و جواب کرنے آیا تھا۔۔۔ وہ سنہری شخص جس کی روشن پیشانی پر اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔

"آپ کیا کہنے آئے ہیں؟" میں نے سوال کیا اور اشعر عالم نے ہنکارا بھرا تھا۔۔۔ مردانہ پرفیوم نیم کی گھٹی باس میں مدغم ہو کر پراسرار ہوا تھا۔۔۔ مزید پراسرار۔۔۔ انسان پراسرار ہوتے دیکھے تھے آج خوشبو میں بھی دیکھ لیں۔۔۔

"آپ محبت پر یقین رکھتی ہیں؟" مجھے وہ رات یاد آئی تھی رومانوی خطوط بھیگے ٹشو پیپرز۔

"میں محبت پر یقین رکھا کرتی تھی۔"

"اب نہیں رکھتیں۔۔۔؟" مجھے وہ لہجہ بڑا مایوس لگا تھا۔۔۔ ٹوٹا کانچ سا۔

"رکھنا بھی نہیں چاہتی۔"

"وجہ پوچھ سکتا ہوں۔۔۔؟" وہ بھی حساب کتاب کے لیے آیا تھا۔۔۔ ہوا نیم کے پتوں میں سرسرانے لگی تھی۔

"ڈائری میں لکھ چکی ہوں شاید۔" میں نے پہلو سے ٹیک لگالی۔۔۔ وہ ویسے کا ویسا بیٹھا رہا۔

"ہر شخص کو ایک پیمانے سے مت پرکھا کریں۔"

"پہلی محبت کو ماپتے ماپتے پیمانہ ہی ٹوٹ چکا ہے۔" اس بار اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا تھا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔۔۔ اور دوسرے پہلو سے ٹیک لگالی تھی۔

"میں ہمیشہ اردگرد کے لوگوں کو محبت پر بحث کرتے دیکھتا تھا اور حیران ہوتا تھا۔۔۔ سوچتا بھی تھا کہ ہوش و خرد سے بیگانہ کر دینے والے اس جذبے کے لیے لوگوں کے پاس کتنا وقت ہوتا ہے نا۔۔۔ شاید وقت کو میری یہی سوچ عجیب لگی اور پھر مجھے بھی محبت ہو گئی۔۔۔ اور پتا ہے کس سے ہوئی؟" وہ مجھ سے اپنی محبت کی بابت پوچھ رہا تھا۔۔۔ میں نفی میں سرہلاتی نیم کے موٹے تنے کو دیکھنے لگی۔۔۔ اور میں بے نیازی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

وہ پھر مسکرایا تھا۔۔۔ مجھے اس کی مسکراہٹ ہواؤں میں گھلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہالہ اکرام۔۔۔" اور میں برف ہو گئی تھی۔۔۔ ٹھنڈی۔۔۔ جامد۔۔۔ وہ سنہری شخص پگھل رہا تھا۔۔۔ قطرہ قطرہ۔

"میں نے آپ کو دیکھے 'جانے' ملے بغیر آپ سے محبت کر لی۔۔۔ یہ شاید دنیا کی بہت سی عجیب باتوں میں سے ایک عجیب بات ہے۔۔۔ عجیب ہونے کے ساتھ ساتھ خوب صورت بھی۔۔۔ آپ کے لفظوں نے مجھے اسیر کر لیا۔۔۔ مجھے لگا یہ سحر مجھے مدتوں جکڑے رکھے گا۔۔۔ آپ کا ہر لفظ' ہر جذبہ میرے لیے احترام کا باعث ہے۔۔۔ لوگ آپ کو نہیں جانتے مگر میں آپ کو جانتا ہوں۔۔۔ آپ کے ابا آپ کو نہیں جانتے تھے۔۔۔ سنڈریلا آپ کو نہیں جانتی تھی۔۔۔ مگر میں جان گیا۔" میں کسی شہر طلسم میں قید تھی۔۔۔ جس کے دروازوں کی چابیاں گم ہو چکی تھیں اور ان کی تلاش جاری تھی۔

"میں نے مکمل تو نہیں مگر کچھ کچھ آپ کی طرح زندگی گزاری ہے۔۔۔ ریت کے محل بناتے بناتے حوصلوں کی تعمیر میں لگا رہا۔۔۔ پیرنٹس کی حادثاتی موت کے بعد میں نے بھی لوگوں کو بدلتے دیکھا ہے۔۔۔ اور میں نے ہمیشہ حوصلے ہارے ہیں آپ نے قہقہے ایجاد کر لیے۔۔۔ اور میں وہ بھی نہیں کر پایا میں نے تو اپنے آپ کو کسی سائیلنس زون میں داخل کر لیا۔۔۔ جہاں صرف اور صرف خاموشیاں ہوتی ہیں۔۔۔ آپ نے خاموشیوں کی آوازیں سنی ہیں ہالہ۔۔۔؟" وہ خوبرو بھیگے لہجے والا مجھ سے خاموشیوں کی آوازوں کا قصہ جاننا چاہ رہا تھا ابا کے گزر جانے کے بعد میں یہی تو کر رہی تھی۔۔۔ میں بھی تو کسی سائیلنس زون میں تھی۔۔۔ کسی ایسے احاطہ سکوت میں جہاں آوازیں ہی آوازیں ہیں۔

"میں نے سنی ہیں۔" میں نے اعتراف کیا تھا میں جانے کیوں جھوٹ نہ بول پائی تھی وہ بھی تو ساری خبر رکھتا تھا۔

"جب ایسے سانجھ کے رشتے نکل آئیں تو محبتوں کے وجود پر یقین کر لینے میں کوئی قباحت تو نہیں؟" وہ سوال بڑا محتاط سا تھا۔ اور میرا جواب محتاط تر تھا۔

"میں قہقہوں کی ایجاد کا فن بھول چکی ہوں۔"

"میں نے روشن مسکراہٹوں کی تقسیم کا فن سیکھ لیا ہے۔" وہ تیسری بار مسکرایا تھا شاید۔ اور اس کی مسکراہٹ واقعی روشن تھی۔ سیڑھیوں پر پڑے پتے اڑنے لگے تھے۔ میں انہیں دیکھے گئی۔

"اگر کوئی آپ کے لیے مسکراہٹوں کے تحفے لائے تو قبول کر لیں گی۔ سچی مسکراہٹیں" بہت ضبط پر یہ سوال بڑا بھاری تھا۔

"سوچوں گی۔" میں نے مکمل اطمینان سے کہا تھا۔ وہ ہولے ہولے چلتا میرے پاس آیا تھا۔

"آپ میرے بارے میں سوچیں گی۔ میرے لیے اعزاز کی بات ہے۔ آپ زمانے سے ہٹ کر ہیں اور میں بھی آپ کو زمانے سے ہٹ کر ملوں گا" ہنستا مسکراتا مجھے بہت سے اعزازات سے نوازتا اشعر عالم سکتے میں ڈھال گیا ہے۔

وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے جا رہا تھا۔ اس کی چال میں بلا کا سکون اور تمکنت تھی۔

پلٹ کر مسکرایا۔ پھر بولا "آپ کے ساتھ ہنس بھی سکتا ہوں، آپ کے لیے رو بھی سکتا ہوں۔ جان دینے کا کہیں گی تو وہ بھی دے دوں گا۔ آپ کی محبت نے مجھ پریکٹیکل آدمی کو شاعری سکھا دی ہے۔" ہولے سے ہاتھ لہراتا وہ چلا گیا تھا۔ میں سیڑھیوں پر بیٹھی رہی۔ اور پھر کھلے قہقہوں کی موجد نے روشن مسکراہٹ چہرے پر سجا کر ماضی کی رات کو کھنگالا تھا۔

"ڈیئر ابا۔ یاد رکھیے گا آپ کی بیٹی عام لوگوں میں عام سی نہیں ہے۔ بہت خاص ہے اور اس کے لیے کوئی خاص ہی آئے گا۔"

میں سوچ رہی ہوں کہ اپنے اقوال زریں کی ڈائری کو خود ہی مرتب کر لوں۔ سنڈریلا آتی صدیوں تک یہ کام نہیں کر سکے گی۔ بڑی کام چور ہے مگر اچھی دوست ضرور ہے اب یہ پتا لگانا باقی ہے کہ اچھی نند بھی ہے کہ نہیں اب ہر کوئی ہر فن مولا ہونے سے تو رہا۔

اقوال زریں کی کتاب کا آخری قول پڑھتے جائیں۔

"ہر شخص کے پاس اپنے اپنے ظرف کی صراحی ہوتی ہے۔ کچھ کم بھری ہوتی ہیں۔ کچھ زیادہ بھری ہوتی ہیں۔ کچھ تو بالکل ہی خالی ہوتی ہیں۔ آپ اپنی صراحی ہمیشہ بھری ہوئی رکھیے گا۔ پھر زندگی کبھی آپ کے لیے مشکل نہیں رہے گی۔"

میں سورج کی پہلی کرن ہوں
میں بہار کا پہلا پھول ہوں
میں روشن مسکراہٹوں کی مالک ہوں

ہاں۔۔۔ میں ہوں۔
میں جو ہالہ اشعر عالم ہوں۔
اس سنہری ڈائری میں زندگی کا ہر لمحہ بند ہو چکا ہے۔
زندگی جو شہد کی مٹھاس اور املی کی کھٹاس جیسی ہے۔

✡ ✡ ✡

ست رنگی قمقموں کی بارش میں وہ محل سا گھر جیسے ستاروں کا جھرمٹ ہو رہا تھا۔ وہ اپنی بیوی کا ہاتھ تھامے داخل ہوا تھا' ساڑھی پہنے ہنستی مسکراتی وہ وہی تھی جانے کیوں احمد سلیم کو وہ بڑی سوبر اور گریس فل سی لگی تھی۔ وہ چلتا ہوا اس کی طرف آیا تھا۔

"اچھی لگ رہی ہو" ہالہ زبردست انداز میں مسکرائی تھی۔۔۔ روشن مسکراہٹ۔

"میں ہمیشہ سے ہی اچھی ہوں۔" اس کے لمبے بال پشت پر گر رہے تھے۔ غلافی پلکیں اٹھی ہوئی تھیں۔

"تم پہلے ہی اتنے برے تھے یا اب اور بھی زیادہ ہو گئے ہو؟" وہ سوال تھا یا آگ کا کوئی گولا۔۔۔ احمد سلیم چاہ کر بھی فیصلہ نہ کر پایا تھا۔

"تم اب بھی وہی ہو۔ تم جیسے لوگ زندگی میں کچھ نہیں کر سکتے اب بھی کسی کی پرسنل سیکرٹری بنی گھوم رہی ہو۔" وہ ٹائی کی ناٹ درست کرتا لفظ پرسنل پر زور دیتا آگے بڑھ گیا تھا۔ وہ چند ثانیے کھڑی پرسکون سی ادھر دیکھتی رہی جس طرف وہ گیا تھا پھر ویٹر کو اشارے سے بلایا تھا۔

"جی میم۔۔۔ حکم کریں" باوردی مودب ویٹر سامنے آن کھڑا ہوا تھا روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔

"مسٹر حماد اور مسز حماد کا خاص طور پر خیال رکھنا" ویٹر کو اشارے سے سمجھاتی وہ اسٹیج پر چلی گئی تھی جہاں وہ روشن پیشانی اور بھوری آنکھوں والا شخص اس کے احترام میں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔۔۔

وہ اپنی ازلی شاہانہ چال کے ساتھ تمکنت اور وقار کے ساتھ اس کے پہلو میں بیٹھی مسکراتی رہی۔۔۔ اور بریسلیٹ گھماتی رہی۔۔۔ وہ مائیک پر کچھ بول رہا تھا اور وہ توجہ سے سن رہی تھی۔

"ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے اور یہ سچ ہے۔۔۔ اس کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ میری مسز ہالہ اشعر عالم۔۔۔ میری روکھی پھیکی اور بور سی زندگی میں رنگ انہی نے بھرے ہیں' یہ ایک بہت اچھی پینٹر ہیں اور یہ واحد مصورہ ہیں جو تصویروں میں نہیں زندگی میں رنگ بھرتی ہیں' آئی لو یو ہالہ۔۔۔" اشعر عالم نے اسے کچھ بولنے کو بلایا تھا۔

وہ متوازن چال چلتی ڈائس پر جا کھڑی ہوئی تھی سامنے دیکھا احمد سلیم دھواں دھواں سا چہرہ لیے بیٹھا تھا ہالہ اکرام نے بے نیازی سے نظریں پھیر لیں۔۔۔ سنڈریلا اگلی نشستوں پر بیٹھی ہولے ہولے مسکرا رہی تھی۔ آج کل وہ کچھ زیادہ ہی دانت نکالتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔

اس نے دھیرے سے اپنی ڈائری کا درمیانی صفحہ کھولا تھا۔۔۔ سچے موتیوں سے لفظ سجے تھے۔

"کچھ باتیں' ہم ہمیشہ غلط سوچتے ہیں۔ یہ بات غلط ہے کہ انسانوں میں فرق کرنے والی چیز دولت ہے۔ مگر میں کہتی ہوں فرق کرنے والی چیز "سوچ" ہوتی ہے اچھی سوچ امیر ہونے کی دلیل ہے اور بری سوچ غربت کی وجہ ہوتی ہے۔

تالیوں کی گونج میں وہ سج سج کر اشعر عالم کا ہاتھ تھامے اتر رہی تھی۔

انہوں نے کالونی کی سڑکوں پر واک کرنے جانا تھا۔

دھند میں لپٹی تارکول کی سڑک پر پوسٹ لیمپ کے نیچے بیٹھ کر ڈھیروں باتیں کرنا تھیں۔ چائے کے کپوں سے اٹھتی بھاپ وسفید کی خوشبو' زرد زرد سی روشنی' ہلکی ہلکی دھند اور ساتھ ہی آگ کا ہلکا ہلکا بھڑکتا الاؤ' شاید زندگی کی سب سے بڑی فینٹسی ہوتی ہے۔

اور کان کا بالا گھماتی ہوئی وہ اشعر عالم کے کان کے پاس ہولے سے گنگنائی تھی۔

میرے سامنے دلیلوں کے انبار سجانے والے اشعر
اب مجھے بانگ عشق سکھا۔۔۔!!

✡ ✡

مکمل ناول

مقدس مشعل

تیاری مکمل ہو جانے کے بعد اس نے ایک بار پھر خود کو آئینے میں دیکھا۔ آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے اس کے لبوں پر آپ ہی آپ اک مسکراہٹ سی آ گئی۔ ذرا سے بناؤ سنگھار نے اسے غضب کا روپ دے دیا تھا۔ میرون کلر کا سوٹ جس کی آستینیں نیٹ کی تھیں اور گلے کے اوپری حصے پر بھی نیٹ ہی تھا اس پر خوب جچا تھا۔ اس کی سفید رنگت اس کلر کے کپڑوں میں مزید نکھر گئی تھی۔ سوٹ ایک ہی رنگ میں تھا اور اس پر کوئی کام بھی نا تھا۔ شاید اس سوٹ سے کسی کی چاہت اور جذبات کی مہک اٹھ رہی تھی کہ اس کا وجود مسحور ہو رہا تھا۔ یہ سوٹ اس نے انہی ڈریسز میں سے چنا تھا جو منگنی پہ سسرال والوں کی طرف سے آئے تھے۔ حنا (نند) نے بتایا تھا کہ یہ سوٹ سلیمان نے خود ڈیزائن کروایا ہے۔ اور آج جب پہلی بار اس نے ہونے والے سسرال کی طرف سے ملی ہوئی چیزوں میں سے کچھ استعمال کیا تو یہ سوٹ ہی تھا۔ سوٹ سے ہم رنگ نگوں والی نفیس سی جیولری' خوب صورت سا ہیئر اسٹائل' مناسب سا میک اپ' میچنگ ہیل۔ میچنگ چوڑیاں' وہ بڑے دل سے تیار ہوئی تھی۔ وہ کبھی بھی بننے سنورنے کی عادی نہیں رہی تھی۔ فطری طور پر وہ سادگی پسند تھی صرف اپنی منگنی کے دن وہ اسپیشل تیار ہوئی تھی۔ اس وقت اس کی تیاری اپنی کزنز کی وجہ سے تھی۔ اور آج اس کی تیاری خاص اس کے لیے تھی جو اس زندگی بھر کا ساتھی بننے جا رہا تھا۔

منگنی کے دو ماہ بعد' یہ ان دونوں کی آپس میں پہلی باضابطہ ملاقات تھی جو ابھی ہونے والی تھی۔ ارسہ کے دل کی دھڑکنیں عجب دھن چھیڑ رہی تھیں۔ ہونٹوں سے شرمائی شرمائی مسکان الگ ہی نا ہو رہی تھی۔ کوئی انوکھی سرگوشیاں تھیں جو بے آواز آس پاس گونج رہی تھیں اور وہ خواہ مخواہ خود میں سمٹے جا رہی تھی۔ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر پڑے موبائل کی میسج ٹون نے اسے متوجہ کیا تو آگے بڑھ کر اس نے موبائل اٹھایا اور ان بوکس کھولا۔

"مائی سویٹ ہارٹ! آئی ایم کم انگ (میں پہنچ رہا ہوں)..." سلیمان کا میسج تھا۔ وہ پڑھ کر مسکرائی۔

☼ ☼ ☼

ارسہ کو میسج سینڈ کرنے کے بعد اس نے لاسٹ ٹائم خود کو آئینے میں دیکھا۔ آف وائٹ کلر کے ڈنر سوٹ میں ملبوس وہ بے حد گریس فل اور چارمنگ لگ رہا تھا۔ آج اس کی چوبیسویں سالگرہ تھی۔ صبح ہی صبح اسے ڈھیروں ایس ایم ایس وصول ہوئے۔ جو زیادہ تر دوستوں اور کچھ رشتے داروں کے تھے۔ سب ہی نے اسے وش کیا تھا اور کچھ بے تکلف دوستوں نے پارٹی ارینج کرنے کا مشورہ بھی دیا۔ مگر اس نے گھر والوں سمیت باقی سب ہی سے معذرت کر لی کہ وہ آج کا دن ان کے ساتھ سیلیبریٹ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ منگنی کے بعد یہ اس کی پہلی برتھ ڈے تھی لہٰذا وہ یہ موقع صرف ارسہ کے ساتھ سیلیبریٹ کرنا چاہتا تھا۔ ارسہ سے روبرو ملاقات کے تصور میں اس کی آنکھوں میں ہلکا ہلکا خمار سا اتر رہا تھا۔ دل کی دنیا سرمستی میں ڈوب رہی تھی۔ بہت سے الفاظ تھے جو لبوں سے پھسلنے کو

بے تاب تھے۔ ارسہ نا صرف اس کی منگیتر تھی بلکہ پہلی محبت اور چاہت تھی۔ محبت بہت مسرور اور شاد تھی اس کی۔ جس کو چاہا تھا وہ بھی اسے چاہتی تھی اور اس کے نام سے منسوب تھی۔ یہ خوشی آج کل اسے ہواؤں میں اڑائے پھر رہی تھی۔

"اے لکی مین دیر نا کرو اور نکلو اب۔" قد آور آئینے میں سر تاپا خود کو دیکھتے ہوئے وہ زیر لب خود سے مخاطب ہوا۔ پھر سامنے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا موبائل اٹھایا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ ابھی سیڑھیوں پر تھا جب اسے ارسہ کا میسج ملا۔ "آئی ایم ویٹنگ" (میں انتظار کر رہی ہوں) پڑھ کر وہ بے ساختہ مسکرایا اور گنگناتے ہوئے گاڑی تک آیا۔

☼ ☼ ☼

گاڑی کا ہارن سن کر وہ بے اختیار کھڑکی کی طرف آئی۔ پردہ ہٹایا۔ کھڑکی کا پٹ کھولا اور نیچے دیکھا گیٹ سے چار فٹ کے فاصلے پر گاڑی کھڑی کیے وہ اندر ہی بیٹھا تھا۔ نجانے احساس کا کون سا تعلق تھا کہ اسی وقت سلیمان نے سر اٹھایا اور اس کی طرف دیکھ کر ہاتھ کے اشارے سے بلایا۔ "شاید اس کا گھر آنے کا ارادہ نہیں ہے۔" وہ سوچتے ہوئے کھڑکی سے پیچھے ہٹی۔ الماری سے ہینڈ بیگ نکالا اور کمرے سے نکل گئی۔ تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے ٹی وی لاؤنج میں پہنچی۔ جہاں شگفتہ بیگم کے علاوہ بھابھی بھی موجود تھیں۔ مما نے ٹی وی پر سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا اور زیر لب ماشاءاللہ بولیں۔

"مما سلیمان باہر گاڑی میں ویٹ کر رہا ہے۔" اس نے اجازت طلب انداز میں کہا۔

"اٹس اوکے بیٹا جاؤ۔" مما نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

"مما وہ لانگ ڈرائیونگ پہ جانے کا بھی کہہ رہا تھا۔" اس نے کچھ ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"یعنی تھوڑی دیر ہو سکتی ہے۔ مگر زیادہ دیر نہیں کرنا اور خیال سے۔ اوکے جاؤ۔" مما نے اسی انداز میں کہا۔

"یار منگیتر ہے تمہارا اتنی کنفیوژڈ ہو کر نہیں جاؤ۔ وہ اپنی زندگی کا اہم ایونٹ تمہارے صرف تمہارے ساتھ سیلیبریٹ کر رہا ہے۔ کانفیڈینٹلی جاؤ۔" بھابھی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ تو وہ مسکراتی ہوئی خدا حافظ کہہ کر ٹی وی لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ سامنے دیکھا چوکیدار گیٹ کھول رہا تھا۔ وہ ٹھٹکی۔۔۔ پھر پاپا کی گاڑی کو اندر داخل ہوتے دیکھا تو آگے بڑھی۔

"السلام علیکم اینڈ گڈ ایوننگ۔"

"وعلیکم السلام۔۔۔ ارسہ بیٹا آپ سلیمان کے ساتھ جا رہی ہو؟" جواب دیتے کے ساتھ ہی انہوں نے عجیب سے انداز میں پوچھا۔ وہ اسے باہر گاڑی میں دیکھ چکے تھے۔

"جی پاپا جان۔" اس نے فوراً جواب دیا۔

"ارسہ بیٹا۔۔۔ آپ اس کے ساتھ نہیں جاؤ گی۔" ان کے انداز میں سرد مہری تھی۔

"کیوں پاپا؟" وہ حیران ہوتے ہوئے بولی۔ کل رات انہوں نے بتا اس کے کہے خود سے اسے سلیمان کی خواہش سے آگاہ کیا اور اس کے ساتھ جانے کی اجازت دی تھی۔ اب ایسی کیا بات ہو گئی کہ اب جب وہ جا رہی تھی تو انہوں نے منع کر دیا۔ وہ حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ مذاق کر رہے تھے یا سیریس تھے وہ یہ ہی کھوج رہی تھی۔ جب وہ مزید کھٹور پن سے بولے۔

"تم بھی کوئی سوال نہیں کرو' جو پاپا نے کہا ہے اس پر عمل کرو۔ یہ میرا حکم ہے۔" پھر انہوں نے اشارے سے چوکیدار کو بلایا۔ "گلاب خان باہر گاڑی میں جو صاحب بیٹھے ہیں ان سے کہو واپس چلے جاؤ کسی کا انتظار مت کریں۔" چوکیدار کے قریب آنے پر انہوں نے ایسے کہا جیسے کسی اجنبی کے لیے کہہ رہے ہوں۔ ارسہ پر تو حیرانگی کے پہاڑ ٹوٹے ہی چوکیدار بھی

آنکھیں پھاڑ کر حیرت سے باپ بیٹی کو دیکھنے لگا۔ باہر گاڑی میں کون صاحب تھے وہ بھی جانتا تھا۔ وہ نا صرف یوسف کمال کے قریبی دوست کے بیٹے تھے بلکہ مستقبل میں ان کے ہونے والے داماد بھی تھے۔ صاحب جی کے حکم پر حیران پریشان ہوتا وہ گیٹ کی طرف بڑھا۔ بابا کے الفاظ اور انداز پر ڈولتی وہ واپس ٹی وی لاؤنج میں آگئی۔

"کیا ہوا ارسہ! اتنی پریشان کیوں نظر آرہی ہو، گئیں نہیں ابھی؟ کیا سلیمان واپس چلا گیا؟" اسے دیکھتے ہی مما نے ایک ساتھ سوالات کیے۔ سونیا بھی تعجب سے اسے دیکھ رہی تھی شاید اس کے چہرے کے تاثرات ہی ایسے تھے۔

"اسے میں نے منع کیا ہے۔" اندر داخل ہوتے یوسف کمال نے بارعب انداز میں کہا۔ وہ ہمیشہ ہنستے مسکراتے گھر میں داخل ہوتے تھے۔ مگر آج تو ان کے تیور ہی الگ تھے۔ آنکھوں میں لالی۔ چہرے پر غضب اور لہجے میں سختی.....

"مگر کیوں.... آپ نے کیوں منع کر دیا۔ منگنی کے بعد آج ہی پہلی بار وہ دونوں ایک ساتھ باہر جا رہے ہیں۔ سلیمان کی برتھ ڈے ہے اور آپ سے پرمیشن بھی لی تھی اس نے۔ اب وہ ارسہ کو لینے آیا ہے اور آپ نے منع کر دیا۔ وہ برا نا مان جائے۔" شگفتہ بیگم اگرچہ تشویش میں مبتلا تھیں پھر بھی رسان سے بولیں۔

"اونہہ.... برا نا مان جائے۔ جو کچھ اس کے باپ اور بھائی نے مل کر میرے ساتھ کیا ہے ہمیں اس کا منہ کالا کر کے بھیجوں تو یہ بھی کم ہے ابھی تو عزت سے واپس جانے کو کہا ہے۔" یوسف کمال کا انداز تو غضب ناک تھا ہی الفاظ بھی انتہائی توہین آمیز تھے۔ وہ تینوں ہکا بکا سی انہیں دیکھنے لگیں۔ اسی وقت دروازہ کھلا اور الجھا الجھا سا سلیمان اندر داخل ہوا۔ پہلی نظر ارسہ پر پڑی جو سامنے ہی کھڑی تھی بے حد پریشان سی.... مگر وہ ایسی دلکش اور حسین لگ رہی تھی کہ سلمان کے ماتھے کے سلوٹیں خود بخود دور ہو گئیں.... کچھ لمحوں کے لیے اس کی نظریں ارسہ کے سراپے میں ہی الجھی رہیں۔ بڑی دقت ہوئی نظروں کا رخ بدلنے میں.... دبیز سی خاموشی چھائی ہوئی تھی ٹی وی لاؤنج میں.... سب ہی کے چہروں پر حیرانگی و پریشانی کے آثار تھے۔ سوائے انکل کے.... ان کے انداز میں غصہ اور درشتی صاف نظر آرہی تھی۔ گلاب خان نے جوان کا میسج دیا تھا اسے سن کر وہ بھی حیران ہی رہ گیا تھا اور صورت حال جاننے کے لیے اندر آیا تھا۔

"السلام علیکم۔" اسے دیکھ کر کسی کے انداز میں گرمجوشی نہیں آئی تھی۔ لہٰذا وہ بھی نپے تلے انداز میں بولا۔

"وعلیکم السلام" صرف شگفتہ بیگم تھیں جنہوں نے آہستگی سے جواب دیا۔ یوسف صاحب کے غصہ کی وجہ کیا تھی' وہ خود لاعلم تھیں۔ مگر ان کے تیور ایسے تھے کہ داماد کی آمد پر خوشی کا اظہار نا کر سکیں۔

"میاں صاحبزادے تمہیں ہمارا پیغام نہیں ملا کیا؟" یوسف کمال تیزی سے اس کی طرف مڑے اور آگ اگلتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

"جی... جی انکل پیغام تو مل گیا مگر وجہ... میں وجہ جاننا چاہتا ہوں۔ آپ نے منع کیوں کیا اور آپ اتنے غصے میں کیوں ہیں۔" تو وہ گھبرا کر بولا۔

"جاؤ اور جا کر اپنے کمینے' دھوکے باز فراڈیے' خبیث اور نیچ باپ سے وجہ پوچھو! مجھ سے نہیں اپنے لالچی باپ سے وجہ پوچھو اور جرح کرو!" انہوں نے شاید پہلی بار گھر کے اندر ایسی زبان بولی تھی۔ وہ تینوں ایک دوسرے سے نظریں چرا کر رہ گئیں۔

"انکل آپ میرے ڈیڈی کے بہت لیے گھٹیا الفاظ استعمال کر رہے ہیں۔" نا چاہتے ہوئے بھی وہ غصے میں آ گیا اور لحاظ کرتے کرتے بھی ناپسندیدگی ظاہر کر گیا۔ ابھی کل رات تک تو سب ٹھیک ٹھاک تھا۔ اب اچانک ایسا کیا ہوا تھا کہ بے حد مہذب سے انکل ایسی زبان اگل رہے تھے۔ ان کے انداز میں ایسی توہین اور تناؤ تھا کہ اس کے لیے کم از کم ان سے کچھ جاننا مشکل تھا۔ اس کے باپ کے لیے کہے گئے الفاظ ایسے تھے کہ یہاں رکنا اب دشوار تھا چہ جائے کہ ارسہ کو ساتھ چلنے کا کہنا... اس رشتے سے پہلے' وہ اس کے باپ کے قریبی دوست بھی تھے۔ ان دونوں کے درمیان واقعی ہی کوئی گڑبڑ تھی یا کوئی غلط فہمی پیدا ہوئی تھی۔ اسے گھر جا کر ہی معلوم کرنا تھا۔ ایک بے اختیار' بے بس سی گہری نظر ارسہ پر ڈالنے کے بعد وہ مڑا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔

"آخر ایسا کیا ہو گیا جو آپ اس طرح برہم ہو رہے ہیں۔ آپ تو یہ بھی فراموش کر گئے کہ وہ ہمارا ہونے والا داماد ہے۔ یہ رشتہ کتنا حساس ہے آپ کو اندازہ ہے کیا؟" بڑے ضبط سے خاموش کھڑی شگفتہ بیگم' سلیمان کے جاتے ہی تشویش زدہ' گھبرائے انداز میں بولیں۔

"کچھ نہیں... آج ان لوگوں کی اوقات دیکھ لی... بھاڑ میں جائے یہ رشتہ۔ ایسے لوگ تو منہ لگانے کے قابل نہیں ہوتے کجا ان سے رشتہ جوڑا جائے۔ زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ شکر ہے میری بچی کی زندگی برباد ہونے سے بچ گئی۔ ایسے نیچ لوگوں سے رشتے داری کرتے کرتے بچ گیا۔ ارسہ بیٹا یہ میری غلطی تھی جو ان لوگوں کو پہچان نہیں سکا اس لیے ان کے ایک بار کہنے پر ہی رشتہ کر دیا۔ بیٹا بھول جاؤ اپنے باپ کی اس غلطی کو... اچھا ہوا تم نے سلیمان سے زیادہ میل جول نہیں بڑھایا۔ میں کمرے میں جا رہا ہوں۔ میرے سر میں درد ہے۔ ایک اسٹرونگ سا کپ چائے کا لے آؤ۔" بات کرتے ہوئے انہوں نے شگفتہ بیگم سے کہا۔ ان کے لہجے کا تناؤ کم تھا۔ مگر وہ ایک دم نڈھال سے لگنے لگے تھے۔ شگفتہ بیگم کچن کی طرف چل پڑیں۔ سونیا اور ارسہ انتہائی پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

کچھ دیر پہلے کا رومانٹک اور خوش گوار موڈ مکمل طور پر غارت ہو چکا تھا۔ اس وقت دل اور ذہن آپس میں الجھے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں ارسہ کا دلکش روپ سمایا ہوا تھا۔ جو دل کو بے چین کر رہا تھا اور ذہن میں یوسف کمال کی سخت باتیں گھوم رہی تھیں۔ وہ پوری بے دھیانی سے گاڑی چلا رہا تھا۔ رات کے وقت روڈ پر ٹریفک کا اژدھام سا تھا۔ ایک دو بار حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔ دل سو طرح کے وہموں میں جکڑا جا رہا تھا۔ انہی وہموں سے لڑتا جھگڑتا وہ گھر پہنچا۔

"سلیمان تم تو ارسہ کے ساتھ ڈنر کے لیے گئے تھے۔ اتنی جلدی واپسی بھی ہو گئی؟" وہ گھر کے اندرونی حصے میں داخل ہوا تو سیڑھیوں سے اترتیں فیروزہ بیگم نے حیرانگی سے پوچھا۔

"ممی ڈیڈی گھر آ گئے کیا؟" وہ ان سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے بولا۔

"ہاں آ گئے۔" فیروزہ بیگم اچنبھے سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔ وہ خاصا الجھا الجھا لگ رہا تھا۔ "وہ اوپر کامران کے ساتھ اسٹڈی روم میں بیٹھے کوئی بزنس میٹر پہ بات کر رہے ہیں۔" ممی نے بتایا ہی تھا کہ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر آیا۔ اسٹڈی روم تک کا فاصلہ اس نے محتاط طریقے سے طے کیا۔ اور دروازے

کے قریب آکر رک گیا۔ دروازہ تو بند تھا مگر اسٹڈی روم کی باہر کی طرف کھلنے والی کھڑکی کا ایک پٹ شاید کھلا ہوا تھا۔ اسٹڈی روم آخری کونے میں اوپن حصے کی طرف بنا ہوا تھا۔ کھڑکی تو اسٹڈی روم کی دیوار میں تھی مگر اس سے کچھ ہی فاصلے پر برابر میں گرل لگی ہوئی تھی اس گرل کے ساتھ کھڑے ہو کر اندر سے آتی آوازوں کو باآسانی سنا جاسکتا تھا۔ اور اندر سے آتی کامران کی آواز باآسانی اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔

"ڈیڈی ہم نے کچھ جلدی کردی۔۔۔ ہمیں سمجھنا چاہیے۔ سلیمان اور ارسہ کی شادی ہو جاتی تو شاید یہ سب آسان ہوتا۔ ہو سکتا ہے ہماری خواہش کو جان کر انکل خود ہی یہ فیکٹری ہمیں سونپ دیتے یا پھر ہم دباؤ بھی ڈال سکتے تھے۔ ان کی بیٹی اس گھر میں آجاتی تو وہ بیٹی کی خاطر خود ہی اپنے ہاتھوں یہ سب کرتے۔ اب تو وہ منگنی توڑنے کی دھمکی دے چکے ہیں۔ اس کے بعد وہ کوئی قانونی کارروائی بھی کرسکتے ہیں۔ وہ ابھی بھی بہت اسٹرونگ ہیں۔ کچھ بھی کرسکتے ہیں۔ ابھی وقت ہے آپ چاہیں تو معاملہ حل ہو سکتا ہے۔ آپ انکل سے معافی مانگ لیں یا اس سارے معاملے کو مذاق کا رنگ دے دیں۔"

"ارے احمق! میری اولاد ہو کر کیسی بے وقوفوں والی باتیں کر رہے ہو۔ یہ سب کرنے کا یہی مناسب ترین موقع تھا۔ میں یہ موقع گنوا دیتا تو ساری زندگی پچھتاتا۔ تم کیا جانو کتنے سالوں سے میں ایسے کسی موقع کی تلاش میں تھا۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ سلیمان اور ارسہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اسی وقت میں نے یہ منصوبہ سوچ لیا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ یوسف کمال کی چہیتی بیٹی کا رشتہ ہم لے لیں تو کیا ہوگا۔ یوسف کمال کا مجھ پر اعتماد کئی گنا بڑھ گیا۔ پہلے میں بھی یہی اسکیم بنائے ہوئے تھا کہ اس کی بیٹی کو اس گھر میں لانے کے بعد میں اسے اشارے سے اپنی بات سمجھاؤں گا۔ اگر وہ راضی برضا ہو گیا تو ٹھیک ورنہ بلیک میل کیا جاسکتا ہے۔ اس کی بیٹی کے ذریعے اسے مجبور کروں گا۔ مگر پھر یہ بھی خیال آیا کہ سلیمان ارسہ سے

جتنی محبت کرتا ہے۔ کیا وہ ایسے حالات میں میرا ساتھ دے گا یا بیوی اور سسرال کا ہو جائے گا۔ سلیمان ذرا مختلف ہے۔ مجھے اپنے ہی بیٹے سے خطرہ محسوس ہوتا جب میں اس ساری پلاننگ پہ غور کرتا اس لیے میں نے یہ موقع ہاتھ سے جانے ہی نہیں دیا۔ اپنا مقصد حاصل کرنے کا اس سے بہترین موقع اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ جہاں تک بات ہے یوسف کمال کی کاروائی کی۔۔۔ تو وہ زندگی میں اتنا بے بس کبھی بھی نا ہوا ہو گا۔ میں نے سارے کام پکے کیے ہیں۔ اگر اس نے قانونی کاروائی کی بھی تو اسے ناکامی ہی ہو گی۔ تم کم از کم اس معاملے میں پریشان نا ہونا۔" فرحان عباسی کی آواز اور لہجے میں مکرو عیاری کی آمیزش تھی۔

"واؤ۔۔۔ ڈیڈی۔۔۔ آپ نے بالکل ٹھیک سوچا اور ٹھیک کیا۔ مگر اب مسئلہ سلیمان کا ہے۔ اگر منگنی ٹوٹ گئی تو اسے کیا سمجھائیں گے۔ وہ تو بری طرح ارسہ میں انوالو ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ وہ اس رشتے سے دستبردار ہو جائے گا۔" کامران نے باپ کو سراہنے کے ساتھ ایک حساس نکتہ اٹھایا۔

"اگر مگر کیا۔۔۔ "منگنی تو ٹوٹ گئی۔۔۔ سلیمان اگرچہ تھوڑا مختلف ہے مگر میرا ہی خون ہے۔۔۔ میں کروڑ پتی ہو جاؤں تو اس کی شادی اربوں پتی لوگوں میں کروں گا۔ دولت کی ہوا لگ گئی تو بھول جائے گا ارسہ ورسہ کو۔۔۔ بس تم اسے یہ سارا معاملہ اس طرح سمجھانا کہ وقتی طور پر اس کا ذہن یوسف کمال کے خلاف ہو جائے۔ جوانی کی محبت کا ابال ایک دفعہ چڑھتا ہے پھر اتر جاتا ہے۔ ابھی اس پر یونہی ظاہر کرنا ہے کہ جیسے یوسف کمال نے ہمارا حق غصب کر رکھا تھا جو نا ملنے پر ہمیں یہ سب کرنا پڑا۔۔۔ یوسف کمال نے اگر بیٹی کی خاطر صلح کی طرف پیش قدمی کی تو کریں گے۔ میرا بیٹا ہی تو انوالو نہیں۔۔۔ اس کی بیٹی بھی انوالو ہے میرے بیٹے میں۔۔۔ اگر ایسا نا ہوا تو بھی مسئلہ نہیں۔ میرے نزدیک یہ رشتہ کوئی ویلیو نہیں رکھتا۔ یوسف کمال سیدھا بندہ ہے۔ ناک کی سیدھ میں چلنے والا۔ اس کے پاس میرے جیسا ہوشیار اور شاطر ذہن نہیں ہے۔ وہ کچھ نہیں کر سکے گا۔۔۔ ہمیں اس کو لے کے ٹینشن میں نہیں پڑنا چاہیے۔ ہمیں اب سلیمان کو ہینڈل کرنا ہے اور سلیمان کو ہینڈل کرنا تمہارا کام ہے۔ ہو سکے تو اسے ارسہ سے ہی بدظن کر دو۔" سلیمان کے لیے اپنے باپ کی مزید باتیں سننا دشوار ہو گیا تھا۔ وہ بے اختیار قدم آگے بڑھا اور جھٹکے سے دروازہ کھولا۔ فرحان عباسی اور کامران عباسی کے لیے اس کی آمد بالکل غیر متوقع تھی۔ چند لمحوں کے لیے ان پر سکتہ ساطاری ہو گیا۔

"یوسف انکل کے منہ سے آپ کے بارے میں برے القابات سن کر میرا خون گرم ہو گیا تھا۔ اور میں شش و پنج میں پڑ گیا تھا کہ بے حد خوش گفتار انکل میرے باپ اور اپنے عزیز دوست کے لیے کیسے الفاظ استعمال کر رہے ہیں۔ کہیں ان کا دماغی توازن تو گڑبڑ نہیں کر گیا۔ مگر اب آپ کی باتیں سن کر میرا خون کھول اٹھا ہے۔ اور مجھ پر آشکار ہو گیا ہے کہ میرا باپ حقیقتاً "ویسا ہی ہے جیسا انکل کہہ رہے تھے۔ ڈیڈی جو آپ نے کیا وہ سب قابل نفرت ہے۔ دھوکا اور فریب ہے یہ سب۔۔۔ انکل یہ سب ڈیزرو نہیں کرتے۔ آپ کو ان سے معافی مانگنی چاہیے اور اپنی غلطی تسلیم کرنی چاہیے۔۔۔ آپ دوستی کے رشتے کو بھی داغ دار کر رہے ہیں اور کسی کے اعتماد اور خلوص کی دھجیاں بھی اڑا رہے ہیں۔" اس کے اندر کچھ ٹوٹ رہا تھا اس کے جذباتی الفاظ اور بکھرا بکھرا لہجہ اس کی عکاسی کر رہا تھا۔

"ہوں تو تم اس کی بکواس بھی سن آئے ہو۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس خبیث انسان کے منہ سے جو بکواس تم نے سنی اسی وقت منہ توڑ جواب دیتے اور باپ کا دفاع کرتے مگر ایک لڑکی کی محبت میں تم باپ کے رشتے کی اہمیت ہی بھول گئے۔ اس میں قصور تمہارا نہیں بیٹا۔۔۔ میری غلطی ہے۔ جو تمہیں آج تک بچہ سمجھتا آیا ہوں اور تمہیں زندگی گزارنے کے لیے آسانیاں فراہم کرنے کی تگ و دو میں لگا رہا۔ دن رات محنت کی صرف اولاد کی سہولت کے لیے مگر کبھی تم لوگوں سے اپنی پریشانیاں شیئر نہیں کیں۔ اسی لیے تو تم نے باپ

کو دھوکے باز اور فریبی کا نام دے دیا۔ تمہیں معلوم ہے حقیقت کیا ہے۔ کیسے ساری زندگی غلامی کروائی ہے اس تمہارے انکل نے۔۔۔ آج وہ جو اتنا امیر کبیر ہے تو میری وجہ سے۔ اس کے کاروبار کو آگے بڑھانے میں صرف میرا ہاتھ ہے۔ دماغ کھپایا ہے اس کے لیے ۔۔۔ آج جو وہ دو دو فیکٹریوں کا مالک ہے تو میری وجہ سے ۔۔۔ مگر تم کیا جانو۔۔۔ تم تو تعلیم سے ابھی ابھی فارغ ہوئے ہو۔ باپ کے ساتھ کبھی کوئی اس موضوع پر بات کی ہو تو تمہیں اندازہ ہو۔۔۔ میں تمہاری مزید بدتمیزی شاید برداشت نا کر سکوں۔ جا رہا ہوں۔۔۔ کامران تم ہی اسے سمجھاؤ۔" ان کے لہجے کی ٹون بالکل ہی الگ تھی۔ پل بھر کے لیے سلیمان کو لگا کہ اس کا باپ بے قصور ہے۔ اور حق پر ہے۔۔۔ مگر وہ کچھ دیر پہلے ان کی باتیں جو سن چکا تھا۔ ان کو فراموش کرنا بھی ممکن نا تھا۔ فرحان عباسی وہاں سے جا چکے تھے۔ اسٹڈی روم میں اس وقت وہ اور کامران ہی تھے۔

"سلیمان تمہیں ڈیڈی سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ جبکہ تم اصل معاملے سے پوری طرح واقف بھی نہیں ہو۔" کامران نے رسان سے بات شروع کی۔

"بھائی جان جو کچھ میں نے انکل سے سنا اور جو کچھ یہاں آ کے سنا۔ آپ کیا توقع کرتے ہیں اس کے ردعمل میں مجھے کیا بولنا چاہیے تھا۔ ڈیڈی کو مبارک باد دیتا کہ انہوں نے اپنے مخلص اور سادہ دوست کو کامیابی سے دھوکا دے دیا۔" وہ نا چاہتے ہوئے بھی تلخی سے بولا۔

"نہیں سلیمان تم حقیقت نہیں جانتے۔" کامران نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"تو کیا کہانی گھڑی ہے مجھے سنانے کے لیے حقیقت کے نام پر؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ کامران اس کی آنکھوں کی چبھن کو برداشت نا کر پایا تو نظریں چراتے ہوئے بولا۔

"سلیمان بچپن سے لے کر آج تک ہم نے جب سے ہوش سنبھالا ہمیشہ انکل یوسف اور ڈیڈی کو ساتھ ساتھ دیکھا۔ وہ دونوں ایک ہی فیکٹری چلا رہے تھے۔ دونوں ایک جتنی محنت کرتے تھے ایک جتنا وقت دیتے مگر انکل اس فیکٹری کے مالک تھے اور ڈیڈی ان کے منیجر۔۔۔ یقین کرو ڈیڈی کے ساتھ جب میں فرسٹ ڈے فیکٹری گیا تب مجھے معلوم ہوا کہ ڈیڈی تو صرف منیجر ہیں۔ اس سے پہلے میں ہمیشہ یہی سمجھتا رہا کہ اس فیکٹری کے دو مالک ہیں۔ جو ففٹی ففٹی شیئر کرتے ہیں۔ تمہیں بھی حقیقت کچھ عرصے پہلے ہی معلوم ہوئی۔ اس کی وجہ یہ کہ ہمارے ڈیڈی نے آج تک ہمیں بتایا ہی نہیں۔۔۔ اور انہوں نے جی جان سے انکل کے سامنے محنت کی۔۔۔ جب ہم اسکول میں تھے۔ تمہیں یاد ہو گا۔ رات کو ہم ڈیڈی کا انتظار کرتے ہوتے تھے۔ اور ڈیڈی زیادہ تر لیٹ ہی آتے تھے۔ کیونکہ ڈیڈی اپنا رزق حلال کرنے کے لیے اپنی ڈیوٹی ریکوائرمنٹ سے کہیں بڑھ کر کام کرتے تھے۔ حتیٰ کہ انکل سے بھی زیادہ محنت کرتے تھے۔ ڈیڈی کے بل بوتے پر ہی انکل نے دوسری فیکٹری لگائی۔۔۔ پھر کچھ لوگوں کے کہنے پر ڈیڈی کو احساس ہوا کہ جتنی وہ محنت کرتے ہیں ان کو اس حساب سے صلہ نہیں ملتا۔ سیلری پیکج اچھا تھا اس کے ساتھ دیگر مراعات تھیں۔ مگر ڈیڈی کو اچانک سے احساس ہونے لگا کہ انکل کو کم از کم بیس پرسینٹ شیئر کرنا چاہیے۔ ڈیڈی نے کچھ لوگوں کے ذریعے یہ بات انکل کے کانوں تک پہنچائی۔ حالانکہ اگر وہ خود بھی کہتے تو یہ ان کا حق تھا۔ مگر دوستی کی شرم کرتے ہوئے ڈیڈی جھجکتے ہی رہے اور اسی خیال میں رہے کہ شاید انکل کو خود ہی خیال آجائے۔ مگر انکل نے کبھی ایسی کوئی بات نہیں کی۔۔۔ مختصراً" یہ کہ ڈیڈی کے اندر بغاوت اٹھنے لگی۔ جسے انہوں نے دبائے رکھا اور پھر جب انہیں موقع ملا انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ تم ہماری باتیں سن چکے ہو اس لیے میں نے تم سے کچھ نہیں چھپایا۔ ڈیڈی نے اگرچہ دھوکے سے فیکٹری پہ قبضہ کیا مگر تم خود سوچو۔۔۔ کیا اتنے سالوں کی محنت کے بعد ڈیڈی اس کے حق دار نہیں تھے کہ انکل ان سے اپنا کاروبار شیئر کرتے۔

لیکن آج کل کے دور کا رواج بن گیا ہے۔ حق مارنا۔ محنت کا پورا صلہ نا دینا... آج کل اپنا حق چھیننا پڑتا ہے ورنہ یہ زمانہ پاؤں تلے روند دیتا ہے۔" کامران نے اپنے تئیں بڑے سبھاؤ سے بات کی تھی۔ اور سلیمان کو اس کی یہ باتیں اتنی ہی فضول لگی تھیں۔

"کامران بھائی آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ انکل نے ڈیڈی کے لیے کیا کچھ کیا۔ اگر ڈیڈی انکل کے احسانات کو سوچتے تو کبھی ان کو یہ احساس تنگ نا کرتا کہ ان کا حق مارا جا رہا ہے۔ مگر ڈیڈی اپنی اوقات اور حیثیت ہی بھول گئے۔ اور دوستی کے رشتے کے تقدس کو بھی فراموش کر گئے۔" اس کے ارمانوں بھرے دل سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ اس کے لہجے کی کڑواہٹ اس کی عکاسی کر رہی تھی۔

"سلیمان تم ابھی نہیں سمجھ رہے۔ شاید تم پر ارسہ کا جادو چڑھا ہوا ہے۔ اگر وہ بیچ میں نا ہوتی تو تم کبھی بھی ڈیڈی کے خلاف نا ہوتے۔" کامران نے اضطراری انداز میں بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھائی جان آپ کی غلط فہمی ہے۔ میں ڈیڈی اور آپ کی طرح کا لالچی نہیں ہوں۔ جہاں تک بات ہے ارسہ کی تو کیسے ہی حالات کیوں نا ہوئے میں ارسہ سے دستبردار نہیں ہوں گا۔ چاہے مجھے ڈیڈی کو چھوڑ کر انکل کے پاؤں ہی کیوں نا پڑنا پڑے۔" وہ حتمی انداز میں بولا۔

"آں... ہاں بھئی ارسہ بھی اگر تمہاری محبت میں اتنی ہی پاگل ہے تو وہ بھی اپنے ڈیڈی کو سمجھانے اور منانے کی کوشش کرے گی۔ ہو سکتا ہے اس طرح صلح صفائی کا کوئی رستہ نکل آئے اور معاملات حل ہو جائیں۔" کامران نے کچھ تکنیکی بات کی تھی۔ جو وقتی طور پر سلیمان پر اثر انداز ہوئی۔ ارسہ کا کیا رد عمل ہو گا وہ اس نہج پر سوچنے لگا۔ کامران نے فی الحال مزید کوئی بھی بات کرنے سے پرہیز کیا اور رسٹ واچ پر ٹائم دیکھتے ہوئے اسٹڈی روم سے باہر چلا گیا۔ ارسہ کا دلکش روپ اس کی نظروں کے سامنے جھلملانے لگا تھا۔ مگر سب ارمان پل بھر میں ملیا میٹ ہوئے تھے۔ وہ تو ابھی خود میں اتنی ہمت بھی نہیں پا رہا تھا کہ ارسہ سے کال پر ہی بات کر لے... کوئی میسج ہی سینڈ کر سکے... اپنے ڈیڈی کے فعل کی شرمندگی ضمیر کے ساتھ حواس کو بھی متاثر کر رہی تھی... اس نے ایک زوردار ٹھوکر سامنے پڑی ٹیبل کو ماری اور گرنے کے سے انداز میں صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔

✲ ✲ ✲

ٹہلتے ٹہلتے ٹانگیں شل ہو گئیں تو وہ اوندھے منہ بیڈ پر لڑھک گئی۔ دل اتنا بجھا ہوا تھا کہ وہ ابھی تک کپڑے بھی تبدیل نا کر سکی... مختلف وہموں اور سوچوں نے دل و دماغ کو جکڑا ہوا تھا۔ کئی الجھے ہوئے سوال ذہن میں اٹھ رہے تھے۔ جن کے جوابات نہیں مل رہے تھے۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ چونک کر اٹھی۔ اگلے لمحے دروازہ کھلا آنے والی مما تھیں۔ جن کے چہرے پر گمبھیر سنجیدگی کی چھاپ تھی۔ چند سیکنڈ وہیں کھڑے رہنے کے بعد وہ آہستگی سے چلتی ہوئی آئیں اور بیڈ پر اس کے سامنے بیٹھ گئیں۔ نرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھ چلاتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"مجھے اندازہ تھا میری بیٹی پریشانی میں جاگ رہی ہو گی۔ آپ کے پاپا جان بھی انتہائی ٹینشن میں ہیں۔ دودھ کے ساتھ نیند کی ٹیبلٹ دے کر آئی ہوں۔ تو ان کی آنکھ لگی ہے۔ بہت بڑا دھوکا ہوا ہے انہیں، وہ بھی اس شخص نے دیا۔ جن پر وہ اپنے سے بھی زیادہ اعتماد کرتے رہے۔ فرحان عباسی نے ہماری ایک فیکٹری پر قبضہ کر لیا ہے۔ تمہارے پاپا نے فرحان پر اعتماد کی انتہا کرتے ہوئے سب کچھ ان کے سپرد کر دیا تھا۔ فیکٹری چونکہ ابھی دو سال پہلے ہی شروع ہوئی اس لیے اس کے کچھ کاغذات اور اندرونی معاملات کی قانونی کاروائی نامکمل تھی۔ ابھی جب تمہارے پاپا کچھ دنوں کے لیے انڈونیشیا گئے تو پیچھے سے فرحان عباسی اور کامران نے مل کر کام کر دکھایا۔ ہمارے تو وہم و گماں میں بھی نا تھا کہ فرحان عباسی بھی ایسا کچھ کر سکتا ہے۔ جب سے

آپس میں رشتہ طے ہوا تمہارے پاپا تو بھائی سے بھی بڑھ کر سمجھنے لگے تھے فرحان کو۔۔۔ بیٹا تمہارے پاپا کا اعتماد ٹوٹا ہے۔ دل ٹوٹا ہے۔ وہ بہت زیادہ ذہنی ٹینشن میں ہیں۔ اسی لیے تو سلیمان سے اس طرح بات کی۔۔۔ ورنہ آپ جانتی ہو اپنے پاپا کو۔۔۔ کبھی غصے میں بھی زبان کو کڑوا نہیں ہونے دیا۔ اب نا جانے سلیمان کا کیا قصور ہے وہ کچھ جانتا بھی ہے یا نہیں مگر آپ کے پاپا نے رشتہ ختم کر دیا ہے۔" شگفتہ بیگم چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئیں۔ بیٹی کو بغور دیکھا اور گہرا سانس خارج کیا۔

ارسہ کی آنکھیں حیرت اور صدمے کی کیفیت میں پوری طرح کھلی ہوئی تھیں۔ چہرے کا رنگ ایک دم ہی اڑ سا گیا تھا۔ مما کی لاسٹ بات پر وہ بے یقینی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"میں نے آپ کو سب بتا دیا اس لیے تاکہ آپ سلیمان کی طرف سے محتاط رہو۔ ویسے تو ہم سے یہی کہا گیا کہ یہ رشتہ سلیمان کے کہنے پر ہوا ہے۔ مگر نا جانے اس میں بھی کتنی صداقت ہے۔ یہ بھی ان کے اس مکارانہ منصوبے کی کوئی کڑی ہے یا۔۔۔ جو بھی ہے۔۔۔ آپ اب سلیمان سے کوئی ملاقات نہیں کرنا، سمجھ گئیں میری بات۔" تب شگفتہ بیگم نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے اثبات میں سر کو ہلکی سی جنبش دی۔ سینے کے اندر کچھ ٹوٹ رہا تھا۔۔۔ محبت کے تاج محل کی بنیادیں ہی ابھی رکھی تھیں۔ وہی ہل رہی تھیں۔۔۔ سناٹا اچانک ہی حملہ آور تھا دل کی شاداب زمین پر، قوت گویائی ہی سلب کر لی تھی اس بے یقینی صورت حال نے۔۔۔ وہ کچھ ایک لفظ بھی نا بول پائی تو شگفتہ بیگم نے تشویشی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر بھینچ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

"ارسہ میری بچی۔۔۔ پلیز اس بات کو دل پر مت لینا۔ میں آپ کی کیفیت آپ کا دکھ سکھ سمجھ سکتی ہوں۔ مگر بیٹا اس دکھ کو اپنی کمزوری مت بننے دینا۔ جب علم ہو سامنے سراب ہے تو لمبی مسافت طے کرنے کی بجائے وہیں سے راستہ بدل لینے میں عافیت ہوتی ہے۔" اس سے الگ ہوتے ہوئے انہوں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ابھی بھی بے یقینی تھی۔

"اٹس او کے مما۔۔۔ پلیز ناؤ لیو می الیون۔" بہت ہمت جمع کرتے ہوئے اس نے کمزور سے لہجے میں چند الفاظ کہے اس کے ماتھے پر بوسہ دینے کے بعد وہ اٹھ کر کمرے سے چلی گئیں۔۔۔ ان کے جانے کے کچھ دیر بعد تک وہ ساری صورت حال کو از سر نو سمجھنے لگی۔ اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ پاپا کے ساتھ خالی دھوکا ہوا تھا۔۔۔ مگر اس کے دل پہ چھائی بہار پر یکایک خزاں اتر آئی تھی۔۔۔ پاپا تو الزام عائد کر سکتے تھے انکل کے خلاف قانونی جنگ لڑ سکتے تھے مگر وہ نہ تو کسی پر الزام عائد کر سکتی تھی اور نا اپنا حق جتا سکتی تھی۔۔۔ محبت کی سرزمین پر پھول ہی پھول کھلتے ہیں اور ہر موسم بہار ہوتا ہے اگر محبت میں کامیابی مل جائے اور اگر ناکامی ہو تو دل پہ چھائی خزاں کو کوئی بہار نہیں بدل سکتی۔۔۔ اسے اپنے دل پر اترتی خزاں سے خوف آ رہا تھا اور وہ اسی خوف میں سسک سسک کر رو رہی تھی۔ تقدیر اس کے لیے کیا لکھ رہی تھی وہ ابھی لاعلم تھی۔

☆☆☆

یوسف کمال اور فرحان عباسی کی دوستی کا آغاز تب ہوا جب دونوں نے ایک ہی کالج میں فرسٹ ایئر میں ایڈمیشن لیا۔ فرحان عباسی بلاشبہ حاضر دماغ اور ذہین اسٹوڈنٹ تھا وہ نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی آگے آگے رہتا۔ یوسف کمال اگرچہ غیر معمولی ذہین نہیں تھے مگر محنتی اور سنجیدہ اسٹوڈنٹ تھے۔ دونوں کا تعلق لوئر مڈل کلاس گھرانوں سے تھا اور ایک ہی چیز دونوں میں مشترکہ تھی۔ فرحان عباسی اس وقت بھی مستقبل کے لیے لمبے چوڑے پلان بناتے اور خوابوں کی دنیا میں اونچی اڑان رکھتا تھا۔ جس کا اظہار گفتگو اور سوچ سے ہوتا تھا۔ جبکہ یوسف کمال حقیقت پسند اور حالات کے مطابق چلنے والوں میں تھا۔ پھر ان کی یہ دوستی یونیورسٹی تک چلی۔ وقت کے ساتھ ساتھ

یوسف کمال کی شخصیت میں مزید بردباری اور وقار آتا گیا جبکہ فرحان عباسی کی سوچوں میں اگرچہ کچھ ٹھہراؤ تو آیا مگر تعلیم سے فارغ ہوتے ہی کوئی تیر مارنے کا جوش بھی ہمہ وقت نظر آتا۔ یونیورسٹی سے فارغ ہونے کے کچھ ہی عرصے بعد فرحان عباسی کو کراچی میں ایک فارماسیٹویکل انڈسٹری میں میڈیکل ریپ کی جاب مل گئی۔ ہوتے ہوتے دونوں کی دوستی کبھی کبھار کی فون کالز تک محدود رہ گئی۔ کیونکہ یوسف کمال لاہور ہی میں ایک پرائیویٹ ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھے عہدے پر کام کر رہا تھا۔ زندگی مصروف ہوتی گئی دونوں کے درمیان رابطہ ختم ہو تا گیا۔ یوسف کمال تین بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔ اس لیے ذمہ داریوں کا بھی احساس تھا۔ ایک بہن شادی شدہ تھی۔ باقی دونوں ابھی بیاہنے والی تھیں۔ وہ ماں باپ اور بہنوں کی امیدوں کا مرکز بھی تھا۔ اس نے دل میں تہیہ کر رکھا تھا کہ جب تک بہنوں کی ذمہ داریوں سے فارغ نہیں ہو جاتا خود کی شادی کے بارے میں سوچے گا بھی نہیں۔ مگر قسمت کا لکھا اٹل ہوتا ہے اور اس میں کیا مصلحت ہوتی ہے۔ یہ بھی لکھنے والا ہی بہتر جانتا ہے۔

یوسف کے والد کے دوست کے ذریعے سے ایک رشتے والے گھر آئے۔ جو پہلی نظر میں اسے پسند کر گئے اور اپنے گھر آنے کا کہہ گئے۔ اگرچہ یوسف بالکل بھی راضی نا تھا پھر بھی دور اندیشی سے کام لینے والے ان کے والد کے کہنے پر والدہ کو بھی جانا پڑا لڑکی دیکھنے جو شہر سے قریبی گاؤں میں رہتی تھی۔ شگفتہ میٹرک پاس تھی سادہ لوح جٹ ٹائپ زمیندار گھرانے سے تھی اور یہی اس کا پلس پوائنٹ تھا۔ دیگر صورت وہ یوسف کمال کے لیے ناقابل قبول تھی۔ یوسف کمال نے ایک نازک اندام، شہری، ایجوکیٹڈ لڑکی کا خاکہ دل میں سجایا ہوا تھا۔ اور شگفتہ کو تو ابھی دیکھا تک نہیں تھا۔ بس ایک پینڈو، الہڑ مٹیار، گہری گندمی رنگت والی لڑکی کا خاکہ ذہن میں ابھر رہا تھا۔ ابا کے سمجھانے اور اصرار پر وہ بجھے دل سے شادی کے لیے تیار ہوا۔ اپنے سے دو سال بڑی شگفتہ کو بے دلی سے گھر بیاہ لایا۔ اس کے خیال کے برعکس شگفتہ متناسب قدو قامت والی، صاف رنگت اور خوب صورت نقوش والی خوش اخلاق سی لڑکی تھی۔ میٹرک تعلیم نے ہی اسے کافی مہذب بنا دیا ہوا تھا۔ اپنی خوش گفتاری، خوش اخلاقی اور ملنے جلنے والے رویئے کی وجہ سے وہ جلد ہی ان کے گھر کیا خاندان میں ایڈجسٹ ہو گئی۔ یوسف کو اپنے والد کی سمجھ داری پر فخر محسوس ہونے لگا۔ ابا جی نے اپنی کریانے کی دکان بیچ کر اور شگفتہ کو ملنے والی جائداد سے ایک پلاسٹک فیکٹری کی بنیاد ڈالی۔

انہوں نے پلاسٹک کی چیزیں بنانے میں جہاں کوالٹی کا خیال رکھا وہیں نئے ڈیزائن اور اسٹائل متعارف کروائے۔

جلد ہی چند سالوں میں ان کی فیکٹری کا ایک نام بن گیا۔ خوب منافع آنے لگا۔ ان کے حالات تیزی سے بدلے۔ ایک لوئر کلاس محلے سے نکل کر انہوں نے گلبرگ میں رہائش اختیار کی۔ بہنوں کی شادیاں دھوم دھام سے کیں۔ ماں باپ کو حج کروایا اور پھر خود بھی بیوی بچوں کے ساتھ عمرہ کی سعادت حاصل کی۔ دولت نے معیار زندگی تو بدلا تھا۔ مگر یوسف کمال اور ان کے گھر والوں کی عاجزی، انکساری اور سادہ دلی ویسی ہی تھی۔ وہ فطری طور پر محنتی اور دیانت دار تھا۔ شاید اسی لیے مسائل سے بچا ہوا تھا۔ اور وہ بڑے صاف طریقے سے ترقی کی راہ پر گامزن تھا۔ انہی دنوں اس کی ملاقات فرحان عباسی سے ہوئی۔ ابا جی کے چیک اپ کے لیے ہاسپٹل گیا۔ وہیں کوریڈور میں اسے فرحان نظر آیا۔ ابا جی کو ویٹنگ ایریا میں بٹھا کر وہ اس کی طرف آیا۔ فرحان نے بھی اسے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ دونوں گرم جوشی سے ایک دوسرے سے ملے۔

"یار دوست سالوں بعد ملے ہو تم تو ویسے کے ویسے ہی بلکہ مزید فریش اور چارمنگ لگ رہے ہو مجھے دیکھو ابھی سے سر پر چاندی چمک رہی ہے اور چہرے پر تھکن اور تفکرات نے بڑھاپے کی گھنٹی بجا دی ہے۔"

فرحان نے کہا تو یوسف نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ پھر انکساری سے بولا۔

"بس اللہ کی مہربانی ہے... ویسے تم بھی اسی طرح ہو۔ لیکن لگتا ہے۔ خیالوں اور سوچوں میں رہنے کی عادت ابھی بھی ہے۔"

"ہوں... یار جب خیالوں کے مطابق کچھ ملے نا تو خیالوں میں ہی جی بھرتے رہتے ہیں ہم جیسے تو... تو لگتا ہے کسی اونچی پوسٹ پہ کام کر رہا ہے؟" یوسف کے جوتوں سے لے کر کپڑوں، رسٹ واچ اور چہرے کی بے فکری پر غور کرتے ہوئے فرحان نے پوچھا۔

"نہیں پوسٹ پر نہیں میں اپنی فیکٹری کا آنر ہوں ماشاء اللہ سے... اور اللہ کا خوب کرم ہے مجھ پر۔" یوسف نے اسی مسکراہٹ کے ساتھ بتایا۔

"واؤ یار... اسے کہتے ہیں خوش قسمتی کا دھکا' اونچے اونچے خواب دیکھتا تھا میں خیالی پلاؤ میں پکا تا رہ گیا اور تجھے پلاؤ کھانے کو مل گیا۔ خوشی ہو رہی ہے اور تعجب بھی... قدرت کے کھیل ہیں... ہے نا عجیب بات؟" وہ خوشی اور رشک کے ملے جلے تاثرات لیے کہہ رہا تھا۔

"ہاں بس... یہ بتاؤ تم آج کل کیا کر رہے ہو۔ شادی وغیرہ ہو گئی؟" یوسف اس کی کیفیت کو سمجھ سکتا تھا۔ اس نے سنجیدہ اور ہلکے پھلکے لہجے میں پوچھا۔

"ہوں بالکل ہو گئی... یہاں لاہور میں ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں میڈیکل ریپ کے طور پر کام کر رہا ہوں... سیلری پیکج اتنا ہی ہے کہ ماہانہ گھر کا کرایہ دیتا ہوں اور بیوی بچوں کی ضروریات پوری کر لیتا ہوں... اور نئے سرے سے خواب دیکھتا ہوں۔" آخری جملہ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں یاسیت تھی۔

"اوہ... کتنے بچے ہیں جناب کے؟" یوسف نے بات کا رخ بدلنے کے لیے اس کو دوستانہ انداز میں دیکھتے ہوئے پوچھا!

"تین بچے ہیں دو بیٹے اور ایک بیٹی۔ تمہارے کتنے ہیں؟" فرحان نے جواب دینے کے ساتھ ہی رسما" پوچھا۔

"میرے بھی ماشاء اللہ سے دو بچے ہیں۔ بیٹا اور بیٹی اللہ کی نعمت بھی ہے اور رحمت بھی۔" یوسف نے بشاش لہجے میں جواب دیا۔

"یہاں خیریت سے ہی آئے تھے؟" فرحان نے پوچھا۔

"ہاں یار دراصل ابا جی کا چیک اپ کروانا ہے... ابا جی میرا انتظار کر رہے ہوں گے اجازت دو... پھر کبھی ملیں گے۔ ہو سکے تو بھابھی اور بچوں کو لے کر آنا۔" یوسف نے اخلاقا" کہا۔

"ہاں... ہاں کیوں نہیں اپنی فیکٹری کا کارڈ ہی دے دو کبھی دیکھنے آجاؤں گا۔" فرحان نے بے تکلفی سے کہا۔ یوسف نے فورا" والٹ نکالا اور کارڈ اسے دے دیا۔

فرحان سے ملاقات کے بعد یوسف بلا ارادہ ہی اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ ان کی فیکٹری سے تیار شدہ سامان بیرون ملک بھی جاتا تھا۔ اور اسی سلسلے میں اس کی مصروفیات بڑھنے لگی تھیں۔ اسے آج کل ایک قابل منیجر کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اور اس لیے وہ نیوز پیپر میں اشتہار بھی دے چکا تھا۔ جبھی اس دن اچانک ہی فرحان اس کی فیکٹری آگیا۔ اتفاقا" یوسف وہیں پر موجود تھا۔ یوسف نے پرتپاک انداز میں اس کا استقبال کیا اور پھر پوری فیکٹری کا وزٹ کرایا۔ وہاں سے فارغ ہو کر یوسف اسے قریبی ریستوران میں لے آیا لنچ کے لیے...

"یار فرحان کیا خیال ہے اگر میں تمہیں منیجر کے لیے پک کروں؟" ویٹر کو کھانے کا آرڈر دینے کے بعد یوسف نے کہا تو فرحان نے چونک کر پہلے اسے دیکھا پھر بے یقینی اور ناسمجھی کی کیفیت میں بولا۔

"کیا مطلب یار میں سمجھا نہیں۔" "مطلب یہ کہ مجھے ایک منیجر کی ضرورت ہے میرا زیادہ اسٹاف فیکٹری میں ہوتا ہے... مزدوروں سے لے کر سپروائزر تک سب ہی اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ مگر آفس اسٹاف کم ہے اور ڈی ایم کا ہونا بھی اب ضروری ہے۔ پہلے میں کافی کام خود ہی سنبھال لیتا تھا لیکن اب کام پھیل گیا ہے۔ تو میں نے اخبارات میں اشتہارات دیے ہوئے ہیں... اس دن تم سے ملاقات ہوئی تو بار بار

خیال آتا رہا کیوں نا تمہیں آفر کی جائے یہ جاب؟" وہ لمحہ بھر کو رکا۔

"یار یہ ہے نا دوستی.... مشکل وقت میں کام آنے والا ہی سچا اور مخلص دوست ہوتا ہے آج یقین آگیا۔" فرحان کچھ سنجیدہ ہوتے ہوئے ممنون لہجے میں بولا۔ "لیکن میں بھی تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔"

پھر فرحان نے اپنا کہا پورا کر دکھایا.... وہ صرف باتوں میں ہی اونچی اڑان نہیں رکھتا تھا بلکہ ایسا تیز اور ہوشیار ذہن بھی رکھتا تھا۔ یوسف کو کچھ ہی عرصے میں اس کا اندازہ ہوگیا۔ اس کے آئیڈیاز اور کام کے طریقے سے ان کی فیکٹری کو کافی فائدہ پہنچنے لگا۔ "اتنا ذہین ہے نجانے اب تک اسے زندگی میں موقع کیوں نہیں ملا اپنی ذہانت دکھانے کا شاید یہ میرے نصیب میں تھا کہ میں اسے آگے لے کر آتا۔" یوسف اس کے بارے میں سوچتا۔ "اور یہ میرا نصیب کہ یہ مجھے مل گیا۔" وہ اس کی کارکردگی سے بے حد مطمئن تھا۔ اسی لیے مقررہ مدت سے پہلے ہی اس نے گھر اور گاڑی وغیرہ بھی اسے الاٹ کردی۔ فرحان تین مرلے کے کرائے کے گھر سے نکل کر پانچ مرلے کے فرنشڈ گھر میں آگیا۔ بچوں کے اسکول چینج کروائے۔ ان کی دوستی کاروباری مراسم میں آکر مزید پختہ ہوئی اور پھر گھریلو سطح پر آگئی۔ دونوں کی بیگمات کی بھی آپس میں خوب بنی۔ فرحان کا بڑا بیٹا کامران۔ آصف کا ایج فیلو اور کلاس فیلو تھا۔ یوسف کی بیٹی ارسہ اور فرحان کی بیٹی جو دونوں بھائیوں کامران اور سلیمان سے چھوٹی تھی حنا ان دونوں کی آپس میں خوب دوستی ہوگئی۔ یوں آپس میں دونوں گھرانوں کے تعلقات رشتے داروں جیسے ہوگئے۔ تہواروں اور دیگر تقریبات پر دونوں گھرانوں کا ایک دوسرے کے ہاں مدعو ہونا لازم تھا۔

فرحان شروع میں تو مشکور انداز میں اپنے فرائض نبھاتا رہا۔ پھر پوری سنجیدگی سے یوسف کے برابر کی محنت کی۔ وہ پورے اخلاص سے یوسف کے ساتھ کام کرتا رہا۔ اسی طرح وہ اس قابل ہوئے کہ ایک دوسری فیکٹری بھی لگالی۔ دونوں کے بچے جوان ہو رہے تھے مگر بچوں میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ اصل میں یہ بزنس ہے کس کا، فرحان کا معیار زندگی تقریباً" یوسف کے برابر کا تھا۔ پھر فرحان ہی کے کچھ ملنے جلنے والوں نے فرحان کے سامنے ایسی باتیں کیں کہ وہ ذہنی طور پر یوسف کے خلاف ہوا۔ ان باتوں کو فرحان نے پہلے پہل خوب مائنڈ کیا۔ پھر جھنجلایا۔ پھر نظرانداز کیا۔ خود ہی سوچنے پر مجبور ہوگیا۔ اپنی محنت، جدوجہد، ذہانت اور قابلیت کا موازنہ یوسف سے کرتے ہوئے وہ فراموش کرنے لگا کہ یوسف کے اس پر کیا احسانات ہیں۔ ایسا پہلی بار ہونے لگا کہ اسے یوسف سے حسد محسوس ہونے لگا۔ اسے لگا کہ اس کی وجہ سے یوسف دو فیکٹریوں کا مالک بن چکا ہے۔ یہ سب سوچتے ہوئے اسے ایک بار خیال نا آیا کہ اگر اسی پوسٹ پر وہ کسی دوسری کمپنی یا کسی ملٹی نیشنل کمپنی میں بھی جاب کر رہا ہوتا تو اتنی مراعات اور سہولیات اسے کبھی نا ملتیں اور اس کا لائف اسٹینڈرڈ کم از کم اپنے باس کے لیول کا تو ہر گز نا ہوتا۔

مگر یہ انسانی سرشت ہے.... شاید کہ جوں جوں انسان بااختیار ہوتا ہے خود غرض اور نفس پرست ہوتا جاتا ہے۔

یوسف نے جب تیسری فیکٹری لگائی جو کہ گارمنٹ فیکٹری تھی تو اس کے سارے انتظامات ابتدا ہی میں فرحان کے سپرد کردیے، جگہ خریدنے سے لے کر فیکٹری کا سامان اسپلائی کرنے تک۔ یوسف نے اندھا اعتماد کیا تھا فرحان پر اور یہ اندھا اعتماد ہی راس نا آیا تھا۔ اب کی بار فرحان نے کوئی بھی کام ایمانداری سے نہیں کیا تھا۔ بظاہر سب کچھ یوسف کو حسب منشا ہی لگ رہا تھا۔ اسی دوران ارسہ اور سلیمان کی منگنی ہوگئی۔ منگنی سے بظاہر تعلقات مزید مضبوط ہوگئے تھے۔ مگر اندر سے کتنے کھوکھلے کردیے تھے فرحان عباسی نے اس کا اندازہ اب ہوا تھا یوسف کمال کو....

☼ ☼ ☼

لان میں لگے پودوں کی تراش خراش کرتے مالی کو

شگفتہ بیگم مختلف ہدایات دے رہی تھیں۔ جب یوسف کو لان کی طرف آتے دیکھا۔ وہ بے ساختہ مسکراتی ہوئی ان کی طرف بڑھیں۔

"شکر ہے آج آپ بھی کمرے سے باہر نکلے۔۔۔ دیکھیں تو آج دھوپ کیسے کھل کے نکلی ہے۔ سورج کی شعاعیں بڑی مزے کی گرمی دے رہی ہیں۔ ورنہ پچھلا پورا ہفتہ تو بادلوں اور دھند کی لپیٹ میں رہا ہے۔ آج تو صبح سے ہی دھند نہیں پڑی۔" وہ بڑے خوش گوار انداز میں ان سے مخاطب تھیں۔ اگرچہ وہ خود بھی اندر سے اتنی ہی پریشان تھیں مگر ان کی ہمیشہ سے عادت تھی شوہر کی پریشانی اور ٹینشن کو وہ اپنے ہلکے پھلکے خوش گوار انداز میں دور کرنے کی کوشش کرتیں اور حتی الامکان اپنی پریشانی چھپا کر رکھتیں۔ ابھی بھی وہ اسی کوشش میں تھیں کہ شوہر کو جتنی جلدی ہو سکے۔ اس پریشانی سے باہر نکالیں جس نے دو دن میں ہی انہیں بوڑھا کر دیا تھا۔ وہ بہت ٹوٹے ہوئے سے لگ رہے تھے۔ انہوں نے ایک گھٹی ہوئی سانس سینے سے خارج کی اور شکستہ سے انداز میں گویا ہوئے۔

"اچھا ہوا دھند چھٹ گئی۔ ہر منظر نکھر گیا۔ دھند تو سب دھندلا دیتی ہے۔ آنکھیں رکھتے ہوئے بھی انسان اندھا رہتا ہے۔" چیئر پر بیٹھ کر انہوں نے سر پیچھے کو رکھتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔ شگفتہ بیگم بھی ان کے پاس آکر سامنے چیئر پر بیٹھ گئیں۔

"پلیز آپ خود کو سنبھالیں۔ دو دن ہو گئے۔ نا ڈھنگ سے کچھ کھایا پیا۔ نا اپنا خیال ہے کوئی۔۔۔ ایک لالچی انسان کو لے کر آپ اپنے معمولات اور طبیعت کو کیوں خراب کر رہے ہیں۔ آپ عملی طور پر کچھ کریں۔ بجائے اس معاملے پر کڑھنے کے۔ آصف صبح ناشتے کی ٹیبل پہ بات کر رہا تھا۔ کہہ رہا تھا پاپا چاہیں تو فرحان انکل کے خلاف مقدمہ دائر کروا سکتے ہیں۔" شگفتہ بیگم نے ٹھہر ٹھہر کر بات کی۔

"بالکل۔۔۔ اگرچہ فرحان عباسی نے اپنی طرف سے سارے کام پکے کیے ہیں اور بڑی ہوشیاری سے سب کیا ہے۔ پھر بھی کچھ نا کچھ بھول چوک کر گیا۔ ہم قانونی کارروائی کریں تو چار دن میں فیکٹری ہمارے پاس ہو۔۔۔ مگر میں ایسا کروں گا نہیں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں ناجائز طریقے سے ہتھیائی گئی یہ فیکٹری میرے عزیز دوست کو کتنے دن راس آتی ہے۔ دنیا کی عدالتیں وہ انصاف نہیں کر سکتیں جو انصاف رب کرتا ہے۔ یہ میرا ایمان ہے شگفتہ بیگم۔۔۔ مال کی خاطر اس نے میرے برسوں کے اعتماد اور خلوص کا خون کیا ہے۔ یہ مال اسے کیا سکھ دے گا میں دیکھوں گا ان شاء اللہ۔۔۔ فرحان عباسی بلاشبہ ذہین اور تیز دماغ کا مالک ہے اور بلاشبہ اس نے میرے کاروبار کو کافی منافع پہنچایا ہے۔ میں اس کی محنت اور کارکردگی کے مطابق اسے پے منٹ کرتا رہا ہوں۔ میں نے جب تیسری فیکٹری لگائی تو اسی وقت سوچ لیا تھا کہ میں اس فیکٹری میں سے ففٹی پرسینٹ شیئرز فرحان عباسی کو دوں گا۔۔۔ اور اشاروں میں یہ بات میں نے اس کے کان میں ڈالی بھی۔۔۔ اسی لیے اس فیکٹری کے زیادہ تر انتظامات اسی کے سپرد کیے۔ اسی دوران رشتے کا سلسلہ چل نکلا۔ رشتہ ہو جانے کے بعد میرا ارادہ بدل گیا۔ اریبہ کو ہم نے جائیداد میں حصہ تو دینا ہی تھا جو کہ اس کا بنتا تھا۔ میں نے سوچا بجائے اس کے کہ میں فرحان عباسی کو اس فیکٹری کا ففٹی پرسینٹ پر مالک بناؤں زیادہ بہتر یہ ہے کہ شادی پر میں یہ فیکٹری ہی داماد کو سونپ دوں۔۔۔ اس طرح فرحان کی خواہش بھی پوری ہو گی اور بیٹی کا حق بھی ادا ہو جائے گا۔ میں نے یہ بات ابھی اپنے تک ہی رکھی ہوئی تھی۔ میں شاید اس غلط فہمی میں رہا کہ رشتہ ہو جانے کے بعد فرحان عباسی کو خود ہی اندازہ ہو گیا ہو گا۔۔۔ آخر بیٹی کا حصہ تو ہم نے دینا ہی تھا۔ وہ صبر کرتا انتظار کرتا تو کتنے احسن طریقے سے فیکٹری ان کی ہو جاتی۔ مگر ایسا ہی ہونا تھا فرحان عباسی کے اندر دبا ہوا لالچ اور ہوس ظاہر تو ہونا ہی تھا۔ بہتر ہو گیا۔ اس نے اپنی اصلیت دکھادی۔"

"خیر چھوڑیں یہ ٹاپک۔۔۔ میں آپ کو بتانا چاہ رہی تھی کہ رابعہ کا فون آیا تھا کل رات وہ کچھ دنوں کے لیے پاکستان آرہی ہے اگلے ہفتے۔۔۔ ساتھ میں یاسر

بھی آرہا ہے۔ آپ جلدی سے اچھے ہو جائیں اتنے عرصے بعد بن آرہی ہے۔ چار دن ہنسی خوشی میں گزار دیجئے گا۔" شگفتہ نے لہجے کو تروتازہ کرتے ہوئے منجھلی نند کے بارے میں بتایا جو کہ جرمنی میں ہوتی تھیں۔ شادی کے کچھ سالوں بعد ہی وہ اپنے میاں کے پاس جرمنی چلی گئی تھیں۔

"تم نے اسے اس سب معاملے کے بارے میں بتایا تو نہیں۔" یوسف کے چہرے پر جہاں خوشی کی لہر آئی تھی وہیں آنکھوں میں کوئی تفکر نے بھی کروٹ لی۔

"نہیں بتایا... ایسے ہی دیار غیر میں پریشان ہوگی۔ آرہی ہے پتا چل ہی جائے گا۔" یوسف کمال نے ایک گہری سانس لی اور اٹھ کر اندر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

☼ ☼ ☼

آج تیسرا دن تھا۔ پریشانی اور جھنجلاہٹ میں برا حال تھا۔ کھانا پینا سونا جاگنا ساری روٹین درہم برہم تھی۔ اب کیا ہوگا اب کیا ہوگا؟ یہی سوال تھا اک جو ہر پل جواب مانگتا... ارسہ کے سیل پر اس نے ہزاروں بار کال کی جو کاٹ دی گئی۔ زیادہ تر تو نمبر ہی آف ملا۔ ان کے گھر کے پی ٹی سی ایل نمبر پر بھی کال کی مگر جس نے بھی کال پک کی اس نے بھی بات کیے بنا فون رکھ دیا۔ اس کی پریشانی حد سے سوا ہونے لگی... کبھی تو دل کرتا جا کر باپ سے لڑنا شروع کردے مگر آج کل وہ بھی بس اتفاقیہ سامنے آتے۔ انداز میں ایسا تاثر ہوتا جیسے ان کے لیے یہ بات ذرہ برابر بھی اہمیت نہ رکھتی ہو کہ ان کے بیٹے کی منگنی ٹوٹی ہے۔ بلکہ آج کل تو انداز و اطوار میں کچھ فتح کرلینے کا غرور اور سرور سا نظر آتا... ان سے بات کرنا اسے بے کار ہی لگا۔ زیادہ تر وقت وہ گھر سے باہر ہی گزارتا۔ صرف فیروزہ بیگم یا حنا تھی جنہیں اس کی کچھ فکر رہتی۔ حنا کچھ دنوں کے لیے میکے آئی ہوئی تھی۔ سلیمان کے علاوہ اک وہ تھی جس نے اپنی ڈیڈی کے اس غاصبانہ عمل کو ناپسند کیا تھا۔ مگر وہ بھی کچھ نہیں کرسکتی تھی۔ سلیمان اپنی پوری کوشش میں تھا کہ کسی طرح ارسہ سے بات ہوجائے۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے حنا کو تیار کیا کہ وہ ارسہ کے گھر جا کر اسے سمجھائے۔ اور اس کی پوزیشن کلیئر کرے۔ جس پر حنا بلا تردد تیار ہوگئی۔ آج شام صفدر آرہا تھا اسے لینے۔ لہٰذا وہ مارننگ ٹائم میں تیار ہو کر گھر میں کسی کو بتائے بنا ان کی طرف آگئی۔ حنا کو گاڑی میں دیکھ کر ہمیشہ کی طرح فوراً گیٹ کھولنے کی بجائے چوکیدار نے اندر جا کر شگفتہ بیگم کو اطلاع دی... شگفتہ بیگم پہلے تو چونکیں۔ چہرے پر تناؤ سا آگیا۔ کیونکہ یہ سب ہونے کے بعد ابھی تک دونوں گھرانوں کی خواتین کی آپس میں کوئی بھی بات نہیں ہوئی تھی۔ ایسے میں حنا کا آنا انہیں ٹھٹکا۔ کچھ سوچتے ہوئے انہوں نے چوکیدار کو کہا۔

"جاؤ اسے اندر بلاؤ اور ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ..."

حنا کو آج پہلی بار اس گھر میں آکر اجنبیت اور تکلف محسوس ہو رہا تھا۔ ورنہ بچپن سے لے کر آج تک یہ گھر ان کے لیے اپنے گھر کی طرح تھا۔ ان کی گاڑی دیکھتے ہی چوکیدار خود ہی گیٹ کھول دیتا۔ پھر کبھی ان کو ڈرائنگ روم میں مہمانوں کی طرح نا بٹھایا جاتا، بلکہ اپنوں کی طرح گھر کے کسی بھی کونے میں وہ لوگ بے تکلف گھومتے۔ اپنی پسند کے کھانے بنواتے مختلف گیمز ہوتے گپ شپ چلتی... وقت بے وقت آنا اور جانا سب چلتا... مگر آج وہ ڈرائنگ روم میں صوفے پر بیٹھی اپنے ہی آپ میں سمٹی جا رہی تھی نادم اور شرمندہ سی... اگرچہ جو کچھ ڈیڈی نے کیا تھا وہ کبھی سوچ بھی نا سکتی تھی... کچھ دیر بعد شگفتہ بیگم اندر داخل ہوئیں... وہ مودبانہ انداز میں کھڑی ہوگئی اور نظریں جھکائے جھکائے بولی۔

"السلام علیکم آنٹی۔"

"وعلیکم السلام... کیسے آنا ہوا؟" بالکل سپاٹ لہجے میں جواب دیتے ہوئے انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ دیا اور خود بھی سامنے صوفے پہ بیٹھ گئیں۔

"آنٹی میں ارسہ سے بات کرنے آئی ہوں یقین

جانتیے جو کچھ ڈیڈی نے کیا' وہ گھر میں کامران بھائی کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ اگر ہمیں پہلے ذرا سی بھی بھنک پڑ جاتی ڈیڈی کے منصوبے کی تو ہم ہر ممکن حد تک ڈیڈی کو روکتے۔۔۔ مگر سب ہماری لاعلمی میں ہوا ۔۔۔ میں تو اسی وجہ سے ممی کی طرف آئی ہوں کہ کسی طرح ڈیڈی کو سمجھا سکوں مگر ڈیڈی کو تو نا جانے کیا ہو گیا ہے۔ کسی کی کوئی بات نہیں سنتے۔۔۔ اور۔۔۔ اور سلیمان کا تو برا حال ہے۔ وہ تو پوری طرح ڈیڈی کے خلاف ہو چکا ہے۔۔۔ اور وہ آپ لوگوں سے شرمندہ ہے۔ وہ آپ لوگوں سے ارسہ سے بات کرنے کا خواہش مند ہے۔ مگر نا تو ارسہ سے کوئی رابطہ ہو رہا ہے وہ اس کی کال اٹینڈ ہی نہیں کرتی میں یہی کہنے آئی ہوں کہ آپ سلیمان کو غلط مت سمجھیں وہ بے قصور ہے۔ پلیز اس سے بات کریں۔" اپنی بات مکمل کر کے اس نے التجائیہ نظروں سے شگفتہ بیگم کی طرف دیکھا۔

"دیکھو حنا ٹھیک ہے' سلیمان بے قصور ہو سکتا ہے مگر اس بات سے زیادہ یہ بات اہم ہے کہ وہ فرحان عباسی کا بیٹا ہے اور فرحان عباسی کے بیٹے کو تو کیا ہم اس کے پاس سے گزرنے والے شخص سے تعلق بنانا گوارا نہیں کریں آئندہ زندگی میں۔۔۔ اور جب کوئی تعلق بنانا ہی نہیں تو بات کرنے کی کیا وقعت ہے۔ ٹھیک ہے میں نے مان لیا سلیمان بے قصور ہے۔ پھر بھی ہمارا اس سے اب کوئی رشتہ نہیں جا کر اسے اچھی طرح سمجھاؤ۔ بجائے اس کی وکالت کرنے کے۔ میرا خیال ہے ہماری مزید بات چیت لایعنی ہے۔ میں چلتی ہوں کام ہے تھوڑا۔" اسی بے گانگی سے کہہ کر شگفتہ بیگم ڈرائنگ روم سے چلی گئیں۔ حنا کے پاس وہاں سے اٹھ کر جانے کے علاوہ کوئی چارہ نا تھا۔ گھر واپسی پر سلیمان شدت سے اسے منتظر ملا۔ اس نے سلیمان کو کچھ نہیں بتایا تھا مگر اس کی مایوسانہ خاموشی اور آنکھوں کے تاثر نے سلیمان کو بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ حنا خود ڈپریشن زدہ لگ رہی تھی اس لیے اس نے کچھ پوچھا بھی نہیں۔

☆ ☆ ☆

کب دن ڈھلا اور کب شام نے تاریکی کی چادر اوڑھ لی۔ اسے محسوس نا ہو سکا سڑکوں پر ادھر ادھر بلا مقصد گاڑی دوڑاتے ہوئے کتنا وقت بیت گیا اسے پتا ہی نا چلا۔۔۔ ایک قدرے سنسان سڑک کے کنارے اس نے گاڑی روکی۔ اور سیٹ پر ریلیکس سے انداز میں بیٹھ گیا۔ سر کو پیچھے کی طرف لٹکاتے ہوئے اس نے آنکھیں موند لیں۔ بند آنکھوں کے پیچھے وہی چہرہ تھا۔ جسے سوچتے دن گزرا تھا۔

وہ ارسہ کو بچپن سے جانتا تھا۔ جبھی دونوں گھرانوں کا میل جول بڑھا تو فطرتاً" بچوں کی بھی آپس میں دوستیاں ہو گئیں۔ کامران اور آصف کا آپس میں تکلف رہتا تھا۔ تاہم آصف' سلیمان' حنا اور ارسہ کے گروپ میں شامل رہتا۔۔۔ ارسہ' حنا سے بھی ڈیڑھ سال چھوٹی تھی۔ وہ ان کے گروپ میں سب سے چھوٹی تھی۔ اس لیے بڑے بچے اکثر اسے چھیڑتے اور اس کی معصومانہ حرکتوں سے لطف اندوز ہوتے۔۔۔ وہ بچپن ہی سے خاصی نازک مزاج' صفائی پسند اور شریف عادتوں کی مالک تھی۔ سلیمان' آصف اور کامران اسے خود سے بڑے بڑے لگتے۔ لہٰذا اس کی زیادہ دوستی اپنی ہم صنف حنا سے تھی۔ وہ ہر دوسرے دن اکٹھے ہوتے اور مختلف کھیل کھیلتے۔ پڑھائی میں بھی خوب مقابلہ چلتا وہ اسی طرح بڑے ہوئے تھے۔ سلیمان کو ارسہ کی عادتیں اور مزاج ہمیشہ ہی پسند تھا۔ مگر اس پسند کی گہرائی کو اس نے کبھی نا ناپا تھا۔

حنا کی شادی تک وہ محبت کی حقیقت سے ناآشنا ہی تھا۔ حنا اس سے دو سال چھوٹی تھی۔ لیکن شادی اس کی پہلے ہو رہی تھی۔ حنا کی مہندی والے دن جب تمام لڑکیاں' جن میں حنا کی دوستیں اور کزنز وغیرہ سب ہی شامل تھیں ڈھولکی رکھے ڈھولکی کی تھاپ پر مختلف گیت گا رہی تھیں۔ تو وائٹ سوٹ میں ملبوس گلے میں ہرا پیلا دوپٹا ڈالے وہ بھی ان کے درمیان میں آ کر بیٹھ گیا۔ اس کی دیکھا دیکھی دو تین اور لڑکے بھی وہیں آ گئے۔ لڑکیوں کے ساتھ نوک جھوک شروع ہو چکی تھی۔۔۔ تبھی ایک رشتے میں' بالکل فرزانہ گویا ہوئیں۔

"فیروزہ بڑا تو سلیمان ہے۔ پہلے اس کی شادی کرتیں یا حنا کے ساتھ ہی اسے بھی کسی کھونٹے سے باندھ دیتیں۔"

"آپا میں تو کب کی پسند کر چکی ہوتی اور رشتے داروں میں سے ہی پسند کرتی مگر یہ لڑکا مانتا ہی نہیں۔ کہتا ہے شادی اپنی پسند سے ہی کروں گا۔ اب میں کیا کروں؟" فیروزہ بیگم کچھ لاچارگی سے بولیں۔

"کیوں بھئی کیسی لڑکی چاہیے تمہیں ذرا بتاؤ تو؟" فرزانہ آپا پھر میدان میں آئیں کچھ فیصلہ کن تیوروں کے ساتھ۔

"اں' یہ آپ سب میرے پیچھے کیوں پڑ گئیں یہاں اور بھی لڑکے ہیں جوان اور خوبرو مگر کنوارے ....." اس نے اپنے دائیں بائیں لڑکوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یار ہم تو لڑکیاں پسند کر چکے.... ہمارے گھر والے ہی لیٹ کر رہے ہیں۔" دائیں طرف بیٹھے ناصر نے منہ لٹکاتے ہوئے کہا۔

"اور تم بات کو پھیرو نہیں بتاؤ کیسی لڑکی چاہیے؟" فرزانہ آپا اسی انداز میں بولیں۔

"آنٹی آپ خود ہی بتا دیں مجھے کیسی لڑکی سوٹ کرے گی۔ مجھے تو خود ابھی تک کوئی علم نہیں کہ مجھے کیسی لڑکی چاہیے؟" وہ ہتھیار ڈالتے ہوئے بولا۔ ڈھولکی کی تھاپ آہستہ آہستہ مدھم ہو گئی تھی۔ اب سب کی توجہ سلیمان اور فرزانہ آپا کی طرف تھی۔

"اگر میں تمہارے لیے یہاں بیٹھی ہوئی لڑکیوں میں سے کوئی لڑکی پسند کر لوں تو تمہیں میری پسند پر اعتراض تو نہیں ہو گا؟" فرزانہ آپا کی بات پر وہاں موجود تمام لڑکیوں کے کان کھڑے ہو گئے۔ کنواری لڑکیوں کے چہروں کے رنگ ہی نرالے سے ہو گئے۔ سوائے ارسہ کے جو ذرا فاصلے پر ستون کے ساتھ ٹیک لگائے اپنے ہاتھ میں پکڑے موبائل پر نظریں ٹکائے بیٹھی تھی اور ان سب کی باتوں سے بالکل بے خبر سی تھی۔

"آنٹی کریں پسند میں دیکھوں بھلا آپ کا میرے لیے کیسا معیار ہے۔" وہ شوخ ہو کر بولا۔ وہ بالکل غیر سنجیدہ تھا۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا۔

"نہیں میں تم سے ہی لڑکی پسند کرواؤں گی۔ تم یوں کرو یہ رنگ لو۔ یہاں درمیان میں کھڑے ہو کر آنکھیں بند کر کے یہ رنگ اوپر کی طرف اچھالو۔ جس لڑکی کی گود میں یہ رنگ گری سمجھنا وہی تمہارا نصیب ہے اور وہی تمہاری پسند اور اگر یہ فرش پر یا کسی کنواری کے علاوہ کسی خاتون یا کسی اور چیز پر گری تو سمجھنا ان لڑکیوں میں کوئی لڑکی نہیں تمہاری۔" فرزانہ آپا نے سنجیدگی سے کہا۔ سب کی توجہ ادھر ہی تھی۔ سلیمان نے فرزانہ آپا کے کہنے کے مطابق رنگ اوپر کی طرف اچھالی۔ پھر آنکھیں کھولیں۔ رنگ زیادہ اوپر اچھالی گئی تھی ان سب کی توقع کے بالکل برعکس وہ انگوٹھی ذرا فاصلے پر بیٹھی ارسہ کی گود میں گری۔ سب ہی دیکھ رہی تھیں کہ اب کیا ہو گا۔ ارسہ کا ری ایکشن دیکھنے کو سب ہی کی نظریں اس کی طرف تھیں۔

"یہ انگوٹھی کس نے پھینکی ہے.... دیکھ لیں جس کسی کی ہے بعد میں نا کہتی پھرے کہ انگوٹھی گم گئی؟" ارسہ انگوٹھی ہاتھ میں لیے سب کو دکھاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ اس کے انجانے پن پر وہ سب ہی حیران تھیں ہی.... مگر اس کی اس ادائے بے نیازی اور حسن سادہ نے پل بھر کے لیے سلیمان کو متاثر کر دیا.... فرزانہ آپا کے کھلنڈرے مزاج سے سب ہی آشنا تھے اور فنکشنز وغیرہ پہ وہ ایسے چٹکلے چھوڑتی رہتی تھیں۔ جن سے وقتی طور پر فنکشن کا لطف بڑھ جاتا.... ابھی بھی کسی نے ان کے اس چٹکلے کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا' مگر سلیمان کے دل میں اتھل پتھل سی ہونے لگی تھی۔ ایک لڑکی نے آگے بڑھ کر ارسہ کو سب بتا کر انگوٹھی اس سے لے لی۔

"آنٹی کے ذہن میں تو نت نئی شرارتیں آتی ہیں ایسے ہی بلا مقصد۔" وہ بال جھٹکتے ہوئے لاپروائی سے بولی۔ اسی وقت باہر سے آوازیں آنے لگیں۔

"لڑکے والے مہندی لے کر آ گئے۔" پھر کیا سب ہی اٹھ کر ادھر ادھر کو بکھر گئیں.... مگر سلیمان اپنی کیفیت پر حیران سا ستون کے ساتھ ہی کھڑا رہا.....

شادی کے باقی فنکشنز پر اس کی نظریں بے اختیار سی ارسہ کا طواف ہی کرتی رہیں۔

ارسہ اسے ہمیشہ سے پسند تھی۔ مگر کیا وہی اس کی آئیڈیل تھی اس کا احساس اچانک ہی ہوا تھا اسے.... اس کی نگاہوں کی حدت اور کیفیت کو ارسہ نا چاہتے ہوئے بھی محسوس کرنے لگی۔ مگر اپنا وہم جان کر پھر سے پر اعتماد نظر آنے لگتی.... لیکن محبت ایک ساتھ دونوں کے دلوں کے دروازوں پر دستک دے رہی تھی .... اور انہیں دروازے کھولنے تھے۔ بہت کم مدت میں دونوں کو احساس ہو گیا کہ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کو چاہتے ہیں اور اس چاہت میں انہوں نے کوئی لمبے چوڑے عہد و پیماں نہیں باندھے تھے.... بلکہ سلیمان نے فیروزہ بیگم کو اپنی پسند سے آگاہ کیا۔ جس پر پورا گھرانہ ہی خوش نظر آیا۔

دونوں گھرانوں نے بہت چاؤ اور محبت سے یہ رشتہ جوڑا تھا۔ جو فرحان عباسی کے لالچ کی نذر ہونے جا رہا تھا.... اپنے ڈیڈی کو سوچتے ہوئے اسے اچانک ہی تاؤ سا آیا اور اس نے بلا ارادہ گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

✲ ✲ ✲

رابعہ کو پاکستان آئے چودہ دن ہو چکے تھے۔ ان کا قیام کہنے کو تو بھائی یعنی یوسف کمال کے گھر پر تھا۔ مگر آنے کے دو دن بعد ہی وہ دوسری دونوں بہنوں کو ملنے چلی گئیں۔ اگرچہ ابھی تک وہ بہت کم وقت گھر پہ رکیں اس کے باوجود ان کی آمد نے گھر کے ماحول پر بڑا خوشگوار اثر ڈالا تھا۔ گھر میں جو یاسیت اور تناؤ کی فضا تھی وہ تقریباً ختم ہو گئی۔ رابعہ خود بھی ہنس مکھ' بارونق شخصیت کی مالک تھیں یاسر بھی کافی باتونی تھا۔ گھر میں ہوتا تو باتیں کر کر کے سونیا اور ارسہ کے کانوں کا حال برا کر دیتا۔ خصوصاً ارسہ کو تو کسی صورت نا چھوڑتا.... اگر وہ الگ تھلگ ہو کر بیٹھی ہوتی تو وہ بلا جھجک اس کے پاس پہنچ جاتا اور ادھر ادھر کی باتیں سنانے لگتا۔

ارسہ مروتاً ہونٹوں پہ دھیمی سی مسکراہٹ لیے اس کی باتیں سنتی رہتی۔ مگر وقتی طور پر کافی ہلکی پھلکی بھی ہو جاتی۔ اس لیے وہ اس کی کمپنی میں بور نہیں ہوتی تھی۔

آج پھپھو نے نہاری کھانے کی فرمائش کی تھی۔ سونیا نہاری اچھی بنا لیتی تھی۔ رات کے کھانے کی تیاری کے لیے وہ ذرا جلدی ہی کچن میں چلی گئی۔ کھوپرے کا حلوہ اور چکن تکے بھی بنانے تھے۔ کام زیادہ تھا۔ بھابی کی ہیلپ کے لیے ارسہ کچن میں آ گئی۔ چکن کو میری نیٹ کرنے کے لیے وہ مسالا تیار کرنے لگی۔ وقفے وقفے سے ارسہ کو بھی دیکھ رہی تھی۔ جو اپنے ہی دھیان میں مگن خاموشی سے اپنا کام کر رہی تھی۔ ویسے تو وہ تھی ہی کم گو.... مگر آج کل اس کی خاموشی میں جو دکھ اور کرب کی کیفیت نظر آتی تھی وہ ان سب کے لیے بھی تکلیف دہ تھی۔ بظاہر وہ خاموشی سے سب سہہ گئی تھی مگر اس کے اندر کا حال اکثر اس کی سوچ سوچ آنکھیں ظاہر کر ہی دیتی تھیں۔ ابھی بھی اس کی آنکھیں ہلکی گلابی سی ہو رہی تھیں۔

"ارسہ!" سونیا دھیرے سے پکاری۔

"جی بھابی؟" وہ فوراً متوجہ ہوئی....

"تمہاری سلیمان سے بات ہوئی ابھی تک یا نہیں؟" سونیا نے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے یک لفظی جواب دیا۔

"کیوں تمہیں لگتا ہے کہ سلیمان بھی انکل کی گیم میں شامل ہے؟" سونیا نے اس کا موڈ پا کر مزید پوچھا۔

"بظاہر تو لگتا ہے مگر دل کہتا ہے نہیں وہ انجان تھا۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔

"اگر دل اس کے حق میں گواہی دیتا ہے تو پھر اس سے بات کیوں نہیں کرتی ہو' وہ بے چارہ ہر کوشش کر چکا تم سے بات کرنے کی.... پاپا کے نمبر کے علاوہ اس نے گھر کے کسی موبائل کا نمبر نہیں چھوڑا جس پہ اس نے کال نا کی ہو.... مگر اس کی شنوائی نہیں ہوئی۔ تم ایک بار اس کی بات سن لو۔ تمہارا دل تو کرتا ہی ہو گا اس سے بات کرنے کو؟" سونیا نرمی اور اپنائیت سے کہہ رہی تھی۔

"بھابی دل کی ہر بات مانی تو نہیں جا سکتی۔ ویسے

بھی بات کرنے میں رکھا ہی کیا ہے۔ اب بات کرنا بھی ایسا ہے جیسے اپنے زخموں پر خود ہی نمک پاشی کرنا۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"ہوں یہ بھی ٹھیک ہے۔۔۔ جب سلسلہ ہی ختم ہے تو بات کرنے سے کیا حاصل۔۔۔ ارسہ تم جانتی ہو کہ رابعہ پھوپھو اس بار صرف یاسر کے ساتھ کیوں آئی ہیں۔" سونیا نے کچھ توقف سے کہا؟

"دراصل وہ یاسر کے لیے لڑکی پسند کرنے آئی ہیں۔ ان کا ارادہ ہے کہ اپنے ہی خاندان میں سے کسی لڑکی کا انتخاب کریں۔ اس لیے تو وہ جب سے آئی ہیں یاسر کو لیے تمام رشتے داروں کے ہاں گھوم پھر رہی ہیں کہ یاسر کو جو بھی لڑکی پسند آئے۔۔۔ اس کا رشتہ مانگ لیں کوئی چھوٹی سی رسم وغیرہ کرلیں اور اگلی بار جب وہ پوری فیملی کے ساتھ آئیں تو شادی کردیں۔ ارسہ! پھپھو نے تمہیں مانگا ہے۔۔۔ یاسر کے لیے۔" سونیا نے جیسے کوئی دھماکا کیا تھا۔ ارسہ بری طرح ہلی تھی۔۔۔ اس نے چونک کر سونیا کی طرف دیکھا۔۔۔ اور لرزتے لبوں سے یہی کہہ سکی۔

"کک۔۔۔ کیا کہا بھابھی۔"

"تمہیں یقین نہیں آرہا۔۔۔ مگر ایسا ہی ہے۔ پھپھو کو علم تھا کہ منگنی ٹوٹ گئی۔ مگر اس وقت پھپھو نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ وہ یاسر کو خاندان میں اور لڑکیاں دکھاتی رہیں۔۔۔ مگر یاسر کو تم ہی پسند آئیں اسی کے اصرار پر پھپھو نے کل رات جب ڈرائنگ روم میں سب ہی بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے پاپا سے بات کی پاپا نے تو تقریباً "ہاں کہہ دی مگر مما نے رسماً "کچھ وقت مانگا ہے۔" سونیا نے پریشر ککر میں گوشت وغیرہ ڈالنے کے بعد اس پر ڈھکنا سیٹ کرتے ہوئے بتایا۔

"مگر بھابھی۔۔۔ اتنی جلدی ابھی تو۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی مگر سونیا سمجھ گئی تھی۔

"ارسہ ہم سب جانتے ہیں کہ منگنی ٹوٹنے کے بعد ابھی تمہاری ایسی کنڈیشن نہیں کہ فوراً "کسی نئے رشتے میں جوڑ دیا جائے۔ پھپھو کا بھی اپنا ارادہ نہیں تھا۔ مگر یاسر کو تمہارے علاوہ کوئی اور اچھی نہیں لگی۔ وہ بضد ہے اس کا کہنا ہے کہ وہ سب سنبھال لے گا۔ پاپا تو بہت خوش نظر آتے ہیں اس رشتے پر۔۔۔ وہ خود کافی ذہنی اذیت سے دوچار ہوئے ہیں اس لیے انہیں بھی ڈس ہارٹ نہیں کرنا چاہیے۔ بس ساری صورت حال ایسی ہی ہوگئی ہے۔" سونیا شاید اسے ذہنی طور پر تیار کرنا چاہ رہی تھی اس لیے بہت احتیاط سے بول رہی تھی۔ ارسہ مزید کچھ بھی نا بول سکی۔ مگر وہ اک نئے ذہنی جھٹکے سے دوچار ہوئی تھی۔ وہ سب وہیں چھوڑ کر کچن سے باہر نکل گئی۔ اور اپنے کمرے میں آگئی۔۔۔ پھر رات تک وہ باہر نہیں نکلی۔ رات کے کھانے کے لیے سونیا اسے بلانے گئی تو اس نے آنے سے انکار کردیا۔۔۔

رات تقریباً "گیارہ بجے شگفتہ اس کے کمرے میں آئیں۔ انہیں دیکھ کر وہ بیڈ پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ روئی روئی سوجی سوجی آنکھوں میں شکوہ دیکھ کر وہ پل بھر میں موم ہوگئیں۔

"میں جانتی ہوں سونیا نے تمہیں اس نئے رشتے کے بارے میں بتادیا ہے۔ مگر بیٹا تمہاری مرضی سے ہی ہوگا۔ اگرچہ تمہارے پاپا اس رشتے پر فوراً "راضی ہو گئے اور کافی ہلکے پھلکے بھی۔" شگفتہ بیگم نے اس کے قریب بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ماما۔۔۔ پاپا جان تو سلیمان کے رشتے پر بھی فوراً" راضی ہوگئے تھے۔ پلیز ماما! پاپا کو منع کریں اتنی جلدی مت کریں وہ۔۔۔ میں فی الحال کسی نئے بندھن میں نہیں بندھنا چاہتی۔ اور یاسر بھائی کو تو ہمیشہ میں نے بھائیوں کی طرح سمجھا ہے۔ میں کبھی بھی انہیں اس رشتے کے ساتھ قبول نہیں کرسکتی۔" دو ٹوک انداز میں بولتے ہوئے اس کی آواز بھیگ سی گئی۔ شگفتہ بیگم نے چونک کر بغور اسے دیکھا۔ اتنے دنوں سے وہ خاموش تھی۔ ایک فرماں بردار بیٹی ہونے کی حیثیت سے اس نے ان کے ہر فیصلے کو مانا تھا۔ مگر آج جیسے وہ ضبط کھو بیٹھی تھی۔ بیٹی کے اندر کے کرب کو وہ محسوس کرسکتی تھیں۔ بہت نرمی سے بولیں۔

"ارسہ ابھی شادی وغیرہ نہیں ہو رہی۔ بس رشتہ طے ہو رہا ہے۔ ابھی تمہارے لیے مشکل ہے مگر

آہستہ آہستہ تم خود ہی سمجھ جاؤ گی۔ بیٹا ہم ساری زندگی تمہیں اپنے گھر تھوڑی رکھیں گے ایک نا ایک دن تمہیں اپنا گھر بسانا ہی ہے۔ یاسر اچھا اور قابل لڑکا ہے۔ تمہاری پھپھو ہیں۔ اپنے ہیں اپنوں میں اونچ نیچ ہو جائے تو خیر ہوتی ہے۔ رابعہ اس بار صرف لڑکی پسند کرنے پاکستان آئی ہیں۔ اور وہ بات بھی تمہارے پاپا سے کر چکی ہیں اور وہ ہاں کر چکے ہیں۔ تمہارے پاپا نے اس بار تم سے پوچھے بنا ہی فیصلہ کر دیا۔ شاید وہ ذہنی طور پر اپ سیٹ ہیں اور فرحان عباسی کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ اس کی کیا اوقات ہے۔۔۔۔ بیٹا ابھی مشکل ہے۔ بعد میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم کون سا ابھی بیاہ کر دے رہے ہیں۔ آہستہ آہستہ یاسر سے تمہاری انڈر اسٹینڈنگ ہو جائے گی اب صبح سب کے ساتھ ناشتا کرنا اپنی پھپھو پہ ظاہر نہیں کرنا کہ تم راضی نہیں ہو۔۔۔ اچھا رشتہ ہے۔ ہمارے پاس انکار کا کوئی جواز ہی نہیں۔ اب تم سو جانا' بلاوجہ مت گھبراؤ۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں چلتی ہوں اب۔" نرم لہجے میں وہ اپنا حکم سنا کے جا چکی تھیں۔ مگر ارسہ شدید دکھ سے گزر رہی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کا انکار سن کر بھی ماما آگے سے یوں اپنا فیصلہ سنائیں گی۔ مگر اس کا دل تھا کہ مسلسل نا نا نا۔۔۔ کر رہا تھا۔ حقیقت میں اسے اب اندازہ ہو رہا تھا کہ سلیمان کی محبت سے چھٹکارا پانا اور اس کی جگہ کسی اور کو قبول کرنا کتنا دشوار کن تھا۔۔۔ آدھی سے بھی زیادہ رات جاگنے کے بعد وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اسے اب کیا کرنا ہے۔

☆ ☆ ☆

دروازے کی ناب گھمانے سے پہلے اس نے ہلکے ہاتھ سے دستک دی۔ اندر سے کوئی ریسپانس نا ملا تو وہ دروازہ کھول کر اندر کمرے میں آ گئی۔ کمرے کی حالت دیکھ کر وہ مزید پریشان ہوئی۔ اسی کی طرح چیزیں بھی بکھری ہوئی تھیں۔ ڈریسنگ ٹیبل پر ہر چیز بے ترتیبی سے پڑی ہوئی تھی۔ تولیہ صوفے پر رکھا ہوا تھا۔ واش روم کے سلیپر کمرے میں تھے۔ ہر چیز اپنی جگہ سے ہلی ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ سلیمان کتنا نفاست پسند اور صفائی کا خیال رکھنے والا تھا۔ اس کے کمرے میں ہمہ وقت ہر چیز اپنی جگہ پر سلیقے سے رکھی ہوتی تھی۔ وہ خود بھی اس معاملے میں خاصا کیئرنگ تھا۔ مگر آج کل شاید اس کی ذہنی حالت ہی ایسی ابتر ہو رہی تھی کہ وہ باقی ہر بات میں لاپروا ہو گیا تھا۔ ابھی بھی بیڈ پر وہ اوندھے منہ لیٹا ہوا تھا۔ بلینکٹ کا کچھ حصہ اس کی ٹانگوں پر تھا باقی سارا نیچے لٹک رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر بلینکٹ اٹھا کر اوپر رکھا۔ پھر نرمی سے بولی۔

"سلیمان۔۔۔ سلیمان ساڑھے گیارہ کا ٹائم ہو گیا اٹھ جاؤ۔" وہ غنودگی کی حالت میں لیٹا ہوا تھا اس کی دوسری آواز پر کسمساتے ہوئے اس نے پہلو بدلا۔ نیم وا آنکھوں سے دیکھا۔

"حنا تم۔۔۔ تم کب آئیں۔" اس نے ہاتھوں سے آنکھیں مسلتے ہوئے کہا۔ اس دن کے بعد وہ آج ہی آئی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے ہی آئی تھی۔ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے اپنی اور کمرے کی بھی۔۔۔ ہر چیز بکھری ہوئی ہے۔ ساری رات جاگتے ہو۔ نا ڈھنگ سے کھانا پینا۔۔۔ تقدیر میں ہی اسی طرح لکھا تھا۔ کیوں خود کو اذیت دے رہے ہو۔ جانتے ہو ارسہ کی تو منگنی بھی ہو رہی ہے پھر سے اور تم ابھی تک سوگ میں پڑے ہو!" حنا کے منہ سے الفاظ نکلے تھے یا گولیاں۔۔۔ سلیمان کی نیند ایک سیکنڈ میں ہی اڑ گئی۔۔۔ وہ تڑپ کر بیڈ سے اترا۔

"کک۔۔۔ کیا کر رہی ہو حنا؟" اس کی بے یقینی عروج پر تھی۔

"ہاں سلیمان۔۔۔ کل میں نے ایسے ہی سونیا بھابھی کے موبائل پر کال کی انہوں نے فون اٹھا لیا۔ انہی سے پتا چلا ہے۔" وہ انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کرتے ہوئے بولی۔

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا ارسہ میری ہے۔۔۔ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے وہ کبھی کسی کو قبول نہیں کر سکے گی۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولا۔

"سلیمان میرے پیارے بھائی ارسہ کو سوچنا چھوڑ

دو..... اپنی زندگی جیو معاملات بہت الجھ گئے ہیں جو تم اکیلے نہیں سلجھا سکتے۔ پلیز سمجھنے کی کوشش کرو سنبھالو خود کو۔" حنا نے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"ان الجھے معاملات کو سلجھتا ہے یا نہیں مگر میں خود کو ان معاملات میں برباد نہیں کروں گا بے فکر رہو حنا۔" اس نے معنی خیز انداز میں کہا اور واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

☆ ☆ ☆

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد وہ ڈیڈی کے آفس میں ان کے سامنے کھڑا تھا۔

"بیٹھو برخوردار..... بڑے دنوں بعد صورت دکھائی ہے باپ کو۔" فرحان عباسی نے سامنے پڑی فائل کو بند کرکے ایک سائیڈ پر کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ کھڑا رہا۔ پھر ہر ادب بالائے طاق رکھتے ہوئے بولا۔

"ڈیڈی اگر آپ کو اتنی ہی پروا ہوتی میری تو آپ میرا دل نہ اجاڑتے..... آپ کو احساس ہونا چاہیے کہ آپ نے کتنے انسانوں کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ دولت کے پیچھے آپ نے یوسف انکل کے برسوں کے اعتماد کو توڑا۔"

"سلیمان اگر تم اس موضوع پر باپ سے دو بدو ہونے آئے ہو تو ابھی واپس چلے جاؤ۔" فرحان عباسی اس کی بات بیچ میں ہی کاٹتے ہوئے بارعب انداز میں بولے۔

"ڈیڈی میں ارسہ کے بغیر نہیں رہ سکتا مجھے ہر صورت ارسہ چاہیے۔" وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولا۔

"منگنی میں نے نہیں..... یوسف نے توڑی ہے۔ رشتہ طے تھا آپس میں۔ کیا تھا جو وہ ایک فیکٹری بخوشی مجھے دے دیتا۔ اپنے دوست کا حق سمجھ کر میری برسوں کی محنت کا صلہ جان کر وہ اس معاملے کو نظرانداز بھی کر سکتا تھا..... مگر وہ ایسا ظرف والا تھا ہی نہیں کبھی..... اس کے پاس جانا اور رشتے کی درخواست کرنا ایسا ہی ہوگا

جیسے اپنے منہ پر خود جوتا مارنا..... اس نے بڑے غرور سے رشتہ توڑا ہے۔ دیکھوں گا جب تم سے بہتر داماد ملے گا اسے..... تم آنکھیں کھولو اپنی دماغ ٹھکانے پر لاؤ اپنا۔ اس ایک لڑکی کے لیے باپ کے مقابل آنے سے بہتر ہے باپ کے کاروبار میں ہاتھ بٹاؤ میں جو کچھ کر رہا ہوں تم لوگوں کے لیے کر رہا ہوں..... ہم پیسے والے مال دار لوگ ہوں گے تو لوگ اپنی کوالیفائیڈ حسین مال دار بیٹیوں کے رشتے لے کر خود ہمارے گھر آئیں گے۔ تمہیں ارسہ سے کئی گنا زیادہ اچھی لڑکی مل سکتی ہے۔ یہ ارسہ کا فتور نکالو دماغ سے..... آئندہ نام مت لینا اس کا۔" فرحان عباسی بولتے بولتے خاصے غصے میں آ گئے۔ وہ کچھ دیر چپ چاپ انہیں دیکھتا رہا۔ پھر اسی سابقہ انداز میں گویا ہوا۔

"ڈیڈی میں آپ کی کسی بات سے ایگری نہیں کرتا۔ آپ نے کسی کے چھینے ہوئے ناجائز مال سے جائداد جو بنائی ہے۔ میں اس میں حصہ دار نہیں ہوں گا۔ آج آخری بار آپ سے کہا۔ آئندہ نہیں کہوں گا۔" بات مکمل کرنے کے بعد فیصلہ کن نگاہوں سے انہیں دیکھتا رہا۔ پھر آفس سے باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

ابھی کچھ دیر قبل اچھی خاصی تیز دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ پھر اچانک ہی ہوا چلنا شروع ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر بادلوں کی مختلف شکلیں بننے لگیں۔ روئی کے گالوں جیسے سفید بادل ملگجے نیلے بادلوں میں مدغم ہو رہے تھے۔ بادل کا ایک بڑا سا ٹکڑا سورج کے سامنے آیا تو ساتھ ہی دھوپ غائب ہو گئی۔ شمال کی طرف سے گہرے نیلے بادل سیاہی ہوتے اُمڈ آ رہے تھے۔ ان بادلوں نے برسنا تھا یا کسی آندھی کی نذر ہو جانا تھا۔ اس کی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔ اس کے دل پر بھی تو آج کل غم کے گھلے ہوئے بادل چھائے ہوئے تھے۔ جو ابھی تک برسے نہیں تھے کہ دل کی فضا ہلکی پھلکی ہو جاتی..... بلکہ اب تو کسی آندھی کے آنے کا خوف بھی دل کو بوجھل کر رہا تھا۔ موسم کی یہ کروٹ

اس کے اندر کے موسم کی عکاسی کرتی اسے اپنی ہمدرد لگی۔ وہ لب بستہ سی ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر ٹیرس پر کھڑی تھی۔ اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سن کر مڑی۔ سامنے یاسر تھا۔

"ارے تم یہاں ہو میں سارے میں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں تمہیں۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"ہاں موسم کے رنگ دیکھ رہی ہوں۔" اس نے نارمل سے انداز میں جواب دیا۔

"ہوں.... موسم تو بہت خوب صورت ہو رہا ہے۔ چلو کہیں باہر چلیں گھومنے پھرنے.... لنچ باہر ہی کریں گے۔" یاسر نے آسمان پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

"نہیں یاسر بھائی.... ابھی موڈ نہیں ہے۔" وہ کچھ بے زاری سے بولی۔

"بھائی.... بھائی.... ارے تم جانتی ہی ہو گی تمہارے اور میرے درمیان کیا رشتہ طے ہو رہا ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"جی جانتی ہوں مگر مجھے یہ نیا رشتہ منظور نہیں ہے۔ بہتر ہے ہم پرانے رشتے پر ہی رہیں۔" وہ اس سے بھی زیادہ سنجیدگی سے بولی۔

"کیا مطلب.... ماموں تو یہ رشتہ قبول کر چکے ہیں۔ تمہارے علم میں ہو گا۔" وہ جیسے شاک میں آ کر بولا۔

"میرے علم میں ہے۔ مگر مجھ سے میری رضامندی نہیں پوچھی گئی۔ جو کہ میرا حق ہے۔ پاپا نے فرسٹریشن کی کیفیت میں یہ رشتہ منظور کیا۔ انہیں احساس ہو جائے گا۔ اگر انہوں نے فرصت میں پھپھو کو ہاں کہہ دی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ میری مرضی کے بغیر ہی میری شادی کر دیں گے۔ میں نے آپ کے لیے کبھی اس طرح نہیں سوچا یاسر بھائی.... آپ چاہیں تو انکار کر دیں۔ ورنہ میری طرف سے تو انکار ہے ہی۔" وہ کٹھور پن کی حد تک صاف گوئی سے بولی۔ یاسر متوحش سا اسے دیکھے گیا۔ پھر مضبوط لہجے میں بولا۔

"میں تو ہرگز انکار نہیں کروں گا۔ کیونکہ یہ رشتہ میرے اصرار پر ہوا ہے۔ میرے انکار سے ماموں مزید فرسٹریشن کا شکار ہوں گے۔ تمہیں بھی اب سمجھنا چاہیے۔ تمہارے پاس انکار کا کوئی جواز ہی نہیں۔ تم کچھ اپ سیٹ ہو۔ میں سمجھ سکتا ہوں۔ مگر یقین رکھو شادی کے بعد تم اپنی اس بے وقوفی پر ہنسو گی۔" وہ ممکن حد تک خود کو نارمل رکھتے ہوئے بولا۔ ورنہ اندر تو حاکم پسند مرد اچھا خاصا ہلا تھا۔

"میرے پاس ہے انکار کا جواز.... آپ جانتے ہیں۔ میں سلیمان کی منگیتر ہوں۔" وہ اسی انداز میں بولی۔

"منگیتر ہو نہیں منگیتر تھیں۔ سلیمان کا نام اب تمہارے ہونٹوں پر نا آئے۔ تم اب میری ہو۔ میں اپنی چیز میں خیانت برداشت نہیں کر سکتا۔ سمجھیں۔" استحقاق بھرے انداز میں اسے باور کروانے کے بعد وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔ وہ پتھر بنی اسے جاتا دیکھتی رہی۔

"اف یہ وہی والے یاسر بھائی ہیں.... یہ ان کا کون سا روپ ہے۔ نہیں ان کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ یہ مجھ پر یوں حق جتائیں۔" اس نے سہمے دل سے سوچا۔ بادل اچانک ہی گرجے تھے۔ سہا دل کانپ سا گیا۔ وہ سست قدموں کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔

☆ ☆ ☆

جدائی کی کسک لیے
تیری یاد کا آنسو
ہر شب کی آنکھ سے ٹپکا ہے
گزرے کل کی طرح
آج کا دن بھی
تم بن
اداس گزرا ہے!

ساری رات عجیب کشمکش میں گزری.... محبت کو دل کی زمین پر پوری طرح قبضہ جمانے میں سالوں درکار نہیں ہوتے بلکہ یہ تو ایک لمحے میں دل کی ہر ایک جڑ تک اتر جاتی ہے۔ اسے احساس ہونے لگا تھا کہ وہ سلیمان سے بے انتہا محبت کرنے لگی ہے۔ لاکھ کوششیں کیں اسے بھلانے کی.... دل سے نکالنے

کی۔ مگر ایک پل بھی ایسا نا گزرا جو اس کا تصور ساتھ نا ہو یا سر تو کیا وہ کسی کو بھی اس کی جگہ رکھنے کی کوشش کرتی تو دل کی دیواریں ہلنے لگتیں۔

پاپا کے اس نئے فیصلے پر اس کا دل پوری طرح بغاوت کر رہا تھا۔ اس کشمکش میں وہ پوری رات سونا سکی کہ اس صورت حال میں کرے تو کیا کرے۔ اگلی صبح تک اس کا سر درد سے بوجھل ہو رہا تھا اور ٹمپریچر بھی ہو رہا تھا۔۔۔ طبیعت میں ایسی سستی اور بے زاری بھری ہوئی تھی کہ وہ ناشتے کے لیے اٹھ کر باہر نا جا سکی۔ دس بجے کے قریب اس کے کمرے کے دروازے پر ناک ہوئی۔

"کم ان۔" اس نے لیٹے لیٹے ہی کہا۔ دروازہ کھلا پاپا تھے ساتھ میں ملازمہ ٹرالی میں ناشتے کا سامان لیے آ رہی تھی۔ وہ فوراً" اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"گڈ مارننگ بیٹا۔" وہ مسکرا کر بولے اور اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گئے۔

"گڈ مارننگ پاپا۔" وہ زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر لاتے ہوئے بولی۔ وہ کچھ پل اسے دیکھتے رہے۔ پھر مشفقانہ لہجے میں بولے۔

"اپنے دل کی بات مجھ سے نہیں کہو گی آپ تو ذرا ذرا سی بات اپنے پاپا سے شیئر کرتی رہی ہو کیا اب پردہ ہے؟" پاپا کے اس طرح نرمی اور اپنائیت سے کہنے پر دل بھر سا آیا۔ اس نے پاپا کی طرف دیکھا تو بے اختیار آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"پاپا۔۔۔ میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔" ان کے سینے سے لگتے ہوئے وہ بے بس سے انداز میں بولی۔

"بیٹا کون کر رہا ہے آپ کی شادی۔۔۔ ابھی تو صرف رشتہ طے کیا ہے۔۔۔ شادی تو تب ہی ہو گی جب آپ کی بخوشی اجازت ہو گی۔" اس کے بالوں میں شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے نرمی سے کہا۔

"نن۔۔۔ نہیں پاپا میں کبھی بھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔ آپ پھپھو کو منع کر دیں۔ آپ ان سے کہیں وہ یاسر بھائی کے لیے کوئی اور لڑکی پسند کر لیں۔ لیکن یہ رشتہ ختم کر دیں۔" پاپا کی شفقت پا کر وہ بے ساختہ کھل کر کہہ گئی۔ چند لمحوں کے لیے یوسف کمال دم بخود رہ گئے۔ بیٹی سینے سے لگی ہوئی تھی اس کے لہجے کا درد اور کرب کیوں نا محسوس ہوتا۔ فرحان عباسی کے فراڈ کے دکھ میں انہوں نے بیٹی کے دکھ کو محسوس ہی نہیں کیا تھا ابھی تک۔۔۔ وہ کیا چاہتی تھی اس بات کو تو وقعت ہی نہیں دی گئی تھی۔ انہیں یاد تھا سلیمان کے لیے ہاں کہتے ہوئے اس کے چہرے کے رنگ کیسے تھے۔۔۔ اس نے سوچنے یا فیصلہ کرنے کے لیے ایک لمحہ بھی نا مانگا تھا۔ اور انہوں نے سمجھا شاید یہ بیٹی کی فرماں برداری اور ماں باپ پر اعتماد کی علامت ہے۔ اسی لیے تو یاسر کے لیے ہاں کہتے ہوئے انہوں نے ایک بار بھی نا سوچا تھا کہ بیٹی کی مرضی کیا ہے۔ وہ تو یہی سمجھ رہے تھے کہ باپ کے دکھ پر وہ افسردہ ہے یا اپنی منگنی جس کو جمعہ جمعہ آٹھ دن ہی ہوئے تھے اس کے ٹوٹنے پر رنجیدہ اور پریشان ہے۔ اسی لیے تو انہوں نے بنا سوچے اسے نئے رشتے سے باندھ دیا تھا کہ شاید اسی طرح وہ بھی اس واقعہ کے اثر سے نکل آئے مگر معاملہ ان کی سوچ اور ان کے فہم سے کہیں آگے کا تھا۔ انہوں نے بیٹی کی مرضی نا پوچھ کر غلطی کی تھی۔ ابھی ابھی ادراک ہوا۔ لیکن ایک اور آگاہی جسے وہ انہونی ہی سمجھ رہے تھے۔۔۔ انہوں نے ارسہ کا چہرہ اپنی آنکھوں کے سامنے کیا۔ بکھرے بال، زردی مائل یاسیت زدہ چہرہ نم آنکھوں میں ویرانگی۔۔۔ یہ انہونی ہو چکی تھی۔۔۔ ان کا دل لحظہ بھر کو موم ہو گیا پھر جیسے کوئی کیل سا لگا تھا۔۔۔ دل پتھر سا ہو گیا۔

"ارسہ بیٹا یہ جو سب ہوا۔ اس کو اپنی زندگی کا بدنما داغ سمجھ کر دھو دو۔ آئندہ میں تمہیں سلیمان کے لیے افسردہ ہوتا نا دیکھوں۔ وہ لوگ اس قابل نہیں کہ ان کے لیے ایک پل بھی دکھ محسوس کیا جائے۔ مجھے معاف کر دینا کہ میں نے آپ سے پوچھے بنا رابعہ کو ہاں کہہ دی۔ مگر یقین رکھو آپ کا خیال کر کے کی ہے اور آپ کے لیے بہتر سوچا ہے۔۔۔ میں اپنی زبان سے اس وجہ سے نہیں پھر سکتا۔۔۔ کہ میری بیٹی ایک مجرم اور لالچی کے بیٹے کی محبت میں مبتلا ہے یہ میرے لیے ہتک

آمیز ہے۔۔۔ ارسہ ناشتا کرو۔ پھر کچھ دیر تک باہر چلتے ہیں میں کچھ کاروباری معاملات سنبھالوں تو پھر ہم سب کچھ دنوں کے لیے آؤٹ آف کنٹری جائیں گے گھومنے پھرنے۔" انہوں نے جلدی سے بات کو سمیٹا اور اٹھ کر کمرے سے جانے لگے۔

"پاپا جان!" وہ بے ساختہ پکاری وہ انہی قدموں پر رک گئے۔ بنا اس کی طرف دیکھے۔۔۔ "پاپا آپ کی خاطر میں سلیمان کے بغیر رہ سکتی ہوں۔ مگر میں اس کی جگہ کسی اور کو قبول بھی نہیں کر سکتی میں شادی نہیں کرنا چاہتی تو پھر آپ منگنی کیوں کر رہے ہیں؟" وہ دو ٹوک الفاظ میں بولی۔ یوسف کمال نے بڑے ضبط سے اس کی بات سنی اور پھر چپ چاپ کمرے سے نکل گئے۔ اس نے مارے باندھے تھوڑا سا ناشتا کیا۔

☼ ☼ ☼

رات کا کھانا کھانے کے بعد وہ سب ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔ رابعہ اور شگفتہ آپس میں کوئی گفت و شنید کر رہی تھیں۔ یاسر اور آصف لڈو کھیلتے ہوئے شور مچا رہے تھے۔ سونیا ساس اور پھپھو ساس کی گفت و شنید کا حصہ بنی ہوئی تھی۔۔۔ تاہم درمیان میں اس کی نظریں کبھی ٹی وی پر ہوتیں تو کبھی وہ آصف اور یاسر کے کھیل پر کمنٹری دینے لگتی۔ یوسف کمال کی تمام تر توجہ ٹی وی پر تھی جہاں نیوز چینل پر پروگرام چل رہا تھا۔ ارسہ بھی ان سب کے درمیان میں مگر قدرے خاموش تھوڑی الگ ہو کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی توجہ ہاتھ میں پکڑے میگزین پر تھیں۔ ٹی وی لاؤنج کے اس پر سکون ماحول میں اضطراری کیفیت پیدا ہونے لگی جب چوکیدار نے آ کر کہا "بڑے صاحب جی گیٹ سے باہر سلیمان صاحب آئے کھڑے ہیں۔ کہہ رہے ہیں تب تک نہیں جاؤں گا جب تک آپ ان کی بات نہیں سن لیتے۔" چوکیدار سے اطلاع سن کر وہ سب متوجہ ہو گئے۔ یوسف کمال کے چہرے پر تناؤ مزید گہرا ہوا۔ اور ماتھے پر ناپسندیدگی ظاہر کرتیں لکیریں نمودار ہوئیں۔ مگر ان کے الفاظ ان سب توقع کے برعکس تھے۔

"آج صبح آفس بھی آیا تھا۔ وہاں اس کو گھاس نہیں ڈالی گئی تو گھر آ گیا۔ بھیجو اسے۔۔۔ لگتا ہے کچھ طبیعت ٹھیک سے صاف کرنی پڑے گی۔" یہ سب سنتے ہوئے ارسہ کے دل کو تکلیف سی محسوس ہوئی تاہم وہ اپنے تاثرات چھپانے میں کامیاب رہی۔ وہ غیر محسوس طریقے سے وہاں سے اٹھی۔ چلتی ہوئی ڈائننگ روم کی طرف آ گئی اور پردے کے پیچھے ہو گئی۔ وہ سلیمان سے سامنا نہیں چاہتی تھی۔ نجانے کیوں لگا کہ اسے دیکھتے ہی آنکھیں بھیگ جائیں گی اور نجانے وہ خود پہ کنٹرول رکھ سکے یا نہیں اسی لیے احتیاط" وہ سائیڈ پہ ہو گئی سلیمان ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوا تو سب اسے دیکھ کر چونک گئے سوائے یوسف کمال کے۔۔۔ داڑھی نما بڑھی ہوئی شیو' رت جگوں کا پتا دیتی سیاہ حلقوں والی سرخی مائل آنکھیں' چہرے پہ زردی اور تھکاوٹ اور واضح ویلا پن۔۔۔

"السلام علیکم۔" جب وہ بولا تو آواز بھی پژمردگی لیے ہوئے تھی۔ سوائے عورتوں کے کسی نے اس کے سلام کا جواب نا دیا۔

"کہو صاحبزادے کیا پٹی پڑھا کے بھیجی ہے محترم والد صاحب نے؟" یوسف کمال کی بارعب آواز میں طنز ہی طنز تھا۔

"انکل مجھے ڈیڈی نے نہیں بھیجا۔۔۔ میں خود آیا ہوں۔۔۔ اور ڈیڈی کو چھوڑ کر آیا ہوں۔۔۔ انکل میں آپ کے ساتھ ہوں۔ ڈیڈی نے جو آپ کے ساتھ کیا۔ میں نا صرف اس سب سے لاعلم تھا' بلکہ سخت حیران ہوں اور ڈیڈی کے خلاف ہوں۔ ڈیڈی کے اس عمل کی معافی تو میں مانگوں' تو اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ تلافی کرنا بہت دور کی بات۔ انکل اصل بات یہ ہے کہ میں۔۔۔ میں ارسہ سے بے انتہا پیار کرتا ہوں۔۔۔ اور میں نے آپ سے آج تک جو پیار اور شفقت پائی اس کا دل سے معترف ہوں۔ میں ارسہ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ ڈیڈی کے خلاف اگر مقدمہ درج کرائیں تو مجھے بطور گواہ عدالت میں پیش کر سکتے ہیں۔ کیونکہ میں

ڈیڈی کا منصوبہ ان سے سن چکا ہوں۔ ایک بیٹا اپنے باپ کے خلاف ہو کر آپ کی فرزندگی میں آنا چاہتا ہے اور آپ کی بیٹی کا ساتھ چاہتا ہے۔ کیا یہ میری محبت اور میرے بے قصور ہونے کی علامت نہیں ہے۔" وہ بے حد عاجزانہ اور ملتجی لہجے میں بات کر رہا تھا۔

"اوں.... ہوں یہ نا صرف انہونی بات ہے بلکہ گھٹیا بھی ہے۔ انہونی اس لیے کہ ایک انسان کا اپنا خون کیسے اس کے اپنے ہی خلاف ہو سکتا ہے۔ ناممکن ہے یہ.... یہ بھی تم لوگوں کی نئی چال ہے۔ ضرور تم گھر داماد بن کر اس گھر کا صفایا کرنے کا پلان بنائے بیٹھے ہو۔ تمہارا باپ میرے لیے تم سے زیادہ قابل بھروسا تھا۔ اس نے میرے اعتماد کو ریت کی طرح بکھیر دیا تو تم.... ہاہ .... یہ کتنی گھٹیا بات ہے کہ ایک نوجوان لڑکا ماں باپ کو ٹھکرا کر ایک لڑکی سے شادی رچانے آیا ہے.... وجہ.... محبت.... ارے ایک لڑکی کی محبت میں تم ماں باپ کی محبت کو دھوکے اور فریب میں ڈال رہے ہو تو چند دنوں بعد جب میری بیٹی کی محبت کا بخار اترے گا تو پھر کدھر منہ مارو گے.... کوئی اور ڈھونڈو گے اور اس کی خاطر بیوی کو ٹھکرا دو گے۔ شاباش.... ثبوت دے دیا تم نے کہ تم ایک خودغرض' دغاباز اور وقتی فائدہ سوچنے والے لالچی انسان کے بیٹے ہو۔" یوسف کمال نے سابقہ انداز میں لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں انکل آپ غلط سمجھ رہے ہیں مجھے۔ ٹھیک ہے میں اپنے باپ کا خون ہوں۔ مگر میرا ضمیر' میرا دل' میری سوچ ان کے جیسی نہیں ہے۔ میں ماں باپ کے بغیر آپ سے ارسہ کو مانگنے آیا ہوں۔ کیونکہ میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔" اس کے انداز میں بے بسی تھی اور آواز میں مضبوطی۔

"بہت اچھے اداکار ہو.... باپ سے بھی زیادہ اچھے .... اس سے دو ہاتھ آگے۔ یقیناً" میرے پاس تمہیں انکار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ مزید مال چاہیے تو سیدھے طریقے سے مانگ لو۔ یہ حربے کام نہیں آئیں گے۔ جاؤ دفع ہو جاؤ.... آئندہ شکل مت دکھانا۔" تیز لہجے میں بولتے ہوئے وہ اچانک غصے میں آ گئے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ سلیمان نے بمشکل تمام خود کو سنبھالا اور کھڑا ہو گیا۔

"انکل میں آپ کے پاس اچھی امید لے کر آیا تھا۔" اس نے شکستہ سے لہجے میں کہا۔

"اب اس گھر میں اچھی بری کوئی امید نا لے کر آنا .... ارسہ میری منگیتر ہے۔ میں برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی بھی آکر اس کا ہاتھ مانگے سمجھے.... انکل کا سوچ کر لحاظ کرتے ہوئے سوچتے تو یہ بات نا کرتے.... میں ابھی تمہیں اسی طرح واپس جانے دے دیتا ہوں.... آئندہ ایسا کچھ کم از کم میں تو نہیں برداشت کروں گا.... میرا ظرف ماموں جتنا نہیں ہے۔" یاسر اچانک ہی درمیان میں آکر بولا۔ سلیمان نے سرتاپا اسے دیکھا۔ ایسے جیسے نظروں ہی نظروں میں اسے باور کروا رہا ہو کہ تمہارے کہہ دینے سے ارسہ مجھ سے جدا نہیں ہوگی۔ ارسہ صرف اور صرف میری ہے۔" پھر اس نے ایک اچٹتی نظر پردے کے پیچھے سے جھانکتی ارسہ پر ڈالی.... جو وہیں کھڑی کپکپا سی گئی۔ اس کی لال انگارہ نظریں.... جیسے دور سے ہی آرپار ہو گئیں۔ اندر کا سارا حال جان گئیں۔ وہ نجانے کب سے اس کی چوری پکڑ چکا تھا۔ وہ سوچ کر گم صم سی ہوئی۔ پھر مزید کچھ کہے وہ خاموشی سے چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

"تم پاگل ہو گئے ہو یاسر.... کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ میں تو کہتی ہوں یہ رشتہ یہیں ختم کریں اور واپس جرمنی چلیں۔ پھر جب اگلی بار آئیں گے تو کوئی لڑکی دیکھ لیں گے۔" رابعہ بیگم آواز دبا کر قدرے آہستگی سے بولیں مگر ان کے لہجے اور آنکھوں میں اشتعال واضح تھا۔

"مما آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ رشتہ ختم کریں۔ میں نے ارسہ کو پسند کر لیا ہے اور اب ہر ممکن اسے حاصل کرنا ہے۔ آپ ماموں سے کہیں کہ ابھی صرف نکاح کر دیں۔ رخصتی بعد میں کر لیں چاہے۔" وہ اٹل لہجے میں بولا۔

"یاسر تم کیوں نہیں سمجھ رہے بیٹا یہ معاملہ یکطرفہ

نہیں ہے۔ ٹھیک ہے حالات کی وجہ سے ان دونوں کی منگنی ٹوٹ گئی مگر کل رات سلیمان کی حالت دیکھ کر مجھے اس پر رحم آنے لگا۔۔۔ اور ارسہ۔۔۔ ارسہ کو بھی تم دیکھ ہی رہے ہو۔ جب سے ہم آئے ہیں ایک بار بھی اسے پہلے کی طرح ہنستے بات کرتے نہیں دیکھا ہے۔ باپ کی خاطر اس نے خاموشی سے سب سہہ لیا مگر اندر سے وہ خوش نہیں ہے اپنی منگنی ٹوٹنے پر۔ کیا تم ایسی بیوی چاہتے ہو جو دل سے نہیں جبرا" تمہیں قبول کر رہی ہے۔" رابعہ نے اسے سمجھانا چاہا۔

"مما۔۔۔ مما وہ خبیث سلیمان کی باتوں میں آ گئی ہو گی۔ وہ وقتی طور پر متاثر ہوئی ہے۔ مگر مجھ سے شادی کے بعد وہ نارمل ہو جائے گی۔ ویسے بھی کیا ثبوت ہے کہ سلیمان جو کل رات کہہ رہا تھا سچ تھا یا کسی سازش کا حصہ تھا وہ۔۔۔ کیا آپ چاہتی ہیں ماموں ان لوگوں کے ہاتھوں برباد ہو جائیں؟" اس نے رابعہ کو دوسری طرح سوچنے کی راہ دکھائی وہ وقتا" کچھ دیر سوچ میں پڑ گئیں۔

"ہم غلط ٹائم پہ پاکستان آئے ہیں۔۔۔ تمہاری خوشی کی خاطر بات کرتی ہوں یوسف سے۔۔۔ اگر وہ نا مانے تو میں مجبور نہیں کروں گی۔" وہ کچھ کمزور لہجے میں بے دلی سے بولیں۔

"ماموں مان جائیں گے کیونکہ وہ اب کبھی سلیمان کو داماد بنانے کا سوچ بھی نہیں سکتے اور یقینا" وہ یہ بھی نہیں چاہیں گے کہ ارسہ کا رشتہ ایک بار پھر ختم ہو جائے۔ آپ بات تو کریں مگر ایسے نہیں جیسے اب کر رہی ہیں بلکہ بہت مان سے بات کریں آپ۔" وہ پر یقین انداز میں بولا۔

"ابھی تو شاید یوسف مان ہی جائے۔۔۔ مگر بعد میں کیا یہ سب نارمل ہو گا زندگی بھر کا نباہ آسان نہیں ہوتا اس طرح کی شادیوں میں۔" وہ بڑبڑانے کے انداز میں بولیں۔

"مما آپ تو وہمی ہیں۔ آپ کو میری خوشی اور میری پسند پہ اعتراض ہی کرنا تھا تو پھر خود ہی آ جاتیں پاکستان۔۔۔ مجھے ساتھ کیوں لائیں؟" وہ کچھ خفگی دکھاتے ہوئے بولا تو رابعہ بیگم نے مزید کچھ بولنے سے پرہیز کیا۔

شام کی چائے پی جا رہی تھی جب رابعہ بیگم نے سب کے درمیان میں بابت شروع کی اس وقت سب ہی موجود تھے ٹی وی لاؤنج میں ارسہ حسب معمول غائب تھی ادھر سے۔۔۔

"رابعہ مجھے تمہاری تجویز منظور ہے۔ ہم اسی جمعہ کو نکاح کی چھوٹی سی تقریب سادگی سے منعقد کرتے ہیں۔" یوسف کمال نے چند سیکنڈ کے توقف کے بعد نارمل سے انداز میں کہا۔ یاسر کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ دوڑی۔ باقی سب سنجیدگی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

٭ ٭ ٭

اداسی میرے چہرے کا لباس ہے
صرف چپ رہنا ہی
میرے بس کی بات ہے
زید کسی کو چھین لینا
میری فطرت نہیں
وہ خود ہی مل جائے
تو قسمت کی بات ہے

آج جمعرات کی رات تھی۔ جمعہ آنے میں صرف ایک دن باقی تھا۔ اسے اپنے نکاح کی خبر ملی تو وہ ایک دم سناٹے میں آ گئی۔ ماں باپ اور دیگر رشتوں سے آج تک صرف پیار، شفقت، نرمی اور مان ہی ملا تھا۔ ہر بات میں اس کی پسند ناپسند کا خیال رکھنے والے پاپا نے اس کی زندگی کا اہم ترین فیصلہ کرتے ہوئے اسے رسما" بھی نا پوچھا تھا۔ کیا پاپا نے اس کے اداس چہرے کی تحریر پڑھ لی تھی۔ یا وہ کسی قسم کے خدشے میں مبتلا تھے۔ وہ پوچھ نا سکی۔ اپنا دل ہی چغلی کھاتا تھا۔ وہ گم صم تھی اور خود کو مکمل طور پر اپنے حالات کے سپرد کر چکی تھی۔ دل میں سناٹا پھیلتا جا رہا تھا۔ وہ آنے والے وقت سے گھبرا رہی تھی۔ کئی راتیں آدھی سوئی آدھی جاگی گزری تھیں۔ آج بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔ بیڈ پر ادھر سے ادھر کروٹیں لیتے لیتے تھک گئی تو اٹھ کر ٹہلنے لگی

۔بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ پڑے موبائل کی رنگ بجی تو وہ حیران ہو کر موبائل کی طرف بڑھی۔ رات کے ڈیڑھ بجے کسی کی کال ہو سکتی تھی۔ وہ سلیمان کا نمبر دیکھ کر چونکی۔۔۔ پچھلے دنوں وہ اس کی کئی کالز اور کئی میسجز اگنور کر چکی تھی۔ مگر آج ایسا کرتے ہوئے دل کانپ سا گیا دل تو جیسے سینے کی دیواریں توڑنے لگا تھا۔ آج اس نے دل کی بات مان لی اور کال پک کی۔۔۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی ہونٹوں سے بے ساختہ سسکی نکلی خشک آنکھوں میں پانی بھرنے لگا تھا۔ آنسوؤں کی لڑیاں تھیں جو گالوں کو تر کرنے لگیں۔

"کیسی ہو ارسہ۔" چند سیکنڈ توقف سے سلیمان کی آواز ابھری۔

وہ کچھ جواب نا دے سکی۔ "کتنا مشکل ہوتا ہے نا دل سے لڑنا اور محبت کی نفی کرنا۔" سلیمان کی گمبھیر آواز ظاہر کر رہی تھی کہ وہ اس کے حال سے مکمل واقف ہے۔ وہ اسے جھٹلا نا سکی خاموش رہی۔

"سنو۔۔۔ ارسہ اگر تمہارے دل میں محبت ہے۔ تو تمہیں اس محبت کا واسطہ کل مجھ سے ملنے آجانا۔۔۔ کچھ کہنا ہے تم سے۔۔۔ اگر تمہارا دل میرے حق میں ایک فیصد بھی گواہی دیتا ہے کہ میں اس سارے معاملے میں بے قصور ہوں تو پلیز ایک بار ملنے آجاؤ۔" سلیمان کی آواز میں پر شدت التجا تھی۔ اس کی دھڑکن لحظہ بھر کو تھم سی گئی۔ سلیمان نے ملنے کی جگہ کا ایڈریس بتا کر کال منقطع کر دی تھی۔ وہ کتنی دیر کشمکش و پیچ میں مبتلا ادھر ادھر ٹہلتی رہی۔ دل تو سو فیصد اس کے حق میں بول رہا تھا اور اس نے کہا تھا اگر ایک فیصد بھی دل اس کے حق میں گواہی دے۔۔۔ فیصلہ کرنے کے بعد وہ سکون سے سو پائی تھی۔

☆ ☆ ☆

کئی دنوں سے دل کو سنبھالا دیا ہوا تھا۔ دل کی ہر بات کی نفی کر کے دل کو اگنور کیا تھا۔ دل مرجھانے لگا تھا۔ نا وہ دل سے ہنس سکی تھی نا وہ کسی اور طرف دل کو مبذول کر سکی تھی۔ آج تو دل مچل اٹھا تھا اپنی منوانے کے لیے۔۔۔ اسے لگا تھا اگر آج بھی دل کی بات نا مانی تو دل بند ہو جائے گا۔ آگے زندگی میں کون سی آزمائشیں تھیں۔ اجڑے دل سے جینا تھا تو کیا تھا اجڑنے سے پہلے دل کو کچھ تقویت مل جائے۔ یہی الجھی سوچوں میں مبتلا وہ نیچے آئی۔۔۔ مما ملازمہ کو صفائی وغیرہ کے متعلق ہدایات دے رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر مسکرائیں۔ اس نے آج کافی دنوں بعد ذرا ڈھنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ بالوں میں کنگھی کر رکھی تھی۔ پچھلے دنوں کی نسبت وہ کافی بہتر حالت میں نظر آئی۔

"مما میں ذرا اپنی فرینڈ کی طرف جا رہی ہوں۔" وہ نظریں جھکا کر بولی۔ ماں سے جھوٹ بولنے کا پہلا موقع تھا شاید۔۔۔

"ہاں۔۔۔ ہاں چلی جاؤ۔۔۔ ذرا دل بہل جائے گا۔ میں ڈرائیور کو کہتی ہوں آپ کو چھوڑ آئے۔" انہوں نے جھٹ سے کہا۔

"نہیں مما میں خود ہی چلی جاتی ہوں۔ ہو سکتا ہے میں کچھ لیٹ آؤں۔ آپ کو ڈرائیور کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ میری فرینڈ اتنی قریب بھی نہیں رہتی۔" اس نے قطعی انداز میں کہا۔

"اچھا جیسے آپ کی مرضی پارلر کا چکر بھی لگا لینا۔ کل نکاح میں زیادہ تو نہیں تھوڑے مہمان تو بلائے ہی ہیں کچھ قریبی رشتے دار آئیں گے۔ آپ کا چہرہ بہت مرجھایا ہوا لگ رہا ہے کچھ فریش نظر آؤ کی اگر فیشل وغیرہ کروا آؤ۔" مما نے ذرا احتیاط سے کہا کہ کہیں وہ برا نا مان جائے۔

"اچھا مما۔۔۔ جاؤں گی اگر ادھر سے جلد نکل آئی۔" اس نے بغیر پس و پیش کہا۔ پھر باہر جانے کے لیے بڑھ گئی۔۔۔ تقریباً" آدھے گھنٹے بعد وہ جام شیریں پارک میں تھی۔ گیٹ کے اندر داخل ہونے کے بعد کچھ ہی آگے اسے سلیمان نظر آیا جو درخت کے نیچے تنے کے ساتھ کھڑا تھا۔ سلیمان کی نظر اس پر پڑی تو وہ بے ساختہ مسکرایا۔۔۔ ایسی مسکراہٹ جو دل کی گہرائیوں سے نکلی تھی مگر یاسیت زدہ۔۔۔ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ارسہ
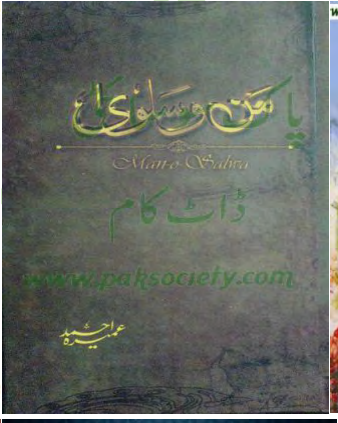
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

اس کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ دونوں کچھ دیر ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ دونوں کو ہی ایک دوسرے کی حالت پر رونا آنے لگا۔ اس سے پہلے کہ مچلتے آنسو گال بھگوتے ارسہ آگے کی طرف چلنے لگی۔ سلیمان اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے لگا۔ دونوں چپ چاپ چلتے ہوئے قدرے خاموش اور الگ تھلگ کونے میں آگئے۔ یہاں درخت کافی گھنے تھے۔ وہاں رکھے بینچ پر دھوپ پڑ رہی تھی وہ دونوں اسی پر بیٹھ گئے۔

"ارسہ کل تمہارا نکاح ہو رہا ہے۔" کچھ توقف سے سلیمان نے ایسے پوچھا جیسے یہ جملہ ادا کرنا اس کے لیے انتہائی نفرت آمیز ہو۔

"ہوں... مگر تمہیں کیسے خبر؟" وہ حیران ہو کر بولی۔

"تمہیں میری زندگی سے نکالا جا رہا ہے۔ میرے دل میں تو تم ہی ہو نا۔ اور دل میں رہنے والوں کی خبریں تو رکھنی پڑتی ہیں... دل سگنل دیتا ہے... اندازہ ہو جاتا ہے دل میں رہنے والا خوش ہے یا غم زدہ... پھر خبر تو لینی پڑتی ہے نا جب دل اچھا سگنل نا دے۔" وہ گمبھیر لہجے میں بول رہا تھا۔ "ارسہ کے دل پر بوجھ بڑھنے لگا تھا۔ مگر سلیمان کے اگلے جملے پر وہ بری طرح چونکی "ارسہ مجھ سے کورٹ میرج کرو گی؟" اس نے اطمینان سے پوچھا تھا۔ ارسہ شدید حیرت میں مبتلا گنگ ہو کر اسے دیکھے گئی۔ "ارسہ میں کوئی تشریح نہیں کروں گا محبت کی' اتنا جانتا ہوں کہ اب تمہارے سوا زندگی بے مقصد فضول لگتی ہے۔ ایسے لگتا ہے زندگی ایک جگہ پہ تھم گئی ہے۔ تم نظر نہیں آتیں تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا رہتا ہے۔ مجھے تم سے محبت ہے خود سے بھی زیادہ... اور اتنا خوش گمان بھی ہوں کہ تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو... تمہارا چہرہ تمہاری آنکھیں کہتی ہیں سب... تم نے ابھی تک میری ہر بات کو اگنور کیا' اس معاملے کے بعد میرے سے کوئی رابطہ نہیں رکھا۔ انکل کی طرح تم بھی بدگمان ہو گئی مجھ سے... غلطی تو میرے باپ نے کی ان کے جرم کی سزا کا نتیجہ مجھے اور تمہیں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ انکل نے ڈیڈی کے خلاف ابھی تک کوئی کاروائی نہیں کی۔ مجھے نشانہ بنا لیا اور اس بات سے میرے ڈیڈی کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ارسہ ہم نکاح کر لیتے ہیں۔ ہمارے ماں باپ کو اگرچہ اس پہ اعتراض ہو گا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ سمجھ جائیں گے اور مجھے یقین ہے وہ ہمارے رشتے کو قبول کر لیں گے۔" بغیر اس کی طرف دیکھے وہ بڑے یقین سے کہہ رہا تھا۔

"نہیں سلیمان جس شخص نے میرے باپ کی دوستی اور خلوص سے کھیلتے ہوئے اتنا بڑا دھوکا دیا' میں اس کے بیٹے سے نکاح کر کے اپنے باپ کی عزت سے نہیں کھیل سکتی۔ میں بھی اپنے پاپا کو دھوکا دوں گی تو ان پر کیا بیتے گی۔ پاپا تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتے اور میں تم سے کورٹ میرج کر لوں۔ نہیں اپنی خوشی کے لیے میں ایسا نہیں کر سکتی۔" تمام جذبات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے وہ سختی سے بولی۔

"اچھا تو پھر تم اپنے باپ کی جان جاتے ہوئے تو دیکھ سکتی ہو نا۔" اس نے اب بھی اس کی طرف دیکھے بنا 'سامنے آسمان پر اڑتے چڑیوں کے غول پر نظر رکھتے ہوئے کہا۔

"واٹ... یہ کیا کہا تم نے؟" وہ اپنی جگہ سے اچھل پڑی اور اسے ایسے دیکھتے ہوئے بولی جیسے اس کے ذہنی توازن پر شک ہو۔

"ہاں ارسہ... میں نے فیصلہ کر رکھا ہے یا تو آج ابھی گھر جانے سے پہلے تم مجھ سے کورٹ میرج کرو گی یا پھر کل یا پرسوں نکاح سے پہلے اپنے اور میرے باپ کی میتیں دیکھو گی۔ اور کل تک میں تمہیں تمہارے گھر بھی نہیں جانے دوں گا۔ اگر تم نکاح پر نہیں مانی تو ... یہاں سے تم نکلو گی تو کچھ لوگ تمہارا پیچھا کریں گے جو تمہیں آسانی سے کڈنیپ بھی کر لیں گے۔ پھر ان کے لیے کوئی مشکل نہیں ہو گا تمہارے اور میرے باپ کو قتل کرنا۔ میں نے ان لوگوں کو ہائر کر رکھا ہے۔"

"یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو سلیمان۔" وہ کچھ بپھر کر بولی۔

"بکواس کہو یا کچھ بھی... لیکن سچ ہے۔ میرے

باپ نے سب کچھ کرتے ہوئے 'نا اخلاقیات کا خیال رکھا اور نا ہی کسی دوستی اور رشتے کے تقدس کا خیال رکھا۔ میں نے انہیں سمجھایا۔۔۔ ان کی منتیں کیں کہ وہ اپنے اس فعل کی انکل سے معافی مانگیں اور ان کا سب کچھ واپس کریں اور اس رشتے کا خیال رکھیں جو میرے اور ارسہ کے بیچ میں ہے۔ مگر انہوں نے میری کسی بات کو میری حالت کو قابل توجہ نا جانا۔ پھر میں تمہارے باپ کے پاس گیا۔ اپنے بے قصور ہونے کا یقین دلایا۔ انہیں یہاں تک کہا کہ اگر وہ میرے باپ کے خلاف قانونی کاروائی کریں تو میں ان کے ساتھ ہوں مگر انہوں نے بھی مجھے ہی دھتکارا۔۔۔ میرا باپ جو ان کا اصل میں مجرم ہے ان کا تو کچھ نہیں بگاڑا۔ ارسہ جب ہمارے ماں باپ ہمارے احساسات ' جذبات ہماری خوشیوں کو قتل کر کے ہمارے زندہ وجود میں سے زندگی کھینچ لیتے ہیں اور جیتے جی ہمیں مردوں سے بھی بدتر زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتے ہیں تو انہیں ہم پر رحم نہیں آتا۔ اپنی ہی اولاد کو وہ اپنے ہاتھوں آزمائش میں ڈال رہے ہوتے ہیں تو ان کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ تو ہمیں بھی ایسے والدین کی ضرورت نہیں۔ نہیں ارسہ میں یہ ناانصافی برداشت نہیں کروں گا یا تو تم اور میں ایک ہوں گے یا پھر سب بکھر جائے گا۔ میں نے تہیہ کر لیا ہے اور میں نے سب انتظام بھی کیا ہوا ہے۔" اس کا لہجہ اس کے فیصلے کی تصدیق کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے لال ڈوروں میں سفاکی صاف دیکھی جا سکتی تھی۔ ارسہ کانپ کر رہ گئی۔۔۔ وہ بے حد متحیر سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"سلیمان تم ایسا نہیں کر سکتے۔۔۔ ہمارے ماں باپ کو ہم پر حق ہے۔ اگر ہمارے والدین ہماری مرضی اور خوشی کے بغیر فیصلے کر رہے ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اولاد سے دشمنی کر رہے ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ دور اندیش ہوتے ہیں اور اپنی اولاد پر بھروسا ہوتا ہے مان ہوتا ہے۔ کیا اس بات پر ہم اپنے والدین کی جان لے لیں یہ کس طرح درست ہے تمہاری نظر میں؟" اپنے اشتعال کو دباتے ہوئے وہ اسے سمجھانے لگی۔

"ارسہ کیا میرے والد نے درست کیا اور اس کے رد عمل میں تمہارے والد نے کیا ٹھیک کیا کہ باپ کے جرم کی سزا بیٹے کو دے رہے ہیں۔ مجھے اس وقت کچھ سجھائی نہیں دے رہا میرے جیتے جی تم کسی اور کی نہیں ہو سکتیں۔ اگر انکل یہ نکاح والا چکر نا چلاتے تو شاید میں اتنی انتہا تک نا جاتا۔ اب مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔ تمہیں مجھ سے نکاح کرنا ہو گا ورنہ میں باز نہیں آؤں گا ان دونوں کو قتل کرنے کے بعد چاہے میں سولی چڑھ جاؤں چاہے خود کشی کروں۔"

"سلیمان۔" "شٹ اپ بکواس بند کرو یہ محبت نہیں ہے محبت میں قربانی دی جاتی ہے۔ کسی کی بلاوجہ جان نہیں لی جاتی اور زبردستی کے نکاح کو نکاح بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کسی کو ڈرا دھمکا کر نکاح کرنا کیا مستحب ہے؟" وہ ضبط کھوتے ہوئے چیخ پڑی تھی۔

"گناہ ثواب کا ذکر ہی کون کرتا ہے یہاں سب ہی اپنے گناہوں پر شیر ہیں۔ کسی کو بھی احساس جرم نہیں ہے۔ کیا تم دل سے راضی ہو یا سرے سے نکاح پر؟" وہ بھی جواباً چیخ کر بولا اور اس کے روبرو کھڑا ہو گیا۔

"میرا باپ راضی ہے اور میں اپنے پاپا کی مرضی اور فیصلے پر راضی ہوں۔" وہ نظریں جھکا کر بولی۔ "پلیز سلیمان۔۔۔ تم ایجوکیٹڈ' مہذب انسان ہو کر ایسی باتیں مت کرو جو تمہیں زیب نہیں دیتیں۔" وہ آنکھوں میں آنسو لیے منت آمیز لہجے میں بولی۔

"پلیز ارسہ۔۔۔ مجھے مت سمجھاؤ۔۔۔ صرف اپنا فیصلہ دو ہاں یا نا۔" وہ اتنے ہی دو ٹوک بے حس لہجے میں بولا۔ ارسہ نے ایک نظر اس پر ڈالی اور واپسی کے لیے قدم اٹھانے لگی۔ "ارسہ۔۔۔ یہ تمہارا موبائل میرے پاس ہے۔ جو ابھی کچھ دیر پہلے میں نے تمہارے بیگ سے با آسانی نکالا ہے۔۔۔ تم ابھی یہاں سے نکلو گی تو کچھ لوگ تمہارا پیچھا کریں گے اور پھر وہ تمہیں اٹھا کر لے جائیں گے تم اس قابل نہیں ہو گی کہ گھر پر کسی کو انفارم کر سکو۔ پھر وہی لوگ مرڈر کریں گے۔ سوچو تمہاری اس نا سے کیا خون خرابا ہو گا؟" سلیمان لمحے کی تاخیر کیے بنا تیزی سے بولا۔ ارسہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور کتنی

ساعتیں خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ موبائل واقعی ہی اس کے ہاتھ میں تھا۔ اب بے یقینی والی کوئی بات نا تھی۔ اسے اپنے جسم پر کپکپی طاری ہوتی محسوس ہوئی۔ دونوں فیصلے ہی ایسے تھے۔۔۔ ہاں کی صورت میں بھی دودھاری تلوار پر چلنے کی صورت حال تھی اور نا کی صورت میں تو بربادی اور تباہی تھی دو خاندانوں کی۔۔۔

اس کا نازک سا دل جکڑا جا رہا تھا۔ زندگی میں کبھی ایسے پچھتاوے سے گزرنا نہیں پڑا تھا۔ آج ہی مما سے جھوٹ بولا تھا۔ اس کا نتیجہ سامنے تھا۔ دل کی ذرا سی بات مان کر بڑی مصیبت مول لے لی تھی۔ مگر کیا پتا اگر وہ نا آتی تو وہ اس کے سامنے دو باتیں رکھنے کی بجائے ایک ہی پر عمل کرتا اور نجانے کیا ہوتا ابھی تو معاملہ ہاتھ میں تھا۔ دونوں فیصلوں میں ایک فیصلہ تاہم ایسا تھا کہ اس سے امید وابستہ کی جاسکتی تھی۔ بربادی سے بچا جاسکتا تھا اگرچہ یہ فیصلہ کرنا اس کے لیے زندگی کا مشکل ترین امر تھا۔

"سلیمان مجھے تم سے نکاح منظور ہے۔" وہ ایک دم خوف کی لپیٹ میں آئی تھی، تاہم مضبوط انداز میں بولی۔

"اوہ۔۔۔ تھینکس تم نے ٹھیک فیصلہ کیا۔ یہ بہت اچھا ہے۔ رکو میں ابھی ایک کال کرلوں۔" وہ خوشی میں بے قابو سا ہو کر بولا۔ ارسہ جامد تاثرات کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔ "ہیلو یار اسد میں آرہا ہوں اور ہاں ان لوگوں کو بھی انفارم کردو۔ تنگ نہیں کرنا۔۔۔ ارے کیا۔ نہیں سمجھے۔ چلو میں آکے سمجھاتا ہوں۔" اس نے تیزی سے کہا اور فون بند کردیا۔

"ارسہ وہ غنڈے میرے ساتھ تمہیں دیکھ کر تنگ نہیں کریں گے۔ ویسے انہیں میں نے ہی ہائر کیا ہوا تھا۔ تم سے ان کی کیا دشمنی۔ پریشان نہیں ہو۔۔۔ یہاں سے دس منٹ لگیں گے ہمیں۔ اسد کا بڑا بھائی وکیل ہے۔ وہ ہی ہمارا نکاح کروائیں گے۔ اب ان کے آفس چلتے ہیں۔ مولوی وغیرہ کا بندوبست سب کیا ہوا ہے۔" وہ اپنی ہی خوشی میں مست بولے گیا۔ ارسہ عجیب سی کیفیات میں گھری اس کے ساتھ چلتی رہی۔ باہر آکر گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے ارسہ نے چور نظروں سے اطراف میں دیکھا کہ کوئی مشکوک بندہ ہے۔ سلیمان نے اس کی نظروں کی چوری کو پکڑ لیا اور کچھ سنجیدگی سے بولا۔ "ارسہ وہ لوگ یہیں تو نہیں تھے۔ وہ پانچ چھ بندے ہیں تمہارے گھر تک کے راستے میں مختلف جگہوں پر کھڑے ہیں۔ انہیں جہاں بھی موقع ملتا کاروائی کرتے۔۔۔ مگر اب ڈرنے کی ضرورت نہیں۔"

"سلیمان میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم نے اتنی گھٹیا چال تیار کی ہے۔ افسوس میں تمہاری محبت کو پہچان نہیں سکی۔ پاپا ٹھیک کہتے ہیں۔ تم اپنے ڈیڈی جیسے ہی ہو، خون کا اثر نظر آرہا ہے۔ اپنی غرض پانے کے لیے کسی بھی حد سے گزر جانے والے لوگ ہو تم۔" وہ تنفر زدہ لہجے میں بولی۔

"میری اس چال کے لیے جو بھی کہو ارسہ میں سن لوں گا۔ مگر مجھے اس کے علاوہ کچھ سجھائی نہیں دیا۔ اس دن سے میں جس کرب و اذیت سے گزر رہا ہوں تم کیا جانو اور اب تمہارا یاسر سے نکاح کا سن کر میرے دماغ کی نسیں پھٹتے پھٹتے رہ گئیں۔ دل تو چاہا اسی وقت سب کو آگ لگا دوں۔ پچھلے تین دن جیسے انگاروں پہ گزرے ہیں۔ ابھی بھی یہی حال ہے۔ ہاں نکاح ہو جائے ہم دونوں کا تو کچھ سکون آئے گا۔" وہ مڑ کر اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ بے قراری اس کے لہجے اور انداز میں عیاں تھی۔

"مگر تمہیں بھی میری ایک شرط ماننی ہوگی نکاح کے لیے۔" کچھ دیر بعد وہ دوٹوک انداز میں بولی۔

"ہاں کہو نا۔۔۔ صرف ایک شرط۔۔۔ تم اس وقت ہزار شرطیں بھی رکھ سکتی ہو۔" وہ اسی بے قراری سے بولا۔

"تمہیں پرامس کرنا ہوگا کہ جب تک میرے پاپا اپنی خوشی اور مرضی سے مجھے تمہارے ساتھ رخصت نہیں کریں گے تم مجھ سے ازدواجی تعلق جوڑنے کی کوشش نہیں کروگے اور نا ہی کبھی رخصتی پر مجبور کروگے۔ میں تمہارے ساتھ تب رہوں گی جب پاپا مجھے خود رخصت کریں گے۔ چاہے وہ ساری زندگی نا مانیں تم کبھی مجھے پاپا کو پھر تنگ نہیں کروگے۔" وہ تیکھے اور

مضبوط لہجے میں بولی۔

"اوہ۔۔۔ اف ف ف۔۔۔ مائی گاڈ اتنی کڑی شرط۔۔۔ یار تھوڑی نرمی رکھو شرط میں۔۔۔ ساری زندگی کا مت کہو۔۔۔ کیوں تڑپا تڑپا کے مارو گی۔۔۔ تمہارے پاپا بھی سر پھرے ہیں نجانے کیا کریں۔ کچھ تو خیال کرو میاں بیوی ہو کر بھی ہم کنواروں کی سی زندگی گزارتے رہیں گے۔" وہ بوکھلا سا گیا اور لڑکھڑاتے لہجے میں بولا۔

"تمہیں یہ شرط ماننی پڑے گی سلیمان میں مزید بلیک میل نہیں ہوں گی۔ اگر تم محبت میں مجبور ہو کر یہ نکاح کر رہے ہو تو کچھ تو مانو گے۔" وہ جیسے اس کی پڑتال کر رہی تھی۔

"ہوں ٹھیک ہے ارسہ تمہیں اپنے نام کرنے کے لیے یہ تمہاری پر آزمائش شرط مجھے قبول ہے۔ جو ہزار شرطوں پہ بھاری ہے۔" آخری فقرہ اس نے آہستگی سے زیر لب کہا۔ اسی وقت اس نے ایک بلڈنگ کے سامنے گاڑی روکی۔ اپنی شرط منوا لینے کے باوجود ارسہ کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے۔ ایک خاندانی 'شریف' باعزت' باوقار باپ کی بیٹی ہو کر وہ کیسے چھپ کر نکاح کرنے جا رہی تھی۔ یہی احساس اسے پانی پانی کرنے لگا۔ اپنی تقدیر پر آج سے پہلے کبھی رونا نا آیا تھا۔ بھیگی پلکیں جھپکتی' لرزتی ٹانگوں کے ہمراہ وہ وکیل کے آفس پہنچی۔ گواہ' قاضی سبھی موجود تھے۔ سلیمان تو بہت ہی خوش تھا۔ مگر اس کا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ نکاح کے بعد وہ دونوں آفس سے ملحقہ ایک کمرے میں آ گئے۔ سلیمان چند لمحوں تک اس کی طرف دیکھتا رہا پھر ٹھہر ٹھہر کر بولنے لگا۔

"ارسہ مجھے معاف کرنا۔۔۔ میں نے کچھ جھوٹ بول کر کچھ چال چل کر تمہیں نکاح پر راضی کیا۔ دراصل میں کسی کو قتل کرنے والا نہیں تھا۔" سلیمان کی بات پر ارسہ نے قدرے پریشان ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ پھر بولا "میں نے جب یاسر سے تمہارے نکاح کے بارے میں سنا تو میں تو جیسے پاگل سا ہو گیا۔ ہر طرف سے ناکام ہو کر میں نے فیصلہ کیا کیوں نا میں تم سے کورٹ میرج کر لوں۔ مگر تم رہیں اپنے پاپا کی فرماں بردار بیٹی، تم سے اس بغاوت کی توقع نا تھی سو پھر میں نے یہ سب سازش ذہن میں بنی۔۔۔ مجھے اندازہ تھا تمہارا نازک دل ایسی بات سنتے ہی خوف زدہ ہو جائے گا اور تم یقیناً "بہتری کی طرف قدم بڑھاؤ گی۔ اور ایسا ہی ہوا۔۔۔ بس اب ہمیں کوئی ڈر نہیں۔ گھر والے یا تو اس رشتے کو قبول کریں گے یا توڑنے کی کوشش کریں گے ہمیں ایک بات طے کرنی ہے کہ یہ رشتہ اب کسی صورت ٹوٹنا نہیں چاہیے۔

اول تو مجھے امید ہے انکل کچھ غور کریں گے۔ ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچیں گے تو خود ہی ہمارے حق میں ہو جائیں گے۔ وہ بات کر کے خاموش ہوا۔۔۔ ارسہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔

"تم بہت بڑے چیٹو ہو۔ تم نے ڈرامہ کر کے مجھے پھنسایا۔" وہ غصیلی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ٹوٹے لہجے میں بولی۔

"کیا کرتا۔۔۔ سنا تھا محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔ محبت ایسی ہو گئی تم سے کہ تمہارے بغیر زندگی مرجھا سی گئی۔ ہمارے ساتھ بھی تو چال ہی چلی گئی۔ یقین کرو ہم نے کچھ برا نہیں کیا۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"بس کرو سلیمان۔۔۔ مجھے گھر جانا ہے۔ تم نے میرے ماں باپ کی نظروں میں مجھے گرا دیا۔ یہ کیسی محبت ہے تمہاری۔ تمہارے اندر تمہارے ڈیڈی کا اثر ہے۔ تم نے مجھے بے وقوف بنایا۔" کہتے کہتے وہ رو پڑی۔

"تو کیا تم یاسر سے نکاح کر لیتیں؟" وہ ایک دم غصے میں آ کر بولا۔ اس کی نظروں میں ارسہ کو شک نظر آیا۔ جو بھی تھا وہ اس کی پہلی محبت تھا اور اب شوہر بھی شک اس کی نگاہوں کا ارسہ کو اچھا نا لگا۔

"جو ہونا تھا اب ہو گیا اپنی مرضی تو پوری کر لی تم نے۔۔۔ اب مجھے جانے دو۔"

"چلو۔" مزید کچھ اور کہنے کے وہ سنجیدگی سے بولا۔

✡ ✡ ✡

ٹی وی لاؤنج کا سکوت ایسا تھا جیسے یہاں کوئی بھی ذی

نفس موجود نا ہو مگر اس وقت "کمال ہاؤس" کی پوری فیملی وہاں موجود تھی۔ سب کے ذہنوں میں طرح طرح کے سوال اٹھ رہے تھے۔ کسی کی خوف زدہ نظریں یوسف کمال پر تھیں۔ جو سنگل صوفے پر براجمان تھے۔ وہ ہاتھوں پر تھوڑی ٹکائے کسی گہری سوچ میں تھے۔ ان کے چہرے سے اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اب وہ کیا کرنے والے ہیں۔ تو کسی کی ملامتی نظریں ارسہ پر تھیں۔ جو نادم سی سر جھکائے وہیں صوفے پر ایک کونے میں دبکی بیٹھی تھی۔ پھر یوسف کمال نے ایک لمبا سانس خارج کیا۔ اس خاموشی میں ان کے سانس لینے کی آواز نے سب کو ان کی طرف متوجہ کر دیا۔

"شگفتہ کل رسم نکاح کے لیے جن قریبی رشتے داروں کو مدعو کیا گیا ہے۔ انہیں فون کر کے ان سے معذرت کر لو۔ اسی میں ہماری خوب بے عزتی ہے... گھر بلا کر اب کیا تماشا دکھانا ہے۔" وہ بولے تو ان کا لہجہ نارمل تھا۔ مگر آواز کے زیر و بم نے ارسہ کے دل کو لرزا دیا۔ "آصف تم ڈرائیور کو کہو گاڑی نکالے ارسہ کو اب اپنے گھر اپنے سسرال میں ہونا چاہیے۔" ان کی پہلی بات پر سب کا رسپاٹس خاموشی تھا۔ مگر دوسری بات پر سب ہی نے آنکھیں پھاڑ کر حیرانگی سے انہیں دیکھا۔

"ک ک کیا مطلب آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟" شگفتہ بیگم نے کھڑے ہوتے ہوئے اٹک اٹک کر پوچھا۔

"میرا خیال ہے میں نے بڑے صاف الفاظ میں کہا ہے سب کچھ، تمہیں نا جانے کیوں سمجھ نہیں آئی۔ جب اس نے اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ اپنے باپ، ماں اور بھائی کے بغیر کیا ہے تو اسے کوئی حق نہیں کہ یہ اب اس گھر سے اپنے ماں باپ سے کوئی امید رکھے۔" ان کے لہجے میں پتھر جیسی سختی تھی۔ ارسہ کی بیٹھے بیٹھے ٹانگیں لرزنے لگیں۔

"دیکھو یوسف بچی ہے۔ پھر سلیمان سے اس کی منگنی ہوئی تھی۔ جو بھی ہوا اس میں ان بچوں کا کیا قصور۔ سلیمان آیا تھا نا تمہارے پاس... اپنے باپ کو چھوڑ کر تم نے اس کی بات پہ غور نہیں کیا تو نتیجہ آگیا سامنے۔ ابھی جو عزت رہ گئی ہے اسے ہی غنیمت سمجھو بیٹی گھر سے بھاگی تو نہیں۔ تم نے شرعی اور قانونی طور پر بیٹی کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح طے کر دیا۔ پہلے جو رشتہ طے تھا اس میں اس کی مرضی تو تھی ہی تم لوگ بھی راضی تھے۔ پھر رشتہ ٹوٹا تو اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ فوراً" ہی اس کا دوسری جگہ نکاح کر دو۔ ایسی صورت حال میں ایسا تو ہونا ہی تھا۔ سچی بات ہے میں خود ابھی نکاح کے حق میں نہیں تھی۔ چلو منگنی کر رہے تھے کچھ وقت بیت جاتا تو شاید ارسہ بھی سمجھ جاتی اور سلیمان میں بھی تبدیلی آجاتی۔ جلتی پہ تیل چھڑکو گے تو آگ ہی بھڑکے گی۔ میں بھی اپنے یاسر کی باتوں میں آگئی۔ اس عمر میں لڑکے لڑکیاں تو ہوتے ہی باؤلے ہیں۔ اب جو ہونا تھا ہو گیا۔ عزت سے بیٹی رخصت کر دو یا سلیمان کو گھر داماد بنا لو کیوں ساری عمر کے لیے اس کی ناقدری کرواؤ گے۔" رابعہ بیگم نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

"گھر داماد... یا آستین کا سانپ... دکھا دی اس نے بھی اپنی اصلیت... ان لوگوں کے مقاصد میری سمجھ میں آ رہے ہیں افسوس میری اپنی بیٹی ان کے مقاصد پورے کرنے کے لیے میرے خلاف آگئی۔ میری عزت، دکھ، تکلیف، میری شفقت، محبت سب کو فراموش کر کے اس نے اپنے محبوب کو راضی کیا۔ تو جائے جا کر اس کے ساتھ ایک اچھی زندگی گزارے یہ میرے دشمنوں کی بہو ہے۔ میرے گھر کی عزت داؤ پہ لگا دی اس نے میں بھول جاؤں گا میری کوئی بیٹی بھی تھی۔" وہ بے حس لہجے میں بول رہے تھے۔ ارسہ جیسے کرنٹ کھا کر اپنی جگہ سے اٹھی اور ان کے قدموں میں گر گئی۔

"پاپا... پلیز پاپا جانی... مجھے معاف کر دیں۔ میں نے یہ سب ارادتاً" نہیں کیا۔ مجھے معاف کر دیں۔ مجھ سے غلطی ہو گئی کہ میں سلیمان سے ملنے چلی گئی۔ ناجاتی تو نا یہ سب ہوتا۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ارادہ نہیں تھا تو سلیمان سے ملنے جانا وہ بھی گھر والوں سے غلط بیانی کر کے... اور واپسی پہ نکاح نامہ

لے کر آنا یہ کیا کوئی جادو کی چھڑی گھمادی تھی کسی نے .... چاہے ارادے سے کیا چاہے اس نے زبردستی کروایا .... جو بھی ہوا تم نے مجھے وہی دھوکا دیا جو فرحان عباسی نے دیا۔ جاؤ چلی جاؤ اس گھر سے .... میں اب تمہاری صورت نہیں دیکھنا چاہتا۔" اسی پتھریلے لہجے میں کہتے ہوئے وہ کھڑے ہو گئے۔ ارسہ بلک بلک کر رونے لگی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ پاپا کو بتا دے کس طرح سلیمان نے اسے مجبور کیا۔ مگر پاپا تو اس کی یہ غلطی ہی معاف کرنے پہ تیار نہیں تھے کہ وہ غلط بیانی کر کے گھر سے گئی۔ یہی بات اس کے خلاف جا رہی تھی وہ کسی طرح بھی اپنا دفاع نا کر سکی .... مجبور، بے بس نگاہوں سے ماں کی طرف دیکھا۔ وہ خود رو رہی تھیں۔

"میں نے آپ کو پہلے ہی کہا تھا اتنی جلدی مت کریں بیٹی کو بھی اہمیت دیں۔ اس وقت بھی آپ نے کوئی نوٹس نہیں لیا میری بات کا۔ فرحان عباسی نے جو کیا اس کے خلاف کوئی کاروائی کرنے کی بجائے آپ نے مزید حماقتیں شروع کر دیں۔ اب بھی ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچ لیں۔ سلیمان کو بلائیں اس سے بات کریں۔ کوئی مثبت حل نکالیں یہ کوئی طریقہ نہیں مسئلے کو نبٹانے کا جو آپ کر رہے ہیں۔" شگفتہ بیگم نے ڈٹ کر بات کی .... یوسف کمال نے سخت غصیلی نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"اور کرو اس کی حمایت یہ سب تمہاری ڈھیل کا نتیجہ ہے۔" اگر یہ میری بیٹی ہے تو طلاق لے لیں اس سے۔ ان کی بات پر ارسہ سمیت رابعہ اور شگفتہ بیگم بھی سناٹے میں آگئیں۔

"ارے چھوڑو یوسف دماغ خراب ہو گیا کیا .... ادھر نکاح ادھر طلاق کیا کوئی کھیل تماشا ہے۔ جاؤ سونیا ارسہ کو اس کے کمرے میں لے جاؤ اور تم تھوڑا سوچو عقل مندی سے۔" رابعہ نے بہنوں والا رعب جماتے ہوئے کہا۔

"نہیں .... یہ اپنے سسرال جائے۔ میرے گھر میں جگہ نہیں ہے اس کے لیے اور آصف تم کھڑے کیا کر رہے ہو جاؤ ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے۔" انہوں نے آصف کو ڈپٹ کر کہا۔

"ارسہ اس گھر سے چلی جاؤ۔ ورنہ مجھے نہیں پتا میں کیا کر ڈالوں تمہیں مار دوں یا اپنا خاتمہ کر لوں جو ذلت تم نے میرے منہ پہ مل دی ہے۔ اس کے ساتھ زندہ رہنا آسان بھی نہیں۔" ان کے لہجے میں کیا تھا کہ وہ پھر سے خوف زدہ ہو گئی۔ ملتجی نگاہوں سے باپ کی طرف دیکھا جس کی نگاہیں اس وقت اس سے بالکل اجنبی تھیں۔ بمشکل تمام وہ کھڑی ہوئی اور پھر جیسے اپنے وجود کو کھینچتے ہوئے دروازے تک لے جانے لگی۔ یاسر کی سرخ نگاہوں میں ہمدردی بھی تھی اور پچھتاوا بھی اسے اپنی جلد بازی پر افسوس ہو رہا تھا۔ نا وہ نکاح کے لیے اصرار کرتا نا ارسہ کو یوں نکاح کر کے گھر سے دربدر ہونا پڑتا۔ شگفتہ بیگم اور رابعہ بیگم ارسہ کے پیچھے ہی نکلنے لگیں جب یوسف کمال نے بارعب سخت لہجے میں کہا۔

"آپ دونوں خواتین یہیں رک جائیں اور شگفتہ بیگم آپ کو وارننگ دی جاتی ہے اگر آپ نے ذرا سا بھی ارسہ کو سپورٹ کیا یا اسے فون کر کے اس کا حال بھی دریافت کیا تو وہ دن اس گھر میں آپ کا آخری دن ہو گا۔ گھر کے باقی افراد کے لیے بھی کچھ ایسا ہی حکم ہے۔ وہ بات ختم کر کے وہاں سے چل دیے۔" شگفتہ بیگم وہیں صوفے پر بیٹھیں بلک بلک کر رونے لگیں۔ رابعہ بیگم ان کے قریب بیٹھ کر انہیں دلاسے دینے لگیں۔

☼ ☼ ☼

"آؤ، آؤ ویلکم یو ویلکم مائی سویٹ ڈاٹر ان لا۔"

ڈرائیور اس کے ہمراہ ٹی وی لاؤنج تک آیا تھا۔ یوسف کمال کا پیغام دینے کے بعد وہ انہی قدموں لوٹ گیا۔ فرحان عباسی نے پرتپاک انداز میں کہا۔ فیروزہ بیگم حیرانگی کے باعث کچھ بول نا پائیں۔

"ارے مجھے علم ہوتا میری بہو آرہی ہے تو میں سارے گھر کو سجاتا اور خود لینے جاتا یوسف مجھے کال کر کے کہہ دیتا .... لیکن تمہارا اپنا گھر ہے۔ چاہے ہم لینے

جائیں یا خود آؤ ایک ہی بات ہے۔" وہ بڑی اپنائیت سے کہہ رہے تھے جبکہ ارسہ کو ان سے نفرت محسوس ہونے لگی۔ اس وقت سلیمان سیڑھیاں اترتے آرہا تھا۔ اسے دیکھ کر پہلے تو بے حد حیران ہوا پھر اسی طرح بولا۔

"ارسہ تم اس وقت یہاں!؟" ارسہ نے غصیلی اور نفرت آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ روئی روئی آنکھوں میں شکوے ہی شکوے تھے۔

"پاپا نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے یہ کہہ کر کہ اب سلیمان کا گھر تمہارا ہے۔" وہ لفظ چبا چبا کر بولی۔ سلیمان خاموش رہا مگر فرحان عباسی نہایت نرمی سے بولے۔

"تو کیا ہوا۔ یہ تمہارا ہی گھر ہے ارسہ.... ویسے اس نامعقول نے حرکت ہی ایسی کی ہے۔ بیٹا تمہارا اس گھر میں وہی مقام ہے جو کہ فرحان عباسی کی بیوی فیروزہ بیگم کا اور کامران کی بیوی کا ہے۔ تم بالکل بھی پریشان نا ہو۔"

جاؤ بیٹا آنٹی کے ساتھ کمرے میں جا کر فریش ہو جاؤ۔ ٹینشن نہیں لینا کسی بات کی۔" فرحان عباسی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اگرچہ ارسہ کو اس وقت ان کی باتیں مکارانہ ہی لگ رہی تھیں۔ مگر صورتحال ایسی تھی کہ وہ اپنے اندر اٹھتے ابال کو دبا ہی سکتی تھی۔ ایک غصیلی نظر سلیمان پر ڈالنے کے بعد وہ فیروزہ بیگم کی پیروی میں سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔

"آنٹی میں اس کمرے میں نہیں رہوں گی۔" فیروزہ بیگم سلیمان کے کمرے کے آگے جا کر رکیں تو وہ پریشان سی ہو کر بولی۔

"اے.... لو میرا بھی دماغ پھر گیا۔ ویسے ابھی مناسب بھی نہیں۔" آؤ میں تمہیں گیسٹ روم میں ٹھہراتی ہوں گھر میں ابھی وہی کمرہ ہے جو تھوڑا سیٹ ہے۔" فیروزہ بیگم اسے گیسٹ روم میں لے آئیں۔

فیروزہ بیگم واپس لاؤنج میں آئیں تو فرحان صاحب غصے میں سلیمان پر برس رہے تھے۔

"اب جو ہونا تھا ہو گیا۔ وہ بھی تو آپ کی ہر طرح غلطیں کرتا رہا تھا۔ جوان اولاد کے ساتھ اتنی ضد بازی بھی نہیں کی جاتی۔ جاؤ سلیمان اپنے کمرے میں۔" فیروزہ بیگم نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ سلیمان تو فوراً" کھسک گیا۔ مگر فرحان صاحب پریشان سے صوفے پر بیٹھ گئے۔

"اب کیا کرنا ہے فیروزہ.... ملنے جلنے والوں کو کیا بتائیں گے کہ اچانک بہو کہاں سے ٹپک پڑی اب ہر کسی کو سارا معاملہ تو نہیں بتلا سکتے۔ سب جانتے ہیں منگنی کے بارے میں۔ لوگ حیران ہوں گے جب منگنی تھی تو انہوں نے کورٹ میرج کیوں کی اور کورٹ میرج کا نا بھی بتائیں تو سوال اٹھتا ہے۔ شادی سے پہلے بہو کیا کر رہی ہے اس گھر میں.... یہ یوسف کی عقل بھی گھاس چرنے چلی گئی۔ نا اپنی عزت کا سوچا نا میری کا۔" وہ اب تلملا رہے تھے۔

"جو کچھ آپ نے یوسف بھائی کے ساتھ کیا وہ بھی اچھا نہیں۔ اوپر سے بیٹی نے خود سے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا۔ غصے میں آ کر یہی ہونا تھا۔ انہوں نے تو بیٹی کو سزا دی ہے اپنی طرف سے.... وہ شاید آپ سے بھی زیادہ پریشان ہوں۔" فیروزہ بیگم ان کے برابر میں بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"ہاں.... تم سب کے لیے کیا ہے یہ سب.... اور میرا اپنا کنبہ ہی ہمیشہ یوسف کے درد میں بولتا ہے۔ چلو ٹھیک ہو گیا یہ بھی.... ابھی وہ غصے میں ہے۔ لیکن ذرا ہوش میں سوچے گا تو عقل ٹھکانے آئے گی۔ ارسہ اس کی لاڈلی بیٹی ہے۔ اولاد کی خاطر تو انسان سو قتل معاف کر دیتا ہے۔ وہ کیا ایک فیکٹری کا نقصان برداشت نہیں کرے گا۔ تم بس یہ کرنا کہ ابھی ارسہ کو کسی مہمان وغیرہ کے سامنے لانے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔

"ہاں کچھ دن تو ایسا ممکن ہے۔ مگر زیادہ عرصہ ایسا ہو نہیں سکتا۔ دیکھتے ہیں کیا مناسب حل نکلتا ہے۔" فیروزہ نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

✲ ✲ ✲

مہینہ ہو گیا تھا اسے اس گھر میں آئے ہوئے گھر

میں سب کا اس کے ساتھ نارمل رویہ تھا کبھی کسی نے ابھی تک تو کوئی ایسی طنزیہ یا تلخ بات اس کے سامنے نہیں کی تھی جو اسے ہتک آمیز لگتی۔ فرحان عباسی اور فیروزہ بیگم ہمیشہ نرمی اور شفقت ہی سے پیش آتے مگر وہ دن بدن زیادہ کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ یہاں آنے کے بعد سے سلیمان سے اس نے بات نہیں کی تھی۔ دو تین دفعہ سلیمان نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اٹھ کر چلی گئی۔ ناراضی اسے اندر ہی اندر گھلا رہی تھی۔ اک موہوم سی امید آنکھوں میں لیے نجانے وہ کن سوچوں میں پڑی رہتی۔ اس دن بھی وہ ایسے ہی اپنے کمرے میں تھی۔ وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی رہتی۔ اپنی غلطی کا احساس ہر وقت ساتھ رہتا اور اس نے محسوس کیا تھا کہ فیروزہ آنٹی اسے مہمانوں کے سامنے بالکل نالاتی تھیں۔ اپنا وجود بے حد ارزاں سا محسوس ہوتا.... نجانے آگے زندگی میں کیا ہونا تھا۔ انہی سوچوں میں غلطاں، وہ بیڈ پر نیم دراز تھی۔ جب فیروزہ بیگم اس کے کمرے میں آئیں۔ اسے آواز دی مگر اس نے کوئی رسپانس نا دیا وہ آگے بڑھیں دیکھا تو وہ بے ہوش پڑی تھی۔

"ارے اسے کیا ہوا.... یہ تو بے ہوش ہے کیا کروں۔" پریشانی میں بڑبڑاتی وہ نیچے کی طرف بھاگیں۔ سلیمان ابھی ابھی گھر میں داخل ہوا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی سیڑھیوں پہ کھڑے کھڑے بولیں۔ سلیمان گاڑی نکالو ارسہ بے ہوش پڑی ہے۔" وہ پریشان ہوتا ہوا واپس پلٹا۔ گاڑی نکالنے کے بعد وہ اندر آیا تقریباً" بھاگتے ہوئے سیڑھیاں طے کیں۔ ارسہ کو اٹھا کر لایا۔ اسپتال لے جانے پر پتا چلا کہ وہ نروس بریک ڈاؤن ہونے کی وجہ سے بے ہوش ہوئی تھی۔ جس کی وجہ بہت زیادہ ٹینشن اور ذہنی دباؤ تھا۔ تقریباً" رات کے گیارہ بجے وہ لوگ واپس پلٹے۔ تب تک فرحان اور کامران بھی گھر آچکے تھے۔ وہ دونوں غیر معمولی طور پر کچھ پریشان تھے۔ سلیمان کو آج پھر ان پر غصہ آرہا تھا۔ وہ ارسہ کے کمرے میں ہی تھا۔ جو آنکھیں موندے بیڈ پر دراز تھی۔ اسے ڈرپ لگی تھی مگر کمزوری ابھی بھی عیاں تھی۔ سفید رنگت ماند پڑ چکی تھی۔ آنکھوں کے گرد گہرے سیاہ حلقے ظاہر کر رہے تھے کہ وہ کس قدر ذہنی اذیت کا شکار ہے۔ فیروزہ بیگم سلیمان کو کچھ ہدایات دے کر نیچے آگئیں۔ فرحان اور کامران نیچے لاؤنج میں ہی بیٹھے ہوئے تھے بے حد فکر مند سے....

"ارسہ کی تو حالت بہت ہی خراب ہے.... آپ ہی اپنی انا کو تھوڑا دبا لیں اور چلے جائیں یوسف بھائی کے پاس.... بات تو سن ہی لیں گے۔ انہیں کہیں کہ جو بھی ہوا ارسہ کو اس کی سزا مت دیں بیٹی کو عزت سے رخصت کر دیں۔" وہ منت آمیز انداز میں بولیں۔

"ہاں اب تو جانا ہی ہے۔" فرحان عباسی نے گہرے لہجے میں کہا۔

"کیا۔" فیروزہ غیر یقینی سے بولیں۔

"ہاں فیروزہ جب سے میں نے ناجائز طریقے سے فیکٹری پہ قبضہ کیا ہے میں تو جیسے کاروبار کرنا ہی بھول گیا ہوں۔ فیکٹری مسلسل خسارے میں جا رہی ہے۔ اور آج تو فیکٹری کے ایک حصے میں آگ بھڑک اٹھی۔ دو تین لوگ زخمی ہوئے اور بھی کافی نقصان ہو گیا۔ بڑا ناز تھا مجھے اپنے محنت اور ذہانت پر.... مگر اب عقل آئی کہ ہوشیاریاں بھی جائز حدود کے اندر ہی کرنی چاہئیں۔ دوست کو دھوکا دیا میں نے نتیجہ اچھا نہیں نکلا.... مجھے خیانت راس نہیں آئی فیروزہ بیگم میں جاؤں گا اپنے دوست کے پاس معافی مانگنے اور اس کا سب کچھ لوٹانے .... اور ابھی جاؤں گا اس سے پہلے کہ شیطان پھر مجھ پہ حاوی ہو جائے۔ میں اب کسی شیطانی سوچ کو اپنے قریب نہیں لانا چاہتا۔" پشیمانی سے بولتے ہوئے وہ پچھلے دنوں والے فرحان عباسی سے قطعاً" مختلف نظر آئے۔ وہ اسی وقت اٹھ کر چل دیے۔

یوسف کمال سامنے آئے تو پتھر کی مانند مگر.... فرحان عباسی کے لہجے کی سچائی اور ندامت نے مہربان دل رکھنے والے یوسف کمال کو موم کر ہی دیا اور وہ موم کیوں نا ہوتے مسئلہ صرف فیکٹری کا تو نہیں تھا زیادہ گمبھیر مسئلہ اولاد کا تھا۔ یوسف کمال کی چہیتی بیٹی کئی روز

سے ان کی نظروں سے اوجھل تھی۔ اس کی اداسی انہیں اپنے دل پر محسوس ہوتی رہی۔ انہیں محسوس ہوا وہ بیٹی کو اداس کر کے زندگی سے خود بھی بے زار ہو رہے تھے۔

"یوسف تم نے تو میرے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی مگر رب کے انصاف نے بتا دیا کہ تم ہی حق پر تھے میں نے ناحق کیا بس یار! شیطان نے ورغلا دیا۔" وہ پشیمان انداز میں بولے۔

"تم نے غلطی کا اعتراف کر کے نادم ہو کر بتا دیا کہ بالآخر تم شیطان کے شکنجے سے نکل آئے۔" یوسف کمال کافی عرصے بعد مسکرا کر بولے۔ ایسی مسکراہٹ جو وہ دل سے چہرے پر لاتے تھے۔ فرحان عباسی کو آج ایسا محسوس ہوا جیسے وہ پہاڑ جیسے بوجھ سے آزاد ہو گئے ہوں۔

☼ ☼ ☼

"کمال ہاؤس" میں آج اطمینان اور خوشی کا ماحول تھا۔ فرحان عباسی کی تمام فیملی ان کے گھر کھانے پہ مدعو تھی۔ سلیمان اور ارسہ کی شادی کی ڈیٹ فکس کی گئی تھی۔۔۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد وہ سب لان میں نکل آئے ہنستے مسکراتے چہرے، بہت اچھے لگ رہے۔ لان میں مختلف پھولوں کی آرائش بہت بھلی لگ رہی تھی بہار کا موسم جوبن پر تھا۔ ہر چیز نکھری نکھری کھلی کھلی تھی۔

"یار فرحان میرے اور آصف کے لیے یہ دو فیکٹریاں ہی کافی ہیں۔ ہم انہی کو فی الحال بخوبی چلا رہے ہیں۔۔۔ تیسری والی فیکٹری کا نظام شروع سے ہی تمہارے ہاتھ میں ہے ابھی بھی تم ہی اس کو سنبھالو گے۔" یوسف کمال اطمینان سے کہہ رہے تھے۔ ان کی بات سن کر ارسہ کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔ اپنے تاثرات چھپانے کے لیے وہ وہاں سے اٹھ گئی اور کچھ ہی فاصلے پر درخت کے نیچے کھڑی ہو گئی۔

"تمہاری آنکھوں میں آنسو کیوں آ رہے ہیں۔" سلیمان دھیرے سے چلتا ہوا اس کے قریب آیا اور نرمی سے بولا۔

"پتا نہیں کیوں خوشی کے ہیں یا ایک آزمائش سے گزرنے کے بعد کامیابی کے ہیں۔ پتا نہیں یہ سب کیوں ہوا سلیمان۔۔۔ ورنہ ہماری فیملیز تو ہمیشہ سے ایسی ہی تھیں۔" وہ ذرا سا مسکرا کر بولی۔

"تم خود ہی تو کہا کرتی تھی ہماری محبت سچی نہیں ہے مجھے کہتی تھی نا تم بدل جاؤ گے سلیمان کیونکہ ہماری محبت میں کوئی ظالم سماج نہیں آیا۔ کوئی آزمائش نہیں آئی۔۔۔ تمہیں اپنے اور میرے رشتے میں شک اور کمزوری نظر آتی تھی۔ تم کہتی تھی محبت کرنے والے آسانی سے نہیں ملتے انہیں آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ بس تمہارا کہا سچ ہو گیا۔ یہ آزمائش ہی تو تھی۔۔۔ اب تو تمہیں یقین آگیا ہو گا کہ سلیمان کبھی تمہارے لیے نہیں بدل سکتا۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہماری راہ میں کوئی ظالم سماج نہیں تھا مگر۔۔۔" ارسہ نے جھرجھری سی لی۔

"آئندہ میں نہیں ایسا سوچوں گی بھی بلکہ رب کا شکر ادا کروں گی اور مزید آزمائشوں سے بچنے کی دعا کروں گی۔" وہ خوف زدہ لہجے میں مسکراتے ہوئے بولی۔

"بعض آزمائشیں حکمت والی ہوتی ہیں۔ انسان کو واضح طور پر بہت کچھ سمجھ آ جاتا ہے۔ جیسے ہمارے فیملیز کو سمجھ آگئی کہ وہ ایک دوسرے سے ناراض نہیں رہ سکتیں اور ہمیں بھی احساس ہو گیا کہ ہم بھی ایک دوسرے کے بغیر فضول ہیں۔۔۔ یقین جانو اصل میں تو کڑی آزمائش میری تھی۔ خصوصاً" وہ دن جب تم ہمارے ہاں تھی۔۔۔ اور۔۔۔ وہ اصل میں پر آزمائش دن تھے میرے لیے۔" سلیمان کا لہجہ پھر سے شوخ ہونے لگا۔ وہ اسے گھورتی ہوئی وہاں سے ہٹ گئی۔۔۔ سامنے ہنستے مسکراتے چہروں نے اس کے اندر کی ساری اداسی دور کر دی۔

☼ ☼

آسیہ مظہر

عورت کھیل

آسمان ایک بے کراں سیاہ غربال تھا۔ جس کے اوپر ستارے ٹمٹماتے ہوئے گر رہے تھے۔ اور نیچے دھرتی پر بام کے درختوں کے دورویہ قطاروں کے اوپر سے جھانکتا چاند کسی روشن تھالی کی مانند دکھائی دے رہا تھا رات کی سیاہ دم سادھے خاموشی کسی کیچوے کی مانند رینگتی سرد ہوا بام کے پیڑوں کی شاخوں میں پھدکتی چڑیوں کی آوازیں اس گھر کے ماحول کو کافی ہولناک بنا رہی تھیں۔ اس ایک کنال کے بنے گھر کے چاروں اور ایک وحشت ناک سناٹا گونج رہا تھا۔ جیسے یہاں کسی ذی روح کا نام و نشاں تک نہ ہو۔ پر ایسا نہیں تھا۔ یہاں مکین بھی بستے تھے اور آوازیں بھی گونجتی تھیں۔ اس اک کھیل نے اس پورے گھر کو ویران کھنڈر بنا دیا تھا اس ایک کھیل نے... اس عورت کھیل نے...

☼ ☼ ☼

جیٹھ کی گلابی شام سلونی قبا اوڑھے اس ایک کنال گھر کی پختہ دیواروں سے لپٹی سسک سسک کر دم توڑ رہی تھی اور اس کا گلابی رنگ پگھل پگھل کر سیاہ زرد رات کے تاریک سیال میں گھلتا جا رہا تھا ایسے میں اس ایک کنال کے بنے گھر کے نیچے والے پورشن کے پانچویں کمرے میں دو نفوس کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ کبھی یہ آوازیں مدھم ہوتیں، کبھی تیز ردھم کی مانند گونجتیں۔ کبھی بالکل ساکت و جامد چپ خاموشی کی شکل اختیار کر جاتیں۔ آوازوں کا دلکش کھیل اسی طرح جاری و ساری تھا۔

"امی میرا یقین کریں خالہ نے جو کچھ میرے بارے میں کہا ہے وہ جھوٹ ہے، بہتان ہے مجھ پر۔" پہلے نفوس کی آواز نقارے کی مانند گونجی تھی۔

"پر اظفر تو اس جھوٹ کو، بہتان کو سچ مان رہا ہے بلکہ تسلیم بھی کر چکا ہے۔" دوسرے نفوس کی آواز ایک کمزور کپکپاتے ردھم کی طرح ابھری تھی۔

"وہ خالہ کی باتوں میں آگیا ہے ورنہ وہ جانتا ہے میں بے گناہ ہوں۔" نقارہ ایک مرتبہ پھر گونجا۔

"اچھا اگر وہ جانتا ہے تو تجھے یہاں کیوں چھوڑ گیا، وہیں اپنے ساتھ رکھتا نہ۔" کپکپاتا ردھم ہلکے سر کی مانند بجا تھا۔ اور نقارے کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ یک دم گونجنا بند ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"دیکھ انعم اگر تیرے بھائیوں کو ذرا بھی اس بات کی بھنک پڑ گئی تو تو جانتی ہے، وہ کیا کر سکتے ہیں۔" رخسانہ بیگم کسی خدشے کے تحت لرز اٹھی تھیں۔ "کیا ہوگا؟ زیادہ سے زیادہ یہی کریں گے قتل کر دیں گے تو کر دیں۔" وہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔

"انعم تو پاگل ہو گئی ہے بالکل، تجھے نہیں پتا تیرے بھائی کس حد تک جا سکتے ہیں۔" رخسانہ بیگم کو اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہوا تھا۔

"امی ایک بات تو بتائیں اگر یہی بہتان کسی مرد پر لگا ہوتا تو کیا اسے بھی ایسے ہی گھر بدر کیا جاتا، غیرت کے نام پر اسے بھی قتل کر دیا جاتا، جواب دیں امی؟ کیوں خاموش ہو گئیں۔" وہ طنزیہ بولی تھی۔

"دیکھا، جواب ندارد مرد کے معاملے میں معاشرے کی زبانیں ویسے بھی گنگ ہو جاتی ہیں۔ بس عورت کے لیے ہی گز گز لمبی کھلتی ہیں، چاہے وہ قصوروار ہو یا نہ ہو۔" وہ تلخی سے کہتی جا رہی تھی یہ خیال کیے بغیر کے بڑا بھائی جمیل دروازے پر کھڑا اسے ہی سن رہا ہے، رخسانہ بیگم کی تو جمیل کو دیکھ کر سٹی ہی گم ہو گئی تھی۔ "اب پتا نہیں کیا محاذ کھلے گا۔" انہوں نے خوف زدہ دل کے ساتھ سوچا تھا۔ پر اس کے برعکس امن ہی ،

رہا۔ وہ خراماں خراماں چلتا ان دونوں کے قریب آکھڑا ہوا۔ انعم بھی بھائی کو دیکھ کر خاموش ہو گئی تھی۔

"کس بہتان کی بات کر رہی ہو تم۔" جمیل نے حسب عادت کرخت لہجے میں پوچھا۔

"وہ بیٹا بس ایسے ہی....." رخسانہ فوراً بول اٹھی تھیں۔

"بھائی امی غلط بیانی سے کام لے رہی ہیں۔"

"تو سچ بیانی تم ہی بول دو۔" جمیل نے سرد نگاہوں سے اسے گھورا تھا۔

"ظفر آپ کے بہنوئی اور آپ کی خالہ نے مجھ پر یہ بہتان لگایا ہے کہ میراان کے دوست کے ساتھ چکر چل رہا ہے۔" اس نے آخر کار اگل ہی دیا۔

"کیا!" جمیل یہ سن کر حسب معمول بھڑک اٹھا تھا۔ "اس کی اتنی جرات وہ تمہارے ساتھ ایسا کرے۔" جمیل فوراً سیخ پا ہو گیا تھا۔

"بھائی آپ' تو سچ جانتے ہیں نہ' کیا آپ کی بہن ایسی ہو سکتی ہے۔" دو آنسو فوراً اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔

"اگر یہ سچ ہوا تو تمہیں زندہ زمین میں گاڑ دوں گا اور جھوٹ ہوا تو اس کمینے کو جان سے مار ڈالوں گا۔" وہ غصے سے باہر نکل گیا تھا۔ جبکہ رخسانہ بیگم یہ سب دیکھ کر دل تھام کر بیٹھ گئی تھیں۔

"اللہ پوچھے تجھے انعم کیوں تو ایسا کر رہی ہے۔" رخسانہ بیگم نے اسے کوسا تھا۔

"اس نے مجھ پر جھوٹا بہتان لگایا ہے اب دیکھنا میں کیا کرتی ہوں ان کے ساتھ۔" انعم کے لہجے نے رخسانہ بیگم کو دہلا کر رکھ دیا تھا۔

"کیوں اپنا گھر خراب کرنے پر تلی ہوئی ہے۔" رخسانہ بیگم نے باقاعدہ اپنے گال پیٹے تھے۔

"گھر تو میں ان کا خراب کروں گی۔" اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

"انعم تو پچھتائے گی۔ تو غلط کر رہی ہے انعم یہ کھیل تجھے کہیں کا نہیں چھوڑے گا۔" رخسانہ بیگم نے اسے وارن کیا۔

"امی یہ کھیل نہیں شطرنج کی بساط ہے اب بس یہ دیکھتے ہیں۔ اس میں مات عورت کو ہوتی ہے یا مرد کو۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"میں جانتی ہوں انعم! اس میں مات تجھے ہی ہو گی تو نے غلط جگہ بساط بچھائی ہے۔" رخسانہ بیگم کے لہجے میں حد درجہ افسوس تھا۔ انعم نے جواباً انہیں مسکرا کر دیکھا۔

"عورت کی یہی تو سب سے بڑی ناکامی ہے کہ وہ مرد کے سامنے اتنی جلدی ہار مان جاتی ہے۔ پر میں ایسا نہیں کروں گی بدنام تو ویسے بھی عورت ہی ہوتی ہے..... تو کیوں نہ جنگ لڑ کر بدنام ہوا جائے کوئی ملال باقی تو نہیں رہے گا۔" رخسانہ بیگم کو اس کی باتیں خوف زدہ کر رہی تھیں۔ پر وہ اسے سمجھانے میں بے بس ہو چکی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"واہ رخسانہ تیری تربیت کھل کر سامنے آئی ہے۔" دوسری شام ہی فرزانہ (خالہ) کا رخسانہ بیگم کے لیے بطور خاص فون آیا تھا۔

"کیا مطلب فرزانہ تم کیا بک رہی ہو۔" رخسانہ بیگم کو فوراً" کسی انہونی کا احساس ہوا۔

"پہلے تیری بیٹی نے گل کھلائے' اب تیرا بیٹا ہمارے محلے میں تماشا لگا کر گیا ہے۔ وہ تو شکر ہے محلے والوں نے اظفر کی جان بچائی' ورنہ تیرا وحشی بیٹا میرے بیٹے کو جان سے مار ڈالتا۔ ارے اتنا جوش بھرا ہے تو بہن کو سنبھالتے جو جگہ جگہ منہ مارتی پھر رہی ہے۔" فرزانہ کی اس گھٹیا بات نے اماں کی ضبط کی طنابیں چھڑوادی تھیں۔

"بس فرزانہ بس اب ایک اور لفظ مت کہنا ورنہ میں بھول جاؤں گی تو میری چھوٹی بہن ہے' میری بیٹی کیسی ہے؟ اس کا کردار کیا ہے؟ یہ مجھ سے بڑھ کر اور کون جان سکتا ہے' میں ماں ہوں اس کی میرا خون اس کی رگوں میں دوڑ رہا ہے اور یہ بات تو بھی جانتی ہے میرا خون اتنا گھٹیا نہیں ہو سکتا۔ آج تک تیری اس بہن نے کسی غیر مرد کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا کجا بات کرنا پھر وہ اپنی بیٹی کی تربیت کیسے کھوٹی کر سکتی ہے' مجھے انعم پر اس کے کردار پر پورا یقین ہے' وہ ایسا گرا ہوا کام نہیں کر سکتی اور آخری بات اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ایک عورت ہی دوسری عورت کی پکی دشمن ہوتی ہے۔" رخسانہ نے یہ کہہ کر فون زور سے کریڈل پر رکھ دیا اب ان میں اور یارا نہ تھا کہ وہ اور ایسے غلیظ' گھٹیا' نازیبا الفاظ سنتیں۔

"فرزانہ غلطی تو نے بھی کی اور اب وہ غلطی انعم بھی کرنے جا رہی ہے اور میں جانتی ہوں اس کھیل میں صرف عورت ہی مات کا ٹیکا اپنے ماتھے پر سجائے گی۔" یہ کہتے ہوئے وہ بے دم سی پاس رکھی کرسی پر گر سی گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"جمیل تمہیں وہاں جانے کی کیا ضرورت تھی؟" رخسانہ بیگم نے جمیل سے بازپرس کی۔

"ضرورت تھی اماں وہ گھٹیا لوگ جو چاہے ہماری عزت پر بہتان لگاتے پھریں اور ہم چپ کی صورت بنے بیٹھے رہیں۔" جمیل کا پارہ یکدم ہائی ہو گیا تھا۔

"بیٹا جیسے بھی ہیں وہ ہمارے خونی رشتے دار ہیں۔ ہمیں رشتے داری کا پاس رکھنا چاہیے اور ہمیں یقین ہے نہ کہ ہماری انعم بے قصور ہے' پھر بلاوجہ لڑائی جھگڑے کو طول دینا' اپنی ہی بدنامی ہے۔" رخسانہ بیگم نے اپنی ہی منطق نکالی تھی۔

"واہ اماں خوب کہی وہ نام نہاد رشتے دار ہماری عزت غیرت نام کی دھجیاں اڑادیں' ہم خاموش بیٹھے رہیں۔" جمیل طنزاً" بولا تھا۔

"پر جمیل انعم۔" مگر جمیل نے رخسانہ بیگم کی بات کاٹ ڈالی اور بولا۔

"انعم' اظفر سے طلاق لے گی۔" یہ دھماکا تھا جو جمیل نے رخسانہ بیگم کے سر پر پھوڑا تھا۔

"کیا۔" وہ حیرت کے مارے گنگ رہ گئیں۔

"جمیل' تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے نہ۔" رخسانہ بیگم نے اسے ڈپٹا تھا۔

"میں' اپنی بہن کو ہرگز اس گھٹیا شخص کے پاس دوبارہ نہیں بھیجوں گا۔" جمیل کا لہجہ حتمی اور انداز اٹل تھا۔

"مگر جمیل....." رخسانہ بیگم منمنائیں۔

"میں نے پہلے بھی باور کروایا تھا امی کہ اگر انعم غلطی پر ہوئی تو اسے جان سے مار ڈالوں گا اور اگر ظفر....." یہ کہتے ہوئے وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا تھا۔

"انعم کچھ سنا تم نے؟" چھوٹی بھابھی نے اس کے کمرے میں آتے ہی رازداری سے کہا تھا۔

"کیا سنا بھابھی۔" وہ جواباً" نا سمجھی سے پوچھنے لگی۔

"جمیل بھائی تمہاری اظفر سے طلاق کا کہہ رہے ہیں۔" شمائلہ نے گویا اس کے کانوں میں پگھلتا سیسہ انڈیلا تھا۔ وہ صدمے سے ساکت رہ گئی تھی۔

"بھابھی کیا کہہ رہی ہیں' آپ؟" سرسراتی آواز میں اس کے منہ سے برآمد ہوئی تھی۔

"میں ابھی ابھی جمیل بھائی اور امی کی باتیں سن کر

آرہی ہوں' جمیل بھائی کافی غصے میں لگ رہے تھے اب دیکھو کیا کرتے ہیں۔" شائلہ اپنی ہی دھن میں بولتی جارہی تھی۔

"میں نے ایسا تو نہیں چاہا تھا بھابھی۔" یہ کہتے ہوئے دو آنسو اس کے گالوں پر لڑکھڑاتے چلے گئے تھے۔

"مجھے یہ بات کہنی تو نہیں چاہیے' انعم مگر جو یہ ہو رہا ہے نہ کچھ ٹھیک نہیں ہو رہا اور اس سب میں نقصان صرف تمہارا ہی ہے' میں نہیں جانتی اظفر بھائی نے کیوں تم پر تہمت لگائی انہیں تم پر اعتبار کرنا چاہیے تھا۔ تم ان کی بیوی تھیں اور تمہارا کزن کا رشتہ بھی تھا انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" شائلہ افسوس بھرے لہجے میں بولی تھی۔

"اعتبار ہی تو نہیں تھا۔" اس کے لہجے میں ملال جھلکا۔

"اب کیا ہو سکتا ہے؟" شائلہ نے سوالیہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

"ہو تو بہت کچھ سکتا ہے۔" اب کہ اس کا لہجہ خطرناک حد تک پر اسرار تھا۔ شائلہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا ہو سکتا ہے؟" اس نے اچنبھے سے پوچھا۔

"وقت آنے پر بتاؤں گی۔" وہ ٹال گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

رات خوب بارش برسی تھی اس لیے صبح مطلع صاف تھا۔ سورج کی چمکتی شعاعیں دھرتی پر دھڑا دھڑ برس رہی تھیں۔ وہ سب ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ناشتا کرنے میں مگن تھے' جب انعم کی اس غیر ضروری بات نے سب کو چونکا دیا گیا۔

"میں اظفر سے طلاق نہیں لوں گی' میں اپنے گھر واپس جارہی ہوں۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" جمیل تو اس کی یہ بات سن کر تھے ہی سے اکھڑ گیا۔ رخسانہ بیگم نے بھی حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"بھائی! اب جو ہو' رہنا' مجھے وہیں ہے' طلاق کی بدنامی سے بہتر ہے میں یہ بدنامی مول لے لوں۔" اس کے پاس ہر جواز موجود تھا۔

"تم دوبارہ غلطی کر رہی ہو" جمیل نے غصے سے کہا۔

"میں بھگت لوں گی۔" وہ دوبدو بولی۔ جواباً سکوت بھری خاموشی چھا گئی تھی۔ کہنے کو اب کچھ بھی نہ بچا تھا۔

اور اسی شام وہ واپس گھر چلی گئی تھی۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اس کا پہلا سامنا فرزانہ اور اظفر سے ہوا تھا۔ وہ دونوں اسے دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ اس نے اک نظر ان دونوں پر ڈالی اور بغیر کچھ کہے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

"یہ انعم یہاں..." فرزانہ تو اسے دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئی تھیں۔ اظفر کا حال بھی کچھ ان سے مختلف نہ تھا۔

"مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا اماں۔" وہ بے دم سا پاس رکھے صوفے پر گر سا گیا۔

"بیٹا شاید تجھ سے غلطی ہوئی ہے۔" فرزانہ بیگم نادم سے بولی تھیں۔

"وہ غلطی کیسی غلطی امی' جس انداز سے آپ نے یہ الزام لگایا تھا وہ کسی غلطی کا نتیجہ تو نہ تھا۔" اظفر نے شکوہ کناں نظروں سے ماں کی جانب دیکھا۔

"بس بیٹا' وہ اشتیاق (دوست) سے ہنستے ہوئے باتیں کر رہی تھی' تو میں سمجھی..." وہ شرمندگی سے گویا ہوئی تھیں۔

"بس اس سمجھی نا سمجھی نے میرا گھر برباد کر دیا۔" وہ طنزاً بولا۔

"اب بھی دیکھیں امی اس کا ظرف کتنا بڑا ہے اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود بھی وہ واپس چلی آئی۔"

"میں اس سے معافی مانگ لوں گی۔"

"پر پہلے جیسا تو کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔" وہ اٹھ کر باہر چلا گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم امی! بھابھی واپس آگئیں؟" فون کی

دوسری جانب عروہ تھی۔
"ہاں بیٹا کل شام کی آئی ہوئی ہے پر ابھی تک کمرے سے باہر نہیں نکلی" رات کا کھانا ناشتا میں نے ملازمہ کے ہاتھ بھجوایا تھا۔" فرزانہ نے جواب دیا۔
"ہوں چلیں اچھا ہوا بھابھی واپس آگئیں باقی سب آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گا۔" عروہ نے انہیں دلاسا دیتے کہا۔
"دعا کرو' بس میری نادانی نے کیا گل کھلا دیا۔" فرزانہ بیگم افسردہ سی گویا ہوئیں۔
"اسے لیے تو امی کہتے ہیں زبان کو قابو میں رکھنا چاہیے یہ جو زبان ہوتی ہے۔ فساد کی جڑ ہمیشہ یہی بنتی ہے۔"
"بیٹا میں بہت شرمندہ ہوں۔"
"اچھی بات ہے۔ اچھا میں شام کو چکر لگاتی ہوں۔" عروہ نے ان کی بات کے جواب میں کہا۔
"ہاں ضرور۔" فرزانہ یک دم خوش ہو گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

فرزانہ نے انعم سے بذات خود معافی مانگ لی تھی۔ وہ اپنے کیے پر شرمندہ تھیں اور انعم نے بھی انہیں معاف کر دیا تھا۔ فرزانہ کے معافی مانگنے سے اس کے دل کو تسکین پہنچی تھی۔ پر اظفر کا معاملہ ابھی تک وہیں کا وہیں لٹکا ہوا تھا۔ انعم کو گھر آئے ڈیڑھ ہفتہ ہونے کو تھا۔ پر اظفر کے جانب سے مکمل طور پر خاموش لاحق تھی۔ نہ معافی نہ تلافی کچھ بھی نہ تھا۔
انعم کو اظفر کے رویے پر اور تاؤ آرہا تھا۔ پر منصوبہ بندی کے مطابق وہ خاموش تھی۔ گھر کی فضا میں زیادہ نہیں تو تھوڑا بہت جو تناؤ تھا چھٹ گیا تھا۔ انعم' فرزانہ سے بات چیت کرنے لگی تھی اور پہلے کی طرح ہی گھر کے کاموں میں دلچسپی لینے لگی تھی۔ فرزانہ نے رخسانہ بیگم سے بھی معافی مانگ لی تھی۔ کچھ حد تک معاملہ سیٹ ہو گیا تھا۔
"عروہ رات کے لیے کیا بناؤں؟" عروہ آئی ہوئی تھی اور وہ سب ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے گپس ہانک رہے تھے۔ جب انعم عروہ کے پاس آکر بولی تھی۔ فرزانہ بیگم نے پاس بیٹھے ہوئے اظفر کو نگاہوں ہی نگاہوں میں کچھ اشارہ کیا وہ نا سمجھی سے سرہلا گیا تھا۔
"ارے انعم' کچھ خاص نہیں بناؤ۔" جو پکا ہے میں کھالوں گی۔" عروہ نے مسکراتے ہوئے جواباً" کہا۔
"نہیں عروہ! میں سندھی بریانی بنا رہی ہوں میٹھا کیا بناؤں' یہ بتاؤ۔" اس نے پوچھا۔
"ممانی جان پائن ایپل ٹرائفل بنالیں۔" جواب پانچ سالہ ہادی کی طرف سے آیا تھا۔ سب ہادی کی بات پر مسکرا اٹھے تھے۔ انعم نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا اور واپس کچن کی جانب مڑ گئی تھی۔
"سب سے ناراضی دور کرلی میرا قصور کیا اتنا بڑا ہے انعم۔" اظفر کے دل سے یک دم اک ہوک سی اٹھی تھی۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر باہر چلا گیا تھا۔ انعم جب سے آئی تھی اظفر سے بات نہیں کر رہی تھی اور اظفر اپنے کمرے میں نہیں سو رہا تھا۔
"امی انعم کا رویہ اظفر کے ساتھ کچھ ٹھیک ہوا۔" اس کے جاتے ہی عروہ نے ماں سے پوچھا۔
"معلوم نہیں بیٹا پر مجھے ٹھیک نہیں لگتا۔" فرزانہ بیگم نے بولے سے جواب دیا۔
"ہوں چلیں' آپ اظفر کو دوبارہ سمجھائیں وہ پہل کرے' انعم کو منانے میں اتنا کا بت جتنی جلدی گرادیا جائے اتنا اچھا ہے۔" عروہ رسانیت سے گویا ہوئی۔
"ہاں بیٹا سمجھاؤں گی۔" فرزانہ بیگم محض سرہلا کر رہ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"اظفر بیٹا اتنی رات کو یہاں کیا کر رہے ہو۔" فرزانہ بیگم کچن سے پانی لینے آئی تو باہر لاؤنج میں اسے بیٹھے دیکھ کر چونک گئیں۔
"کچھ نہیں امی بس۔" وہ انہیں دیکھ کر اپنی جگہ چور سا بن گیا تھا۔ حالانکہ فرزانہ بیگم اس سب سے واقف تھیں لیکن انہوں نے بیٹے کا بھرم رکھا ہوا تھا۔ کہ اظفر نے کسی سے اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا کہ انعم اور اظفر میں ابھی تک ناچاقی قائم ہے۔

"بیٹا ایسا کب تک چلے گا۔" فرزانہ بیگم اس کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔

"پتا نہیں امی۔" وہ جواباً ہلکا سا مسکرایا۔

"تم ہی پہل کر لو بیٹے، قصور بھی تو ہمارا ہے نہ۔" فرزانہ بیگم اسے سمجھاتے ہوئے کہنے لگیں۔

"امی جنہوں نے قصور کیا انہیں معافی مل گئی اور میں بے قصور ہوتے ہوئے بھی ابھی تک اس کی نگاہ میں مجرم بنا کھڑا ہوں۔" وہ بے بسی کی آخری حد تک جا پہنچا تھا۔ فرزانہ بیگم اس کے اندر کی ٹوٹ پھوٹ سے واقف تھیں۔ لیکن وہ ابھی اپنی جگہ بے بس تھیں۔ اگر انعم کو دوبارہ کچھ کہتیں تو شاید معاملہ اور بگڑ جاتا۔ اس لیے انہوں نے ان دونوں کے معاملے میں خاموشی اختیار کر لی تھی۔

✡ ✡ ✡

"امی انعم کا فون نہیں آیا اتنے دن ہو گئے۔" وہ سب پام کے درخت کے نیچے رکھی بان کی کرسیوں پر بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ جب شائلہ نے رخسانہ بیگم سے پوچھا۔

"ہاں کافی دن ہو گئے فون نہیں آیا مصروف ہو گی۔" رخسانہ نے چائے کا گھونٹ بھرتے مطمئن سے انداز میں جواب دیا۔

"شکر ہے انعم کی عقل نے بروقت کام کر لیا اور گھر واپس چلی گئی ورنہ طلاق کی نوبت آنا کوئی اچھی بات تو نہیں تھی۔" بڑی بھابھی (شاہین) نے بھی گفتگو میں حصہ ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں بس میری تو یہی دعا ہے کہ وہ اپنے گھر میں خوش آباد رہے۔" رخسانہ بیگم کی اس بات پر ان دونوں نے سچے دل سے آمین کہا تھا۔

"جمیل، نعیم ابھی آفس سے نہیں لوٹے کیا۔" رخسانہ بیگم نے شاہین سے پوچھا۔

"نہیں امی! جمیل تو بزنس کے سلسلے میں شہر سے باہر گئے ہیں، رات دیر سے لوٹے گے، نعیم بھائی بھی ان کے ساتھ ہی ہیں۔" شاہین جواباً بولی تھی۔ رخسانہ بیگم اثبات میں سر ہلا کر رہ گئیں۔

✡ ✡ ✡

"انعم بیٹا میں تھوڑی دیر کے لیے عروہ کے پاس جا رہی ہوں اس کے سسر کا آپریشن ہے تو سوچا جا کر آؤں، تم گھر کا خیال رکھنا اور باہر کے دروازے کو یاد سے کنڈی لگا لینا۔" فرزانہ اسے آگاہ کرتے ہوئے بولی تھیں۔

"جی خالہ ٹھیک ہے۔" اس نے مختصراً کہا تھا۔ فرزانہ بیگم چلی گئی تھیں اس نے سب سے پہلے داخلی دروازہ اچھی طرح سے بند کیا اور پھر سیدھی اپنے کمرے میں آ گئی۔ آتے ہی اس نے ہینڈ بیگ سے فون نکالا اور کسی اجنبی کو کال ملائی۔

"ہیلو۔" فون دوسری بیل پر ہی اٹھا لیا گیا تھا۔

"میں انعم بول رہی ہوں۔" اس نے جواباً کہا۔

"جی بی بی کیسے یاد کیا غلام کو۔" وہ ازلی خباثت زدہ مسکراہٹ لیے بولا تھا۔ وہ اس کے انداز پر تاؤ کھا کر رہ گئی۔

"میں جو کہنے جا رہی ہوں اس کے مطابق کام کرنا ہے اور اگر کوئی ذرا سی بھی گڑبڑ ہوئی تو ایک پیسا نہیں دوں گی۔" وہ اسے وارن کرتے ہوئے بولی تھی۔

"جی بی بی، سب کچھ پرفیکٹ ہو گا۔" وہ تابعداری سے سر ہلانے لگا۔

"تو سنو۔" وہ اسے اپنے منصوبے کی بابت بتانے لگی تھی۔ "خوبصورت کھیل" کا آغاز ہو چکا تھا۔

✡ ✡ ✡

اساڑھ کی پیلی دھوپ بنا چاپ کیے اپنے آپ میں چھپ رہی تھی جس سے وہ گھر میں داخل ہوا تھا۔ گھر کے بیرونی دروازے کی ڈپلی کیٹ چابی ہمہ وقت اس کے پاس موجود رہتی تھی۔ کیونکہ کئی دفعہ کام کے سلسلے میں اسے گھر آتے آتے کافی دیر ہو جاتی تھی اور فرزانہ اور انعم کو آدھی رات کو اٹھانا اسے اچھا نہیں لگتا تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی سناٹے نے اس کا استقبال کیا تھا وہ کچھ حیران سا لاؤنج کے ارد گرد نظر دوڑا رہا تھا پر گھر میں

کوئی نہیں تھا۔

"یہ سب کہاں چلے گئے۔" اس نے سوچا اور وہیں صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لی تھیں۔ چند لمحوں بعد اسے محسوس ہوا کہ کچن میں کوئی موجود ہے کیونکہ کچن میں کھٹ پھٹ کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ وہ کسلمندی سے آنکھیں ملتا کچن کی جانب بڑھ گیا تھا اور آگے کچن میں انعم کو موجود دیکھ کر وہیں دروازے پر ہی رک گیا۔ انعم نے بھی شاید اس کا کچن میں آنا محسوس کر لیا تھا۔ اس لیے یک دم پلٹ کر اسے دیکھا اور واپس اپنے کام میں مصروف ہو گئی وہ تذبذب کے عالم میں ابھی تک وہیں کھڑا تھا۔

"وہ مجھے چائے بنانی تھی۔" آخر کار اسے کچن میں آنے کی وجہ مل ہی گئی۔

"تو بنا لو۔" انعم نے رکھائی سے کہا اور سنک میں رکھی سبزیاں دھونے لگی تھی۔

"اماں نظر نہیں آ رہی گھر میں' کہیں گئی ہیں کیا۔" اس نے بات سے بات نکالتے ہوئے دوبارہ اسے مخاطب کیا۔

"عروہ کے ہاں گئی ہیں۔" وہ مختصراً" بولی تھی۔

"انعم تم کب تک ناراض رہو گی۔" اظفر کو آج موقع مل ہی گیا تھا کیونکہ یہی وقت تھا کہ وہ اسے منا سکتا تھا۔

"میں کسی سے نہیں ناراض۔" وہ مصروف سی بولی تھی اور کچن ٹیبل پر بیٹھ کر سبزیاں کاٹنے لگی۔

"تو پھر لاتعلقی کیوں۔" وہ بھی اس کے برابر والی چیئر پر بیٹھ گیا تھا۔

"جو الزام تم نے مجھ پر لگایا اس کے لیے لاتعلق ہونا تو بہت ہی چھوٹی بات تھی۔" وہ طنزاً" مسکرائی تھی اور وہ شرمندہ سا نگاہیں چرا گیا تھا۔

"میں نے تم پر الزام نہیں لگایا تم جانتی ہو۔" وہ منمناتے ہوئے بولا۔

"پر الزام کو حقیقت ماننا یہ بھی ایک طرح کا الزام لگانا ہی ہوتا ہے اظفر۔" وہ پر شکوہ لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"میں معافی مانگتا ہوں' مجھے معاف کر دو۔" وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا تھا اور اس دفعہ پہلے سے زیادہ اس کے دل کو تسکین پہنچی تھی۔ کیونکہ وہ جیسا چاہتی تھی ویسا ہی ہو رہا تھا۔ سب مہرے اس کے مطابق ہی چل رہے تھے۔

"معافی مت مانگو' تم شرمندہ ہو یہی بہت ہے۔" اس نے فوراً" اظفر کے بندھے ہاتھ کھولے تھے وہ جواباً" اسے ممنون بھری نگاہوں سے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ اساڑھ کی چمکیلی دھوپ مکمل طور پر تاریکی کا لبادہ اوڑھ چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

"عروہ آج میرے من کی مراد پوری ہو گئی۔" عروہ کو فون پر فرزانہ بیگم کی خوشی سے چہکتی آواز سنائی دی تھی۔

"کیا ہوا امی!" عروہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"میرے اظفر کا گھر دوبارہ بس گیا۔" فرزانہ کھنکتی آواز میں بولیں۔

"میں کیا۔" عروہ کے پلے اب بھی کچھ نہ پڑا تھا۔

"ارے باؤلی انعم اور اظفر میں صلح ہو گئی ہے۔"

"سچ امی' یہ تو خوشی خبری سنائی آپ نے۔" عروہ بھی یہ سن کر خوش ہوئی تھی۔

"بس تم دعا کرنا آگے بھی سب ٹھیک رہے۔"

"امی میری دعائیں اظفر کے ساتھ ہیں آپ فکر نہ کریں۔" عروہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تم آج شام کھانا ہماری طرف ہی کھانا۔ ہادی اور عباد کو لے کر۔"

"امی عباد تو کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گئے ہیں' میں اور ہادی آجائیں گے۔" عروہ بولی۔

"چلو ٹھیک ہے۔" پھر چند اور باتوں کے ساتھ فون رکھ دیا۔

☆ ☆

"تمہیں ایسا کرنا ہے تمہیں ہر جگہ اس کے ساتھ

نظر آنا ہے تصویروں میں سمجھ گئے۔" انعم اسے ہدایات دے رہی تھی۔

"جی انعم بی بی سمجھ گیا۔" وہ جواباً" بولا۔

"گڈ' ہر کام ہوشیاری سے کرنا' میں نہیں چاہتی کوئی گڑبڑ ہو۔" وہ اسے دوبارہ سمجھا رہی تھی۔

"آپ بے فکر رہیں۔ آج تک جو بھی کام کیا پرفیکٹ کیا۔" وہ چمک کر بولا تھا۔

"اب میری ملاقات تم سے تب ہوگی جب میں تصویریں لینے آؤں گی اور ہاں اب فون مت کرنا اگر ضرورت ہوئی تو میں خود تمہیں کال کروں گی۔" اسے باور کراتے بولی۔ وہ اس بات پر اثبات میں سرہلا کر رہ گیا تھا۔

"عورت کھیل" کا پہلا وار شروع ہو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

عروہ پھر شام میں ہادی کے ساتھ آگئی تھی۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اسے معمول سے ہٹ کر چہل پہل محسوس ہوئی۔ وہ اس گھر کی خوشیوں کی دعائیں مانگتی سیدھی ڈرائنگ روم میں ہی چلی آئی۔ جہاں اسے فرزانہ' رخسانہ خالہ اور شاہین' شمائلہ' براجمان دکھائی دی تھیں۔ وہ مسکراتی ہوئی سیدھی خالہ کے گلے جا لگی۔

"خالہ کیسی ہیں آپ۔"

"ٹھیک ہوں بیٹا۔ عباد اور بچہ کیسا ہے۔" رخسانہ نے اس کا گال چومتے ہوئے جواباً" پوچھا تھا۔

"جی سب ٹھیک ہیں' آپ سنائیں کب آئیں اماں نے تو آپ کے آنے کا ذکر نہیں کیا تھا۔" اس نے یہ کہتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے ماں کی جانب دیکھا تھا۔

"ارے ہم بغیر اطلاع دیے ہی آئے ہیں۔ بس اچانک پروگرام بن گیا تو چلے آئے۔" جواب شمائلہ کی طرف سے آیا۔

"اچھا کیا" امی انعم کہاں ہے۔" اس نے اب کہ انعم کی بابت پوچھا۔

"کچن میں ہے جاؤ' کسی ہیلپ کی ضرورت نہ ہو اسے۔" فرزانہ بیگم کے کہنے پر وہ سیدھی کچن میں چلی آئی۔ انعم مختلف قسم کے طعام ہلمٹوں میں سجا رہی تھی۔

"السلام علیکم انعم۔" اور خوشی سے اس کے گلے لگ گئی۔

"انعم مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کہ سب کچھ پہلے جیسا ہو گیا۔" عروہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ اس بات پر محض مسکرا دی۔

"مجھے اظفر سے زیادہ تمہاری فکر تھی انعم! کیونکہ مرد کا گھر اگر اجڑ بھی جائے تو وہ نیا گھر بنا سکتا ہے پر عورت ایسا کبھی نہیں کر سکتی' وہ اجڑے گھر کے ساتھ خود بھی اجڑ جاتی ہے۔" عروہ آہستہ آہستہ اپنے خیالات کا اظہار کرتی جا رہی تھی یہ جانے بغیر کہ جس کو بتا رہی تھی۔ اس کے اندر کیا چل رہا ہے۔

"سچ کہہ رہی ہو' عروہ میں جانتی ہوں ہمیشہ عورت کو ہی ہتھیار ڈالنا پڑتا ہے۔" وہ نارمل سے انداز میں بولی تھی۔

"اور یہی ہار دراصل عورت کی جیت ہوتی ہے اگر عورت سمجھے تو۔" عروہ نے جواباً" کہا۔

"ہوں۔" وہ کندھے اچکا کر رہ گئی تھی۔

"یہ تو آگے پتا چل ہی جائے گا..... عورت کبھی نہیں ہارتی صرف جیتی ہے' جیت ہی اس کا مقدر ہوتی ہے اگر سمجھے تو۔" وہ زہریلی مسکراہٹ مسکرائی' اور چیزیں ٹرے میں سجانے لگی۔ عروہ اس کے ارادوں سے بے خبر مطمئن سی کباب تلنے میں مصروف تھی۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو عروہ کیسی ہو؟" انعم نے اس کے فون اٹھاتے ہی خیریت معلوم کی تھی۔

"جی ٹھیک ہوں انعم کہو کیسے فون کیا۔" اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کہیں مصروف تھی۔

"عروہ کہیں مصروف ہو کیا۔" اس نے پوچھا۔

"ہاں عباد کے گاؤں سے رشتے دار آئے ہوئے ہیں ابو کی عیادت کے لیے تو ان کی خاطر داریاں کرنے میں

مصروف ہوں۔" اس نے مصروفیت کی بابت آگاہ کیا تھا۔

"اوہ چلو ٹھیک ہے۔" اسے اپنا کام غرق ہوتا محسوس ہوا۔

"کیوں، کوئی کام ہے تمہیں۔" عروہ نے جوابا" پوچھا۔

"ہاں کام تو تھا۔ پر اتنا ضروری نہیں تم مصروف ہو پھر کسی دن۔" وہ ٹالتے ہوئے بولی۔

"نہیں تم کہو کیا کام ہے۔"

"وہ میں چاہ رہی تھی کہ...... ویلن ٹائن ڈے پر اظفر کو گفٹ دوں پر مجھے ان چیزوں کا کوئی اندازہ نہیں ہے تو سوچا تم کچھ ہیلپ کر سکو تو۔" اس نے شرماتے ہوئے بات بنائی تھی۔

"اوہ ہو تو یہ بات ہے۔" عروہ نے چٹکلا چھوڑتے ہوئے کہا۔

"چلو، میں فری ہو کر تمہاری طرف ہی آتی ہوں، پھر دونوں وہیں سے بازار چلیں گے۔"

"شکریہ، کتنے بجے آؤ گی۔" اس نے پوچھا۔

"تین ساڑھے تین تک چلیں گے، مجھے بھی کچھ شاپنگ کرنی ہے۔" اس نے بتایا تھا۔

"اوکے۔" یہ کہہ کر اس نے کال کاٹ دی۔

☼ ☼ ☼

"ہاں سنو، ہم شاپنگ کے لیے نکل رہے ہیں تم اس کیمرے والے کو لے کر پہنچ جانا اوکے۔" اس نے جانے سے پہلے اسے کال کر دی تھی۔

"دیکھو اظفر اب میں کیا کرتی ہوں، تم لوگوں نے میرا تماشا محلے والوں کے سامنے بنایا تھا۔ میں تم لوگوں کا پورے شہر میں بناؤں گی، یاد رکھنا، تم لوگ۔" اس کا خوب صورت چہرہ اس وقت جل کر سیاہ کوئلہ لگ رہا تھا۔ انتقام کی آگ اس پر اس کے وجود پر قہقہے لگا رہی تھی۔

"جیت میری ہو گی۔"

پر کون جانے جیت کس کا مقدر تھی! کیونکہ "عورت کھیل" کا انت باقی تھا۔

☼ ☼ ☼

آج صبح سے ہی ہلکی ہلکی بارش برس رہی تھی۔ اس کی نرم پھواریں دھرتی کو چھونے کی آہٹیں سکوت کو توڑ نہ پائی تھیں۔ لگتا تھا مشک فام پھولوں کی خوشبوئیں اپنے مہا منڈل سے اتر آئی ہیں۔ اور ان کی پتیاں بارش کی بوندوں سے بھیگ کر بوجھل ہو چلی تھیں۔ پر اس بارش میں سکون دینے والا تواتر تھا۔

اظفر چھٹی کے باعث آج تھوڑا لیٹ جاگا تھا۔ اس لیے فورا" فریش ہو کر نیچے آ گیا۔ ڈائننگ ہال میں سب کی باتوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ انعم ناشتا میز پر سجاتے ہوئی عروہ اور فرزانہ سے کسی موضوع پر بات چیت کر رہی تھی۔ جس پر وہ دونوں مسکرا رہی تھیں، ننھا ہادی الگ اپنی تان چھیڑے ہوئے تھا۔ اس نے رک کر چند منٹ یہ منظر دیکھا اور پھر مسکراتا ہوا اندر آ گیا۔

"السلام و علیکم خواتین و بچہ۔" وہ شوخ سا گویا ہوا تھا۔

"و علیکم السلام۔" انہوں نے جواب دیا۔

"عروہ، تم کب آئیں۔" اس نے ننھے ہادی کو اپنی گود میں بیٹھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"میں تو کل رات کی ہی آئی ہوئی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اسے کچھ یاد آ گیا تھا اور وہ یک دم خاموش ہو گئی تھی۔

"عباد آ گیا واپس۔"

"آج آئیں گے۔" اس کا انداز یک دم تبدیل ہوا تھا۔ اور انعم نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔ یعنی کام ہو گیا۔ اس نے خود کو داد دی۔ اور سب بھول بھال کر ان سب کے ساتھ ناشتا کرنے لگی عروہ کی بے چینی کوئی بھی نوٹ نہ کر پایا تھا۔

☼ ☼ ☼

"عروہ تم مجھے کل شام سے پریشان لگ رہی ہو، خیریت ہے نہ۔" عروہ ٹیرس پر کھڑی نا جانے کن

خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی جب اس کے آنے پر یک دم چونکی تھی۔

"ہاں' کچھ نہیں۔" وہ سنبھلتے ہوئے بولی۔

"کچھ تو ہے' عروہ' جو تم مجھ سے چھپا رہی ہو اگر نہیں بتانا چاہتیں تو الگ بات ہے۔" اس نے یک دم پینترا بدلا تھا۔

"دم انعم تمہیں کس طرح بتاؤں۔" عروہ کے چہرے پر پریشانی کے آثار بڑی حد تک نمایاں ہو رہے تھے۔

"بتاؤ جو بھی ہے شاید میں تمہاری مدد کرسکوں۔"

"کل شام جب میں اور تم شاپنگ پر گئے تھے۔ تو تم اپنی شرٹ لینے کا کہہ کر ایک دکان میں چلی گئی تھیں۔" اس نے بتانا شروع کیا۔ "تو وہاں ایک آدمی یک دم مجھ سے ٹکرایا اور پھر معذرت کرنے لگا کہ غلطی اس کی تھی' میں نے بھی جواباً "اٹس اوکے" بول دیا۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگئی تھی۔

"پھر کیا ہوا۔" اس نے کریدتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔

"اور چند منٹ بعد وہی آدمی دوبارہ مجھ سے ٹکرایا اور تیزی سے آگے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ پر سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ کسی اور نے اس کے ساتھ میری تصویریں کھینچ لی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید ہوگیا تھا۔

"اوہ یہ تو واقعی پریشانی والی بات ہے۔" وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

انعم کے تمام مہرے ہی نشانے پر لگے تھے۔

✿ ✿ ✿

"میرے اللہ میری بچی۔" وہ اپنے کمرے میں بیٹھی ایسے وقت کا بے صبری سے انتظار کررہی تھی کہ جب فرزانہ کے زور زور سے رونے کی آوازیں اسے سنائی دی تھیں۔ وہ اگلے ہی لمحے تیزی سے کمرے سے باہر نکل آئی۔ دیکھا لاؤنج میں فرزانہ زور زور سے سینہ کوبی کررہی تھیں۔

"کیا ہوا خالہ۔" وہ فوراً ان کی جانب آئی۔

"ارے میں لٹ گئی برباد ہوگئی۔" فرزانہ سر پیٹتے ہوئے بولی تھیں۔ "ارے عباد عروہ کو طلاق دے رہا ہے اس نے ہمیں فوراً وہاں بلایا ہے۔" فرزانہ نے روتے ہوئے جملہ ادا کیا تھا۔ اور وہ یہ سن کر خوشی کے مارے سرخ ہوگئی تھی۔ پر معاملے کی نزاکت دیکھ کر فوراً خوشی اندر ردبالی۔

"یہ کیوں خالہ ایسا کیوں کررہے ہیں۔"

"پتا نہیں بس تم جلدی سے اظفر کو فون ملاؤ۔"

"ہاں کرتی ہوں۔" اس نے فوراً اظفر کو کال ملائی تھی۔

"یہ انعم کا وار تھا خالی کیسے جاتا۔" یہ سوچتے ہوئے وہ فون بیل کی آواز سننے لگی۔

✿ ✿ ✿

"عباد بیٹا تو پاگل ہوگیا ہے۔" وہ فرزانہ اور اظفر عروہ کے گھر پہنچ چکے تھے۔

"آپ لوگوں نے ہمیں پاگل بنایا ہے اپنی بیٹی کے کرتوت چھپا کر۔" عباد جواباً بھڑک اٹھا تھا۔

"تمیز سے بات کرو۔" اظفر فوراً غصے سے اس کی جانب لپکا۔

"ارے اتنا جوش بھرا ہے تو بہن کو سنبھال۔" ساس بھی فوراً آگے ہوئی تھیں۔ عباد کی ماں کا یہ جملہ اس کے سینے میں برف کی ڈلی کی مانند اترا تھا۔ یعنی آج وہ اپنے "کھیل" میں سرخرو ہوگئی تھی۔ پر ابھی بھی "عورت کھیل" کا انت باقی تھا۔

"عروہ میں تمہیں طلاق دیتا....." عباد کے بولنے پر عروہ زور سے چیخی تھی۔

"آپ کو خدا کا واسطہ ایسا مت کریں۔" وہ عباد کے پاؤں جا پڑی تھی۔ پر آج اس کی کہیں سنوائی نہ تھی۔

"رک جاؤ۔" اظفر کی دھاڑ نے اچانک ہی پورے مجمع کو خاموش کرادیا تھا۔

"تم مجھے وہ نمبر دو جس سے تمہیں کال آئی تھی۔" اظفر کے یہ الفاظ مطمئن کھڑی انعم کو زور کا دھچکا دے گئے تھے۔

"چلیں اظفر، ہم عروہ کو یہاں سے لے کر جائیں گے۔" اس نے فوراً" سنبھلتے ہوئے بات پلٹی تھی۔ پر اب دیر ہو چکی تھی۔ عباد نے فون سے نمبر نکال کر اسے دکھایا تھا۔ اور یہ ہوتے ہی پورے کھیل کا پانسا پلٹ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

کھلاڑی کتنا بھی شاطر ہو، کوئی نہ کوئی غلطی ضرور کرتا ہے اور ایک ایسی ہی غلطی انعم سے بھی سرزرد ہو چکی تھی۔ بھلا وہ کیسے؟۔ عباد کو فون جس نمبر سے کیا گیا تھا اور وہ نمبر رجسٹرڈ تھا۔ اس لیے اس فون کرنے والے کو پکڑنا کافی حد تک آسان ہو گیا تھا اور اگر وہ پکڑا جاتا تو انعم کا بھی سارا کچا چٹھا کھل کر سامنے آ جاتا۔ اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا۔ یہی غلطی اس پورے "عورت کھیل" کی بازی الٹ چکی تھی۔ اور اگلے چند لمحوں میں عروہ کو چھوڑ کر انعم کی عدالت لگنے والی تھی۔ اس کھیل کے "ماسٹر مائنڈ" کی۔

اور اب اس گھر میں عروہ کی بجائے انعم سر جھکائے کھڑی تھی۔

شوکی (کرائے کے آدمی) نے دو تھپڑوں اور پولیس کی دھمکی پر ہی سارا پول کھول کر رکھ دیا تھا۔

"مجھے یہ سب انعم بی بی نے کرنے کو کہا، صاحب میرا کوئی قصور نہیں۔" وہ گھبرائے لہجے میں انعم کی جانب اشارہ کر رہا تھا۔

"انعم تم اتنا گر سکتی ہو مجھے یقین نہیں آ رہا۔" عروہ

"انعم، پتا نہیں وہ کون لوگ تھے؟ کیا چاہتے ہیں مجھ سے؟" وہ خوف زدہ سی بولی تھی۔

"پتا نہیں کون تھے۔" اس نے بے فکری سے کندھے اچکائے۔ عروہ کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر اس کے دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔

"مگر عروہ اگر وہ تصویریں عباد بھائی تک پہنچ گئیں تو....." یہ کہہ کر اس نے صحیح معنوں میں عروہ کا دل دہلا دیا تھا وہ جواباً" پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ کر رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"بس اب آخری کام، تم نے یہ کرنا ہے کہ عباد کو فون کرنا ہے، اور اسے عروہ اور اپنے افیئر کے متعلق بتانا ہے اور اگر چند سچ باتیں بھی بتا دو تو کوئی مضائقہ نہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے آگاہ کر رہی تھی۔

یہ کیسی عورت تھی؟ جو ایک مرد سے، دوسری عورت کے بارے میں ایسی نازیبا گفتگو کر رہی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ خود ایک عورت تھی پر یہ "عورت کھیل" تھا اس میں ایسا ہی ہونا متوقع تھا۔

"جیت کس کی ہوئی تھی۔" یہ معاملہ ابھی حل ہونا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس گھر سے چند میل دور گھر میں اک ہنگامہ بپا تھا۔ عباد زور زور سے چیخ رہا تھا۔ اور عروہ اپنی صفائیاں پیش کرتی جا رہی تھی۔ پر عروہ کی سنوائی آج نہ تھی کیونکہ یہ ایک عورت کا وار تھا جس کی زد میں عروہ آئی تھی۔ اور عورت کا وار تو تیز دھاری تلوار سے بھی زیادہ گھائل کرتا ہے۔ تو عروہ کیسے گھائل نہ ہوتی۔ عباد کی ماں بہنیں، ان کے شوہر سب یہاں موجود تھے۔ "عورت کھیل" دیکھنے کا حق سب کا تھا نا.....

"نہیں سچ کہہ رہی ہوں عباد میرا اس فون والے سے کوئی تعلق نہیں۔" وہ گڑگڑاتے ہوئے بول رہی تھی۔

"اچھا میں مان لیتا ہوں۔ پر یہ تصویریں بھی تمہاری نہیں ہیں کیا۔" عباد نے وہی تصویروں والا لفافہ اس کے منہ پر دے مارا تھا۔ اور وہ پاگلوں کی طرح ارد گرد پڑی رنگ برنگی بکھری تصویریں دیکھ رہی تھی۔ اور جیسے جیسے تصویریں دیکھتی اتنی ہی زمین میں گرتی جاتی۔

"اب بتاؤ یہ بھی جھوٹ ہے کیا۔" عباد نے اس کے گھٹنے پر اک ٹھوکر رسید کی تھی۔ وہ درد سے بلبلا اٹھی تھی۔

"یہ میری نہیں ہیں عباد! میں ہادی کی قسم کھاتی

ہوں، میں ایسی نہیں ہوں، آپ۔۔۔" گھٹنے کا درد کہیں دور جاسویا تھا۔ بس صرف ایک تکلیف تھی اور وہ گھر ٹوٹنے کی، عباد سے بچھڑنے کی، ہادی کی زندگی برباد ہونے کی، اور یہ تکلیف سب تکلیفوں سے بھاری تھی۔

"اپنی گندی زبان سے میرے بیٹے کا نام مت لینا، تم جیسی وحشہ عورت سے میرے بچے کا کوئی تعلق نہیں۔" عباد کے یہ الفاظ اس کے وجود کے پرخچے اڑا گئے تھے۔ وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپتی وہیں ڈھیری ہو گئی تھی۔

"میں تمہیں آج ہی طلاق دوں گا پر ابھی نہیں تمہارے بھائی اور ماں کے سامنے آخر ان کو بھی تو پتا چلے کہ ان کی شریف زادی شرافت کا لبادہ اوڑھے کتنے گل کھلاتی رہی ہے۔" وہ پھنکار رہا تھا۔

"یا اللہ۔" اس نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھوس لی تھیں۔

"ارے تجھے شرم نہ آئی کم بخت۔" ساس بھی میدان میں اتر آئی تھی۔

"اماں، یہ جھوٹ ہے آپ میرا یقین کریں، یہ جھوٹ ہے۔" اس نے ساس کے پاؤں پکڑ لیے تھے۔ پر ساس کی زوردار ٹھوکر نے اسے زمین چٹا دی تھی۔

"ان ثبوتوں کو جھٹلا رہی ہے کم بخت۔" ساس نے بھی مغلظات بکنا شروع کر دی تھیں۔

"عباد تو آج ہی اسے طلاق دے گا۔" ساس نے اٹل انداز میں عباد کی طرف دیکھا تھا۔

حیرت کے مارے گنگ رہ گئی تھی۔

"اپنے انتقام کی آگ میں تم نے اپنے ہی جیسی عورت کو جلا دیا۔ یہ تھا "تمہارا کھیل" تمہارا منصوبہ۔" عروہ نے دکھ سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ جواباً "فقط خاموش ساکت کھڑی تھی۔

"تم نے کیا سمجھا۔ تم اپنا بدلہ مجھ سے لے کر جیت جاؤ گی۔ یہ اظفر کے لیے سبق ہو گا پر تم یہ کیسے بھول گئیں کہ ایک عورت ہی دوسری عورت کا پر تو ہوتی ہے، میری ہار تمہاری ہار اور میری جیت تمہاری جیت تھی انعم، تم یہ سب کیسے بھول گئیں۔" عروہ دکھ اور صدمے سے بولی۔

"اور تم ہی کہتی تھیں نہ ایک عورت ہی دوسری عورت کی دشمن ہوتی ہے، اور یہی مثال تم نے سچ دکھا ڈالی، کیوں انعم کیوں۔۔۔!" اور انعم کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ چپ کی صورت بنی کھڑی تھی۔

"تم نے حقیقت میں مجھے نہیں اپنے آپ کو جلا ڈالا، انعم، اس انتقام کی آگ میں تم خود جل گئی ہو، تم راکھ ہو گئی ہو۔ اور جس مرد کو ہرانے کے لیے تم نے اپنے جیسی ایک عورت کو مہرہ بنایا تھا۔ وہ مہرہ خود ٹوٹ گیا۔ مرد آج بھی اس شان و شوکت سے اونچے سنگھاسن پر براجمان ہے اب مجھے فقط اتنا بتادو کہ اس "کھیل" میں "جیت" کس کا مقدر بنی؟" اور انعم کے پاس اس سوال کا سرے سے ہی کوئی جواب نہ تھا اور نہ کبھی ہو سکتا تھا۔

ہر بار کی طرح اس بار بھی شکست عورت کا مقدر ہی بنی تھی۔ پر اس بار عورت کے ماتھے پر شکست کا ٹیکا مرد نے نہیں سجایا تھا۔ اس دفعہ اس شکست کا موجب خود ایک عورت ہی بنی تھی۔۔۔۔

عباد نے اپنے کیے پر سب کے سامنے عروہ سے معافی بھی مانگ لی تھی اور اس نے معاف بھی کر دیا تھا۔ اظفر نے انعم کو طلاق دے دی تھی۔ اور وہ کسی لٹے پٹے مسافر کی طرح واپس اس گھر میں چلی آئی تھی۔ جہاں اسے کسی نے قبول نہ کیا۔ یہ ایک کنال کا گھر اس کے لیے کم پڑ گیا تھا۔ جہاں اس کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ وہ اس عورت کھیل میں اپنا سب کچھ ہی گنوا بیٹھی تھی سب کچھ۔۔۔۔۔

اب اس کا اگلا ٹھکانہ دارالامان تھا۔ جہاں شاید اس کو جگہ مل ہی جاتی کیونکہ سزا کاٹنے کی بڑی لمبی عمر ابھی باقی تھی یہی انجام تھا۔۔۔۔۔

اور یہی "عورت کھیل" کا انت تھا۔

☆ ☆

نادیہ احمد

وہ نہیں ملا تو ملال کیا

دوسرا اور آخری حصہ

امی کے چہرے پہ پریشانی صاف نظر آرہی تھی۔ اپنا فون کان سے لگائے وہ پچھلے پانچ منٹ سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ تیسری، چوتھی، جب پانچویں بار بھی دوسری طرف اس کا رابطہ نہ ہو سکا تو اس نے جھنجلا کر اپنا سیل فون بیڈ پہ دے مارا۔ زندگی میں اس سے پہلے وہ کبھی اتنی مضحکہ خیز صورت حال کا شکار نہیں ہوا تھا۔ اس کا دھیان بار بار ایک ہی طرف جا رہا تھا۔ وہ جب جب اس کے متعلق سوچتا تھا اسے شرمندگی اور خفت کا احساس ہوتا تھا۔ وہ کہاں چلا جائے جو اسے اس کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ایسا کیا کرے کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے۔ پریشانی سی پریشانی تھی۔ وہ تھک کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ سوچ سوچ کر اس کی نسیں پھٹ رہی تھیں۔ اپنے دونوں ہاتھوں سے اس نے اپنے سر کے بالوں کو نوچا۔ یکایک بیڈ پہ پڑا اس کا فون بجنے لگا۔ جلتی بجھتی اسکرین پہ نمودار ہونے والا نمبر دیکھ کر اس نے سکون کا سانس لیا۔ ایک منٹ کے دسویں حصے میں وہ فون اٹینڈ کر چکا تھا۔

"باہر سب لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں جی۔ ان کا کہنا ہے پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے اگر کچھ نہیں پتا چلا تو وہ جائیں؟" ملازم رسول بخش دروازے پر کھڑا تھا۔ اس نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا جیسے کچھ سمجھ نہ آرہی ہو اس کو وہ کیا جواب دے۔ وقت و حالات نے یہ کیسی کروٹ لی تھی۔ اور وہ کچھ بھی نہیں کر پا رہا تھا۔ اس کا فون اب تک اس کے ہاتھ میں تھا جہاں چند منٹ پہلے شمائل سے اس کی بات ہوئی تھی۔ مثال اس کے گھر میں موجود تھی۔ نکاح کے سب انتظامات کے ساتھ قاضی اور گواہ شمائل کا انتظار کر رہے تھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ اپنی بھرپور کوشش کے نتیجے میں مثال کو شمائل سے فوری شادی کے لیے راضی کر چکا تھا اور اچانک یہ خبر ملی کہ شمائل آفریدی غائب ہے۔ فراز نے کئی بار اس کو کال کی، وہ اپنے گھر بھی نہیں تھا۔ اس کے ملازم لاعلم تھے۔ وہ اپنا موبائل اٹینڈ نہیں کر رہا تھا، اور یہ بات فراز کو پریشان کر رہی تھی، اور اب تک وہ شمائل سے رابطہ کرنے میں ناکام تھا۔ بار بار اس کا دھیان یاور خان کی طرف جا رہا تھا۔ کہیں شمائل کے یوں کچھ کہے سنے بغیر غائب ہونے کا سرا اس کے با اثر خاندان سے تو نہیں جڑا۔ شمائل پہلے ہی محتاط تھا اور اسی لیے اس نے مثال کو اپنے گھر کی بجائے فراز کے گھر لانے کا کہا تھا۔ ان حالات میں اگر شمائل نہیں ملتا تو فراز، مثال کو کیا کہے گا۔ اس کی پوزیشن بہت خراب ہو رہی تھی۔ اسی اثناء میں شمائل کی اپنے سیل پہ کال دیکھ کر اس نے سکون کا سانس لیا۔

"یار خان کہاں چلا گیا ہے؟ یہاں سب لوگ تیرا انتظار کر رہے ہیں۔" وہ خفگی سے بولا۔

"فراز! میں گاؤں جا رہا ہوں، بی بی جان کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ بابا کی کال آئی تھی۔ وہ شدید پریشان تھے اور انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں جلد از جلد گھر پہنچوں۔" فراز کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ شمائل کی آواز میں پریشانی اور ایک دبا دبا خوف تھا۔

"تیرا دماغ تو ٹھیک ہے خان، یہاں تیری خاطر میں مثال کو اس کے گھر سے لے کر آیا ہوں۔ وہ تیرا انتظار کر رہی ہے۔ قاضی میرے گھر بیٹھا ہے اور تو ان حالات میں گاؤں جا رہا ہے۔" وہ پھنکارا تھا۔ شمائل ان

حالات میں کیسے اچانک یہ فیصلہ کر سکتا تھا۔ وہ مثال کو کیا کہے گا جو اس کی منت سماجت پر نیم رضامند ہو کر اس کے ساتھ چلی آئی تھی۔

"بتایا ہے نا فراز بی بی جان کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ میراان کے پاس جلد از جلد پہنچنا بہت ضروری ہے۔"

اس کا انداز جان چھڑانے والا تھا جیسے اس وقت اسے یہ سب سننے میں قطعاً" دلچسپی نہیں تھی۔ وہ کیوں ایسا کر رہا ہے۔ وہ تو مثال سے بے تحاشا محبت کا دعوا کرتا تھا اور پھر مثال...... وہ بھی تو اسے... اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔

"اور مثال؟ اسے کیا کہوں میں۔ تمہیں اندازہ ہے میں اسے کن حالات میں یہاں لے کر آیا ہوں؟ میری پوزیشن کا تو سوچا ہوتا شمائل۔ اس سے نکاح کر کے چلے جاتے۔" فراز شدید غصے میں تھا۔ ان دونوں کے چکر میں اس کی زندگی حرام ہو گئی تھی۔

"اس وقت بی بی جان کے سوا کچھ اور نہیں سجھ آرہا فراز' اگر انہیں کچھ ہو گیا تو میں خود کو ساری عمر معاف نہیں کرسکوں گا۔" شمائل کی اگلی بات فراز کو مزید تپا گئی۔ اسے بار بار مثال کا خیال آرہا تھا۔ وہ اس کا سامنا کیسے کرے گا۔

"اور مثال کے ساتھ جو اتنا کچھ ہو گیا اور ہو رہا ہے اس کے لیے تم خود کو معاف کرسکتے ہو؟" وہ تلخی سے بولا۔ اس وقت شمائل اگر اس کے سامنے ہوتا تو وہ اسے دو لگاتا۔ اسے تو عورت کی عزت کا درس دیتا تھا۔ ہمیشہ ناصح کا رول ادا کرتے ہوئے اس نے فراز کے لڑکیوں سے ملنے جلنے کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ مثال اس کی محبت تھی اور محبت کی پہلی شرط عزت ہوتی ہے۔ وہ اس کی رسوائی کا سامان کیوں کررہا ہے۔

"وہ سب میری جذباتیت تھی۔ تم اس معاملے میں ٹینشن مت لو اور ان لوگوں کو کچھ دے دلا کر فارغ کردو اور مثال کو اس کے گھر واپس بھجوادو۔ ایک بار بی بی جان ٹھیک ہو جائیں میں خود ان سے دوبارہ بات کروں گا مجھے یقین ہے وہ میری بات ضرور مان لیں گی۔" اس کی لاجک پہ فراز مزید سیخ پا ہوا۔ کتنا برا کررہا تھا یہ اس بے چاری لڑکی کے ساتھ۔ اس کے باپ کی موت کے بعد ایک بار بھی شمائل اس سے نہیں ملا تھا۔ پہلے شادی کا فیصلہ کرکے اسے یہاں بلالیا اور اب ماں کی بیماری کا سن کر ایموشنل بلیک میل ہو کر اس سے کچھ کہے سنے بغیر جارہا ہے۔

"شمائل تم اتنے خود غرض کیسے ہوسکتے ہو۔" وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔

"اپنی ماں کو مرتا چھوڑ دوں اور اپنی شادی کی سیج سجالوں تو کیا یہ خود غرضی نہیں ہوگی۔ بہرحال تمہیں ساری صورت حال بتا چکا ہوں۔ میں اب فون رکھ رہا ہوں بہتر ہے تم اس معاملے سے خود کو الگ کرلو اور تم جانتے ہو تم خود کو اس معاملے سے الگ کیسے کرسکتے ہو۔" شمائل نے فون بند کردیا اور اچانک اسے مثال کا خیال آیا جو اب تک اسی کے گھر میں موجود تھی۔

وہ بیڈ پہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اسے اپنے کیے پہ پچھتاوا ہوا تھا۔ اس نے زندگی میں کئی غلطیاں کی تھیں لیکن آج شاید اس سے گناہ ہو گیا تھا۔ ہاں شمائل کو سپورٹ کرنے کا گناہ۔ مثال کو اس کے گھر سے لاکر واقعی اس نے بہت بڑی غلطی کردی تھی۔ اسے یاد آیا جب وہ گاڑی کا دروازہ کھولے اس کے گھر کے باہر کھڑا تھا۔ اور سرِ شام میں گھروں کی کھڑکیوں اور چھتوں سے کتنے ہی سر باہر نکلے تھے۔ کتنی ہی آنکھوں نے مثال کو سامان اٹھائے اس کے ساتھ جاتے دیکھا تھا۔ وہ سب لوگ ان دونوں کے متعلق ہی سوچ رہے ہوں گے' یہ اس وقت فراز نے نہیں سوچا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا مثال کو اب یہاں کبھی واپس نہیں آنا ہے' اس لیے ان سب باتوں کی پروا کرنے سے کیا حاصل اور اب وہ کئی گھنٹوں کے بعد جب اسے واپس چھوڑنے جائے گا تو وہی سب نگاہیں ان دونوں پہ پھر اٹھیں گی اور اس بار اسے ان نظروں کا مفہوم بھی سوچنا ہوگا۔ اپنے لیے نہیں بلکہ مثال کے لیے کیونکہ یہاں سے نکل کر مثال کو ان سب کو تنہا فیس کرنا ہوگا۔

"فراز صاحب۔" ملازم کی آواز پہ وہ اپنے سوچ کے مدار سے باہر نکلا۔

"ہوں؟" وہ غائب دماغی سے بولا۔

"میں ان کو کیا بولوں صاحب؟" ملازم نے اپنا مدعا ایک بار پھر دہرایا۔ فراز یوں حقیقت سے قطع نظر کب تک اس کمرے میں بند ہو کر بیٹھ سکتا تھا۔ اسے باہر نکل کر حالات کا سامنا کرنا تھا۔

"وہ بی بی کہاں ہیں؟" اس نے ماتھا کھجایا۔

"وہ تو جی گیسٹ روم میں ہیں۔" رسول بخش اس کے پریشان چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"تم چلو میں کچھ دیر میں آتا ہوں۔" اس نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے کہا۔

"جی بہتر۔" ملازم کمرے سے باہر نکل گیا۔ کچھ سوچتے ہوئے فراز اپنے کمرے سے باہر نکلا۔ اس کا رخ گیسٹ روم کی جانب تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کن الفاظ میں مثال کو وہ شمائل کے نہ آنے کی وجہ بتائے گا لیکن

اسے کچھ تو کہنا تھا۔ وہ کب تک حقیقت کو اس سے چھپا سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس کا دل بہت بے چین ہو رہا تھا۔ اندر ہی اندر پچھتاوا شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ فقط چند روز میں اس کی پر سکون زندگی میں بھونچال آگیا تھا۔ بے بسی اور احساس ندامت نے اسے جکڑ رکھا تھا۔ وہ خود غرض نہیں تھا پر حالات نے اس پر خود غرضی کا لیبل چسپاں کر دیا تھا۔ دل کا نگر آباد کرنا دنیا والوں کی نگاہ میں اس کا سب سے بڑا جرم بن گیا تھا۔ وہ دیوتا نہیں انسان تھا اور انسان خطا کار ہے۔ اس کا جرم محبت تھا۔ آدم کو اس کی خطا پہ جنت سے نکالا گیا اور ابن آدم اپنی مرضی سے اپنی جنت چھوڑ آیا۔ آدم کی جنت میں واپسی دنیا چھوڑنے پر منحصر تھی اور اس کی جنت تک رسائی راہ عاشق سے واپسی۔ واپسی کا سفر طویل تھا اور تکلیف دہ بھی پر جنت کی ہوس دل میں چھپے کانٹوں کی تکلیف سے نبرد آزما تھی اور جنت کی طلب جیت چکی تھی۔

بوجھل قدموں سے چلتا وہ بی بی جان کے کمرے تک گیا۔ دروازے کے باہر کھڑے اس کی ہمت جواب دے رہی تھی۔ بابا جان کی آواز میں چھپا درد اس کے خوف کو بڑھا رہا تھا۔ فقط تین دن پہلے وہ اس حویلی سے باغیانہ انداز میں نکلا تھا۔ اپنا سب کچھ تیاگ کر اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ تھا۔ بی بی جان کا مثال کے گھر جا کر اسے دھمکانا اور پھر اس کے والد کی موت، مثال کی زندگی میں آنے والا کہرام اس کی منہ زور محبت کا نتیجہ تھا۔ وہ بی بی جان سے خائف تھا اور خود سے شرمندہ... اس نے تو فقط عشق کیا تھا یہ سوچے بغیر کہ اس کا نتیجہ کس کو اور کیسے بھگتنا پڑے گا۔ وہ تو مثال سے شادی کر کے سے اپنا بنا کر اس کی زندگی میں خوشیاں بھرنے جا رہا تھا لیکن قسمت اسے دوراہے پہ لے آئی تھی۔

اسے یاد آیا وہ جس وقت تیار ہو کر گھر سے نکل رہا تھا۔ فراز سے اس کی بات ہوئی تھی اور اس نے اسے یہ خوش خبری سنائی تھی کہ مثال شادی کے لیے مان گئی ہے اور اس کے ساتھ ہے۔ اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ وہ گھر سے نکل کر گاڑی میں بیٹھا تھا جب اس کے بابا جان کی کال اس کے سیل فون پہ بجنا شروع ہو گئی۔ کچھ پریشانی اور کچھ خوف کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اس نے کال اٹینڈ کی تھی۔

"شمائل خان، کیا اچھا ہوتا خانم تمہاری جگہ کسی پتھر کو جنم دیتی کم سے کم آج اس درد سے تو نہ گزرتی جو اسے اس کی اکلوتی اولاد نے دیا ہے۔ کیا کمی رہ گئی تھی ہماری محبت میں جو ایک لڑکی کے چند روزہ عشق نے بھلا دی۔ یاد رکھنا... خانم کو اگر کچھ ہوا تو میں تمہیں ساری عمر معاف نہیں کروں گا شمائل خان!" یاور خان آفریدی کی آواز کوڑے برسا رہی تھی۔ شمائل کو اپنے وجود سے ٹیسیں اٹھتی محسوس ہوئیں۔

"خانم کو دل کا دورہ پڑا ہے، تمام رات تمہارا نام لیتی رہی۔ تمہیں یاد کرتی رہی۔ تم سے بات کرنا چاہتی تھی، تمہاری آواز سننا چاہتی تھی۔ ماں ہے نا اولاد کی محبت میں کمزور پڑ گئی۔" شمائل کو خود سے نفرت ہو رہی تھی۔ اس کی جان سے پیاری بی بی جان، جن کی چھوٹی سے چھوٹی بات اس کے لیے حکم کا درجہ رکھتی تھی اس کی بدولت اتنی اذیت میں مبتلا رہیں۔ وہ بیمار تھیں، زندگی اور موت سے جنگ لڑ رہی تھیں اور وہ اپنی شادی رچانے جا رہا تھا۔ نہ جانے کتنی بار اس نے خود کو ملامت کی۔ ایک پل مزید وہاں رکنا اس کے لیے محال ہو گیا تھا۔ وہ جلد سے جلد اڑ کر ان کے پاس پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اس دوران اسے نہ تو مثال اور اس کے ساتھ ہوئی ظلم و زیادتی ہی یاد رہی تھی اور نہ ہی فراز کا خیال آیا جو اس کی خاطر اس سارے مسئلے میں پھنسا تھا۔ اب اسے اگر کچھ یاد تھا تو اپنی ماں... اپنی بی بی جان جن سے وہ اس دنیا میں سب سے زیادہ محبت کرتا تھا۔

☼ ☼ ☼

بیڈ کے کونے سے لگی وہ بیڈ کراؤن پہ اپنا شانہ ٹکائے اب تک اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔ اس کی

سوتی چادر اس کے ریشمی بالوں سے سرکتی کندھے پہ جا ٹکی تھی۔ اس کی لمبی چوٹی سے چند پریشان لٹیں نکل کر اس کے چہرے کو ڈھانپ رہی تھیں۔ اس کی آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں۔ صاف ظاہر تھا وہ بہت دیر تک آنسو بہاتی رہی تھی۔ اس کا ویران چہرہ اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ وہ ایک پل بھی نہیں سوئی۔ فراز کو اسے دیکھ کر ترس آیا وہ رات کو بھی یہیں بیٹھی تھی جب آخری بار فراز کپڑے تبدیل کرنے اس کمرے میں آیا تھا اور اب صبح کو بھی وہ اسے اسی جگہ اسی حالت میں بیٹھی دکھائی دی۔

"لگتا ہے آپ تمام رات نہیں سوئیں۔" وہ اس کے زخموں کو کریدنا نہ چاہتا تھا' لیکن اسے مثال سے بات تو کرنی تھی۔ شاید وہ اب تک اس کی کمرے میں موجودگی سے بے خبر تھی اسی لیے اس کی آواز پہ چونک کر اس نے فراز کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پہ تھکان تھی۔ کچھ کچھ پریشانی یا پھر افسوس جو مثال محسوس کر رہی تھی۔ شاید اس کی طرح وہ بھی تمام رات جاگتا رہا تھا۔ اب سے پہلے مثال نے اسے ہمیشہ بہت ہشاش بشاش اور خوش باش دیکھا تھا۔ شاید اسے دنیا کا کوئی غم نہیں تھا۔ خوشیاں اس پر مہربان تھیں لیکن آج پہلی بار مثال نے اس کو اداس اور مایوس دیکھا تھا۔ اسے اپنے نصیب پہ رونا آیا۔ اپنے حصے کے دکھ میں اس نے کسی اور کو بھی شامل کر لیا تھا۔

"شاید آپ نے بھی تمام رات جاگ کر گزاری ہے۔" اس کا لہجہ بہت مدھم اور ٹوٹا ہوا تھا۔ وہ اس کا درد سمجھ سکتا تھا۔ فراز نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا جہاں دنیا جہان کا کرب تھا۔ وہ ایک بار پھر گہری سوچ کے حصار میں تھی۔ اس کے دل پہ بوجھ کچھ اور بڑھ گیا تھا۔ کل رات جو ہوا بہت ہیجان انگیز تھا۔ عین وقت پہ شمائل' مثال کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اپنے گاؤں چلا گیا۔ فراز نے اسے لاکھ سمجھایا لیکن وہ کچھ سننے اور سمجھنے کو تیار نہ تھا۔ مثال کی زندگی دوراہے پہ آکھڑی ہوئی تھی۔ ایک راستہ واپسی کا تھا جو نہایت بے رحم اور پرخار تھا۔ بدنامی و ذلت کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ اس کے نام سے جڑ چکا تھا۔ اب جبکہ وہ اس گھر اور محلے کو چھوڑ آئی تھی تو وہاں واپس جانے کا مطلب رسوائی تھا۔ وہ تنہا تھی' بے آسرا تھی۔ ایسے میں ہر ایک کی نگاہ بھوکے بھیڑیوں کی طرح اسے چیر پھاڑنے کی منتظر ہوتی۔ دوسرا راستہ وہ تھا جو اسے فراز نے بتایا۔

"شمائل کے لیے دل سے زیادہ خونی رشتے مقدم ہیں۔ وہ جن حالات میں اپنی ذمہ داری سے بھاگا ہے میں اسے بھی الزام نہیں دوں گا پر اس بات کے لیے اسے کبھی معاف بھی نہیں کروں گا کہ اس نے آپ کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔" کچھ تو اسے اندازہ تھا کہ شمائل اگر اب تک نہیں پہنچ پایا تو اس کے پیچھے ضرور کوئی بڑی وجہ ہے۔ فراز نے اس سے کچھ نہیں چھپایا تھا۔ اس کی پوزیشن پہلے ہی بہت خراب تھی۔ اسے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا مثال اس پہ یقین کرے گی بھی یا نہیں۔ مثال کی ایک بار بھی شمائل سے بات نہیں ہوئی تھی اور اب تک وہ سب کچھ فراز کے کہنے پہ کر رہی تھی۔ وہ نیکی کر کے گناہ اپنے نام لگوا چکا تھا۔

"شاید یہ سب میرے مقدر میں لکھا تھا۔ آپ خود کو الزام مت دیں۔" فراز کو شرمندہ دیکھ کر وہ تاسف سے بولی۔

"میں پارسائی کا دعوا نہیں کرتا کیونکہ میں بہت عام سا انسان ہوں لیکن آج تک کسی کو میرے ہاتھ سے نقصان نہیں پہنچا۔ یہ پہلی بار ہے کہ میری وجہ سے کسی کو اتنی تکلیف پہنچی ہے۔" وہ بہت سوچ کر' بہت دھیمے انداز میں کہہ رہا تھا۔ مثال سے نظریں ملانے کی اس میں ہمت ہی نہیں تھی۔

"آپ نے تو تکلیف سے نکالنا ہی چاہا پر شاید میرے مقدر کی سختیاں ابھی باقی ہیں۔" بہت دیر سے گیسٹ روم میں رکھے صوفہ پہ بیٹھے اس کی ٹانگیں اکڑ گئی تھیں۔ کمرے میں سینٹرل ہیٹر کی گرمائش تو تھی پر وہ بہت تھک چکی تھی۔ ابھی اسے واپس گھر بھی جانا تھا۔ وہ دھیمے قدموں سے چلتی دروازے تک پہنچی۔

"مثال..... کیا آپ..... مجھ سے شادی کریں گی؟"

اس ایک جملے کو کہنے میں فراز کو بہت سی ہمت جمع کرنی پڑی تھی۔ اس کے پاس اس کے سوا دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ اس کو شمائل کی طرح تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اسے تحفظ درکار تھا جو فراز اسے دے سکتا تھا۔ بھلے ان دونوں میں کوئی جذباتی تعلق نہیں تھا لیکن عزت ہر رشتے کی پہلی شرط ہوتی ہے اور وہ مثال کی دل سے عزت کرتا تھا۔ اس نے بہت سی لڑکیوں سے دوستیاں رکھیں پر مثال سے پہلی بار مل کر اسے اندازہ ہوا تھا کہ پارسا عورت کیسی ہوتی ہے۔ وہ نہیں جانتا تھا مثال کا ردعمل کیا ہوگا، شاید وہ اسے موقع پرست گردانتی، یا اپنے دوست کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے والا جعل ساز سمجھتی مگر وہ خاموش رہی تھی۔ اگلے چند منٹوں میں گھر آئے قاضی اور گواہان کی موجودگی میں ان دونوں کا نکاح ہو رہا تھا۔

وہ رات بہت بھاری تھی۔ فراز اسے کمرے میں اکیلا چھوڑ کر خود گیسٹ روم میں چلا آیا تھا۔ اس وقت ان دونوں کو ہی تنہائی درکار تھی کیوں کہ کہنے کے لیے کسی کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ تمام رات وہ جاگتا رہا تھا، سگریٹ پیتا رہا تھا۔ صبح اس کی آنکھیں نیند سے جل رہی تھیں۔ اور اب ایک بار پھر وہ مثال کے سامنے تھا۔ اسی وقت دروازے پہ ہولے سے دستک ہوئی۔

"اندر آجاؤ۔" ملازم ناشتے کی ٹرالی دھکیلتا کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا مطلب فراز اسے یہاں آنے سے پہلے ناشتے کی ہدایت دے کر آیا تھا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" کل رات بھی اس نے کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا اور اب بھی ملازم کو انکار کر دیا تھا۔ پتا نہیں اس نے دن میں بھی کچھ کھایا تھا یا نہیں۔

"بھوکے رہنے سے اگر سارے مسئلے حل ہو جاتے ہیں تو پھر میں بھی یہ بھوک ہڑتال کر دیتا ہوں۔" وہ ملازم کو کمرے سے بھیج کر ایک بار پھر مثال کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ خاموش رہی۔

"میں جانتا ہوں آپ ایک ان چاہی صورت حال سے گزر رہی ہیں۔ وہ نہیں ہو سکا جو آپ نے چاہا۔ آپ کے دل میں اپنے بابا کی موت کا غم بھی ابھی تازہ ہے، لیکن بھوکا رہ کر نہ تو ان پریشانیوں سے نجات ممکن ہے نہ ہی اس سچویشن میں کوئی تبدیلی رونما ہو۔ جو ہو چکا شاید وہ ہم میں سے کسی کے بس میں نہیں تھا۔ یوں رو کر، بھوکا رہ کر اپنی تکلیف اور میری اذیت کو مت بڑھائیں پلیز۔" وہ بہت ٹھہرے ہوئے انداز میں بات کر رہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح وہ اس کی باتوں سے قائل ہو رہی تھی۔ اس نے ایک سلائس کے ساتھ دو کپ چائے پی تھی۔ اس کے بعد فراز نے اسے پیناڈول دی کیوں کہ اس کے تپتے رخسار اور بوجھل آنکھیں بتا رہی تھیں اسے بخار ہے۔ اسے سونے کی ہدایت دے کر وہ خود دفتر چلا گیا تھا۔ مثال سے خود بیٹھا نہیں جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بستر پہ کروٹیں بدلنے کے بعد وہ نیند کی وادی میں چلی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

ستاروں بھرے آسمان پہ چودھویں کا چاند پوری آب و تاب سے چمکتا کمرے کی کھڑکی سے اندر جھانک رہا تھا۔ جہازی سائز بیڈ پہ بچھے سلک کے قیمتی بیڈ کور پہ اس کے پہلو بدلنے سے چند شکنیں نمودار ہوئیں۔ لاشعوری طور پہ اس نے بستر کی شکنوں کو اپنی مہندی لگی خوب صورت انگلیوں سے درست کیا۔ کمرے کا دروازہ کھلا اور اچانک اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی ہے۔ دھیمے قدموں کی چاپ پہ کان لگائے وہ چند لمحے سانس روکے اس کے آنے کی منتظر رہی۔ اس دوران اس کے جسم کا رواں رواں مضطرب تھا۔ وہ اس سے کیسے ہم کلام ہوگا، اس کا رویہ کیسا ہوگا، کیا وہ خوش ہے۔ یا پھر جو ہوا مجبوری میں ہوا... یہی سوچ اس کے دماغ کی دیواروں سے ٹکرائے جا رہی تھی۔ اس کی کمرے میں موجودگی نے اسے چوکس کر دیا تھا۔ اچانک باتھ روم کا دروازہ پوری طاقت سے بند کیا گیا اور اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ چند لمحے سرکے اور پھر وہ باتھ روم سے باہر نکلا۔

وہ لباس تبدیل کر چکا تھا۔ اس پہ نگاہ ڈالے بغیر اس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل کا لیمپ بجھایا اور اس کی کمرے میں موجودگی کو سراسر نظر انداز کرتے ہوئے وہ بستر پر لیٹ گیا۔ پلوشہ کو یک دم اپنا آپ بے معنی اور اپنا وجود دھتکارا ہوا محسوس ہوا۔ اگلے کچھ منٹ اسی پوزیشن میں بیٹھی وہ اپنے خوب صورت حنائی ہاتھوں کی نازک انگلیاں مروڑتی رہی اور پھر جب اسے یقین ہو گیا کہ شمائل گہری نیند سو چکا ہے تو وہ آہستگی سے بستر سے اٹھی اور ہولے ہولے چلتی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ اس نے پوری کوشش کی کہ کسی طرح پیروں کی پازیب اور چوڑیوں کی کھنکھناہٹ کو روک لے پر ایسا ممکن نہ تھا۔ اس کی پازیب کی چھن چھن اس کے قابو سے باہر تھی۔

قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر پلوشہ نے ایک نظر اپنے سجے سجائے روپ پہ ڈالی۔ گلاب کی پنکھڑیوں سے سرخ و سفید وجود پہ سجا خاندانی بیش قیمت زیور، سونے کے تاروں سے آراستہ اس کا قیمتی سرخ لباس جس میں وہ کسی ریاست کی شہزادی لگ رہی تھی۔ اس کے نازک سراپا کو دو آتشہ کر رہا تھا اور سب سے بڑھ کر اس کا سینے میں دھڑکتا انمول دل جس کا ہر جذبہ سالوں سے شمائل سے وابستہ تھا۔ یہ سب کچھ آج رات وہ اس کے سپرد کرنا چاہتی تھی۔ اپنا ہر احساس اس تک منتقل کرنا چاہتی تھی۔ جاگتی آنکھوں سے دیکھے شمائل کے ساتھ کا سپنا آج سچ ہوا تھا اور اس کی محبت میں چور اس کا وجود اپنا آپ شمائل کے قدموں میں نچھاور کرنے کو بے قرار تھا پر وہ ظالم اس پہ ایک نگاہ ڈالے بغیر، اس کی ساری سج دھج، سارے ارمان اور احساسات کو پیروں تلے روند کر اس کے وجود سے لاپروا نیند کی وادی میں جا چکا تھا۔

پلوشہ خانم کے سینے سے اک آہ نکلی جو شاید آج رات کے منفی درجہ حرارت سے زیادہ سرد تھی۔ بے بسی سے اس نے آسمان پہ چمکتے چاند کو دیکھا جو کچھ دیر پہلے اس کے ارمانوں کی طرح مسکرا رہا تھا، لیکن اب دبیز اداسی تھی۔ جاڑوں کی زردی اور مایوسی کا

گھونگھٹ اوڑھے وہ پلوشہ کو حسرت سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے دو موتی ٹپکے اور اس کی مہندی لگی ہتھیلی کو نم کر دیا۔ اس نے عجیب نظروں سے اپنی ست رنگی چوڑیوں کو دیکھا اور پھر بے دردی سے انہیں اتارنا شروع کر دیا۔ ایک ایک کر کے اپنا سارا زیور نوچ ڈالا۔ دونوں ہاتھ ٹوٹی ہوئی چوڑیوں سے زخمی ہو گئے اور مہندی کے نقش و نگار میں خون کی لالی دکھنے لگی۔ خود کو اذیت دیتے ہوئے اس نے اپنے اندر سکون اترتا محسوس کیا۔ اس جرم محبت کی اتنی سزا تو حق بجانب تھی۔

☼ ☼ ☼

"بی بی جان! آپ بھلے میری جان لے لیں، مجھے اپنے ہاتھوں سے مار ڈالیں۔ میں اف تک نہیں کروں گا، لیکن مجھے اس بات کے لیے مجبور مت کریں۔" وہ چہرے پہ ندامت اور شرمندگی لیے ان کے پیروں کے پاس بیٹھا تھا۔ یاور خان بھی اس وقت وہیں موجود تھے۔ ان کا چہرہ بے تاثر تھا۔ صبیحہ خانم کا زردی مائل چہرہ اور نقاہت میں ڈوبی آواز شمائل کو اندر ہی اندر چرکے لگا رہی تھی۔ ڈاکٹروں کے مطابق انہیں شدید ذہنی صدمہ پہنچا تھا۔ وہ مرتے مرتے بچی تھیں۔ ان کی رپورٹس تسلی بخش تھیں، لیکن انہیں ہر قسم کی پریشانی سے الگ رکھنے کی تاکید کی گئی تھی۔ شمائل خود کو مجرم محسوس کر رہا تھا۔ اس نے تو بس محبت کی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا محبت جان بھی لے سکتی ہے۔

"ہم نے ہمیشہ کھلی آنکھوں سے پلوشہ اور تمہاری شادی کا خواب دیکھا ہے۔ پلوشہ خانم کو اپنی بہو بنانے کی خواہش برسوں سے ہمارے دل میں مچل رہی ہے۔ مرنے سے پہلے ہم اپنا وعدہ پورا کرنا چاہتے ہیں شمائل۔ کیا تم اپنی ماں پہ یہ احسان نہیں کرو گے۔" اپنے سامنے بے بسی سے جڑے ماں کے ہاتھوں کو تھام کر اس نے انہیں چوما اور ماتھے سے لگایا۔

"او خدایا، میں کیا کروں، کدھر چلا جاؤں۔ ایک طرف یہ دل ہے، جو مثال کے نام پہ دھڑکتا ہے اور

دوسری طرف ماں کی محبت‘ اس کی التجا۔ وہ ہاتھ جوڑے مجھے گناہ گار کررہی ہیں اور میں انہیں اس اذیت سے نکالنے کی جرات نہیں رکھتا۔ میں پلوشہ سے شادی نہیں کرسکتا۔" اپنے سر کے بال نوچتے ہوئے وہ کمرے میں بے یقینی سے چکر لگا رہا تھا۔ اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور یاور حیات خان اندر داخل ہوئے۔ شمائل انہیں اس طرح اپنے کمرے میں دیکھ کر کچھ اور پریشان ہوگیا۔ ان کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ مایوس اور پریشان۔ اس نے آج سے پہلے انہیں ہمیشہ رعب ودبدبہ لیے‘ حکم چلاتے اور غصے میں دیکھا تھا پر آج اپنے معمول کے برعکس وہ پہلے کی طرح چاق وچوبند نہیں تھے۔

"تم سے کچھ بات کرنی ہے بیٹھو۔" اس کے قریب آکر اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر یاور حیات خان نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ خود بھی کمرے میں رکھے کشادہ صوفہ پہ براجمان ہوگئے۔ ان کی تقلید میں شمائل بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"حکم کریں بابا جان۔" اس کے والدین "آئیڈیل جوڑا" تھے۔ بی بی جان اور ان میں بلا کی انڈراسٹینڈنگ تھی وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کے بابا غصے والے اور حاکمانہ مزاج تھے اور بی بی جان ان کی خوشی کی خاطر اپنی بڑی سے بڑی خواہش بھول سکتی تھیں۔ ان دونوں کا ساتھ طویل تھا اور ان کی صحت مثالی۔ بی بی جان کی بیماری نے اس کے بابا جان کو کتنا توڑ دیا تھا وہ ان کے چہرے پہ ایک نظر ڈال کے جان سکتا تھا۔ اس کا احساس ندامت اور بڑھا۔

"ماں باپ جو کچھ بھی اولاد کی پرورش اور دیکھ بھال کے لیے کرتے ہیں وہ ان کا فرض ہوتا ہے اولاد پہ کوئی احسان نہیں اور ہم دونوں نے بھی پوری کوشش کی ہے کہ اپنا فرض بخوبی ادا کریں۔ تم ہماری اکلوتی اولاد ہو اور والدین کو اولاد سے کچھ امیدیں وابستہ ہوتی ہیں جن کے پورے ہونے پہ ان کا سر فخر سے بلند ہوتا ہے تو دل اطمینان کی دولت سے بھر جاتا ہے۔" وہ پوری طرح ان کی طرف متوجہ تھا۔ اس سے پہلے شمائل اور ان کے درمیان اتنے کشیدہ ماحول میں بات نہیں ہوئی تھی۔

"بابا جان مجھے آپ کا بیٹا ہونے پہ فخر ہے‘ آپ نے جس انداز میں میری پرورش کی ہے میں اس احسان کو کبھی نہیں چکا سکتا۔" ان کا ہاتھ تھام کر اس نے محبت سے کہا۔ یاور حیات خان مزید گویا ہوئے۔

"تم جانتے ہو صبیحہ خانم میرے لیے کتنی اہم ہے۔" وہ کہنا چاہتا تھا وہ اس کے لیے بھی سب سے اہم ہیں۔ وہ اس کی ماں ہیں اس کی دنیا ہیں۔

"وہ بہت تکلیف میں ہے۔ میں نے اسے موت کے منہ میں جاتے دیکھا ہے اور اس تمام وقت میں خود کو سولی پہ لٹکتا محسوس کیا ہے۔ وہ ماں ہونے کے ناطے تم سے کچھ امید لگائے بیٹھی ہے۔ کیا تم اس کی زندگی کی خاطر اس کا خواب پورا نہیں کرسکتے؟" شمائل نے لب کاٹے۔ یاور حیات خان کا ہاتھ اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا اور پہلی بار اس ہاتھ میں ہلکی سی لرزش تھی۔

"بابا جان.... میں۔" اس نے کچھ کہنا چاہا۔

"نہیں شمائل خان‘ کوئی وضاحت مت دینا۔ میں تم سے خانم کی زندگی کی بھیک مانگتا ہوں جو بدقسمتی سے تمہاری ماں بھی ہے۔" یاور حیات خان کے ہاتھ اس کے سامنے جڑے تھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے بیمار ماں کے بندھے ہاتھ اور اب اپنے مغرور باپ کے جڑے ہاتھ۔ اس کا دل چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں زندہ غرق ہوجائے اور پھر وہی ہوا جیسا سب نے چاہا تھا۔ شمائل کے اقرار کرتے ہی خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔

اچانک صبیحہ خانم میں نئی روح پھونک دی گئی۔ وہ ایسے بستر سے اٹھیں جیسے کبھی بیمار ہی نہ تھیں۔ شمائل خان ان کو شادی کے انتظامات میں مگن پرجوش دیکھ رہا تھا۔ اس کے دل پہ دھرا بوجھ اتر گیا تھا۔ وہ اپنی ماں کی بیماری اور موت کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا‘ لیکن اس کے ضمیر کا بوجھ بہت بڑھ گیا تھا۔

اس دن فراز سے جو بات ہوئی اس کے بعد وہ جن حالات کا شکار رہا اس دوران نہ تو اسے فراز سے بات

کرنے کا موقع ملا اور نہ مثال کی خیریت جاننے کا وقت۔ فراز نے بھی اسے دوبارہ کال نہیں کی یقیناً" وہ اس سے ناراض تھا اور شمائل جانتا تھا وہ اس ناراضی میں حق بجانب ہے۔ بہرحال واپس جاکر وہ اسے منالے گا۔ مثال کے لیے اس کے دل میں محبت کبھی کم نہیں ہوئی تھی۔ وہ اسے دل کی گہرائیوں سے چاہتا تھا۔ اسے ہر حالت میں پانا چاہتا تھا پر اس کی قیمت اس کی ماں کی زندگی نہیں۔ مثال کے ساتھ جو ہوا اس کا اسے دکھ تھا وہ خود کو گناہ گار تصور کرتا تھا پر کیا کرے کہ ماں کی محبت اور وعدے نے جکڑ رکھا تھا۔

اس کی حویلی آمد کے چھٹے روز پلوشہ سے اس کا نکاح ہوا اور ساتویں دن وہ شہر چلا آیا۔ پلوشہ کے لیے اس کے دل میں کبھی کوئی احساس نہیں تھا۔ وہ اس کی ماموں زاد تھی پر وہ اسے ٹھیک سے جانتا بھی نہیں تھا۔ اسے اس کے سر پہ نافذ کیا گیا تھا۔ وہ ماں باپ کے دباؤ میں آکر اسے اپنا چکا تھا پر آج بھی اپنے کمرے میں اس کی موجودگی اس کے اندر کوئی جذبات پیدا نہ کرسکی تھی الٹا مثال کو کھونے کا غم اور بھی تازہ ہوگیا تھا۔ اس کا وجود لاحاصل محبت کی آگ میں سلگ رہا تھا ایسے میں تمام رات پلوشہ کی سسکیاں سن کر بھی اس نے مڑ کر اس کی طرف نہ دیکھا۔ وہ پوری رات نہیں سو پایا تھا اور جانتا تھا جب تک یہاں رہے گا ان ہی حالات کا سامنا رہے گا۔

اپنی کاروباری مصروفیت کا بہانہ بنا کر وہ اگلے ہی دن شہر آگیا تھا۔ اس کے والدین کی خواہش پوری ہوچکی تھی پھر انہیں اس کی واپسی پہ کیا اعتراض ہوتا لہٰذا اسے روکا نہیں گیا اور اب وہ تمام راستے یہ سوچ رہا تھا کہ اسے کن الفاظ میں فراز کو سمجھانا ہے اور کس طرح مثال کو فیس کرنا ہے۔ وہ اس سے مل کر اس سے بھی معافی مانگنا چاہتا تھا۔ مثال تنہا ہے' اسے بھی اس کی ضرورت ہوگی۔ یقیناً" وہ اسے معاف کردے گی اور اس کی مجبوری کو سمجھے گی۔ پھر وہ دونوں شادی کریں گے۔ پلوشہ کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا وہ مثال سے سچی محبت کرتا ہے اور اسے ہر حال میں اپنائے گا۔ فی الحال یہ بات راز رہے گی اور پھر وقت آنے پہ وہ اپنے والدین کو بھی آگاہ کردے گا۔ اسے فراز کی مدد درکار تھی۔ یہی سب سوچتا وہ منزل کی طرف رواں دواں تھا اس بات سے انجان کہ سب کچھ بدل چکا ہے۔

✡ ✡ ✡

میگزین سے نظریں ہٹا کر اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ ایک گہرا سانس لے کر وہ ایک بار پھر میگزین کے صفحات پہ نظریں دوڑانے لگی' جہاں اس کی دلچسپی کا کوئی سامان نہ تھا۔ پچھلے ایک گھنٹے سے وہ بے دلی سے اس میگزین کے صفحات کو پلٹ رہی تھی۔ ایک ایک صفحہ کئی بار پڑھ چکی تھی اور اب پھر ایک بار نئے سرے سے پڑھنا شروع کرنے ہی والی تھی کہ فراز نے بغور اس کے بے زار چہرے کو دیکھا۔

"تم سونا چاہو تو لائٹ آف کرلو' میں دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہوں۔" اس سے ذرا فاصلے پہ بیڈ پہ پاؤں پسارے بیٹھا وہ پورے انہماک کے ساتھ اپنا لیپ ٹاپ کھولے کچھ کام کررہا تھا۔ اس دوران کمرے میں مکمل سناٹا تھا' جس کو کبھی کبھار فراز کی ٹائپنگ کرتی متحرک انگلیوں کا شور توڑتا تھا۔ ساتھ ساتھ چند ایک کاروباری نوعیت کے فون کالز پہ مختصر بات کرتے ہوئے وہ پوری طرح اس کی موجودگی سے غافل تھا۔

"مجھے نیند نہیں آرہی' آپ اطمینان سے اپنا کام کریں۔" اس کی زندگی میں زبردستی گھس کر' اسی کے کمرے میں اس کی مرضی کے خلاف رہتے ہوئے وہ اسے اسی کے کمرے سے نکالنے کا حق نہیں رکھتی تھی۔ وہ بھلے ساری رات جاگے' بتی جلائے' ٹی وی دیکھے یا پھر کمپیوٹر پر کام کرے۔ یہ اس کا گھر ہے' اس کا کمرہ ہے اور وہ یہاں اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کا حق رکھتا ہے' جب کہ وہ کون ہے اور کیا ہے۔ اس کا یہاں کتنا حق ہے وہ بہت اچھی طرح جانتی ہے پھر اسے اپنے کسی رویے سے فراز کو یہ احساس دلانے کی کوئی

ضرورت نہیں کہ وہ پریشان ہو رہی ہے۔ جو بھی ہے اسے ہر حال میں یہاں ایڈجسٹ کرنا ہے کیوں کہ اس کے پاس اس گھر اور شخص کے سوا دوسرا کوئی سہارا' کوئی آسرا موجود نہیں ہے۔

"دیکھو مثال' اگر تمہیں میری کسی عادت یا کسی روٹین سے پریشانی ہوتی ہے تو میں سمجھتا ہوں تمہیں مجھے کہہ دینا چاہیے۔ ویسے کچھ غلطی میری بھی ہے کہ مجھے خود سوچنا چاہیے تھا میرے دیر تک یہاں بیٹھ کر کام کرنے سے تمہیں پریشانی ہوتی ہوگی۔ میں تو بس عادتاً دیر تک بیٹھا کام کرتا رہتا ہوں۔" فراز نے اپنا کمپیوٹر سائیڈ ٹیبل پہ رکھا اور پورا کا پورا مثال کی طرف گھوم گیا۔ وہ بہت سنجیدہ تھا۔ یوں تو پچھلے ایک ہفتے سے مثال نے اسے سنجیدہ ہی دیکھا تھا۔ وہ شوخ سی مسکراہٹ تو پہلی ملاقات میں اس کے چہرے پہ دکھائی دی تھی۔ وہ آنکھوں میں شرارت جسے مثال نے ناپسندیدگی سے دیکھا تھا کیوں کہ وہ اس وقت شمائل کے ساتھ بیٹھی اس سے جان چھڑانے کا ایک بہانہ ڈسکس کرنے آئی تھی' وہ سرشاری جو اس وقت اپنے پہلو میں کھڑی ایک بے حد ماڈرن اور بولڈ لڑکی کی سنگت میں اس نے فراز میں دیکھی تھی وہ اس کے بعد مثال نہیں دیکھ پائی۔

ان کی شادی کو ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ جن حالات میں ان کی شادی ہوئی اس سے زیادہ دھوم دھام سے لوگ آج کل چالیسویں کرتے ہیں۔ جس مجبوری میں فراز نے اسے شادی کا پیغام دیا اور جس مشکل میں اس نے وہ پیغام قبول کیا اس کے بعد پتا نہیں وہ دونوں ایک دوسرے کا سامنا بھی کیسے کر پا رہے تھے۔ شاید اس کا کریڈٹ بھی فراز کو ہی جاتا تھا جو کم ہی سہی' لیکن بات کرنے کا موقع ڈھونڈ لیتا تھا۔ پچھلے ایک ہفتے میں چند گنے چنے اور ایک سے جملے تھے جو مثال نے اس کی زبان سے سنے تھے۔ اور ان کا جواب ہاں یا نہیں میں دیا تھا۔ وہ اکثر صبح کا نکلا رات کو گھر آتا اور پھر رات گئے تک کوئی نہ کوئی کام کرتا رہتا۔ اس دوران مثال کبھی کوئی کتاب یا پھر کوئی میگزین پڑھتی رہتی۔

"مجھے آپ کی روٹین سے کوئی شکایت نہیں۔ یہ آپ کا گھر ہے' آپ کا کمرہ ہے۔ آپ یہاں میری وجہ سے اپنے معمولات مت بدلیں۔" فراز نے ایک بار پھر بیڈ کراؤن سے سر ٹکایا اور بے بسی سے آنکھیں بند کرلیں۔ کچھ دن سے کام کا بوجھ بھی شدید تھا۔ شمائل غائب تھا اور وہ اکیلا ہی تمام معاملات کو ہینڈل کر رہا تھا۔ جو کچھ اس نے کیا اس دن کے بعد وہ شمائل کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اس پہ مثال کی باتیں۔ وہ تو پہلے ہی اس کے سامنے شرمندگی محسوس کرتا تھا۔ اس نے جب بھی مثال کو دیکھا تھا شمائل کے تعلق سے دیکھا تھا۔ اسے اس لڑکی کے وجود سے پاکیزگی کا احساس ہوتا تھا۔ ایک بار بھی کبھی اس کی خوب صورتی یا اس کے وجود کو اس نے عام لڑکیوں کی طرح نہیں جانچا تھا۔ وہ اس کے لیے مقدس تھی کیوں کہ وہ شمائل کی امانت تھی۔ اس کے بہترین دوست کی محبت تھی جس کا وہ گواہ تھا' لیکن قسمت کے کھیل نرالے ہوتے ہیں۔ وہ اس کی بیوی بن کر اس چھت کے نیچے اس کے ساتھ رہ رہی تھی۔ اس کے بہت قریب اتنا کہ وہ اسے ہاتھ بڑھا کر چھو سکتا تھا۔ اسے اپنے قریب کرکے اس کی لمبی گھنی سیاہ زلفوں میں اپنا چہرہ چھپائے اس کی خوشبو کو اپنے اندر اتار سکتا تھا۔ اس کے سراپے کو اپنے نام کر سکتا تھا' مگر وہ ایسا نہیں کر پایا تھا۔ وہ اب بھی جب جب مثال کو دیکھتا تھا اسے شمائل خان نظر آتا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے اور وہ ان دونوں کے درمیان آگیا تھا یا پھر حالات نے اسے دونوں کے درمیان لا کھڑا کیا تھا۔

"رات بہت ہو گئی ہے' اب سونا چاہیے۔" اپنی آنکھیں ملتے اس نے لیپ ٹاپ کو شٹ ڈاؤن کیا اور لائٹ بجھا دی۔ کمرہ میں بالکل اندھیرا ہو گیا۔ اچانک سب کچھ نظر آنا بند ہو گیا۔ وہ اب بھی بیڈ پہ ساکت بیٹھا تھا اور پھر جب آنکھوں کو اندھیرے میں دیکھنے کی عادت ہو گئی تو اس نے مثال کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک اسی انداز میں بیڈ کراؤن پہ پشت ٹکائے خاموش بیٹھی تھی فرق اتنا تھا میگزین اب اس کے ہاتھ میں

نہیں تھا۔
"کیا یہ اندھیرا ہمارے بیچ کا فاصلہ کم کرنے میں مددگار ہوگا۔" اس نے سوچا۔ روشنی میں مثال کو دیکھ کر وہ شمائل کو سوچنے لگتا تھا تو کیا یہ اندھیرا مثال کے گرد شمائل کے حصار کو چھپالے گا۔ اس نے ہاتھ بڑھانا چاہا پر رک گیا۔
مثال تکیہ درست کرکے اس سے مناسب فاصلے پر لیٹ چکی تھی۔ اس کی پشت فراز کی طرف تھی۔ یقیناً" اس کے خوب صورت بال بھی اس کے شانوں پہ بکھرے ہوں گے' فراز نے اندھیرے میں اندازہ لگایا۔ رات کی سیاہی میں سیاہ بال دکھائی دینا ناممکن تھا۔
"کیا زندگی ہمیشہ ایسی ہی گزرے گی۔ کیا یہ کبھی شمائل کو بھول پائے گی؟ کیا ہم دونوں ہمیشہ یوں ہی اجنبیوں کی طرح اس گھر میں رہیں گے۔ اس بستر پہ مخالف سمت لیٹے دریا کے دو کنارے' جو ساتھ تو ہوتے ہیں پر کبھی مل نہیں پاتے۔" مثال کے سانس کی آواز اس سناٹے میں اس تک پہنچ رہی تھی۔ فراز نے کروٹ بدلی اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"دوست ہوکر میری پیٹھ میں چھرا گھونپتے تمہیں شرم نہیں آئی۔ کیا اتنی بہت سی لڑکیوں سے دل نہیں بھرا تھا فراز! جو میری زندگی کی پہلی اور آخری خوشی' میری محبت کو بھی تم نے مجھ سے چھین لیا۔" وہ آندھی طوفان کی طرح اس تک پہنچا تھا۔ رات ہی وہ شہر آیا اور صبح آفس آکر جو پہلی خبر اس کے کانوں میں پڑی وہ فراز کی شادی کی تھی۔ اس کی غیر موجودگی میں یوں "آناً فاناً" اور پھر جب اسے یہ پتا چلا کہ فراز نے مثال سے شادی کرلی ہے تو اس کا خون کھول اٹھا۔
"مجھے الزام دینے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانکو شمائل خان' تم خود غرضی کی انتہا عبور کرکے مثال کو کن حالات میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔" اس وقت وہ کہیں سے دو مہذب اور پڑھے لکھے لوگ نہیں رہے تھے۔ شمائل اس کا گریبان تھامے اسے کھا جانے والا نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا خاندانی گرم خون جوش مار رہا تھا۔ اس بات کو بھول کر وہ اس کا بہترین دوست ہے وہ اسے نفرت سے دیکھ رہا تھا۔
"مر تو نہیں گیا تھا تو جو تم نے مال غنیمت سمجھ کر اس سے بیاہ رچالیا۔ میں نے دوست سمجھ کر تم پہ بھروسا کیا اور تم تو دشمن سے بھی بدتر نکلے۔" فراز نے اسے پرے دھکیلتے ہوئے اپنا گریبان اس کے ہاتھوں سے چھڑایا۔ وہ دھاڑا تھا۔ یقیناً" ان کی آوازیں اس کیبن سے باہر بھی جارہی ہوں گی اور تمام عملہ پہلی بار ان دونوں کا جھگڑا سننے کے ساتھ ساتھ اس کی وجوہات سے بھی لطف اٹھا رہا ہوگا۔
"جن حالات میں تم اسے چھوڑ کر چلے گئے تھے اگر میں اس سے شادی نہ کرتا تو وہ ضرور مرجاتی۔ تم نے ایک بار بھی اس سے ملنے کی زحمت نہیں کی۔ میں نے دیکھا تھا وہ سب' اس کے ارد گرد لوگ اس کی کن الفاظ میں تذلیل کررہے تھے۔ ان کی نظروں میں کتنی حقارت کتنے شبہات تھے اس کے لیے۔ ایک بار وہاں سے نکل کر دوبارہ ان ہی کے بیچ جاتی تو وہ اسے زندہ در گور کردیتے۔" فراز کو اس پہ شدید غصہ تھا پھر بھی اس نے اپنی آواز حتی الامکان دھیمی رکھنے کی کوشش کی۔ وہ جوش میں ہوش کا دامن کھو بیٹھا تھا' لیکن فراز اس کی طرح گرم مزاج کا نہیں تھا۔ آخر وہ کیوں نہیں سمجھ رہا تھا کہ اس نے مثال کے ساتھ کتنا غلط کیا ہے۔ وہ فراز پہ جو الزام لگا رہا تھا وہ سراسر غلط تھا۔
"تو کیا شادی کرنا واحد حل تھا اسے اپنے ساتھ بھی تو رکھ سکتے تھے۔" وہ بے بسی کی انتہا پہ تھا۔ اس کی ساری پلاننگ پہ پانی پھر گیا تھا۔ یلوشہ سے شادی والی بات تو یہاں کسی کو پتا ہی نہیں تھی اور وہ بڑے آرام سے دوسرا بیاہ رچا سکتا تھا۔ ادھر اس کے گھر والے راضی ہوجاتے اور یہاں وہ خود کو راضی کرلیتا' لیکن افسوس فراز نے اس کی سوچ سے بڑھ کر کام کردیا تھا۔
"کس رشتے سے ایک غیر لڑکی کو اتنے دن اپنے پاس رکھتا اور تم نے اس بات کی کوئی گنجائش چھوڑی بھی کہاں تھی۔ چوروں کی طرح اس کا سامنا کیے بغیر تم

اپنی ماں کی پکار پہ لبیک کہتے نکل گئے اتنا بھی نہ سوچا مثال کے ساتھ جو ہوا یہ ان ہی کی مہربانی تھی۔" فراز آج تک وہ وقت نہیں بھول پایا تھا۔ کتنی اذیت میں تھا وہ جب اس نے مثال کو شمائل کے جانے کی وجہ بتائی۔ اس کی اپنی ذات شک کے دائرے میں تھی۔ وہ اس کے سامنے کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ مثال خود ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی۔ یہ پچھلا پورا ہفتہ اس نے اپنے ہی گھر میں چوروں کی طرح گزارا ہے۔ مثال کا سامنا کرتے اسے ہمیشہ یہی دھڑکا لگا رہتا کہ وہ کب اس سے بدگمان ہو جائے۔ اس کے پاس اپنی سچائی کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔

"بی بی جان کو بیچ میں مت لاؤ' انہوں نے کچھ بھی جان بوجھ کر نہیں کیا۔" یہ شمائل کہہ رہا تھا۔ فراز کو اپنے کانوں پہ یقین نہیں آیا۔ اس نے تو نہیں دیکھا' لیکن فراز وہ وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ مثال کا تڑپنا' بوڑھے اسماعیل کا بے جان جسم' فراز نے ہی اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر رکھا تھا۔ اس کی تدفین کا انتظام بھی اسی کی بدولت ہوا تھا ورنہ مثال اکیلی اس غم کی حالت میں یہ سب کس طرح کرتی۔ وہ اب تک اپنے باپ کی موت کا سوگ منا رہی تھی۔ فراز نے اب بھی اسے گہری سوچ کے حصار میں اور بے آواز آنسو بہاتے دیکھا تھا۔ اسے تنہا کرنے والوں کا دفاع کرتے ہوئے شمائل کو دیکھ کر فراز کو مزید غصہ آیا تھا۔

"تم اب تک خود کو اس کنفیوژن سے نکال ہی نہیں سکے شمائل کہ تم آخر چاہتے کیا ہو۔ مثال سے محبت کا دعوا ہے پر اس کا ساتھ چھوڑتے ہوئے تم نے ایک لمحہ بھی نہیں سوچا اور اپنی بی بی جان کی محبت اور فرماں برداری کو بھی گلے سے لگائے ہو' پر انہیں اس بات کے لیے قائل کرنے سے قاصر ہو کہ تمہاری زندگی میں مثال کیا اہمیت رکھتی ہے۔ شمائل تم بیچ میں الجھ چکے ہو اور اس الجھن میں سب سے زیادہ اگر کسی کا نقصان ہوا ہے تو وہ اس بے چاری معصوم لڑکی کا جس نے تمہاری محبت کے چکر میں اپنا سب کچھ گنوا دیا۔" شمائل اسے جاگیر کی طرح حاصل کرنا چاہتا تھا۔ شاید اسے محبت کا سلیقہ ہی نہیں آتا تھا۔ اسی لیے وہ فقط اپنے دل کی سن رہا تھا جو ایک طرف مثال کی محبت میں باؤلا ہو رہا تھا تو دوسری طرف اپنے ماں باپ کی غلطی کا بھی دفاع کر رہا تھا اور اس سب میں ایک بہت بڑی حقیقت کو نظرانداز کر رہا تھا۔ پلوشہ' ہاں وہ پلوشہ کو بھول رہا تھا جو اس کی بیوی تھی' اس کے والدین کی پسند اور جس کے متعلق یہاں اب تک کوئی نہیں جانتا تھا۔ فراز بھی نہیں۔

پورا دن اس تلخی کی نظر ہو چکا تھا۔ اس جھگڑے کے بعد شمائل دفتر سے چلا گیا تھا۔ فراز جانتا تھا شاید اب وہ دونوں آپس میں مزید ساتھ نہ چل سکیں۔ اسے ابھی اس بارے میں بھی کوئی لائحہ عمل مرتب کرنا تھا اس وقت وہ کچھ بھی سوچنے سمجھنے کی حالت میں نہیں تھا کیوں کہ ابھی اس کی جان پہ مثال سوار تھی۔ مثال تک شمائل کی واپسی کی اطلاع کیسے پہنچے گی' وہ اس پہ کیا ری ایکٹ کرے گی اور کیا شمائل اس سارے جھگڑے کے بعد مثال سے کانٹیکٹ کرے گا' کیا وہ مثال کو حاصل کرنے لیے اسے یہ رشتہ ختم کرنے پہ مجبور کرے گا اور کیا مثال ایسا چاہے گی۔۔۔ ان بہت سے سوالوں میں سارا دن بھٹکتا فراز اس اذیت بھرے دن کے اختتام پہ گھر لوٹ رہا تھا اور اس وقت بھی اس کے ذہن میں صرف ایک ہی بات سوار تھی کہ اگر مثال نے اس سے کبھی شمائل کی خاطر طلاق کا تقاضا کر دیا تو کیا وہ اس کی یہ خواہش پوری کر پائے گا۔ کیا وہ اسے اتنی آسانی سے اپنی زندگی سے جانے دے گا جتنی آسانی سے اسے اپنی زندگی میں شامل کر چکا ہے۔

✱ ✱ ✱

سیاہ لبادہ اوڑھے رات دھیرے دھیرے اتر رہی تھی۔ سرمئی بادلوں کے پیچھے چھپا چاند اداس تھا۔ اس خنک رات میں وہ بنا کسی شال یا سویٹر کے موسم کی شدت سے بے پروا اس کو یاد کر رہی تھی۔ وہ۔۔۔ جو اس کا ہو کے بھی اس کا نہیں تھا۔ جسے پا کر بھی پا نہیں سکی تھی۔ وہ اس کے وجود کی نفی کر کے جا چکا تھا اور وہ اس

کے کمرے میں شب تنہائی کی اذیت کاٹ رہی تھی۔
اس کی ہتھیلیاں اب تک مہندی بے رنگی تھیں پر ان میں اپنا نام تلاشنے والا ان پہ ایک نظر ڈالے بنا ہی چلا گیا تھا۔ سہاگ کی ست رنگی چوڑیاں اس دن کے بعد اس نے دوبارہ نہیں پہنی تھیں۔ انہیں اتارتے ہوئے اپنی کلائیاں زخمی کرتے ہوئے اس نے خود کو اذیت کی انتہا پہ محسوس کیا تھا۔ وہ جانتی تھی یہ زبردستی کا تعلق ہے اور اس سچ سے بھی انجان نہیں تھی کہ زبردستی کسی کو غلام تو بنایا جاسکتا ہے پر کسی کو محبت کے لیے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ وہ بھی اپنی ماں کے وعدے کا غلام تو بن گیا تھا پر اسے محبت دینے سے قاصر تھا اسی لیے اگلے ہی دن اس سے جان چھڑا کر شہر چلا گیا۔

"اتنی رات کو یہاں کیا کر رہی ہو پلوشہ خانم۔"
صبیحہ کی آواز پہ اس نے چونک کر دیکھا جو حیرت اور پریشانی سے اس کو دیکھ رہی تھیں۔

"کمرے میں بہت گھٹن محسوس ہو رہی تھی پھپھو جان' سوچا کچھ دیر تازہ ہوا سے لطف اندوز ہوں۔" اس نے پھیکی مسکراہٹ سے جواب دیا۔ شمائل کے کمرے کا دوسرا دروازہ وسیع لان میں کھلتا تھا۔ ماربل کے یخ چبوترے پہ وہ اس وقت ننگے پاؤں کھڑی انہیں اس کے سوا اور کیا وضاحت دیتی۔

"ٹھنڈ لگ جائے گی۔" اس کا ہاتھ تھامے صبیحہ خانم اندر چلی آئیں۔ وہ خاموش تھی۔ صبیحہ نے اسے کمرے میں رکھے قیمتی صوفے پہ اپنے پاس ہی بٹھالیا اور محبت سے اپنا ہاتھ اس کے سر پہ پھیرا۔ اس کی آنکھیں چھلک گئیں۔

"سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا میری جان' اسے تھوڑا وقت دو۔ وہ تمہارا ہے اور اسے پلٹ کے تمہارے ہی پاس آنا ہے۔" پتا نہیں اس بار ان کی بات نے پلوشہ کو پہلے جیسا سکون کیوں نہیں دیا۔ اس دن بھی انہوں نے اس سے یہی کہا تھا۔

شمائل جھگڑا کر کے وہاں سے جاچکا تھا۔ اتفاق تھا کہ وہ بھی حویلی آئی ہوئی تھی۔ شمائل جب بھی آتا پلوشہ اسے ایک نظر دیکھنے کسی نہ کسی بہانے وہاں آدھمکتی تھی۔ ان دونوں کے درمیان بات چیت نہ ہونے کے برابر تھی پر پھر بھی اسے دیکھنے سے ہی اس کی پیاس بجھ جاتی تھی۔ وہ اسے بے تحاشا چاہتی تھی۔ اس وقت سے جب شاید اسے چاہت اور محبت کے معنی بھی معلوم نہ تھے۔ وہ عمر میں اس سے کچھ بڑا تھا' شاید اس میں کشش کی ایک دوسری وجہ اس کی میچور شخصیت بھی تھی۔ وہ متاثر کر دینے والی شخصیت کا مالک تھا۔ اس کا لب و لہجہ' اس کی گہری آنکھیں' اس کی چھا جانے والی شخصیت..... جہاں وہ ہوتا وہاں کوئی اور نہ ہوتا یا پھر پلوشہ کو کوئی دکھائی نہ دیتا۔ پردے کے پیچھے چھپی وہ شمائل کو ایک نظر دیکھنے کو بے چین تھی اور اس وقت اس نے وہ سنا جس نے اسے کھڑے کھڑے سو موت مارا تھا۔

"ہمارا یقین کرو پلوشہ' وہ آج سے نہیں سالوں سے تم سے منسوب ہے اور وہ پلٹ کر تمہارے پاس آئے گا۔ یہ ہمارا تم سے وعدہ ہے۔" یاور حیات خان اور صبیحہ خانم نے ایک ساتھ اسے وہاں دیکھا تھا۔ وہ بے تحاشا آنسو بہاتی صبیحہ خانم کے گلے لگی رو رہی تھی۔

"لیکن وہ تو کسی اور سے محبت کرتا ہے' اس کی خاطر پہلی بار آپ کا حکم ماننے سے بھی انکار کر دیا۔" رو رو کر اس کی چھوٹی سی ناک سرخ ہو رہی تھی۔ اپنی ہتھیلی سے آنسو پونچھتے اس نے سر اٹھایا۔

"اسی بات کا تو ہمیں بھی رنج ہے' پہلی بار ہمارے بیٹے نے ہماری بات ماننے سے انکار کیا ہے۔ اس معمولی لڑکی کی خاطر اپنے بابا کے سامنے بغاوت کی ہے' ہمارے دل میں اس لڑکی کے لیے نفرت اور بھی بڑھ گئی ہے جس نے ہم سے ہمارا فرماں بردار بیٹا چھیننے کی کوشش کی ہے۔"

"تو اب آپ کیا کریں گی پھپھو جان۔" اسے شمائل ہر حال میں چاہیے تھا۔ وہ اس کی پہلی محبت تھا اور پہلی محبت موسم کی طرح بدل نہیں سکتی۔ اس کا کنول دل کی جھیل میں ایک بار کھلتا ہے اور پھر زندگی بھر اس کی جڑیں دلدل بنیں وجود کو گھیرے رکھتی ہیں۔
صبیحہ خانم نے اسے مزید کچھ نہیں بتایا تھا' لیکن ان

کے پراعتماد انداز نے پلوشہ کو مطمئن کردیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے یاور حیات خان نے ان سے کچھ خاص منصوبہ بندی کی تھی۔ ان کا پلان دو حصوں پہ مشتمل تھا۔ پہلے حصے میں صبیحہ خان کو اس لڑکی کے گھر جاکر نہ صرف اپنی طاقت سے ان دونوں باپ بیٹی کو دھمکانا اور ڈرانا مقصود تھا بلکہ ان کا محلے میں تماشا بھی لگانا ضروری تھا۔ اسی لیے وہاں سے نکل کر صبیحہ نے محلے کے لوگوں کو بھی جی بھر کر جھوٹ سچ بتایا۔ انہیں بدنام کرنے کے محض چند گھنٹے بعد صبیحہ کی جان لیوا بیماری اور ہارٹ اٹیک کا ناٹک کیا گیا۔ یاور حیات خان کا شمائل کو وہ جذباتی فون، صبیحہ کی رپورٹس، ڈاکٹروں کا ان کے گھر میں ڈیرہ جمانا اور صبیحہ اور یاور حیات کا شمائل کو ایموشنل بلیک میل کرکے اسے پلوشہ کی شادی کے لیے رضامند کرنا۔ شمائل ماں کی محبت، باپ کی چاہت میں ان کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی بنا وہ سب کر گزرا جو وہ لوگ چاہتے تھے۔ اسے کتنی آسانی سے بےوقوف بنایا گیا اور وہ اپنے پیاروں کی محبت میں بےوقوف بن گیا۔ جذباتی تو وہ ہمیشہ سے ہی تھا اور یہاں بھی اس کی جذباتیت کو استعمال کیا گیا۔ پلوشہ اس راز سے ناواقف تھی۔ اسے صبیحہ نے اطمینان دلایا تھا کہ شمائل سے شادی کے بعد وہ اس لڑکی کو ماضی کا قصہ سمجھ کر بھول جائے۔

"آپ ایک بار پہلے بھی مجھ سے ایسی ہی باتیں کرچکی ہیں پھپھو جان، وہ میرا ہوکر بھی میرا نہیں ہوسکا۔ اس نے تو ایک نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں۔" پلوشہ کو وہ وقت یاد آیا جب اس کا حسن فرش تا عرش جلوے بکھیر رہا تھا۔ ہر کوئی اس کے حسن کی بلائیں لے رہا تھا۔ اس کے حسین چہرے پہ نظر نہیں ٹکتی تھی۔ وہ خوب صورت تھی اور اس ساری تیاری کے بعد بلا کی خوب صورت لگ رہی تھی۔ خود کو شمائل کی نظروں سے دیکھتے اسے خود پہ بے تحاشا پیار آیا تھا۔ وہ رات قیامت بن کر گزری تھی۔ اپنی پوری زندگی میں پلوشہ نے اتنے آنسو نہیں بہائے ہوں گے جتنے اس ایک رات میں اس نے بہا چھوڑے تھے پر اس بے خبر نے تو آنکھ کھول کر دیکھا بھی نہیں۔ وہ سوتا رہا اور پلوشہ اسے ساری رات حسرت سے دیکھتی رہی۔ وہ اس کا ہوکر بھی اس کا نہیں ہوپایا تھا۔ وہ اس کے دل تک پہنچنا چاہتی تھی پر اس چھینا جھپٹی میں جو اس کے ہاتھ لگا اس کے پاس تو دل تھا ہی نہیں۔ وہ فاتح ہوکر بھی ہار چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

سیاہ سلک کی ساڑھی میں اس کا دلکش سراپا قیامت ڈھا رہا تھا۔ سلور گرے سلک کے بلاؤز پہ قیمتی جڑاؤ کام اس کے متناسب وجود کو پرکشش بنا رہا تھا۔ گلے کے گہرے کاٹ کو اس نے میچنگ جڑاؤ نیکلس سے پر کیا۔ اسی سے ملتے جلتے آویزے کانوں میں سجائے اس نے ایک نظر خود کو آئینے میں دیکھا۔ اس کے چہرے پہ میک اپ برائے نام تھا کیوں کہ اس سے پہلے اس نے کبھی میک اپ کا استعمال نہیں کیا تھا۔ ہلکی سی لپ اسٹک بلش آن اور آنکھوں میں کاجل۔ اس کی تیاری مکمل تھی۔ وہ واقعی اچھی لگ رہی تھی۔ اس نے حیرت سے خود کو دیکھا۔ اس مہنگے لباس نے اس کی غربت کو ڈھانپ دیا تھا۔

"تم ریڈی ہو، ہمیں پانچ منٹ میں نکلنا ہے۔" فراز تیزی سے اندر داخل ہوا اور اسے دیکھے بنا بولا۔ وہ خود بھی سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا۔ سفید قمیص پہ گرے ٹائی لگائے وہ ہمیشہ کی طرح شاندار لگ رہا تھا۔ مثال نے اسے شیشے میں دیکھا اور پھر خود پہ ایک نظر دوبارہ ڈالی۔ اس کی غربت، اس کی بے سروسامانی اور مشکلوں کو اس لباس نے نہیں ڈھانپا تھا۔ اس پہ اپنی عزت کی چادر ڈالنے والا، اسے لوگوں کی زہریلی باتوں اور اس درندہ صفت دنیا کی بے رحمی سے بچانے والا یہ تھا۔ یہ شاندار انسان جو بن مانگی دعا کی طرح اس کے مقدر کا ستارہ بن گیا ہے۔ ایک لمحے کو مثال کو اپنے مقدر پہ رشک آیا۔ بہت دن بعد اس کے دل نے کوئی خوشی محسوس کی۔ انجانے میں ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ آئی اور ٹھیک اسی پل فراز نے آئینے میں مثال کو دیکھا اور دیکھتا

رہ گیا۔ وہ حسین تھی اور مسکراتے ہوئے اور بھی حسین لگ رہی تھی۔ فراز نے پہلی بار اس کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی تھی۔ وہ اس کی پشت پہ تھا اور وہ دونوں اس وقت ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے تھے۔ اچانک مثال نے پلکیں گرادیں۔ وہ یک دم فراز کی طرف پلٹی اور اس کا سر فراز کے سینے سے جا ٹکرایا۔

"میں بس ریڈی ہوں' یہ بال.... بال باندھ لوں۔" وہ اس کے اتنے پاس آکھڑا ہوا تھا اور اسے خبر بھی نہ ہوئی۔ مثال نے آنا" فانا" اپنے کھلے بالوں کی چوٹی گوندھنا شروع کردی۔

"انہیں کھلا چھوڑ دو' پلیز....." اس نے سر اٹھا کر فراز کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں التجا اور حسرت ایک ساتھ تھی۔ مثال کا ہاتھ رک گیا۔ بالوں کو برش سے سیدھا کرکے انہیں فراز کی خواہش پہ کھلا چھوڑ کر وہ اس کے ہمراہ جانے کے لیے بالکل تیار تھی۔ آج وہ سر سے پاؤں تک اس کی خواہش کے رنگ میں رنگی تھی۔

ساڑھے تین انچ اونچی ہیل کی سلور اسٹائلیٹو پہنے وہ اس کے کندھے سے کندھا ملائے پارٹی ہال میں داخل ہوئی۔ ایک ساتھ بہت سی نگاہوں نے ان کا احاطہ کیا۔ اس نے کئی چہروں پہ حیرت اور کئی آنکھوں میں پسندیدگی دیکھی۔

فراز کا سوشل سرکل کتنا وسیع تھا مثال اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ وہ تو خیر اب تک فراز کے متعلق بھی سرے سے کچھ جانتی ہی نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ وہ ایک پرخلوص انسان ہے۔ اس نے مثال کا ساتھ اس وقت دیا جب اسے کہیں سے مدد کی امید نہیں تھی۔ بہت کم لوگوں کو اللہ نے اتنا حوصلہ دیا ہوتا ہے کہ وہ اپنی خوشیوں' اپنی زندگی کو داؤ پر لگا کر کسی انجان کی مدد کریں۔ وہ اس کی احسان مند تھی' اس کی مقروض تھی۔ وہ کس کلاس سے تعلق رکھتا ہے' اس کا عالی شان بنگلہ' ملازموں کی لمبی لائن' مہنگی گاڑیاں اور پھر اکثر فون پہ اس کی کاروباری باتیں سن کر مثال کو اچھی طرح اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند ہے۔ پچھلے چند دن سے جو لباس مثال پہن رہی تھی فراز کے گھر کی ملازمہ اس سے کئی گنا بہتر لباس میں نظر آتی تھی۔ فراز نے اس سے بے تحاشا مجبوری میں شادی کی تھی وہ جانتی تھی اور اب اپنی غربت کا کمپلیکس اسے مزید ڈپریشن میں لے جارہا تھا۔ فراز اس سے بہت فارمل انداز میں بات کرتا تھا اور خود... وہ تو اس سے بات ہی نہیں کرپاتی تھی۔ وہ اس کی شخصیت سے اتنی بری طرح متاثر تھی کہ اس کی موجودگی میں شدید نروس رہتی۔

جب سے ان کی شادی ہوئی تھی فراز نے کسی بھی پارٹی میں جانا ترک کردیا تھا۔ وہ یا تو دفتر میں ہوتا یا پھر گھر چلا آتا' لیکن ایسا ہمیشہ نہیں چل سکتا تھا۔ اس کی چپ چاپ شادی کی خبر بھی ان دنوں خاصی بحث میں تھی اور تو اور فراز نے اب تک مثال کو اپنے والدین سے بھی نہیں ملوایا تھا حالانکہ اس کے نزدیک یہ اتنا اہم نہیں تھا' کیوں کہ ان دونوں کو اس کی ذات سے نہ تو لگاؤ تھا نہ اس بات سے دلچسپی کہ وہ تنہا ہے تو پھر اس کی شادی ہونے سے بھی انہیں کیا فرق پڑتا' لیکن مثال کے دل میں یہ خیال کانٹے کی طرح چبھ رہا تھا کہ کیا اس کے والدین مثال کو اپنی بہو کے روپ میں قبول کریں گے؟

"ہیلو فراز' اتنے دن ہوگئے۔ نہ کوئی کال نہ ہی کوئی میسج۔ تم تو بھول ہی گئے۔" اس کے بازو پہ بے تکلفی سے اپنا ہاتھ رکھے وہ مثال کی موجودگی سے لاپروا اسے وارفتہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس وقت اپنے ایک کاروباری دوست اور اس کی بیگم کا مثال سے تعارف کروا رہا تھا۔

"ہائے منال' نائس ٹو سی یو۔" اپنا لہجہ بہت حد تک نارمل رکھتے نہایت آرام سے منال کا ہاتھ اس نے اپنے بازو سے ہٹایا۔ مسٹر اینڈ مسز واصف سے توجہ ہٹائے مثال کی نظریں منال پہ تھیں۔ وہ اسے پہلے بھی مل چکی تھی۔ وہ اس وقت بھی فراز کے ساتھ خاصی بے تکلفی سے کھڑی تھی اور آج بھی اس نے فراز کا بازو جس استحقاق سے تھاما تھا وہ اب تک مثال کو حاصل

نہیں ہوپایا تھا۔

"واصف صاحب یہ منال ہیں۔ آوری فیمس ماڈل اینڈ گڈ فرینڈ آف مائن" (ایک مشہور ماڈل اور میری اچھی دوست) فراز نے دوست کے لفظ پہ زور دیتے ہوئے مثال کی طرف دیکھا جواب بھی منال کے بولڈ لباس کو دیکھ رہی تھی۔ وہ پوری طرح دعوت نظارہ دیتی' والہانہ انداز میں فراز کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے انتہائی قریب کھڑی وہ اسے خود سے زیادہ فراز کے قریب لگی۔ مثال کو فراز کا مسکراتے ہوئے منال سے باتیں کرنا اچھا نہیں لگا تھا۔ واصف منیر اپنی بیگم کے ہمراہ آگے بڑھ چکا تھا جب کہ فراز اب پوری طرح منال کی طرف متوجہ تھا۔ وہ اسے اپنے کسی فیشن شو کا قصہ سنا رہی تھی۔ مثال کو اپنا آپ غیر اہم لگنے لگا۔ اس پارٹی میں اگر کوئی اس سے واقف تھا تو فراز کی بدولت۔ اس شہر کی اشرافیہ ایک چھت تلے جمع تھی اور لوگوں کے اس ہجوم میں مثال کے لیے اس وقت فقط ایک ہستی جانی پہچانی تھی۔ وہ جس سے اس کا سب سے قریبی رشتہ تھا پر اچانک وہ اسے اجنبی لگنے لگا تھا۔ ان کی شادی کو محض پندرہ دن ہوئے تھے۔ ایک دوسرے کو سمجھنا تو دور کی بات وہ تو ایک دوسرے کو جانتے بھی نہیں تھے۔ گھر سے نکل کر اس پارٹی ہال تک آتے اور کچھ دیر پہلے فراز کا اس کو اپنی بیوی کی حیثیت سے سب سے تعارف کروانا۔۔۔ یہ اس کی زندگی کی بہترین شام تھی اور منال کی آمد نے اس شام کے حسن کو گرہن لگا دیا تھا۔

"مثال۔" اسے آج فراز کے ساتھ یہاں نہیں آنا چاہیے تھا' اسے پچھتاوے نے آگھیرا تھا اور پتا نہیں کب وہ فراز اور منال سے دور ہو گئی۔ وہ دونوں اس کے سامنے ہی تھے۔ وہ کچھ فاصلے پہ کھڑی انہیں دیکھ سکتی تھی جب کسی جانی پہچانی آواز کو اس نے اپنے بہت قریب اپنا نام پکارتے سنا۔ اس نے یک دم پلٹ کر دیکھا اور سرپا کانپ گئی۔ شمائل خان آفریدی اسے فرط جذبات سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں وہی تھیں۔ مثال کو دیکھ کر وہ پہلے بھی اتنا ہی بے اختیار نظر آتا تھا۔

"تم۔۔۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو۔" اچانک اسے شمائل کی نظروں سے خوف آیا۔ وہ اسے اسی طرح دیکھ رہا تھا جیسے پہلی بار اس کے گاڑی سے ٹکرانے کے بعد دیکھا تھا۔ وہی وارفتگی' وہی جنون۔۔۔ وہی سلگتی ہوئی نگاہیں۔ وہ پہلے بھی اس کا تماشا بنا چکا تھا۔ اسے اپنی جذباتی محبت سے رسوا کرنے میں شمائل خان نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی اور آج ایک بار پھر وہ یہاں اس محفل میں اس کا تماشا بنانے آیا تھا۔

"میں بطور خاص تم سے ملنے آیا ہوں مثال' سب جانتے ہیں میں ایسی پارٹیوں میں شامل نہیں ہوتا' لیکن مجھے پتا تھا آج یہاں فراز کے ساتھ تمہیں بھی مدعو کیا گیا ہے۔" وہ جانتی تھی آج اس پارٹی میں ان دونوں کی حیثیت مہمان خصوصی کی تھی۔ یہ ایک طرح ان کی شادی کے بعد ایک ویلکم گیٹ ٹوگیدر رکھا گیا تھا جس کا پورا ارینجمنٹ فراز اور شمائل کے خاص بزنس ایسوسی ایٹ نے کیا تھا۔ شمائل نے سرتاپا مثال کو دیکھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح خوب صورت لگ رہی تھی۔۔۔ نہیں وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ اس کا لباس' اس کی جیولری' اس کا انداز۔۔۔ وہ واقعی بہت خاص لگ رہی تھی۔ یہ سب کچھ کل ہی فراز خاص طور پہ اس کے لیے خرید کر لایا تھا۔ اس کے علاوہ بھی چند اور ڈریس تھے' لیکن آج شام اس قیمتی لباس کو پہننے کے لیے فراز نے اس سے باقاعدہ درخواست کی تھی۔

"مجھے تم سے ملنے میں کوئی دلچسپی نہیں' ان فیکٹ میں تمہاری صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔" شمائل کی سلگتی نگاہیں خود پہ مرکوز دیکھ کر مثال نے غیر محسوس انداز میں اپنی ساڑھی کا پلو درست کیا۔ فراز اس کی نظروں کے سامنے تھا' لیکن وہ اسے دیکھ نہیں سکتا تھا کیوں کہ اس کی پشت تھی۔ مثال بھاگ کر اس تک پہنچ جانا چاہتی تھی۔ وہ اس شخص کی موجودگی اپنے اردگرد ہرگز برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"میں جانتا ہوں یہ ساری نفرت میرے لیے تمہارے دل میں فراز نے بھری ہے' اس نے دوست

ہو کر میری پیٹھ میں چھرا گھونپا ہے۔ اسی نے تمہیں مجھ سے جدا کیا ہے۔ وہ تم سے شادی کرنا۔۔۔۔" وہ بولے جا رہا تھا اور مثال کو اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ایک بار پھر وہ اذیت اور ذلت بھرا وقت اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا تھا جب وہ غم والم کی تصویر بنی فراز کے گیسٹ روم میں بیٹھی تھی۔ اسے تنہا کر دیا گیا تھا' اس کی چھت' اس کا واحد سہارا چھین لیا گیا تھا اور اسے بدنامی کی دلدل میں دھکیل دیا گیا تھا۔۔۔۔ یہ سب کرنے والا کوئی اور نہیں یہی شخص تھا جو اس سے بے تحاشا محبت کا دعوا کرتا تھا۔ جانے محبت کے نام پہ اس شخص نے اس سے کون سی دشمنی نبھائی تھی۔

"شٹ اپ۔۔۔۔ جسٹ شٹ اپ۔" مثال چلائی۔ اس کی انگلی وارننگ دینے والے انداز میں شمائل خان آفریدی کی طرف تھی۔ مثال کی آواز ۔ اردگرد کھڑے بہت سے لوگوں نے سنی۔ وہ سب ان دونوں کو ہی دیکھ رہے تھے۔ صرف وہی نہیں' فراز اور مثال بھی ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ فراز کو اپنی طرف متوجہ پا کر مثال نے فراز کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا احساس تھا۔ شمائل اور مثال آمنے سامنے تھے۔ مثال چند لمحے فراز کو یک ٹک دیکھتی رہی اور تیزی سے بیرونی دروازے کی طرف چلی گئی۔ کچھ بھی کہے بنا فراز تیز قدموں سے چلتا اس کے تعاقب میں ہال سے باہر نکل گیا۔ مثال نے دلچسپی سے شمائل کو دیکھا جو اس وقت لب کاشتا ان دونوں کو جاتے دیکھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆
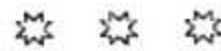
اس کے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔ اسے بہت پہلے سے یہ اندازہ تھا کہ ایک نہ ایک دن اسے اس ساری صورت حال کو فیس کرنا ہی پڑے گا اور آج وہ دن آن پہنچا تھا۔ چند روز پہلے شمائل سے اس کا بڑا جھگڑا ہوا تھا۔ وہ اگر اس سے خفا تھا تو شمائل تو اس کی جان لینا چاہتا تھا۔ دوستی تو ختم ہو ہی چکی تھی اور اب کاروباری معاملات بھی آخری سانسیں لے رہے تھے۔ شمائل کو یوں بھی فقط شوق تھا۔ اسے اس تمام جھنجٹ میں پڑنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس وقت وہ فراز کو تنگ کرنا چاہتا تھا۔ شمائل کے شیئر ڈیٹ ہونے کا مطلب تھا کمپنی کی ساکھ متاثر ہونا اور فراز ایسا نہیں چاہتا تھا۔ شمائل اپنا سرمایہ نکالنا چاہتا تھا اور فراز کو کمپنی ٹیک اوور کرنے کے لیے مزید سرمائے کی ضرورت تھی۔ وہ آج کل اسی بھاگ دوڑ میں لگا ہوا تھا۔ مثال کو اس نے اب تک شمائل کی واپسی کا نہیں بتایا تھا۔ اسے تو یہی سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ اسے بتائے بھی تو آخر کیا؟ شمائل سے مثال کا کیا تعلق تھا؟ وہ اسے کیا کہتا۔۔۔۔ اور اب رات کے اس پہر وہ لاؤنج میں بیٹھا دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے یہی سوچ رہا تھا کہ خود فراز اور مثال کا کیا تعلق ہے؟ جو بھی تعلق ہے' وہ شمائل اور مثال کے درمیان ہے اور وہ۔۔۔۔ وہ کچھ بھی نہیں۔ کمرے سے اب تک مثال کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں اور فراز کو لگتا تھا کوئی اس کے دل پہ چھریاں چلا رہا ہے۔ اس سے مثال کا رونا برداشت نہیں ہو رہا تھا' پر وہ اسے کیسے چپ کرائے۔ کچھ دیر پہلے تک اسے لگا تھا وہ اس پہ پورا حق رکھتا ہے لیکن اچانک اس کی سوچ بدل گئی تھی۔ اس کا مثال پہ کوئی حق نہیں۔

"اس نے کیوں کیا میرے ساتھ ایسا' وہ تو محبت کا دعوا کرتا تھا نا۔ پھر کیا محبت کرنے والے ایسے ہوتے ہیں۔" فراز نے ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھا تھا۔ مثال بہت غصے میں تھی اور شمائل کی آنکھوں میں مثال کے لیے وہی بے چینی تھی جو فراز اس سے پہلے کئی بار دیکھ چکا تھا۔ فراز کو اس دن ریسٹورنٹ میں بیٹھی مثال اور شمائل یاد آئے۔ اسے وہ ایک ساتھ بہت اچھے لگے تھے۔ وہ آج بھی ایک ساتھ کھڑے اتنے ہی اچھے لگ رہے تھے۔ ان دونوں کا ساتھ فراز اور مثال کے رشتے کی نفی کرتا نظر آیا۔ اور پھر آندھی طوفان کی طرح وہ وہاں سے نکل گئی۔ پارکنگ لاٹ میں کھڑی گاڑی کا دروازہ کھول کر فراز نے اسے اندر بٹھایا۔

"میں نے کبھی کسی کا برا نہیں چاہا' کبھی کسی کو میری وجہ سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی' کوئی نقصان نہیں پہنچا پھر قدرت نے کیوں میرے ساتھ اتنا برا کیا۔"

گاڑی میں بیٹھتے ساتھ وہ اپنا ضبط کھو بیٹھی تھی۔ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے وہ جو کچھ فراز سے کہہ رہی تھی اس سے وہ یہی نتیجہ اخذ کر سکتا جو اس وقت کر رہا تھا۔ شادی کے بعد سے اب تک ان دونوں کے درمیان شمائل کا ذکر نہیں ہوا تھا۔ وہ چپ چپ تھی' اداس تھی' دکھی تھی۔ فراز یہی سمجھتا تھا کہ باپ کی موت کے غم کے ساتھ اس کو دل کی دنیا اجڑنے کا غم بھی لاحق ہے اور اسی لیے وہ اب تک اس کی طرف کوئی پیش قدمی نہیں کر پایا تھا۔ پر آج اس نے پہلی بار مثال کو مسکراتے دیکھا تھا۔ اس کی پسند کے لباس میں وہ دل کو چھو لینے کی حد تک حسین لگ رہی تھی۔ اس کی فرمائش پہ پہلی بار اس نے بال بھی کھولے تھے۔ وہ خوش تھا' لیکن اس کی خوشی کتنی وقتی تھی۔ شمائل کو دیکھ کر وہ اس طرح بکھر جائے گی اس نے تو سوچا بھی نہیں تھا۔

بستر پہ اوندھے منہ لیٹی وہ اب بھی رو رہی تھی۔ فراز کی کمرے میں موجودگی سے بے پروا' اپنے دکھ کا ماتم کرتی۔ فراز نے بے بسی سے اسے دیکھا اور ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

شمائل کو گھر سے گئے کئی دن ہو گئے تھے۔ کئی راتیں اس کی یاد میں پلوشہ نے تنہا روتے ہوئے گزار دی تھیں۔ اس دوران اس کی صورت دیکھنا تو ایک طرف اس کی آواز بھی نہیں سنی تھی۔ وہ باقاعدگی سے اپنے ماں باپ کو فون کرتا تھا۔ وہ ان سے رابطہ میں تھا' لیکن پلوشہ سے اس نے ایک بار بھی بات کرنے کی خواہش نہیں کی تھی۔

"وہ بات نہیں کر رہا تو خود اس کو کال کر لو میری جان۔" وہ اپنا سیل فون تھامے پھوپھی جان کی بات پہ غور کر رہی تھی۔ وہ کس تعلق سے اس کو کال کرے۔ کیونکہ تعلق تو کوئی بنایا ہی نہیں شمائل نے۔ اور کیا پتا وہ اب اس شہری لڑکی کے پاس واپس چلا گیا ہو۔ اس سے آگے وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

"میں پلوشہ بول رہی ہوں۔" کیا عجیب صورت حال تھی۔ اس کی بیوی کو اس سے بات شروع کرنے سے پہلے اپنا تعارف دینا پڑا۔

"کیوں کال کی ہے مجھے۔" پلوشہ نے کانپتے ہاتھوں سے نمبر ڈائل کیا۔ وہ بولا نہیں پھنکار رہا تھا۔ پلوشہ کو لگا اس کا دل بند ہو جائے گا۔

"آپ... آپ سے بات کرنا تھی خان۔" آواز بمشکل اس کے حلق سے نکلی۔

"کوئی بات کرنے کی گنجائش ہی کہاں بچی ہے۔ میری زندگی برباد کر دی ہے تم نے' میرا سکون تہس نہس کر چکی ہو۔ اب اور مجھ سے کیا چاہتی ہو؟" پلوشہ نہیں جانتی تھی وہ اس وقت کس کرب سے گزر رہا ہے۔ اس نے زندگی میں پہلی بار کسی لڑکی کو پورے دل و جان سے چاہا تھا۔ اتنی شدت سے اسے پانے کی تمنا کی تھی کہ راہ میں آئی ہر دیوار توڑ دینی چاہی۔ وہ اسے ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن سب کچھ غلط ہو گیا۔ سب کچھ ختم ہو گیا۔ پہلے دن سے وہ اسے قائل نہیں کر پایا تھا کہ وہ اسے کتنا چاہتا تھا۔ رہی سہی کسر اس کے ماں باپ کی مخالفت نے پوری کر دی۔ وہ اس کی ہونے والی تھی۔ وہ اسے حاصل کر سکتا تھا' پر مقدر نے اسے ہرا دیا۔

"میں آپ کی بیوی ہوں خان' بہت چاہتی ہوں آپ کو۔ محبت کرتی ہوں..." اس نے پلوشہ کی بات مکمل نہیں ہونے دی تھی۔ اس کی زبان سے بیوی کا لفظ سن کر اس کے اندر بھانبڑ جلنے لگے تھے۔ محض دو گھنٹے پہلے وہ مثال سے مل کر آ رہا تھا۔ وہ بہت بدل گئی تھی۔ اس کا پہناوا' اس کا روپ سب کچھ کتنا مختلف لگ رہا تھا۔ فراز ان دونوں کے درمیان آ گیا تھا۔ وہ فراز کی پسند کے سانچے میں ڈھل گئی تھی۔ شمائل کو وہ اور بھی پرکشش لگی تھی۔ پر اس نے شمائل کو سرعام دھتکار دیا۔ اسے نہ پہلے شمائل پہ بھروسا تھا اور نہ اب۔

"بکواس بند کرو۔ نہیں مانتا میں تمہیں اپنی بیوی اور نہ ہی ایسا کوئی حق دیا ہے۔ آئندہ خبردار جو مجھے کال

کی۔" آنسو پلوشہ کی آنکھوں سے مینہ کی طرح برس رہے تھے۔ اس شخص کو پانے کی خاطر اس نے کیا جتن نہیں کیا، لیکن وہ اس کا ہو کر بھی اس کا نہیں تھا۔ وہ آج بھی اسی لڑکی کی محبت میں پاگل تھا۔ سلگ رہا تھا اور پلوشہ کو اپنی جدائی کی آگ میں جلا رہا تھا۔ اپنے گھٹنوں میں سر دیے وہ بے آواز روتی رہی۔ رات کے اس پہر حویلی کی اونچی دیواروں سے اس کی سسکیاں باہر کے سنائی دیتیں۔

☆ ☆ ☆

وہ رات بہت دیر سے سویا تھا پھر بھی اس کی آنکھ معمول کے مطابق ہی کھل گئی تھی ابھی صبح کے آٹھ بجے تھے۔ نیند پوری نہیں ہو پائی تھی اور اس کی طبیعت بوجھل تھی۔ کھڑکیوں کے پردے گرائے ہوئے تھے اور کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس نے سستی سے کروٹ بدلی اور نیم وا آنکھوں سے بستر کا جائزہ لیا۔ مثال وہاں نہیں تھی۔ اچانک اسے کل رات کا سارا واقعہ یاد آیا، وہ یک دم اٹھ بیٹھا اور تیزی سے کمرے سے نکلا۔ لاؤنج میں لگی فرنچ ونڈو کے بھورے شیشے سے اس کی نگاہ مثال پہ پڑی جو گرم شال میں خود کو اچھی طرح لپیٹے لان میں چہل قدمی کر رہی تھی۔ فراز کے سینے سے ایک پرسکون سانس خارج ہوئی۔

وہ ہمیشہ اس سے پہلے جاگتی تھی پھر پتا نہیں آج کیوں اس کا دل وسوسوں اور اندیشوں سے بھرا تھا۔ مثال کو اپنے پاس نہ پا کر کیوں اسے ایسا خیال آیا کہ وہ کہیں چلی گئی ہے۔ کل رات شمائل اور مثال کا سامنا ہوا تھا۔ وہ بہت ڈسٹرب تھی، وہ رو رہی تھی..... وہ شمائل کے لیے رو رہی تھی اور پہلی بار فراز نے اس کے آنسو نہیں پونچھے تھے۔ وہ اب تک یہ بات سمجھنے سے قاصر تھا کہ آخر وہ مثال کو پہلے کی طرح دلاسا نہیں دے پایا۔ کیوں اسے کہنے کے لیے اس کے پاس کوئی لفظ نہیں۔ وہ اب سے پہلے ایسا بے بس نہیں تھا۔

لان میں مالی پودوں کی کانٹ چھانٹ میں مصروف تھا۔ مثال اسی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ سنجیدہ تھا پر وہاں کوئی رنج یا ملال نہیں تھا۔ فراز دھیمے قدموں سے چلتا گھر کے باہر آگیا۔ وہ اس وقت پولو شرٹ میں تھا۔ اندر کے گرم ماحول سے نکل کر اچانک اسے سردی کا احساس ہوا پر یہ وقتی کیفیت تھی۔ پھولوں کی کیاریوں سے چند پھول توڑ کر ایک چھوٹا سا گلدستہ بوڑھے مالی نے مثال کی طرف بڑھایا۔ وہ مسکرائی، اس نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ وہ اس سے خوش گوار انداز میں باتیں کر رہی تھی اور فراز کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ وہ کمفورٹیبل تھی جیسے یہ اس کا معمول ہو۔ فراز اسے بہت دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا ان ڈھیروں لڑکیوں کے ہجوم میں ایک سمجھ دار، سنجیدہ اور عزت دار لڑکی نہیں مل سکتی تمہیں جو تمہارے آوارہ دل پہ اپنی محبت کا بند باندھ سکے۔"..... اسے شمائل کی آواز کی بازگشت سنائی دی۔ مثال نے سرخ گلاب کی پنکھڑیوں کو اپنی نازک انگلیوں سے چھوا۔

"تو کیا یہ وہی ہے؟" اس نے خود سے سوال کیا۔ اس کی نگاہیں اب بھی مثال پہ مرکوز تھیں۔ مالی بابا ایک بار پھر اپنے کام میں مصروف ہو چکا تھا۔

"مرد کے دل کو فقط ایک عورت تسخیر کر سکتی ہے۔ اس کی زندگی میں اپنی محبت کا رنگ بھر کے اسے گل و گلزار بنا سکتی ہے۔ کسی ایک کی بے ریا اور سچی محبت آپ کی زندگی جنت بنا سکتی ہے۔ جس دن تمہیں وہ لڑکی مل گئی نا فراز..... تو دیکھنا تم ان سب احمق لڑکیوں کو بھول جاؤ گے....."

"شمائل سچ کہتا تھا، یہ جب سے میری زندگی میں آئی ہے میری دنیا بدل چکی ہے۔ اس کی کشش کسی اور کی طرف دیکھنے ہی نہیں دیتی۔" وہ بڑبڑایا۔

"ایک سلجھی ہوئی پرخلوص اور بے ریا لڑکی ان چمکتی دمکتی، اپنے حسن کی یوں کھلے عام نمائش کرتی لڑکیوں سے برتر ہوتی ہے۔ میرے لیے ایسی لڑکی جنت کی حور ہی ہے۔" اسے اپنے سب سوالوں کا جواب مل چکا تھا۔ کئی دن سے وہ بہت الجھا ہوا تھا۔ پریشان تھا۔ وہ کئی بار خود سے ایک ہی سوال کر چکا تھا کہ کیا وہ مثال کو

شمائل کی خاطر چھوڑ سکتا ہے۔ اس نے جو کچھ کیا حالات کے زیر اثر کیا۔ اسے مثال میں کوئی دلچسپی نہیں تھی' سوائے اس کے کہ وہ اس کے بہترین دوست کی محبت تھی۔ وہ اس کی پروا کرتا تھا۔ اسے اس سے ہمدردی تھی کیونکہ یہ انسانیت کا تقاضا تھا پھر کیوں وہ اتنے دن سے پریشان تھا۔ کیوں اپنے ہی سوالوں میں الجھ گیا تھا اور اب جب اس نے مثال کو کمرے میں نہیں پایا تو اس کا دل بے قرار ہو گیا تھا۔ اسی خوف کے زیر اثر وہ کمرے سے باہر نکلا تھا کہ کہیں وہ اسے چھوڑ نہ گئی ہو۔ اسے دیکھ کر عجیب سی راحت ملی تھی۔

"یہ میری ہے اور میں اسے کبھی خود سے دور جانے نہیں دوں گا' شمائل کے لیے بھی نہیں۔" وہ فیصلہ کرچکا تھا۔ مثال پھولوں کا گلدستہ تھامے پلٹی اور اس کی نگاہ سامنے کھڑے فراز پہ پڑی جو بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک لمحہ کو وہ ٹھٹکی' اس کے چہرے کا تاثر بدلا اور پھر نظریں جھکائے وہ فراز کی طرف بڑھی۔

"حور۔" فراز کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"کچھ کہا آپ نے۔" مثال نے چونک کر فراز کی طرف دیکھا جواب اپنی توجہ گلابوں پہ منتقل کرچکا تھا۔

"سردی... سردی بہت ہے نا۔" دونوں ہاتھوں کو رگڑ کر گرماتے ہوئے اس نے بات بنائی۔

"آپ بھی تو بغیر سوئیٹر کے باہر آگئے۔" فراز نے ہاتھ بڑھا کر مثال کے ہاتھ میں پکڑے گلاب کی پنکھڑیوں کو اسی انداز میں چھوا جیسے کچھ دیر پہلے مثال ان پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ کیا وہ ان پھولوں پہ اس کالمس محسوس کرنا چاہتا تھا۔

"مالی بابا ہر روز مجھے چند پھول دیتے ہیں۔ انہیں ایک دن کہہ دیا تھا مجھے پھول بہت پسند ہیں بس اسی دن سے وہ بے چارے میرے لیے یہ گلدستہ بناتے ہیں۔" وہ بہت نارمل لگ رہی تھی۔ کل رات والی ٹینشن کا شائبہ بھی نہ تھا۔ فراز کو حیرت ہوئی اور وہ خاصا پرسکون بھی ہوا۔

"آپ جاگ گئے ہیں تو ناشتا لگوادوں۔" اس نے فقط سرہلا کر او کے کیا۔ مثال اب اندر جارہی تھی جبکہ فراز اب تک اسی جگہ کھڑا تھا۔

"کیا کسی اسٹیٹ کی شہزادی ہے۔"... اسے اپنا وہ جملہ یاد آیا جب شمائل نے اسے بتایا تھا کہ وہ اب تک مثال سے کچھ بھی کہہ نہیں پایا' اسے یہ خوف ہے وہ اسے ریجیکٹ نہ کردے اور پھر اسے اپنی حالت سمجھ آئی۔ ایک بولڈ اور ماڈرن لڑکی کو ڈیٹ کی آفر کرنا جتنا آسان ہے ایک باحیا' مضبوط کردار والی لڑکی سے اظہار محبت کرنا اتنا ہی مشکل۔

"آپ آرہے ہیں نا۔" فراز اس کی آواز پہ چونکا۔ وہ لاؤنج میں کھڑی فراز کی منتظر تھی جواب تک اسی جگہ کھڑا اپنی ہی سوچوں میں گم تھا۔ فراز پلٹا اور تیزی سے قدم اٹھاتا اندر چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

ریسٹورنٹ کے پر تعیش ماحول میں وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ اسے یہ سب بہت عجیب لگ رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ دونوں جب بھی ملے وہ اس سے برہم نظر آیا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ اسے سخت ناپسند ہے اور کچھ یہی سوچ اس کے دل میں تھی جو اسے اور بھی حیرت میں مبتلا کررہی تھی کہ جب وہ اس کی ناپسندیدگی سے اچھی طرح واقف ہے تو کیوں اس سے ملنا چاہتی ہے۔

"میں پوچھ سکتا ہوں مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟" شمائل کا لہجہ سپاٹ تھا۔ وہ ہمیشہ ایسی لڑکیوں کو ناپسند کرتا تھا جو مردوں کو پھسلانے اور ترغیب دینے کے اوچھے ہتھکنڈوں سے لیس رہتی تھیں۔ منال اس وقت بھی ان تمام ساز و سامان سے آراستہ تھی۔

"کہتے ہیں دوست کا دوست' دوست ہوتا ہے اور دوست کا دشمن' دشمن۔" گرماگرم کافی کے کپ سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ اپنی انگلی سے کپ کے کناروں کا دائرہ بناتے ہوئے وہ شمائل کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"تو...." اس نے کندھے اچکائے۔

"آپ مجھے اپنا دوست سمجھیں یا نہ سمجھیں لیکن میں نے تو آپ کو ہمیشہ اپنا دوست سمجھا ہے۔" شمائل

کی نظریں اس کے ہاتھ پہ ٹکی تھیں۔ سرخ نیل پالش اس کے لمبے ناخنوں کو اور بھی پرکشش بنا رہی تھی۔

"میرے پاس فضول باتیں سننے کا وقت نہیں ہے' کام کی بات ہے تو کرو۔" منال کے لبوں پہ ایک معنی خیز مسکراہٹ ابھری۔

شمائل کو اب تک سمجھ نہیں آیا تھا وہ آخر اس سے کہنا کیا چاہتی ہے۔ وہ پہلے ہی کل رات والے واقعہ کے بعد بری طرح اپ سیٹ تھا۔ مثال کو فراز کے ساتھ دیکھنا اور برداشت کرنا اس کے لیے قیامت سے کم نہیں تھا۔ اس پہ مثال کا تلخ رویہ۔ اسی غصے میں اس نے بنا سوچے سمجھے پلوشہ کو بھی سنادی تھیں۔ اس وقت اسے اپنا غصہ کسی نا کسی پہ تو نکالنا تھا۔ اس بات سے قطع نظر کہ وہ بی بی جان سے اس کی شکایت کردے گی اور بی بی جان اس سے ناراض ہو سکتی ہیں وہ اسے بہت کچھ کہہ گیا تھا۔

"آپ کو اچھی طرح معلوم ہے فراز اور میرے درمیان جو بھی تعلق تھا وہ دوستی سے بڑھ کے تھا۔" کل رات فراز اور مثال کے پارٹی چھوڑ کر جانے کے بعد وہ خود بھی وہاں نہیں رکا تھا۔ منال کی وہاں موجودگی سے وہ واقف تھا۔ اس نے اسے فراز سے ہنس ہنس کر باتیں کرتے دیکھا تھا۔ ان دونوں کے درمیان جو بھی تعلق تھا اس سے اسے اب کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اسے تو بس مثال سے مطلب تھا۔

"ہو سکتا ہے ایسا تمہاری طرف سے ہو' جہاں تک میں فراز کو جانتا ہوں وہ کبھی کسی لڑکی کے ساتھ سنجیدہ نہیں رہا۔ یہ سب اس کا ٹائم پاس رہا ہے۔" شمائل سے بڑھ کر فراز کو اور کون جانتا تھا۔ منال کے لیے اس کے دل میں اب بھی کوئی ہمدردی نہیں تھی۔

"لیکن وہ میرے لیے ٹائم پاس نہیں تھا۔" وہ سنجیدہ تھی۔

"اور یہ سب یقیناً" تم اس کی بے تحاشا دولت سے متاثر ہو کر کہہ رہی ہو۔" جواب بھی اسی انداز میں آیا تھا۔

"اس کی بیوی خاصی حسین ہے اور جہاں تک مجھے یاد ہے چند روز پہلے وہ آپ کے ساتھ کافی شاپ میں ڈیٹ پہ تھی۔" منال نے پہلو بدلا۔ اس کی اگلی بات نے شمائل کو سیخ پا کر دیا تھا۔

"فراز نے دھوکے سے اس سے شادی کرلی۔" اس کے تن بدن میں لگی آگ ایک بار پھر بھڑک اٹھی تھی۔

"تو اس دھوکے کا جواب نہیں دینا چاہیں گے خان صاحب۔" منال نے ابرو اٹھا کر معنی خیز انداز میں پوچھا۔ اچانک شمائل کو اس کی باتوں میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ آج صبح اسے ایک نامعلوم نمبر سے کال موصول ہوئی۔ وہ برے موڈ میں تھا اور کال اٹینڈ نہیں کرنا چاہتا تھا پھر نا جانے کیا سوچ کر اس نے کال ریسیو کی۔ منال اس سے ملنے کی درخواست کر رہی تھی۔ اس نے فوراً" انکار کر دیا تھا۔ اسے اس وقت کسی سے نہیں ملنا تھا۔ اسے مثال چاہیے تھی۔ کس طرح یہ ابھی تک اسے سمجھ نہیں آیا تھا۔ منال اس سے اس کے مطلب کی بات کرنا چاہتی تھی' نا چاہتے ہوئے بھی اس نے ملنے کی حامی بھرلی تھی۔

"میں آپ کی اس سلسلے میں مدد کر سکتی ہوں۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے منال قدرے سنجیدگی سے بولی۔ شمائل کو لگا اس کے دل کی مراد پوری ہونے والی ہے۔

"اگر تم فراز اور مثال کی علیحدگی کروادو تو میں تمہیں موتیوں میں تول دوں گا۔" منال نے اسے اپنا پلان بتایا۔ شمائل کا لہجہ پرجوش تھا۔

"میں اس ڈیل میں فراز سے کم پہ سودا نہیں کروں گی۔ آپ اس لڑکی سے فوراً" شادی کرلیجیے گا باقی فراز کو سنبھالنا میرا کام ہے۔" اسے بھلا اور کیا چاہیے تھا۔ مثال کو پانا اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی۔ وہ تو کب سے اسے اپنا بنانے کے لیے بے قرار تھا۔ اس کے بغیر ایک ایک پل صدیوں پہ محیط تھا۔ منال اسے اگلا لائحہ عمل بتانے لگی۔ وہ نہیں جانتا تھا جس کی صورت سے اسے شدید نفرت ہے ایک دن اسی سے دوستی کا ہاتھ ملائے گا۔ وہ واقعی اس کے لیے

تڑپ کا پتا تھی۔

☆ ☆ ☆

چھٹی کے دن فراز کا زیادہ وقت شمائل کے ساتھ ہی گزرتا تھا۔ جب سے ان دونوں کے درمیان فاصلے بڑھے تھے فراز اتوار کو گھر پہ ہی ہوتا تھا۔ کچھ تو مثال کی وجہ سے وہ اب پہلے کی طرح پارٹیاں اور ڈنر اٹینڈ نہیں کرتا تھا کیونکہ وہ اسے طویل وقت تک تنہا چھوڑنا مناسب نہیں سمجھتا تھا' دوسرے وہ خود بھی اس سوشل لائف سے بور ہوچکا تھا۔ اسے مثال کے قریب رہنا اچھا لگنے لگا تھا۔ بھلے ان دونوں کے درمیان بات چیت محدود تھی لیکن وہ اس کے آس پاس ہے یہ خیال بڑا خوش کن تھا۔

"میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہ رہی تھی۔" وہ لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا تھا۔ مثال اس کے سامنے صوفہ پہ بیٹھی کچھ دیر سے اپنی انگلیاں موڑ رہی تھی۔ وہ پوری طرح کام میں محو تھا' پر اس کی موجودگی سے لاعلم نہیں تھا۔ جانتا تھا وہ اس وقت اپ سیٹ ہے۔

"ہاں کہو۔" اس نے سر اٹھایا۔ مسٹرڈ اور سی گرین کے امتزاج کے پرنٹڈ کرتے اور ہم رنگ دوپٹے میں وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ یہ لباس بھی فراز ہی اس کے لیے لایا تھا۔ اس سے پہلے اس نے کبھی لیڈیز شاپنگ نہیں کی تھی' کبھی اس کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ پتا نہیں مثال کو یہ کپڑے اچھے بھی لگے ہوں گے یا پھر وہ یوں ہی اس کا دل رکھنے کے لیے انہیں پہن رہی ہے۔

"اگلی بار وہ اسے اپنے ساتھ لے جاکر اس کی پسند کی شاپنگ کرائے گا۔" اس نے دل میں سوچا تھا۔

"میں کل رات کے لیے بہت شرمندہ ہوں' میری وجہ سے آپ کو پریشانی ہوئی۔ وہاں پارٹی میں سب لوگ......" وہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھا اور مثال ایک بار پھر رات کا قصہ لے کر بیٹھ گئی تھی۔ ظاہر سی بات ہے کل جو بھی ہوا وہ ان دونوں کے لیے ہی تکلیف دہ تھا لیکن آج کا دن جس خوش گوار انداز میں شروع ہوا' مثال کو دیکھ کر آج صبح فراز کے دل نے جو انکشافات کیے وہ اتنے خوب صورت اور جاں گسل تھے کہ اس کے بعد وہ اس موضوع پر کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتا تھا۔

"ایک بات کہوں مثال؟" اس کے چہرے سے شرمندگی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی اور فراز کو یہ سب بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ اسے خوش اور مطمئن دیکھنا چاہتا تھا۔ اسی طرح مسکراتے ہوئے جیسے کل رات اس نے اسے آئینے کے سامنے کھڑے دیکھا تھا۔ اتنا ہی پرسکون جتنا وہ صبح مالی سے باتیں کرتے ہوئے تھی۔ اتنی ہی خوش جب مالی بابا نے اسے پھولوں کا ننھا سا گلدستہ تھمایا۔

"پلیز مجھ سے اتنی فارمل باتیں مت کیا کرو۔ جو کچھ ہوا وہ ہم دونوں کے اختیار میں ہی نہیں تھا۔ تم کل رات بہت اپ سیٹ تھی اور میں صرف تمہاری وجہ سے پریشان تھا' باقی لوگ کیا سوچتے ہیں اس بات کی پروا میں نے کبھی نہیں کی۔" وہ اس سے بہت فاصلے پہ بیٹھی تھی۔ کاش وہ اس کے پاس بیٹھی ہوتی تو فراز یہ ساری باتیں اس کا ہاتھ تھام کر کرتا۔ اسے بتاتا مثال کی آنکھوں سے نکلا ایک بھی آنسو اس کے دل پہ گرتا ہے۔ وہ اس کے لیے بہت اہم ہے' سب سے اہم اور اس سے برداشت نہیں ہوتا وہ شمائل کی وجہ سے خود کو ہلکان کرے۔

"پھر بھی وہ پارٹی خاص آپ کے لیے تھی' مجھے وہاں سے ایسے نہیں آنا چاہیے تھا۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔ اسے دکھ ہوا' وہ اب تک خود کو اس سے جدا سمجھتی تھی۔ ان دونوں کے درمیان اب بھی لامتناہی فاصلہ تھا۔ وہ اس فاصلے کو اکیلا عبور نہیں کرسکتا تھا اسے مثال کا تعاون درکار تھا جو شمائل کی مداخلت کے بعد کس طرح حاصل ہوگا وہ ابھی سمجھنے سے قاصر تھا۔

"مثال وہ پارٹی ہمارے لیے تھی' تم وہاں کمفرٹیبل نہیں تھیں اس لیے ہم واپس آگئے۔ دیٹس آل!" وہ چند قدم آگے آیا تھا' اس لامتناہی فاصلے کو ختم کرنے کی ایک اور کاوش کی تھی۔

"شکریہ۔" مثال زبردستی مسکرائی۔

"اب یہ کس لیے۔" وہ حیران ہوا۔

"ہر بات کے لیے۔" اس نے لب سختی سے بھینچ لیے۔

"میرا ساتھ دینے کے لیے، مجھے سمجھنے کے لیے۔ آپ نہیں جانتے آپ کے مجھ پر کتنے احسان ہیں۔ پتا نہیں میں ان احسانات کا بدلہ اتار پاؤں گی یا نہیں۔" وہ کئی قدم پیچھے چلی گئی تھی۔ ایک بار پھر وہ اس سے اتنا ہی دور کھڑی تھی۔ اس کی ہو کر بھی وہ اس کی نہیں تھی۔

"کیا ہوا؟ آپ چپ کیوں ہیں۔" اس کی خاموشی طویل تھی، مثال کچھ مضطرب ہوئی۔

"یہ احسان والی بات اچھی نہیں لگی۔" وہ کہے بغیر نہیں رہ سکا۔

"معذرت چاہتی ہوں......" اس نے سر تھام لیا۔

"مثال پلیز، کیا ہم معافی تلافی، احسانات اور شکریہ کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کر سکتے؟" وہ خود کو اس کے قریب کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس پہ پورا حق رکھتا تھا لیکن اس کی ان ہی باتوں کی وجہ سے اب تک ان میں کسی بھی قسم کی کوئی انڈراسٹینڈنگ پیدا نہیں ہو پائی تھی۔

"اتنے دن ہو گئے ہماری شادی کو، ابھی تک آپ کے پیرنٹس سے ملاقات نہیں ہوئی...... میرا مطلب، آپ نے آناً فاناً مجھ سے شادی کا فیصلہ کیا۔ وہ کیا ناراض ہیں؟" اتنی بہت سی پریشانیوں میں مثال کے دل کو ایک اس پریشانی نے بھی گھیرا ہوا تھا۔ اس نے شمائل کے گھر والوں کا ردعمل دیکھا تھا۔ فراز بھی تو اسی ایلیٹ کا حصہ تھا جس کا ایک رخ مثال دیکھ چکی تھی۔ آج پہلی بار وہ اپنا یہ خدشہ زبان پہ لائی تھی۔

"نہیں وہ ناراض نہیں۔ وہ مجھ سے کبھی ناراض نہیں ہوتے۔" فراز لاپروا انداز میں ایک بار پھر اپنے لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"بہت پیار کرتے ہیں آپ سے۔" کی بورڈ پہ تیزی سے حرکت کرتی اس کی انگلیاں رک گئیں۔ دل میں عجیب ٹیس سی اٹھی تھی۔

"نہیں۔ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتے، وہ صرف اپنے آپ سے محبت کرتے ہیں۔ اسی لیے، نا تو انہیں میری کسی بات سے خوشی ملتی ہے، نا ہی وہ میرے کسی فعل پہ ناراض ہوتے ہیں۔" اس کا لہجہ عام سا تھا پر مثال کو ان لفظوں کی تلخی پہ حیرت ہوئی۔ بھلا یہ بھی کہیں ممکن ہے۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ سب ماں باپ اپنے بچوں سے بہت محبت کرتے ہیں۔ وہ اچھے ہوں یا برے، صحیح ہوں یا غلط۔ ان کی محبت اولاد کے لیے غیر مشروط ہوتی ہے۔" اس کی دنیا بہت محدود تھی۔ اپنے گھر، اپنے والدین اور اپنے بھائی سے ہٹ کر وہ لوگوں کی سوچ، ان کے رویوں کو کہاں جانتی تھی۔ اسے قدرت نے پرخلوص اور محبت بھرے رشتوں سے نوازا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی اس محدود اور محفوظ دنیا سے ہٹ کر بھی ایک جہان آباد ہے جہاں محبت، رشتوں، خلوص و وفا سے بڑھ کر انا، حسد، عناد، اپنی ذات کی تسکین اور نفسانی خواہشات کی پوجا کی جاتی ہے۔ جہاں وفا کو بے وقوفی گردانا جاتا ہے۔

"سب نہیں، ہاں اکثر والدین اپنے بچوں سے واقعی محبت کرتے ہیں لیکن اس معاملے میں، میں اتنا خوش نصیب نہیں ہوں۔" اس کے لہجے میں اذیت تھی۔ مختصر الفاظ میں فراز اسے اپنے والدین کی علیحدگی، ان کے اور اپنے نام نہاد رشتے کے متعلق بتا کر وہ ایک بار کام میں مصروف ہو چکا تھا۔ مثال نے نوٹ کیا اس واقعے کو دہراتے اس کی آنکھوں میں درد کے سائے تھے۔ بظاہر وہ سنجیدگی سے اپنا کام کر رہا تھا لیکن وہ پہلے جیسا پرسکون نہیں تھا۔ اسے فراز کے لیے سوچ کر دکھ ہوا تھا۔ وہ اسے ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتی تھی اور اس وقت اس کے دل نے بس ایک تمنا کی تھی کہ وہ ایک بار فراز کی بھرپور مسکراہٹ اور شرارت سے بھری آنکھیں دیکھے بالکل ویسی جیسے اس دن پہلی بار اس سے ملاقات کے وقت دیکھی تھی۔ وہ اس سے دور اس کی سوچوں سے لاتعلق اپنے کام میں مگن تھا اور مثال اس کو دیکھ رہی تھی۔ سر جھکائے اس کی نظریں اسکرین پہ تھیں۔ اس کے سلکی بال بے ترتیبی سے ماتھے پر بکھرے تھے۔ اس کی پولو شرٹ کے دونوں بٹن کھلے

تھے۔ وہ اس رف سے حلیے میں بھی دل کو چھو لینے کی حد تک پر کشش تھا۔ اس کی لمبی انگلیاں کی بورڈ پہ متحرک تھیں۔ مثال نے پہلی بار اس کے ہاتھوں پہ غور کیا تھا۔ وہ پہلی بار اس کا اتنی گہری نظروں سے مشاہدہ کر رہی اور دل میں ابھرتے تفاخر کو دبا نہیں پائی تھی۔ حادثاتی طور پہ ہی سہی، پر وہ اس کا تھا۔ فراز نے اچانک سر اٹھا کر مثال کی طرف دیکھا جس کی پوری توجہ فراز کی ہی طرف تھی۔ وہ یک دم چونکی جیسے کوئی چوری پکڑی گئی ہو اور اپنی نظروں کا زاویہ بدل لیا۔ فراز نے بمشکل اپنی ہنسی کو ہونٹوں تلے دبایا۔ وہ کام میں مصروف تھا پر اس سے غافل نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

ملازمہ نے کارڈلیس فون اس کے ہاتھ میں تھمایا اور کمرے کا دروازہ بند کر کے واپس چلی گئی۔ مثال خاموشی سے فون تھام کر اس کے کمرے سے جانے کا انتظار کرتی رہی۔ حیرانگی اور الجھن میں بولی گئی ہیلو کے جواب میں دوسری جانب سے ایک شوخ و شنگ آواز ابھری۔

"ہائے کیا میں فراز سے بات کر سکتی ہوں؟" مثال کو اس بے تکلف رویے پہ حیرت ہوئی۔ یہ پہلی بار تھا فراز کے کسی جاننے والے کا فون مثال نے اٹینڈ کیا تھا۔

"وہ تو اس وقت گھر پہ نہیں ہیں۔" اس کا جواب مختصر تھا۔

"اوہ، آپ شاید مثال بات کر رہی ہیں۔" وہ کال منقطع کرتے کرتے رک گئی۔

"جی، لیکن آپ کون؟" یہ کون تھی جو اس سے بھی واقف تھی۔

"مثال میں منال بات کر رہی ہوں۔ آپ تو یقیناً مجھ سے واقف ہوں گی۔۔۔ دراصل فراز مجھے کب سے ملنے کا کہہ رہے تھے اور میرا شیڈول اتنا بزی تھا کہ وقت ہی نہیں نکال پائی۔ جانتی ہوں وہ خاصے ناراض ہوں گے۔" اس طویل جملے نے مثال کا سکون غارت کر دیا تھا۔ چند روز پہلے کا وہ منظر اس کی آنکھوں کے سامنے چلا آیا تھا جب منال نے بے تکلفی سے فراز کی کلائی پہ اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ اس سے بات کرتے ہوئے وہ مثال کی وہاں موجودگی کو بھی فراموش کر چکا تھا۔ مثال اس وقت کتنی ہرٹ ہوئی تھی۔ خود سے زیادہ فراز کے لیے۔

"آپ ان کے موبائل پہ کال کریں۔" اس نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں وہاں ہی کال کر رہی تھی لیکن ان کا سیل آف جا رہا ہے۔ سوچا گھر پہ کال کر کے کنفرم کر لوں وہ گھر پہ تو نہیں۔" منال کی باتوں سے یہی لگ رہا تھا اس سے زیادہ فراز خود منال میں انٹرسٹڈ ہے۔ اس کا فراز سے کوئی جذباتی تعلق نہیں تھا پھر بھی وہ اس کی بیوی تھی جو شروعات میں خود کو اس کے احسانوں کے زیر بار محسوس کرتی تھی پر اب اس کے دل میں فراز کا مقام بدل چکا تھا۔ وہ اس کی پر کشش شخصیت کے سامنے ہتھیار ڈال چکی تھی۔ اسے فراز کی خود پہ توجہ اچھی لگنے لگی تھی۔ پہلے وہ اس کی نظروں سے الجھتی تھی پر اب وہ ان نظروں کو خود پہ مرکوز دیکھنے کو بے قرار رہتی تھی۔ اب بھی وہ اسی کی راہ دیکھ رہی تھی۔

"ہیلو! سنو" منال ابھی کال ڈراپ کرنے کے موڈ میں نہیں تھی اور ہوتی بھی کیسے۔ مثال کو کال کرنے کے پیچھے اس کا کیا مقصد تھا یہ ظاہر ہے مثال تو نہیں جانتی تھی۔ شمائل خان اور منال کی ملاقات میں ہونے والی ڈیل کے بعد منال نے فراز سے اپنا رابطہ تیز کر دیا تھا۔ وہ کئی بار فراز کو ملنے کے لیے کال کر چکی تھی۔ جواب میں فراز نے اسے لال جھنڈی دکھائی تھی۔ وہ اگر عورتوں کو اپنے قریب کرنا جانتا تھا تو ان سے پیچھا کیسے چھڑایا جاتا ہے یہ بھی اسے اچھی طرح معلوم تھا۔ وہ منال میں اتنا ہی انٹرسٹڈ تھا جتنی وہ اس کی حق دار تھی۔ اس جیسی کسی بھی لڑکی کے لیے اس کے پاس سرے سے جذبات تھے ہی نہیں جبکہ دوسری طرف چند دن کی ملاقات میں وہ فراز پہ بری طرح لٹو تھی۔ اس کی خوب صورتی اور بولڈنیس وہ ہتھیار تھے جن سے وہ اب تک خود کو بہت جگہ کیش کرا چکی تھی۔ اس کے

دیوانوں کی فہرست طویل تھی۔ کئی لوگ اس سے شادی کے خواہش مند تھے لیکن وہ فراز کی زندگی میں اپنی جگہ بنانا چاہتی تھی۔ اسے ہر حال میں مثال کو اس کی زندگی سے نکال کر فراز کی لائف میں ان ہونا تھا۔

"تم تو شمائل خان کو پسند کرتی تھی نا! اسی سے شادی کرنا چاہتی تھی اور وہ بھی تمہارے پیچھے دیوانہ ہو رہا تھا... پھر اچانک فراز تم دونوں کے بیچ کہاں سے آگیا؟" ایک ایک لفظ پہ زور دیتے اس نے مثال پہ طنز بھرے جملے کا وار کیا تھا۔

"آپ کی معلومات ادھوری ہے، میں نہیں شمائل خان مجھے پسند کرتا تھا اور مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا' باقی جو انسان عقل و خرد سے بیگانہ ہو کر دیوانگی اختیار کرلیتا ہے اسے اصطلاح عام میں پاگل کہا جاتا ہے۔ رہی میری اور فراز کی شادی کی بات تو ابھی آپ نے کہا نا' فراز بار بار آپ کو ملنے کے لیے اصرار کررہے تھے تو ان ہی پوچھ لیجیے گا انہوں نے مجھ سے شادی کیوں کی۔" مثال اس سے بہتر انداز میں اس کے وار کا جواب نہیں دے سکتی تھی۔ اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے انتہائی تحمل سے مثال نے بات ختم کی اور کال بند کردی۔

☆ ☆ ☆

اسے فراز کا بے صبری سے انتظار تھا۔ اس کا گھر واپسی کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ مثال نے بھی کبھی اس کے دیر سے آنے کی وجہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اسے نہیں لگتا تھا وہ اس پہ اب تک ایسا کوئی حق رکھتی ہے۔ ایک فاصلہ ان دونوں کے درمیان مسلسل تھا۔ اس کا دل فراز کے لیے جتنا بے اختیار ہو رہا تھا' اسے لگ رہا تھا فراز اس کی دسترس سے اتنا ہی دور ہے۔ احسان کی فصیل کیا کم تھی جو منال ان دونوں کے درمیان چلی آئی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ کپڑے بدل کر نکلا تو مثال کو اپنی طرف متوجہ پایا۔ وہ اپ سیٹ تھی یہ فراز گھر آتے ہی محسوس کرچکا تھا۔ آج کل دفتر میں کام کا بوجھ تو ویسے ہی زیادہ تھا اس پہ فنانشنل ایشوز' آج بھی وہ ایک ایسی ہی میٹنگ میں مصروف تھا۔

"کچھ کہنا چاہتی ہو؟" وہ مناسب الفاظ سوچ رہی تھی۔ فراز پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔

"آج آپ کو بہت دیر ہوگئی۔" وہ اپنا فون چارج پہ لگا رہا تھا۔ مثال کی بات نے اسے بے انتہا خوشی دی۔

"اس کا مطلب اس کو میرے گھر دیر سے آنے سے فرق پڑنے لگا ہے۔" اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔

"ہاں آں... وہ ایک پرانا دوست مل گیا تھا۔ اسی کے ساتھ گپ شپ میں ٹائم کا پتا ہی نہیں چلا۔" اس نے حتی الامکان خود کو لاپروا ظاہر کیا اور فون پہ آئے چند میسجز دیکھنے لگا۔

"لگتا ہے، بہت خاص دوست تھا۔" وہ کچھ خفگی سے بولی۔ "تھی" اگلی بات اس نے فقط دل ہی میں سوچی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا فراز یقیناً"منال کے ساتھ تھا اور یہ سوچ کر اسے بہت برا لگ رہا تھا۔

"نہیں خیر ایسا بھی نہیں ملاقات کافی دیر بعد ہوئی تو..." اوہ تو محترمہ ناراض بھی ہونے لگی ہیں۔ وہ اس کے بدلے ہوئے روپ کو انجوائے کررہا تھا اور عین اسی وقت مثال کا سیل فون بجنے لگا۔ مثال کے چہرے کا رنگ بدلا۔ فون بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ پڑا تھا۔ مثال تقریباً" بھاگتے ہوئے اس تک پہنچی۔

"اتنی رات کو کس کا فون آرہا ہے؟" فراز کو مثال کی پریشانی نے حیران کیا تھا۔ وہ بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔ چند لمحے پہلے والا اس کا ناراض چہرہ اب شدید پریشان تھا۔

"پ... پتا نہیں شاید کوئی رانگ نمبر ہے۔" مثال نے نمبر دیکھ کر جلدی سے کال اٹینڈ کیے بغیر ڈسکنکٹ کی اور اس سے بھی زیادہ تیزی سے اپنے فون کی پاور آف کردی۔ فراز کو پورا یقین تھا مثال اس سے کچھ چھپا رہی ہے۔ اس کا دل بے قرار ہوا تھا۔ وہ تو اس کی زندگی کے ہر نشیب و فراز سے واقف تھا' پھر ایسا کیا تھا جو مثال اس سے چھپانا چاہتی تھی۔ وہ ایک بار پھر اپنے

فون کی طرف متوجہ ہو چکا تھا' اس بات سے باخبر کے مثال چور نظروں سے اسی کو دیکھ رہی ہے' لیکن فراز اپنے کسی عمل سے اسے یہ تاثر نہیں دینا چاہتا تھا کہ اس کے دل میں اس وقت کیا چل رہا ہے۔

☆ ☆ ☆

"مثال پلیز ایک بار میری بات سن لو۔ دیکھو میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں' تمہاری ناراضی' تمہارا غصہ سب جائز ہے لیکن میں تمہیں کسی اور کا ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔" منال کی کال کے بعد وہ پہلے ہی شدید پریشانی کا شکار تھی۔ فراز بھی گھر نہیں آیا تھا یقیناً" وہ منال کے ساتھ ہی ہوگا' یہ سوچ کر اس کا دل اور بھی اداس ہو گیا تھا۔ اپنے فون پہ شمائل کا نمبر دیکھ کر وہ یہ کال ہرگز اٹینڈ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس کا موڈ پہلے ہی خراب تھا اور اس شخص سے تو اسے یوں بھی کوئی بات نہیں کرنی تھی۔ آخر ان دونوں کے درمیان بات کرنے کے لیے بچا ہی کیا تھا۔

"شرم اور غیرت نام کی کوئی چیز ہے آپ کے پاس یا نہیں۔ آپ کی ہمت کیسے ہوئی مجھے کال کرنے کی۔" کئی بار کال کاٹنے کے باوجود جب وہ اسے کال کرنے سے باز نہ آیا تو مثال نے اس کی طبیعت صاف کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اسے واضح کر دینا چاہتی تھی کہ وہ شمائل کے لیے اپنے دل میں کوئی احساس نہ رکھتی تھی اور نہ رکھتی ہے۔

"مثال ایک بار صرف ایک بار میری بات تحمل سے سن لو' میں ترس رہا ہوں تم سے بات کرنے کے لیے۔" اس کے غصے سے قطع نظر شمائل کا لہجہ اب بھی وہی تھا۔ اس کی باتوں میں مثال کے لیے وہی والہانہ پن تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح التجا کر رہا تھا اور مثال کو برہم کر رہا تھا۔

"اپنے سب سے اچھے دوست کی بیوی کو اس نامناسب انداز میں کال کرتے ہوئے آپ کو شرم نہیں آتی مسٹر شمائل' یا اپنی دیوانگی میں اسے بھی کہیں رکھ کر بھول چکے ہیں؟" اپنے اور فراز کے درمیان تو وہ اب کسی کو بھی نہیں آنے دینا چاہتی تھی۔ پر منال تو تھی نا' اس وقت بھی وہ فراز کے ساتھ تھی۔ اس کا دماغ پھر وہیں چلا گیا تھا۔

"اس کا نام مت لینا میرے سامنے' وہ آستین کا سانپ ہے۔ اس نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ فریب کیا ہے۔ میری غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر تمہیں ورغلا کر تم سے شادی کر لی۔" شمائل دانت پیس کر بولا تھا۔

"آپ میرے شوہر پہ تہمت لگا رہے ہیں' دوستی کا بھرم تو آپ نباہ نہیں سکے اور چلیں ہیں مجھ سے محبت کرنے۔ آپ کی محبت کی آگ نے پہلے ہی میری زندگی جلا کر بھسم کر دی ہے۔ اب اس راکھ کو کرید کر کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔" مثال کو اس کا فراز کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرنا تپا گیا تھا۔ ایک اچھی بیوی کی طرح اس نے اس کا دفاع کیا تھا۔ اسے شمائل کی کسی بات کا اعتبار نہ پہلے تھا اور نہ آج۔

"مثال میں مانتا ہوں مجھ سے بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں۔ میں نے تو تمہاری خواہش پہ اپنے والدین کو اس سب میں شامل کیا تھا۔ انہوں نے تمہارے ساتھ جو بھی کیا مجھے اس کا شدید افسوس ہے۔" وہ شرمندہ تھا۔ اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا' پر مثال کو ان سب باتوں سے اب کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس کا وجود مثال کے بھیانک ماضی سے جڑا تھا۔ جب جب وہ اس کے متعلق سوچتی تھی اسے اپنے باپ کی موت یاد آتی تھی۔

"اور آپ کا یہ تاسف میرے بابا کو زندہ کر سکتا ہے؟" شمائل کے پاس سے آگے کہنے کے لیے تھا ہی کیا۔

"زندگی اور موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔" وہ بہت دھیمے لہجے میں بولا۔

"اور میری بدنامی؟ میرے ذلت کے اشتہار پورے محلے میں لگوانے کا اختیار تھا آپ کے گھر والوں کو۔" کیا کیا غم تھے جو اس شخص کی باتوں نے ایک بار پھر تازہ کر دیے تھے۔ پتا نہیں اب بھی وہ سب مثال کا ذکر کن لفظوں میں کرتے ہوں گے۔ یہ سوچ کر اس کا دل

بے چین ہو گیا تھا۔

"مثال میں سب ٹھیک کردوں گا' تمہاری سب شکایات کا ازالہ کردوں گا' بس ایک بار تم میرے پاس آجاؤ؟" "یقیناً" یہ شخص پاگل ہو چکا ہے یا شاید پاگل ہی تھا۔ مثال کو اس کی ذہنی حالت پہ پہلے بھی شبہ تھا۔ پہلے خود شادی کے وقت فرار ہو گیا اور اب اسے اپنی شادی توڑنے کا کہہ رہا ہے۔

"بس کرو شمائل خان' خود کو میری نظروں میں اتنا مت گراؤ۔ جانتے ہو جس رات تم مجھ سے کچھ بھی کہے بنا فرار ہوئے تھے وہ رات میری زندگی کی آخری رات ہوتی' اگر فراز میرے سر پہ عزت کی چادر نہ ڈالتے اور تم چاہتے ہو میں اس عزت کے بدلے اس کے دامن میں ذلت اور بدنامی ڈال کر تمہارے پاس آجاؤں۔" وہ چلائی تھی۔ جتنا اس شخص سے دور رہنے کی کوشش کرتی تھی' اتنا ہی یہ اس کی زندگی میں مداخلت کرتا جارہا تھا۔

"تم فرشتہ سمجھ رہی ہو نا مثال' اس کی اصلیت مجھ سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ ایک نمبر کا فلرٹ ہے وہ۔ لڑکیوں سے تعلق' شراب و شباب اس کے معمولات کا حصہ ہیں۔ وہ کسی لڑکی کی عزت نہیں کرتا' کر ہی نہیں سکتا' کیونکہ وہ اس کو بکاؤ مال سمجھتا ہے۔" شمائل نے جو کہا وہ مثال کے پیروں تلے سے زمین نکال دیتا' اگر وہ فراز کے ساتھ یہ چند ہفتے نہ گزار چکی ہوتی۔ یہ سچ تھا' وہ اس کے متعلق بہت کچھ نہیں جانتی تھی۔ وہ فقط مثال سے واقف تھی اور اسی کو لے کر آج شام سے پریشان بھی تھی۔ مثال کی باتوں' اس کے انداز سے تو یہ ہی لگتا تھا کہ ان دونوں کے مراسم گہرے ہیں' پھر اسے فراز کا خود پہ خصوصی توجہ دینا یاد آیا۔ وہ اس کی نگاہوں میں اپنے لیے سر اٹھاتے جذبات کو کیوں کر فراموش کر سکتی تھی۔ وہ یوں ہی اس کی طرف مائل نہیں ہو رہی تھی' اس میں بڑا ہاتھ فراز کا تھا جو اپنے ہر انداز سے مثال کو اپنی زندگی میں اس کی اہمیت کا احساس دلا رہا ہے۔ تو پھر یقیناً شمائل یہ سب کچھ حسد میں کہہ رہا ہے۔

"وہ جیسا بھی ہے تم سے لاکھ درجے بہتر ہے' کیونکہ تمہاری طرح منافق نہیں ہے۔ وہ اگر مجھے خود بھی چھوڑ دے تو میں تمہارے پاس نہیں آؤں گی' میری یہ بات اچھی طرح یاد رکھنا۔" وہ شمائل کو اس سے بہتر جواب نہیں دے سکتی تھی۔ اسے واضح کر دینا نہایت ضروری تھا کہ وہ اس کے لیے اپنے دل میں کوئی جگہ نہیں رکھتی۔ اپنا غصہ اس پہ نکال کر وہ تسلی میں آگئی تھی۔ کال بند کر کے اسے لگا شمائل اتنی بے عزتی کے بعد دوبارہ اسے کال نہیں کرے گا' لیکن یہ ہی اس کی غلط فہمی تھی۔

وہ وقفے وقفے سے اسے مسلسل کال کر رہا تھا۔ وہ ہر بار کال کاٹتی۔ اس دوران اس نے چند میسجز بھی کیے جن میں اپنی غلطیوں کی معافی اور اس سے اظہار محبت تھا۔ مثال نے وہ تمام میسیج ڈیلیٹ کر دیے تھے۔ وہ نہیں چاہتی تھی فراز کو اس بات کا پتا چلے۔ پہلے ہی اس کی وجہ سے ان دونوں کی دوستی میں دراڑ آگئی تھی۔ اس بات سے کوئی بڑا جھگڑا شروع ہو سکتا تھا۔ لیکن وہ نہیں جانتی تھی یہ بات نہ بتا کر وہ فراز کو اپنے لیے مشکوک کر رہی ہے۔ شمائل کی کال ایک بار پھر آرہی تھی اور اس بار فراز بھی وہاں موجود تھا۔ وہ اپنی گھبراہٹ اس سے پوشیدہ نہیں رکھ پائی تھی۔ فراز نے اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی اور مثال پرسکون ہو گئی تھی۔ اس بار اس نے فون بند کر دیا۔ اس مصیبت سے بچنے کا سب سے بہترین یہی راستہ تھا۔

☼ ☼ ☼

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ اس نے سیل فون کی روشنی میں دیکھا' مثال بے خبر سو رہی تھی۔ سوتے میں اس کا چہرہ کسی بچے کی طرح معصوم لگ رہا تھا۔ اپنا دایاں ہاتھ سر کے نیچے دبائے اس کا رخ فراز کی طرف تھا۔ اس نے دھیرے سے کمبل سرکایا اور بنا آواز کے بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ماربل فلور پہ ننگے پاؤں بغیر کسی آہٹ کے وہ بیڈ کے دوسری طرف پہنچا۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ مثال کا سیل فون رکھا تھا۔ اس کی پاور

آف تھی۔ رات شدید گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں اس کال کے آنے پہ اس نے اپنا فون بند کر دیا تھا۔ فراز نے کسی بھی قسم کا کوئی تاثر اس وقت ظاہر نہیں کیا تھا' لیکن مثال کی پریشانی اس کے تجسس کو سوا کر رہی تھی۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ کون کال کر رہا ہے۔

مثال کا فون تھامے وہ کمرے سے باہر چلا آیا۔ لاؤنج میں پہنچنے تک وہ فون آن کر چکا تھا۔ کال لاگ میں پہلا نمبر شمائل کا تھا۔ فراز کی سانس تھم گئی۔ آخری ریسیوڈ کال آدھا گھنٹہ طویل تھی۔ اسی وقت چند رکے ہوئے میسج جو نیٹ ورک ملنے کے منتظر تھے اسکرین پہ نمودار ہوئے۔

وہ سب شمائل کے محبت نامے تھے جس میں مثال کو اپنی محبت کا یقین دلانے کے ساتھ ساتھ اسے جلد از جلد فراز سے طلاق لے کر خود سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کیا گیا تھا۔ غصے کی آگ میں اسے اپنا پورا جسم جلتا ہوا محسوس ہوا۔

اس کی بیوی' اس کی غیر موجودگی میں اپنے عاشق سے فون پر باتیں کر رہی تھی۔ اگر یہ پیش قدمی فقط شمائل کی طرف سے ہوتی تو یقیناً" مثال اس سے یہ شکایت کرتی۔ اسے بتاتی کہ شمائل اسے کال کر کے پریشان کر رہا ہے' لیکن اس نے فراز کو اندھیرے میں رکھا۔ اس سے سچ چھپایا۔ اسے دھوکا دیا۔ وہ یہ دھوکا کس دل سے برداشت کرتا۔ پہلی بار اس نے کسی کو سچے دل سے چاہا تھا' پہلی بار اسے کسی سے محبت ہوئی تھی۔ وہ اس کی بیوی تھی اور وہ اسے بے حد و حساب چاہتا تھا اور اس نے اس کے ساتھ کیا کیا۔ جس نے سے گرداب میں تنہا چھوڑا وہ اسی کی خاطر فراز کے ساتھ یہ کھیل کھیل رہی تھی۔ وہ اس سے پہلے شاید ہی کسی سے اتنا بدگمان ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں فراز صاحب۔"

کئی دن کی جدوجہد آخر رنگ لے آئی تھی۔ وہ ٹوٹا ہوا تھا' بکھرا ہوا تھا مثال کی کمپنی میں اسے کچھ دیر کے لیے ہی اس اذیت سے فرار مل سکتی تھی۔ ریسٹورنٹ کے آرام دہ ماحول میں وہ دونوں ایک بار پھر آمنے سامنے بیٹھے تھے' لیکن حیرت تھی وہ یہاں ہو کر بھی یہاں موجود نہیں تھا۔ کیا نہیں تھا اس لڑکی میں' وہ کچھ دیر کے لیے ہی سہی مردوں کو دنیا بھلا دینے کی طاقت رکھتی تھی' لیکن فراز کو آج اسے دیکھ کر کوئی فیلنگ ہی نہیں آ رہی تھی۔

"نتھنگ مچ۔ جسٹ روٹین بزنس ایشوز" (کچھ زیادہ نہیں صرف روٹین کے بزنس مسائل) اس نے دوسرا سگریٹ سلگایا۔ فراز کا بایاں ہاتھ میز پہ دھرا تھا۔ منال نے اپنا نرم ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھا۔ فراز نے لحہ بھر منال کو دیکھا اس کی بولتی نگاہیں دعوت گناہ دے رہی تھیں۔ فراز نے اپنا ہاتھ فوراً" کھینچ لیا۔ اس کے پرکشش وجود سے اٹھتی مہک فراز کو بے زار کر رہی تھی۔

"مجھے یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔" اس نے سوچا اور اپنی کلائی میں بندھی گھڑی پر نگاہ کی۔ اسے مثال کی فکر ہو رہی تھی۔ آج پھر اسے گھر جانے میں دیر ہو جائے گی اور وہ پھر اس سے ناراض ہو گی۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے وہ شمائل سے باتوں میں مصروف ہو۔" اس کا دل بہت بوجھل ہو گیا تھا۔

"اس رات پارٹی میں بڑا تماشا ہوا' سب لوگ شمائل اور مثال کا ہی ذکر کر رہے تھے۔" وہ اس کے زخموں پہ نمک پاشی کر رہی تھی۔ فراز نے لب بھینچ لیے۔ اس کی خاموشی سے شہہ پا کر وہ مزید بولی۔

"جب وہ شمائل سے محبت کرتی ہے تو آپ کو کیوں استعمال کر رہی ہے۔ اس کی وجہ سے شمائل خان اور آپ کی دوستی میں بھی دراڑ آ گئی ہے۔ آپ کے آپس کے اور کاروباری جھگڑے تو پورے سرکل میں سب سے ہاٹ ٹاپک آف ڈسکشن ہیں۔" فراز اس کی پہلی بات سے آگے نا کچھ سن پایا تھا اور نا سمجھ۔ اس کا ذہن اس ایک جملے نے منتشر کر دیا تھا۔

"وہ تو شمائل سے محبت کرتی ہے۔" ...... "ہاں وہ مجھ سے تو محبت کرتی ہی نہیں پھر وہ میرے ساتھ کیسے رہے

گی کب تک رہے گی اسے تو شمائل کے پاس واپس جانا ہی ہے۔" منال بغور اس کے پریشان چہرے کو دیکھ رہی تھی جہاں پریشانی اور اذیت چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا اس کے ساتھ کیا کھیل کھیلا جارہا ہے۔ وہ دو لوگوں کے ہاتھ بے وقوف بنایا جارہا تھا جن میں ایک اس کا جان سے پیارا دوست تھا۔

یہ شام ہرگز خوش گوار نہ تھی۔ اسے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ وہ پچھتایا۔ کچھ فاصلے پر بیٹھے شمائل آفریدی کے لبوں پہ ایک طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

☼ ☼ ☼

فراز کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھے منال اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پہ دو جہاں پالینے کی خوشی تھی۔ فراز گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مثال نے غصے سے اپنا فون پرے پھینکا۔ فون مسلسل بج رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کال کہاں سے آرہی ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے شمائل نے اسے فراز اور منال کی یہ تازہ تصاویر بھیجی تھیں۔ مثال کو اپنا آپ سلگتا محسوس ہوا۔ وہ اب اسے کال کررہا تھا۔ یقیناً موضوع گفتگو یہی ہوگا اور مثال اس موضوع پہ کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ شمائل سے بھی نہ بات کرنے کا تہیہ وہ پہلے ہی کرچکی تھی۔

"اگر یہ مجھے کال کرنے سے باز نہ آیا تو میں فراز کو سب بتادوں گی۔ پھر وہ اس کو اپنے الفاظ میں خود ہی سمجھادیں گے۔" وہ اس کی حرکتوں سے تنگ آچکی تھی۔ اب تک یہی ایک خوف تھا کہ فراز کا اس سے جھگڑا نہ ہوجائے۔ وہ پہلے ہی ان کے درمیان ایک بڑے جھگڑے کی وجہ تھی اور نہیں چاہتی تھی اس کی وجہ سے معاملہ مزید خراب ہو، لیکن اب پانی سر سے گزر چکا تھا۔ اسے تو پتا ہی نہیں تھا فراز اس کا فون چیک کرچکا ہے۔ اس نے جو کچھ فراز سے چھپایا وہ اس سے بڑا غلط نتیجہ اخذ کرچکا ہے۔

شمائل کی پریشانی بھول کر مثال کو فراز کے دکھ نے آگھیرا تھا۔ منال سے اس کی ملاقاتیں اس بات کا واضح اشارہ تھیں کہ وہ اس میں دلچسپی رکھتا ہے۔ وہ اس کی زندگی میں مثال کے آنے سے پہلے موجود تھی اور آج بھی اس کا مقام نہیں بدلا جب کہ مثال تو یہ بھی نہیں جانتی تھی فراز کی زندگی میں اس کی کیا جگہ ہے۔

☼ ☼ ☼

غصہ اور بے بسی یک مشت عروج پہ تھا۔ صبیحہ خانم کمرے میں جلے پیر کی بلی کی طرح چکر لگا رہی تھیں۔ تھک ہار کر دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر کشادہ صوفے پہ بیٹھ گئیں۔ ان کے کانوں میں اب تک پلوشہ کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔

"وہ کبھی میرا نہیں ہوگا پھپھو جان، وہ اب بھی اسی لڑکی کی محبت میں دیوانہ ہے۔" پلوشہ کی ہچکی بندھ گئی تھی۔ صبیحہ خانم کے کہنے پہ ہی پلوشہ نے شمائل کو کال کی تھی۔ وہ اس کی آواز سن کر اس پہ برس پڑا تھا۔

"وہ نفرت کرتا ہے مجھ سے، وہ کبھی مجھے میرا مقام نہیں دے گا۔" اس کی آواز نے صبیحہ خانم کے دل پہ ہتھوڑے برسائے تھے۔ وہ ان کی لاڈلی تھی۔ کتنے مان اور چاہت سے وہ اسے اپنی بہو بنا کر لائی تھیں اور ان کا لاڈلا بیٹا ایک معمولی سی لڑکی کی خاطر اسے ٹھکرا رہا تھا۔

"ہم نے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہتے ہیں، وہ صرف تمہارا ہے۔ جس طرح تمہیں اس کی زندگی میں داخل کردیا ہے اسی طرح تمہارا جائز مقام بھی تمہیں ضرور دلائیں گے۔ یہ تم سے ہمارا وعدہ ہے۔" انہوں نے محبت سے اس کی پیشانی چومی۔ پلوشہ کو دلاسا دے کر وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھیں، لیکن ان کا اپنا سکون غارت ہوگیا تھا۔

"ہمیں اسے اکیلے واپس شہر جانے ہی نہیں دینا چاہیے تھا۔" شمائل ان کی ساری پلاننگ خاک میں نہیں ملا سکتا' انہیں جلد سے جلد کچھ کرنا ہوگا۔ پلوشہ کی باتیں انہیں یہ واضح کرنے کے لیے کافی تھیں کہ شمائل کے سر سے اس لڑکی کے عشق کا بخار اب تک نہیں اترا۔ اپنی طرف سے اس لڑکی اور بوڑھے باپ کا

سرعام تماشا بنا کر انہیں ان کا مقام دکھا کر وہ دل ہی دل میں خاصی مطمئن تھیں۔ وہ دونوں شکل سے خاصے شریف لگتے تھے اور ایسے لوگوں کو ذلت و رسوائی کا ہتھیار جیتے جی مارنے کے لیے کافی ہوتا ہے، لیکن شمائل کے تیور بتا رہے تھے وہ یقیناً "اب بھی اس لڑکی سے واسطہ رکھے ہوئے ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ بات نہایت خطرناک ہے۔ انہیں جلد از جلد کوئی قدم اٹھانا ہوگا۔

"مگر کیا؟" اس سے پہلے کہ پلوشہ بددل ہو جائے، دل برداشتہ ہو کر اپنے گھر واپس چلی جائے صبیحہ خانم کو شمائل کو اس کی زندگی میں واپس لانا ہوگا۔

"ہمارے ذہن میں یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا۔" وہ جانتی تھیں یہ سب اتنا آسان نہیں اور اس مشکل سے انہیں اس وقت فقط ایک انسان باہر نکال سکتا ہے۔ وہ فیصلہ کن انداز میں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ انہیں ابھی شہر کے لیے نکلنا تھا۔

☼ ☼ ☼

سجے سجائے وسیع و عریض لاؤنج میں وہ پروقار انداز سے کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پہ غصہ اور آنکھوں میں نفرت واضح تھی۔ اس کا قیمتی لباس، اس کی خوب صورت انگلیوں میں پہنی جڑاؤ انگوٹھیاں، اس کا اعتماد، اس کے مقام کی چغلی کھا رہا تھا۔ پہلی نظر میں تو وہ اسے پہچان ہی نہیں پائی تھی اور پہچانتی بھی کیسے۔۔۔ دولت کی دیوار بڑے بڑوں کے عیب ڈھانپ دیتی ہے پھر اس کا جرم تو فقط غربت تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" صبیحہ خانم نے اپنی حیرت پہ قابو پاتے ہوئے سوال کیا۔

"اور یہی سوال میرا بھی ہے، آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟" اپنے غصے پہ حتی الامکان قابو پاتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ اس کے لہجے کی ناگواری صبیحہ خانم تک بخوبی پہنچ رہی تھی۔ شمائل اور فراز کی دوستی برسوں پرانی تھی اور ظاہر ہے وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے کتنے اہم ہیں، ان کے درمیان تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ اس سے ان دونوں کے والدین بخوبی واقف تھے۔ صبیحہ خانم بہت اچھی طرح جانتی تھیں کہ فراز شمائل پہ کتنا انفلوئنس رکھتا ہے۔ ایسا کب ہوا کہ فراز کی کوئی بات شمائل نے نہ مانی ہو اور شمائل کچھ کہے اور فراز اسے رد کر دے۔ اپنے والدین کے بعد شمائل اگر اس دنیا میں کسی سے سب سے زیادہ قریب تھا تو وہ فراز تھا۔ صبیحہ خانم، شمائل کو جتنا پریشرائز کر سکتی تھیں، کر چکی تھیں۔ اسے شادی کے لیے مجبور کر کے، اپنی بیماری کا ڈھونگ رچا کر وہ اس سے ایک بڑا کام لے چکی تھیں۔ ہاتھی نکل گیا تھا دم باقی تھی۔ اتنا تو فراز اس پہ اخلاقی دباؤ ڈال ہی سکتا تھا کہ شادی کے بعد شمائل کا اپنی بیوی کو چھوڑ کر ایک معمولی سی لڑکی کے عشق میں ہلکان ہونا جائز نہیں۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے بغیر اطلاع دیے فراز کے گھر چلی آئی تھیں۔ فراز گھر پہ فی الوقت موجود نہیں تھا پر وہ اس کا انتظار کر سکتی تھیں۔ ملازمہ انہیں بخوبی جانتی تھی۔ انہیں لاؤنج میں بٹھا کر وہ مثال کو ان کی آمد کی اطلاع دینے چلی گئی۔ صبیحہ خانم کو اپنے گھر میں دیکھ کر مثال کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ ماضی کا ہر زخم تازہ ہو گیا تھا۔ کیسے بھول جاتی کہ اسی عورت کی وجہ سے اس کی زندگی میں قیامت برپا ہوئی تھی۔ اس کے باپ کی نظروں سے اسے گرانے والی یہی مغرور عورت تھی جو اپنی جھوٹی شان بچانے کے لیے سب کے سامنے مثال کی عزت کو تار تار کر گئی تھی۔

"ہم نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ ہمارے بیٹے کی زندگی سے نکل جاؤ، اس کا اور تمہارا کوئی میل نہیں اور ہم بات دہرانے کے عادی نہیں۔ تم آج بھی اس کے پیچھے پڑی ہو۔۔۔ کیا تمہیں اپنے انجام سے ڈر نہیں لگتا لڑکی۔" صبیحہ خانم کا ایک ایک لفظ اسے سو کوڑوں کی تکلیف دے رہا تھا۔ وہی انداز، وہی غرور و طنطنہ۔ دوسروں کو حقیر سمجھ کر انہیں خاک میں ملانے کی دھمکیاں۔ وہ پہلے بھی اس تکلیف سے گزری تھی اور یہ بہت پرانی بات نہیں تھی۔ اس دن بھی اس عورت نے ایسی ہی دھمکیاں دی تھیں۔ اس کے چھوٹے

سے گھر کے صحن میں کھڑے ہو کر، جس کے باہر مسلح گارڈ ہاتھوں میں جدید اسلحہ تھامے اس کے حکم کے منتظر تھے۔ وہ آج بھی اسی طرح مثال کو دھمکا رہی تھی۔ وہ آج بھی اس کے گھر میں کھڑی اسے اپنے بیٹے سے دور رہنے کی تاکید کر رہی تھی۔ مثال کو وہ وقت یاد آیا جب اس کے خوف سے مثال کا جسم لرز رہا تھا۔

"جو کچھ آپ اور آپ کا بیٹا میرے ساتھ کر چکے ہیں، اس کے بعد ڈر کا لفظ میرے لیے بے معنی ہو چکا ہے۔ اپنے اختیارات سے دوسروں کی زندگی کا تماشا بنا کر، انہیں ذلیل و رسوا کرتے ہوئے آپ جیسے فرعون اپنے انجام سے کیونکر غافل ہو جاتے ہیں۔ نہیں جانتے ان سے اوپر بھی ایک ہستی ایسی موجود ہے جو آپ جیسے زمینی خداؤں کو فقط مہلت دے رہی ہے۔ آپ کو اپنے انجام سے ڈر نہیں لگتا؟" آج وہ دن نہیں تھا اور نہ ہی یہ وہ مثال تھی جو صبیحہ خانم کے دھمکی آمیز لہجے پہ خوف سے سہم جاتی۔ اس نے اپنی متاع حیات گنوا دی تھی اور اب اس کے پاس گنوانے کو کچھ نہیں تھا۔ یہی بات اسے بہادر بنا چکی تھی۔ اس کا خوف بہت پیچھے رہ گیا تھا اور آج جو اس کے پاس تھا وہ حوصلہ تھا جو اسے فراز کی بدولت ملا تھا۔

"زبان سنبھال کے بات کرو لڑکی، جانتی نہیں کس سے مخاطب ہو۔" صبیحہ خانم اس کے گستاخ لہجے پہ برہم ہوئیں پر وہ بے خوف ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔

"بہت اچھی طرح جانتی ہوں میں ایک بد دماغ، مغرور اور سنگ دل عورت سے مخاطب ہوں جو اپنی انا کے خول میں لپٹی ہے۔ جس کی نظر میں لوگوں کی غربت ان کا سب سے بڑا جرم ہے اور جو دوسروں کو کیڑے مکوڑے سمجھ کر انہیں اپنے پیروں تلے روندنے کی خواہاں ہے۔" صبیحہ خانم کو سمجھ میں نہیں آیا وہ اس کو کیا جواب دیں۔ اس کا بدلا ہوا روپ اور اس پہ یہ تیور، وہ تو پہلے ہی گھبراہٹ کا شکار تھیں۔

"تم حد سے بڑھ رہی ہو۔" انگلی کے اشارے سے صبیحہ خانم نے اسے تنبیہہ کی۔ مثال اس وارننگ کو نظر انداز کرتے ہوئے دو قدم آگے بڑھی۔

"میرے گھر میں کھڑے ہو کر مجھ پہ انگلی اٹھانے کی غلطی دوبارہ مت کیجیے گا۔" وہ انہیں باور کرانا چاہتی تھی کہ جو کچھ وہ اس کے ساتھ پہلے کر چکی ہے وہ اب دوبارہ نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ حالات بدل چکے ہیں۔

"تمہارا گھر... یہ گھر تمہارا... مطلب... فراز۔"

صبیحہ خانم کو شاک لگا تھا۔ مثال کی بات نے ان کے شک کی تصدیق کر دی تھی۔ وہ جو اتنی دیر سے اس کی اس گھر میں، اتنے بااعتماد انداز میں موجودگی پر حیران تھیں تو اب یہ اس بات کا واضح اشارہ تھا کہ اس گھر میں اس کی حیثیت کیا ہے۔ اسی وقت فراز پورچ سے نکل کر لاؤنج کے دروازے پر آیا اور مثال کی آواز نے اس کو قدموں کو جکڑ لیا۔ وہ اپنی جگہ سے آگے نہیں بڑھ سکا۔

"ہاں، یہ میرا گھر ہے! جسے آپ کا جنونی بیٹا توڑ دینا چاہتا ہے۔ ایک بات آپ اچھی طرح سمجھ لیں اور اپنے اس دیوانے بیٹے کو بھی سمجھا دیں۔" انگلی اٹھا کر وہ تنبیہی انداز میں بولی۔

"میری زندگی میں نہ پہلے اس کی کوئی جگہ تھی اور نہ اب ہے۔ وہ لاکھ کوشش کر لے، وہ مجھے کبھی حاصل نہیں کر سکتا ہے اور اگر اب آپ دونوں نے میری زندگی برباد کرنے کی کوشش کی تو میں آپ کو ہرگز معاف نہیں کروں گی۔" اچانک اسے اپنا آپ ہلکا پھلکا لگنے لگا تھا۔ پچھلے دو روز کی فرسٹریشن دم توڑ رہی تھی۔

وہ صبیحہ خانم کی اپنے گھر میں موجودگی سے واقف تھا۔ ان کے گارڈز اور گاڑی گھر کے باہر وہ دیکھ چکا تھا۔ مثال گھر میں تھی اور پتا نہیں وہ اس سے کس انداز میں پیش آئیں، اسی پریشانی میں گھرا، وہ تیز قدموں سے چلتا گھر میں داخل ہوا، لیکن اندر کی صورت حال نے تو اسے شاد کر دیا تھا۔ یہ انکشاف تسلی بخش تھا کہ مثال، شائل کے پاس واپس نہیں جانا چاہتی ہے۔

"تم ہمارے بیٹے پہ الزام لگا رہی ہو۔ ہم جانتے ہیں اسے بہکانے والی تم ہو۔ اپنی بیوی کو چھوڑ کر، اس سے تعلق توڑ کر وہ اس وقت یہاں تمہارے عشق کا

راگ الاپ رہا ہے۔" یہ ان دونوں کے لیے ایک شاک تھا۔ صبیحہ خانم کی بات نے فراز کے پیروں تلے سے زمین نکالی تھی تو مثال کو بھی ہلا دیا تھا۔ وہ ان دونوں سے اتنی بڑی حقیقت چھپا رہا تھا۔ مثال کو اس کے ساتھ اپنی آخری گفتگو یاد آئی۔ وہ اسے فراز سے طلاق لے کر خود سے شادی کرنے کا کہہ رہا تھا۔ اسے اس وقت واقعی شمائل سے شدید نفرت ہوئی تھی اور اس کا اظہار اس نے کھلے لفظوں میں کر بھی دیا تھا۔

"نفرت کرتی ہوں میں آپ کے بیٹے سے' اس کے پاگل پن کی وجہ سے پہلے بھی میری زندگی میں کہرام برپا ہوا۔ میری عزت کا تماشا بنا۔ اسی ذلت کو جس بھلے مانس نے اپنی عزت کی چادر تلے ڈھانپا وہ اسی کا بیری بنا ہوا ہے۔ ایک بات آپ کان کھول کر سن لیں' میں نے شمائل خان سے کبھی محبت نہیں کی اور مرتے دم تک میں اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔ میرے دل' میری زندگی میں فقط ایک انسان اہمیت رکھتا ہے۔ وہ جو میری پہلی چاہت ہے اور وہ شخص میرا شوہر ہے۔ پہلے میں اس کی عزت کرتی تھی' پر آج میں اس کی پرستش کرتی ہوں۔ شمائل لاکھ مجھے اس سے جدا کرنے کی کوشش کر لے' لیکن وہ جیتے جی مجھے کبھی حاصل نہیں کر پائے گا۔" مثال کا ہر لفظ فراز کی روح میں اتر رہا تھا۔ وہ اگر صبیحہ خانم کے انکشاف پہ حیرت زدہ تھا تو مثال کی آخری بات سے آسمان میں اڑنے لگا تھا۔ شاید وہ مثال کے دل کی بات کبھی نا جان پاتا' جان جاتا تو اعتبار نہ کر پاتا کیوں کہ جن حالات میں ان دونوں کی شادی ہوئی اس کے بعد ایک دوسرے سے اظہار محبت کرنا خاصا مضحکہ خیز تھا۔

وہ پہلی لڑکی تھی جسے فراز نے دل سے چاہا تھا۔ وہ اس سے شدید محبت کرتا تھا۔ اسے کھونے سے ڈرتا تھا' لیکن یہ سب اس سے کہنے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا کیوں کہ آج سے پہلے وہ بھی یہی سمجھتا تھا کہ مثال بھی شمائل سے محبت کرتی ہے۔ وہ تو بس اس کی زندگی میں مجبوری حالات کے سبب داخل ہوئی ہے' لیکن اس کے دل کا راستہ فراز نہیں شمائل تک جاتا ہے۔ پچھلے دو دن کس کرب میں گزرے تھے۔ کس اذیت میں اس نے پچھلے دو راتیں کاٹیں۔ مثال کا شمائل سے بڑھتا رابطہ اس کے دل پہ چوکے لگا رہا تھا اور اب جب وہ یہ جان چکا تھا کہ مثال کے دل میں شمائل کے لیے کوئی جذبات نہیں تو وہ شمائل کا سایہ بھی مثال پہ نہیں پڑنے دے گا۔ وہ صرف اس کی ہے اور وہ اس تعلق کی ہمیشہ حفاظت کرے گا۔

☼ ☼ ☼

اس نے جو بھی کہا اسے اس پہ ہرگز ندامت نہیں تھی۔ یہ بات اگر آج اس نوبت تک پہنچی تھی تو اس کی وجہ مثال کی طویل خاموشی تھی۔ کیوں وہ اب تک شمائل کو صاف اور واضح الفاظ میں انکار نہیں کر پائی تھی۔ وہ اگر پہلے ہی دن اسے انکار کر دیتی' اپنے باپ کو ساری بات بتا کر اسے پہلے ہی شٹ اپ کر چکی ہوتی تو نہ صبیحہ خانم کی اتنی ہمت ہوتی کہ اس کے کردار کی دھجیاں بکھیرتیں اور آج شاید اس کا بوڑھا باپ' اس کا سب سے بڑا آسرا اس کے ساتھ ہوتا۔ دونوں بازو سینے پہ باندھے وہ خود کو تسلیاں دے رہی تھی۔

"لیکن فراز" اسے اچانک خیال آیا اور اس نے اپنے داہنے ہاتھ سے اپنا سر تھام لیا۔

"اس کے گھر میں اس کے دوست کی والدہ کی بے عزتی کر دی میں نے' پتا نہیں وہ کس طرح ری ایکٹ کرے گا۔" اس سوچ نے اس کے چند لمحوں پہلے کے اطمینان پہ منوں مٹی ڈال دی تھی۔ وہ یہی سوچتے ہوئے چند قدم آگے بڑھی اور اچانک اس کی نگاہ لاؤنج کے دروازے پہ کھڑے فراز پہ پڑی جو بے تاثر اور سنجیدہ چہرہ لیے اس کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"یقیناً" وہ صبیحہ خانم کی آمد سے واقف ہے۔" یہ پہلا خیال اس کے ذہن کی دیواروں سے ٹکرایا اور ایک سنسناہٹ اس نے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں محسوس کی۔

"وہ ہوتی کون تھی اس کے مہمانوں کو اس کے گھر سے نکالنے والی۔ اس نے کس حق سے اس کے دوست کی ماں کی بے عزتی کی۔" لب کاٹتی وہ چند قدم

آگے بڑھی۔ اب ان دونوں کے درمیان محض چند قدم کا فاصلہ تھا۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ خاموش ' بے یقین ' حیران۔

"میں جانتی ہوں فراز مجھے۔۔۔ ان سے اس انداز میں بات نہیں کرنی چاہیے تھی ' لیکن۔۔۔" کچھ خوف اور بہت سی شرمندگی کے زیر اثر اس نے کچھ کہنا چاہا پر فراز نے آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ اس کے لبوں پہ رکھ دیا۔

"کچھ مت کہو۔" مثال کا دل بے اختیار دھڑکا تھا۔ یہ بہت غیر متوقع صورت حال تھی۔

"میں ابھی اس کیفیت سے نکلنا نہیں چاہتا۔ تم نے جو کہا اس سے بڑھ کر کچھ بھی سننے کی تمنا نہیں ہے مثال۔ تم نہیں جانتی کتنے مضطرب گزرے ہیں پچھلے چند دن ' ہر لمحہ ایک ہی خوف ' ایک ہی ڈر لاحق تھا کہ تم مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ گی ' لیکن آج تمہارے انکشاف نے مجھے میرے ہر درد سے نجات دے دی ہے۔" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اب تک وہ تو فقط ان ہی باتوں کو سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی جو اس نے صبیحہ خانم سے نہایت غصے اور نفرت کے عالم میں کیں۔ اسے ان کی بے عزتی یاد تھی لیکن اپنی جذباتی کیفیت میں وہ فراز سے محبت کا اقرار کر بیٹھی ہے اس کا خیال تو اسے آیا ہی نہیں۔

"ایک بار ' صرف ایک بار پھر میں وہی بات سننا چاہتا ہوں۔ پلیز مثال ' کچھ دیر پہلے جو تم نے کہا اگر وہ سب سچ ہے تو بس ایک بار میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو۔" اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامے وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔ وہ سرتاپا کانپ رہی تھی۔ یہ باتیں اس کی غیر موجودگی میں کہنا جتنا آسان تھا اس کے سامنے ان چند لفظوں کا بولنا اتنا ہی کٹھن تھا۔

"بولو مثال۔۔۔ کیا واقعی تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟" اس کے کانپتے لبوں سے ایک بھی لفظ نہیں نکل پایا تھا پر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تم کبھی مجھے چھوڑ کر شمائل کے پاس نہیں جاؤ گی؟" اس بار اس کی آواز میں التجا تھی۔

"نہیں ' کبھی نہیں۔" وہ بلا تامل بولی تھی۔ فراز کے سینے سے سکون کا سانس خارج ہوا اور اس نے اپنا ماتھا مثال کے ماتھے پہ ٹکا دیا۔ وہ اس کے مضبوط بازوؤں کی گرفت میں تھی۔ مطمئن ' محفوظ ' پرسکون۔ محبت وہ خوب صورت شکنجہ ہے۔ جس میں دم نہیں گھٹتا۔ اس حصار میں ساری عمر قید رہا جا سکتا ہے۔ وہ دونوں کب سے اس حسین لمحے کو ترس رہے تھے۔ مثال نے اپنے بازو فراز کی گردن کے گرد حمائل کر دیے۔ نا جانے کتنے لمحے ' کتنے پل گزر گئے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی سانوں کی مہک کو محسوس کرتے رہے۔ وہ دونوں تمام عمریوں ہی گزار سکتے تھے۔

☼ ☼ ☼

تمام راستہ انہیں کسی معصوم کی آہ بکا یاد آ رہی تھی۔ جسے انہوں نے اپنے انا کے اونچے محل میں مقید کر کے ان سنا کر دیا تھا اور پھر اپنے لفظوں کی سنگ باری سے اس کی ذات ' اس کی عزت اور اس کے وقار کو کرچی کرچی کر دیا تھا۔ بہت مان تھا انہیں اپنی تربیت پہ ' بڑا غرور تھا انہیں اپنے اونچے حسب نسب پہ اور بڑا تکبر تھا ان میں اپنے اکلوتے بیٹے کی قابلیت کو لے کر پر آج ان کا سارا مان ' سارا غرور خاک میں ملا گئی تھی وہ عام سی لڑکی جس کی زندگی انہوں نے اپنی نفرت سے موت سے بدتر بنانی چاہی تھی۔ کتنی نفرت تھی اس کے لفظوں میں۔ وہ اپنی ہتک اور توہین پہ تمام راستہ کڑھتی آئی تھیں۔ اس نے کہا وہ شمائل سے نفرت کرتی ہے۔ انہیں اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان کا بیٹا اس حد تک بھی جا سکتا ہے۔ ان کا دل نہیں مانتا تھا کہ یہ عشق وہ دیوانگی تنہا شمائل کا جنون ہے ' اس کی یک طرفہ محبت ہے ' پر وہ کیسے مثال کی آنکھوں میں دھکتی نفرت اور چہرے پہ لکھا سچ دیکھ کر ان دیکھا کر دیتیں۔

"کیا ہوا سب خیریت تو ہے نا پھپھو جان ' آپ اتنی جلدی واپس کیسے آ گئیں۔ آپ تو خان سے ملنے گئی تھیں نا۔" ان کا ستا ہوا چہرہ اور آنکھوں کی شکستگی دیکھ کر پلوشہ کو ہول اٹھا تھا۔ وہ تو اسے بڑی امید دلا کر گئی تھیں کہ شمائل کو ساتھ لے کر ہی لوٹیں گی پر اب ان

کی تنہا واپسی اور اس پہ ان کا پژمردہ انداز۔
"کیا خان نے واپس آنے سے انکار کر دیا؟" اس نے اپنے بدترین خدشات کا اظہار کیا۔ وہ اس کی منتظر تھی، اس کی دید کو ترس رہی تھی۔ وہ اسے پیاسا چھوڑ کر چلا گیا تھا اور پلوشہ کا روم روم بنجر و ویران اس کی الفت سے سیراب ہونے کو بے چین تھا۔ لب بھینچے صبیحہ خانم نے محض نفی میں سر ہلایا۔

"وہ جلد آئے گا۔ اسے آنا ہی پڑے گا۔" بہت ہمت اور طاقت جمع کر کے فقط اتنا ہی کہہ پائی تھیں مگر اس دوران انہوں نے پلوشہ کی آنکھوں میں دیکھنے سے اجتناب برتا کہ وہاں حسرت و امید کے سائے تھے پر ان کے پاس یقین دہانی کرانے کو کچھ نہ تھا۔ وہ تو اپنے ساتھ پچھتاوے لیے لوٹی تھیں۔ پلوشہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہوں نے دھیمے لہجے میں اسے دلاسا دیا اور پھر اپنے کمرے کی طرف قدم بڑھا دیے۔

✲ ✲ ✲

"کہاں جا رہے ہیں آپ؟" اسے خود سے پرے دھکیلتے وہ یک دم دروازے کی طرف مڑا تھا۔ وہ جو اس کی بانہوں میں سمٹی پرسکون تھی اچانک اس کے ردعمل پہ گھبرا گئی۔

"میں آج اس سے دو ٹوک بات کر کے ہی رہوں گا۔ اپنی حقیقت چھپا کر وہ اب مزید مجھے اور تمہیں بے وقوف نہیں بنا سکتا۔" فراز نے غصے سے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ مثال نے پہلی بار اسے اتنے غصے میں دیکھا تھا۔ اس کے رویے سے خوف زدہ ہوتے وہ اس کے پیچھے پیچھے ہی آ رہی تھی، تاکہ اسے کسی طرح روک سکے۔

"وہ پاگل ہے، آپ اپنا ضبط کیوں کھوتے ہیں۔ اسے اس کے حال پہ چھوڑ دیں مایوس ہو کر خود ہی پیچھے ہٹ جائے گا۔" دل تو اس کا بھی کر رہا تھا شمائل کا منہ نوچ لے۔ شادی شدہ ہو کر وہ مثال کو ورغلاتا رہا۔ وہ فراز کی کیفیت سمجھ سکتی تھی۔
پچھلے چند دن ان دونوں نے جس اذیت سے گزارے تھے اس کے بعد ان کا شمائل کے لیے غصہ فطری تھا پر وہ فراز کے ردعمل کو دیکھ کر ڈر گئی تھی۔ جیسے ہی اس نے گاڑی کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی مثال بھی جلدی سے اس کے برابر والی سیٹ پر جا بیٹھی۔ یوں کم سے کم وہ اس کے ساتھ تو ہو گی حالانکہ شمائل کی تو وہ شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی بلکین فراز کو تنہا بھیجنے پہ اس کا دل آمادہ نہ تھا۔ تمام راستہ خاموشی سے گزرا اور وہ بس لب کاٹتے فراز کے سنجیدہ چہرے کو دیکھتی رہی، جس کا پورا دھیان ڈرائیونگ پہ تھا۔

تھوڑی دیر بعد گاڑی ایک عالی شان بنگلے کے سامنے جا رکی۔ فراز چونکہ بھی وہاں اکثر آتا رہتا تھا اسی لیے چوکیدار نے ہمیشہ کی طرح فوراً دروازہ کھولا۔ پورچ میں پہلے ہی دو گاڑیاں کھڑی تھیں جن میں شمائل کی گاڑی کے علاوہ اس دوسری سیاہ گاڑی کو دیکھ کر فراز کی آنکھیں حیرت سے سکڑ گئی تھیں۔ اس نے ایک نظر مثال کو دیکھا جو اس ساری صورت حال سے لاعلم تھی۔ اس کے چہرے پہ واضح پریشانی تھی۔ فراز گاڑی سے اترا تو وہ بھی اس کی معاونت میں اس بیش قیمت عمارت کے صدر دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ لاؤنج سے آتی جانی پہچانی آوازوں کو سن کر فراز کے قدم رک گئے تھے۔

✲ ✲ ✲

غصے اور حسد کی آگ سے اس کا پورا وجود کھول رہا تھا۔ شدت پسندی اس کی فطرت میں شامل تھی اور اسے اپنے جذبوں پہ ہرگز اختیار نہ تھا۔ اس سے پہلے اس کی طبیعت کا یہ پہلو کھل کر کسی کے سامنے نہیں آیا تھا اور اس کی ذات کا بھرم قائم تھا اب اس کی شخصیت کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ وہ بہت لمبے عرصے اپنے جذبات کو سینے میں چھپائے پھرتا رہا تھا کہ کوئی چہرہ دل و نگاہ کی توجہ سمیٹنے میں کامیاب ہی نہ ہو پایا تھا پر جب اس کے دل نے کسی کو دیکھ کر دھڑکنے کی جسارت کی، جب ان نگاہوں میں اس کے نقش جم سے گئے تو اب اس سے دست بردار ہونا اس کے بس کی بات نہ

تھی۔ پھر اسے لاکھ دنیا کی مخالفت سہنی پڑتی‘ سو جتن کرنے پڑتے۔۔۔۔ دنیا اودھر سے ادھر کرنی پڑتی وہ ٹھان چکا تھا کہ وہ اس کو پا کر رہے گا۔ مثال کے لیے اس کے دل میں محبت نہیں جنون تھا۔ وہ اسے کسی بھی صورت حاصل کرنا چاہتا تھا پھر بھلے اس میں خود اس کی اپنی مرضی شامل تھی یا نہیں اسے چنداں پروا نہیں تھی۔ اس کا یک طرفہ جنون اس کے ماں باپ کے دل میں مثال کے لیے نفرت بھر گیا تھا۔ اسی نفرت کی آگ میں مثال کی دنیا جل گئی‘ لیکن شمائل اپنے جذباتی پن سے باز نہ آیا۔ مثال اس کا مقدر نہیں تھی پر وہ اسے پانے کے جتن میں ہلکان ہو رہا تھا اور جو اس کا مقدر تھی اس کے وجود کو جھٹلا کر وہ اسے تنہا سسکتا چھوڑ آیا تھا۔ اپنے جنون اور یک طرفہ محبت کی آگ میں جلتا وہ اس نہج پہ آجائے گا یہ فراز نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

"تمہارے پلان کے مطابق میں مثال سے مسلسل رابطہ کر رہا ہوں۔ وہ ساری تصویریں جو تم نے بھیجی تھیں وہ بھی وقفے وقفے سے مثال کو بھیج رہا ہوں۔ وہ میری کال ریسیو نہیں کر رہی لیکن جتنا کچھ اسے فراز اور تمہارے متعلق پتا چل چکا ہے اس کے بعد وہ اس سے خاصی بدظن ہو چکی ہوگی۔" کمرے سے آتی شمائل کی آواز پر چونک کر مثال نے فراز کی طرف دیکھا جو لب بھینچے خاموش کھڑا تھا۔

"فراز بہت بدل گیا ہے۔ ایک عام سی لڑکی کے لیے اس کی جذباتیت دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہے اور غصہ بھی۔" اس گاڑی کے بعد یہ آواز فراز کے شک کو یقین میں بدل چکی تھی۔ شمائل کے گھر میں منال کی موجودگی نے ساری صورت حال واضح کر دی تھی۔

"اس لڑکی کے لیے وہ مجھے اگنور کر رہا ہے اور یہ بات میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتی۔ اب تو دنیا چاہے ادھر کی ادھر ہو جائے میں ان دونوں کا بریک اپ کروا کے رہوں گی۔" منال کا سلگتا لہجہ مثال اور فراز دونوں ہی کو حیران کر رہا تھا۔

"وہ کوئی عام لڑکی نہیں بلکہ بہت ہی خاص اور قیمتی ہے۔ فراز جیسے انسان کے ساتھ تو اس کا کوئی جوڑ ہی نہیں‘ جو صحیح معنوں میں نا محبت کے معنی جانتا ہے اور نہ وفا پہ اعتبار رکھتا ہے۔ یہ شادی اس نے فقط موقع سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے کی ہے‘ کیونکہ مثال جیسی لڑکی کو اپنی دولت اور پرکشش شخصیت کے چارم سے تو حاصل کرنا اس کے لیے ممکن تھا ہی نہیں اور مجھے معلوم ہے جب اس کا دل بھر جائے گا وہ مثال کو چھوڑ دے گا۔" اس کا لہجہ زہر خندہ تھا۔ فراز نے تاسف سے آنکھیں بھینچ لیں۔

"جب اتنا یقین ہے تو پھر یہ بے چینی کیوں‘ تھوڑا سا صبر کر لیتے وہ خود آپ کے پاس واپس آجاتی۔" منال کی طنزیہ آواز ابھری۔

"مثال کے بغیر میرا ایک ایک دن انگاروں پہ کٹ رہا ہے۔ یہ سوچ کر وہ فراز کے گھر میں اس کی بیوی کی حیثیت سے رہ رہی ہے‘ میرا بس نہیں چل رہا میں کچھ کر بیٹھوں۔ اسے حاصل کرنے کے لیے میں کسی بھی حد تک جا سکتا ہوں۔" مثال نے گھبرا کر فراز کا بازو تھاما تو فراز نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اسے خود سے قریب کر لیا۔

"میری تو سمجھ میں نہیں آتا آپ دونوں کو ہی اس معمولی سی لڑکی میں کیا نظر آرہا ہے‘ جو اس کے لیے مرنے مارنے پہ تل رہے ہیں۔ نہ تو اس کو سوسائٹی میں موو کرنے کا شعور ہے نا ہی اس میں اعتماد بس ایک خالی صورت ہے۔" منال اپنی سوچ کے مطابق بولی تھی۔

"وہ کس حیثیت کی مالک ہے یہ تم جیسی لڑکیاں نہیں سمجھ سکتیں کیونکہ اس کے لیے حیا اور عزت پہلی شرط ہے تم بس اپنے کام پہ دھیان دو۔ فراز کو زیادہ سے زیادہ اپنے ساتھ انگیج رکھو اور ساتھ ساتھ مثال سے بھی رابطہ رکھو۔ اس کے دل میں فراز کے لیے اتنی نفرت بھر دو کہ وہ خود ہی اسے چھوڑ دے۔" شمائل کی بات پہ منال نے پہلو بدلا۔

"خیر مجھے اس سے کیا لینا دینا‘ میرا مقصد تو فراز کی زندگی میں دوبارہ انٹری (داخل ہونا) ہے۔ وہ مجھے مل جائے پھر آپ جانیں اور وہ لڑکی۔" فراز اور مثال دونوں ہی ساری بات سمجھ گئے تھے۔ منال سے بے

تماشا نفرت اور ناپسندیدگی رکھنے کے باوجود شمائل کے گھر میں اس کی موجودگی فراز کو حیران و پریشان کر گئی تھی۔ ان دونوں کی باتوں سے صاف ظاہر تھا کہ ایک دوسرے کو اپنے مطلب کے لیے استعمال کر رہے ہیں اور مطلب تو صاف ظاہر تھا۔ وہ ان دونوں میں علیحدگی کروانا چاہتے تھے۔ فراز کے لیے مزید رکنا محال تھا' سو اس نے مثال کا ہاتھ تھاما اور لاؤنج کے اندر داخل ہو گیا۔ صوفہ پہ بیٹھے شمائل نے گھبرا کر ان دونوں کو اندر داخل ہوتے دیکھا تو یک دم اپنی نشست سے کھڑا ہو گیا جبکہ انہیں وہاں دیکھ کر منال کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔

"اب تک صرف سنا تھا کہ دوست اگر دشمن بن جائے تو اس سے بڑھ کر بدترین دشمن کوئی اور نہیں ہوتا' لیکن اس کا تجربہ بھی اسی زندگی میں ہو جائے گا یہ سوچا نہیں تھا۔" اس کے لہجے میں تاسف تھا۔ شمائل نے مثال کو دیکھا جو فراز کا ہاتھ تھامے اسے غصے سے دیکھ رہی تھی۔

"اس جیسی عورتوں کا تو پیشہ ہے' پر تم پر تو اونچے خاندان اور اعلا حسب نسب کا لیبل چسپاں تھا پھر تم کیسے اتنا گر گئے۔" فراز نے تلخی سے کہتے پاس کھڑی منال کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔ وہ پہلے ہی اس ساری صورت حال سے بوکھلائی ہوئی تھی۔

"فراز میری بات سنو......" منال نے کچھ کہنا چاہا پر فراز نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"تم جیسی عورتیں ہوتی ہیں جو عورت ذات کے نام پہ دھبا ہوتی ہیں۔ اس سے لاکھ اختلاف صحیح لیکن تم میں اور مثال میں کتنا فرق ہے یہ ابھی شمائل تمہیں بتا چکا ہے۔ اس میں ایک اضافہ میں کر دیتا ہوں کہ خود کو پلیٹ میں رکھ کر مردوں کے سامنے پیش کرنے والی تم جیسی سوسائٹی گرلز کی بدولت محبت اور وفا جیسے فطری جذبوں سے اعتبار ختم ہو جاتا ہے۔" اس عزت افزائی پہ منال کا منہ شرمندگی سے لال ہو گیا تھا اس سے پہلے کہ مزید کچھ کہتی فراز نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور وہ پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی تھی۔

"وہ سوسائٹی گرل اور دھوکے باز ہے اور تم...... تم کیا ہو؟ اسے کچھ کہنے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانکو تم خود کیا ہو۔ لڑکیوں سے وقت گزاری کے لیے دوستیاں کرنا تو تمہارا شوق رہا ہے۔" اس کے کمرے سے نکلتے ہی شمائل نے طنزیہ کہا۔

"میں نے کبھی پارسائی کا دعوا نہیں کیا۔ میں جو تھا یا جو ہوں وہ کسی سے چھپا نہیں' لیکن میری ذات سے آج تک کسی انسان کو ذہنی' مالی و جانی نقصان نہیں پہنچا۔ میرا ماضی جو بھی تھا لیکن میرا حال اور مستقبل مثال ہے اور جب سے یہ میری زندگی میں آئی ہے میں نے کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا۔ یہ تو تم بھی اچھی طرح جانتے ہو شمائل میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا پر تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔ شمائل لب بھینچے کھڑا سن رہا تھا۔

"تم نے کہا مثال بھی تم سے اتنی ہی محبت کرتی ہے جتنی تم اس سے اور تمہاری باتوں پہ اعتبار کرتے ہوئے میں مثال کو شادی کے لیے راضی کر کے لایا تھا پھر تم کچھ بھی کہے بغیر بزدلوں کی طرح حویلی کیوں چلے گئے؟ مانتا ہوں تمہاری والدہ بیمار تھیں لیکن تم خود مثال سے بات کرتے اسے کانفیڈنس میں لیتے تو مجھے اپنے دفاع اور اس کی عزت بچانے کی خاطر اس سے شادی نہ کرنی پڑتی۔" شمائل کے پاس اس کی بات کا کوئی جواب نہ تھا۔ یہ سچ تھا مثال نے کبھی اس سے اقرار محبت نہیں کیا تھا یہ تو بس اس کا دل تھا جو اس سچ سے انکاری تھا اور حقیقت سے وہ خود بھی واقف تھا۔

"تم نے وہاں شادی کر لی اور حقیقت سے ایک بار پھر بھاگ کر یہاں چلے آئے۔ جو کچھ ہوا وہ ہم میں سے شاید کسی کے اختیار میں نہیں تھا کیونکہ یہ سب قسمت میں لکھا ہوا تھا' لیکن تم نے اپنے جنون کی آخری حد پار کرتے ہوئے مثال کی مجھ سے علیحدگی کروانی چاہی۔" اس انکشاف پہ شمائل ہکا بکا رہ گیا تھا۔ وہ تو اسی تسلی میں تھا کہ اس کی شادی کی اطلاع یہاں کسی کو نہیں ہے۔

"تم چاہتے ہو میں مثال کو چھوڑ دوں تاکہ تم اس

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

سے شادی کرسکو‘ ٹھیک ہے میں مثال کو چھوڑ دیتا ہوں تو کیا اس سے شادی کرنے کے لیے تم اپنی پہلی بیوی کو چھوڑ رہے ہو؟" فراز کی بات سن کر مثال نے پریشانی سے فراز کو دیکھا۔ اس کا بے تاثر چہرا اسے مخمصے میں ڈال رہا تھا۔

"وہ تمہاری خاندانی بیوی ہے شمائل اور تمہارے والدین مثال کے ساتھ جو کچھ کر چکے ہیں تم اس سے غافل نہیں‘ مثال سے محبت کرنے کے باوجود تم نے اپنی کزن سے شادی کرلی تو اس کا مطلب تم انہیں کنوینس نہیں کرپائے تو کیا اس سے علیحدگی ہونے کے بعد مثال کو اپنے گھر میں وہ مقام دلاسکو گے جو اس گھر کی بہو کو حاصل ہونا چاہیے؟" کچھ دیر پہلے اسے شمائل پر غصہ آرہا تھا‘ مثال کو لگا تھا وہ شاید اس سے جھگڑا کرے گا پر مثال کو دیکھ کر اور ساری صورت حال کو سوچتے ہوئے اس نے شمائل سے جھگڑا کرنے کا ارادہ ترک کردیا تھا۔ یہ محبت کی لڑائی تھی اسے جنگ نہیں بننا چاہیے تھا۔

"ایک وقت تھا جب مجھے محبت پہ اعتبار نہ تھا بلکہ میں تو سرے سے اس کے وجود کو مانتا ہی نہیں تھا پھر مثال سے مل کر تمہاری اس کے لیے محبت دیکھ کر میں نے اس جذبے کو سمجھنا شروع کیا اور مثال سے شادی کے بعد مجھے صحیح معنوں میں احساس ہوا کہ محبت انسان کو کیسے بدل دیتی ہے۔ میں نہیں جانتا تم اس سے کتنی محبت کرتے ہو پر میں اپنی بیوی سے بے تحاشا پیار کرتا ہوں اور اس کی خوشی کی خاطر کسی بھی حد تک جاسکتا ہوں۔" مثال کو دیکھتے ہوئے فراز نے سنجیدگی سے کہا۔

"مثال اگر تمہارے پاس جانے کی خواہش رکھتی ہے تو پھر نا چاہتے ہوئے بھی میں اسے روکوں گا نہیں لیکن تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا شمائل تم مثال کو پوری عزت و احترام کے ساتھ اپناؤ گے اور اسے اس کا جائز مقام دلاؤ گے۔" فراز کے انکشاف پہ تو مثال تڑپ ہی گئی جبکہ شمائل نے حیرت سے فراز کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" وہ بے ساختہ چیخی تھی۔

"آپ جانتے ہیں میں صرف آپ سے محبت کرتی ہوں‘ کتنی بار کہوں کے میرے دل میں شمائل خان کے لیے جذبات کبھی نہیں تھے اور نہ کبھی ہوں گے۔ یہ کسی سے شادی کرے یا اس کو چھوڑ دے‘ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا‘ لیکن اگر آپ نے مجھے چھوڑا تو فراز میں اپنی جان دے دوں گی۔" اس سے بڑھ کر شمائل خان پہ اور کیا انکشاف ہونا باقی تھا۔ مثال کے ہر لفظ پہ اس کا دل کٹ رہا تھا۔ فراز نے جواب طلب نظروں سے شمائل کے دھواں دھواں چہرے کی طرف دیکھا اور پھر مثال کو جو آنکھوں میں آنسو لیے بے یقینی اور خوف سے فراز کو دیکھ رہی تھی۔ شمائل تھکے تھکے انداز میں صوفہ پر بیٹھ گیا۔ اس کے انداز میں شکست تھی۔

اس کی شادی شدہ کی خبر مثال اور فراز دونوں کو ایک ساتھ ملی تھی اور یہ ان دونوں کے لیے بہت بڑا شاک تھا۔ فراز کی باتوں نے جہاں شمائل کو پشیمان کیا تھا وہیں مثال کے اقرار محبت پر وہ ٹوٹ سا گیا تھا۔ یہ بھی کیا اتفاق تھا کہ وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ اسے بہت عزیز تھے۔ بہت پیارے تھے اور آج ان دونوں کے دلوں میں اس کے لیے بدگمانی اور شکوے تھے۔ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے وہ چہرہ نیچے کیے بیٹھا ہوا تھا۔ چند لمحے خاموش گزرے اور پھر قدموں کی چاپ پہ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ فراز کا ہاتھ تھامے مثال کمرے سے جاچکی تھی۔ وہ خاموشی سے اسے جاتا دیکھتا رہا کیونکہ اسے روکنے کا اختیار شمائل کے پاس نہیں تھا۔

صبیحہ خانم کی آمد جہاں باعث تکلیف تھی‘ وہیں فراز پہ ہونے والے انکشافات نے ان دونوں کی زندگی پر برداشت اثر ڈالا تھا۔ ان کے درمیان برف تو آہستہ آہستہ پگھل رہی تھی۔ اب جو کچھ مثال نے کہا اس کے بعد ان کی بیچ کا فاصلہ لمحوں میں ختم ہوا تھا۔ محبت کی دھیمی آنچ میں دہکتے دو ستاروں کا زمین پہ ہونے والا حسین ملن غلط فہمیوں کی ہر دیوار کو گرا چکا تھا اور اب

اگر ان کے پاس کچھ تھا تو صرف پیار تھا۔ وہ پیار جس کے سہارے بڑے سے بڑے طوفان کا سامنا کیا جا سکتا ہے، صحرا میں آبلہ پائی سہی جا سکتی ہے اور راہ میں آئی ہر مشکل کو ہنس کر سہا جا سکتا ہے۔ کل رات جس حسین احساس کا انکشاف ہوا تھا اس کے بعد صبح بڑی روشن اور چمکیلی تھی۔ وہ اس کے پہلو میں محبت کے خوب صورت جذبوں سے سرشار اپنی آنے والی تمام زندگی باخوشی گزار سکتی تھی۔ چاہت کا وہ لطیف احساس، جو فراز کی قربت میں ہوا وہ اس کی بیتی زندگی کے تمام دکھوں کا مداوا کر چکا تھا۔ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو خود ہی شرما گئی تھی کہ اس کا ہر جذبہ اس کے چہرے پہ مسکراہٹ بن کر عیاں تھا۔ آئینے میں نظر آتے فراز کے عکس پہ نگاہ گئی تو بالوں میں برش کرتا ہاتھ رک گیا تھا۔ اس نے پلٹ کر فراز کو دیکھا جو گہری سوچ میں گم تھا۔ کافی کا کپ ہاتھ میں تھامے وہ اس وقت ذہنی طور پر اس کمرے میں موجود نہیں تھا۔

"کیا سوچ رہے ہیں؟" وہ یک دم چونکا۔ مثال چہرے پہ تشویش لیے اس کے پاس بیٹھی تھی۔

"وہ نہیں... کچھ بھی تو نہیں۔" اس نے ٹالنا چاہا پر مثال نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے بہت خوش گوار موڈ میں تھا۔ مثال کی پریشانی بجا تھی۔ فراز اسے دیکھ کر مسکرایا لیکن اس وقت پہ مسکراہٹ آنکھوں تک نہ پہنچ پائی۔

"آپ پریشان ہیں؟" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔ فراز نے ہاتھ میں پکڑا کافی کا مگ سائڈ ٹیبل پہ رکھا اور بہت نرمی سے مثال کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کی ہاتھوں کی گرمی محسوس کرتے وہ اس انداز یقین دہانی پہ ہلکا سا مسکرائی پر اس کی تسلی نہ ہوئی۔

"مجھے بھی نہیں بتائیں گے کیا؟" فراز کے سینے سے گہرا سانس خارج ہوا۔

"شمائل کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ سمجھ نہیں آرہا اسے کیسے سمجھایا جائے۔" اس نے مدھم لہجے میں کہا تو مثال کے چہرے پہ ناپسندیدگی کی جھلک ابھری۔ وہ اس کا نام بھی سننا نہیں چاہتی تھی۔

"وہ میرا دوست ہے مثال، بڑا گہرا تعلق رہا ہے، ہم دونوں کا اور میں چاہ کر بھی اس سے نفرت نہیں کر سکتا۔" مثال نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"میں مانتا ہوں اس کے جنون اور جذباتی پن کی وجہ سے تمہیں بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ اس نے تمہیں مجھ سے دور کرنے کی جو بھی کوشش کی وہ سب بھولنا میرے لیے بھی آسان نہیں۔ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو مجھ پر کیا گزرتی تم تو شاید اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتی۔" اس کے کھلے بالوں سے اڑتی لٹ اس کے چہرے کو مسلسل پریشان کر رہی تھی۔ فراز نے انگلی سے اسے کان کے پیچھے ٹکایا۔

"میں ایک آخری کوشش کرنا چاہتا ہوں۔ صرف اپنے یا اس کے لیے نہیں، بلکہ اس کی بیوی کے لیے بھی جو ہر روز اس کی واپسی کی راہ تکتی ہوگی۔ پتا نہیں ہر رات کتنے ارمانوں کا گلہ گھونٹتی ہوگی۔ ذرا سوچو ایک بیوی کے لیے اپنے شوہر سے دست بردار ہونے کی سوچ اور اس کا اس کے وجود کو جھٹلا کر کسی اور کی چاہت میں جنونی ہو جانا کتنی تکلیف کا باعث ہے۔"

مثال اس کا ہر لفظ بہت غور سے سن رہی تھی اور جو کچھ اس نے کہا با آسانی سمجھ سکتی تھی۔ وہ خود کچھ دن پہلے اسی کرب سے گزری تھی۔ جتنا عرصہ وہ مثال اور فراز کے تعلق کی غلط فہمی میں مبتلا رہی اس نے خود وہ تمام وقت کانٹوں پہ گزارا تھا۔ یہاں تک کہ صبیحہ خانم کے جانے کے بعد فراز کی وارفتگی و بے تابی نے بھی ان شبہات کا مکمل ازالہ نہ کیا تھا۔

"تو پھر آپ کیا کریں گے۔ کوئی حل سوچا ہے۔"

اسے شمائل سے کوئی ہمدردی نہیں تھی پر وہ فراز کو پریشان نہیں دیکھ سکتی تھی۔ رشتوں کے نام پر اس کے پاس بس فراز کا ہی ساتھ تھا تو فراز بھی بہت تنہا تھا۔ شمائل کے لیے وہ کتنا مخلص تھا یہ بات بھی مثال اچھی طرح جانتی تھی۔ اس کی آمد سے پہلے شمائل اس کی زندگی میں ہر رشتے کا متبادل تھا اور ایسا تو وہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ فراز سے اس کا عزیز ترین دوست جدا کر دے پر حالات ایسے تھے کہ وہ شمائل کا وجود اپنے

نزدیک برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ فراز لب بھینچے پر سوچ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

سفید گاڑی حویلی کے چوبی دروازے پہ آکر رکی تو چوکیدار نے مودب انداز میں دروازہ کھولا۔ گاڑی دھیمی رفتار میں ڈرائیو وے پر رینگنے لگی۔ پر سوچ نظروں سے اس نے حویلی کے صدر دروازے کی طرف دیکھا جس کے پار سب اس کے منتظر تھے۔ اسے کل رات اپنی اور فراز کی ملاقات یاد آئی۔ وہ اس سے ملنے آیا تھا۔ اس دن کے بعد فراز کو اپنے گھر دیکھ کر شمائل حیران رہ گیا تھا۔

"کیا اب بھی کچھ مزید کہنے کو باقی ہے فراز۔" وہ زخمی لہجے میں بولا تھا۔ اس دن کے تلخ انکشافات کے بعد اب وہ مزید ہمت کہاں سے لاتا۔ اس نے تو بس محبت کی تھی۔ جنون کی حد تک محبت اور اسے نبھانے کا قرینہ بھی نہ آتا تھا۔

"دشمنوں کی طرح تو بہت باتیں کہہ ڈالیں پر دوست سے تو ابھی بہت کچھ کہنا ہے۔" اس کا انداز وہی تھا۔ اپنی بات منوانے والا۔ حق جتاتا ہوا اور اپنائیت رکھتا ہوا۔

"مگر اب دوستی باقی ہی کہاں ہے۔" اس کے لہجے میں تاسف تھا۔

"تمہاری طرف سے بھلے نہ ہو لیکن میں نے تو اب بھی بچار رکھی ہے۔" شمائل نے حیرت سے دیکھا۔ فراز کا مسکراتا چہرہ اسے کنفیوز کر رہا تھا۔

"گھر واپس چلے جاؤ خان، صرف اپنی محبت پالینا ہی سب کچھ نہیں، خود سے محبت کرنے والوں کی خوشیوں کا خیال رکھنا سب سے ضروری ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"تم دونوں کے راستے سے ہٹ تو گیا ہوں اب اور کیا چاہتے ہو، اس شہر کو بھی چھوڑ دوں؟" شمائل نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں پلوشہ کی بات کر رہا ہوں شمائل۔ وہ بہت محبت کرتی ہے تم سے یار، اپنی جذباتیت میں اسے بہت بڑی سزا دے کر آئے ہو تم۔ اس کا صبر مت آزماؤ اور گھر واپس لوٹ جاؤ۔" فراز نے اس کا ہاتھ تھام کر سمجھایا۔ یہاں آنے سے پہلے وہ صبیحہ خانم سے تفصیلی گفتگو کر کے آیا تھا اس وعدے کے ساتھ کہ وہ شمائل کو سمجھا بجھا کر گھر بھیج دے گا۔

"تم تو دوست تھے نا میرے فراز تم سے اس سنگدلی کی امید نہیں تھی۔" وہ ہارے ہوئے انداز میں بولا۔

"دوست تھا نہیں اب بھی دوست ہوں اور اسی لیے چاہتا ہوں یہاں تنہا رہ کر کڑھنے اور اپنا نقصان کرنے کے بجائے اپنوں میں چلے جاؤ۔ محبت کرنے والوں کو آزمانا اچھی بات نہیں ہوتی شمائل۔ ان رشتوں کی قدر کرنی چاہیے۔ تم تو خوش نصیب ہو کہ تمہارے پاس ہر رشتہ موجود ہے اور وہ آج بھی تمہاری واپسی کے منتظر ہیں۔" شمائل نے ایک گہرا سانس لیا۔ فراز کچھ دیر اسے سمجھاتا رہا اور پھر چلا گیا۔ کل رات تک شمائل نے کوئی بھی فیصلہ نہیں کیا تھا پر فراز کی باتوں نے اس پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ صبح ہوتے ہی اس کا رخ گاؤں کی طرف تھا۔ دھیمے قدموں سے چلتا وہ حویلی میں داخل ہوا۔ اسے وہاں دیکھ کر ہر چہرہ گلزار تھا۔ ہر طرف شور مچ گیا۔

شمائل کی آمد کی اطلاع پلوشہ اور صبیحہ تک پہنچی۔ صبیحہ تو بیٹے کی آمد کی خبر سن کر دوڑی چلی آئیں پر پلوشہ میں اس کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہ تھا۔ وہ اس کی حقارت کو فراموش نہیں کر پائی تھی۔ گزرے ہوئے دنوں میں اس نے اپنی ہر سانس کے ساتھ شمائل خان کی واپسی کی دعا مانگی تھی لیکن وہ اس کی نفرت کا سوچ کر بے تاب ہو جاتی تھی۔ وہ واپس آگیا تھا، اس کی دعا قبول ہوگئی تھی، وہ بس اس کی ایک جھلک دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کی دید سے اپنے سوکھے وجود کو سیراب کرنا چاہتی تھی لیکن اسے دیکھ کر جانے اس کا کیا ردعمل ہوگا یہ سوچ کر وہ اس کے سامنے نہیں گئی تھی۔ شیشے کے پار لان میں بہار کا منظر تھا۔ پورا باغ گل و گلزار تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے دل تھامے اس منظر کو دیکھ کر اپنے اندر اٹھتی سوچوں سے دھیان ہٹانے کی کوشش کر رہی تھی جب کمرے کا دروازہ کھلا، اندر آنے والے وجود

کے قدموں کی چاپ سے اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی اور پھر قدموں کی آواز اس کے بالکل پاس آ کر رک گئی۔ پلوشہ نے سینے پر گرتی چادر کو دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے تھام لیا۔

"پلوشہ۔" اس نے گمبھیر لہجے میں پکارا۔ اس کے لبوں سے اپنا نام سن کر پلوشہ کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا۔ وہ بالکل اس کے پاس کھڑا تھا اتنا کہ پلوشہ کو اس کی سانس کی آواز بھی واضح سنائی دے رہی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھنا چاہا لیکن اس کی آنکھوں میں دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

"جی خان۔" بنا پلٹے وہ تیز سانسوں کے ساتھ بس اتنا ہی کہہ پائی۔

"میری وجہ سے جہاں اور بہت سے لوگوں کو دکھ پہنچے ہیں ان میں ایک تم بھی ہو۔ جانتے بوجھتے یا ان جانے میں تمہارے دکھ کی وجہ بھی بن گیا۔ اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔" وہ بے قرار ہو کر پلٹی۔ شمائل خان کے چہرہ پہ تھکن اور آنکھوں میں اداسی کے سائے لہرا رہے تھے۔ اس شخص سے محبت کرنے میں اس نے اپنی پوری زندگی گزار دی تھی۔ وہ اس کی دن رات کی دعاؤں کا ثمر تھا۔ اس نادیدہ لڑکی سے اسے شدید نفرت تھی جس نے اس کے محبوب کو اس سے چھیننا چاہا تھا اور آج اس کی دعا قبول ہو گئی تھی۔ وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس ہارے ہوئے شمائل خان کو دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

"کیوں گناہ گار کرتے ہیں خان، آپ سے تو کوئی شکوہ نہیں۔" وہ تو اس مغرور اور خود پسند شمائل خان کی دیوانی تھی جو اس کی بے تحاشا محبت سے بے نیاز تھا۔ پر آج یہ شخص جو اس کے سامنے کھڑا اس سے معافی کا طالب تھا وہ شکست خوردہ ٹوٹا ہوا شمائل اسے تل تل مار رہا تھا۔

"گناہ گار تو میں ہوں پلوشہ، اپنے جنون میں بہت سارے گناہ کر بیٹھا ہوں۔ ماں باپ، دوست، بیوی سب ہی کا دل دکھایا ہے میں نے۔ ہر رشتے کی حرمت کو پامال کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتنی محبتوں کو نفرتوں میں بدل لیا ہے۔" وہ بکھرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"آپ سے کوئی نفرت نہیں کرتا خان، ہم سب آپ سے محبت کرتے ہیں، کرتے تھے اور کرتے رہیں گے۔ کچھ بھی نہیں بدلا۔" شمائل نے اس کے حسین چہرے کی طرف دیکھا جو فرط جذبات سے روشن تھا۔ ان آنکھوں میں دیکھا جہاں امید کے دیے روشن تھے۔

"پر مجھے تو محبت کا سلیقہ ہی نہیں آتا پلوشہ، اپنے جنون میں پہلے ہی کسی کی محبت کو جلا کر بھسم کر چکا ہوں۔ اب تو فقط پچھتاوے ہیں جو دن رات میرے اندر سلگ رہے ہیں۔ تمہیں مجھ سے کیا ملے گا؟" اس کی بات کے جواب میں پلوشہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"وفا تو ملے گی نا خان؟"

"جب سے ہوش سنبھالا ہے اپنے نام کے ساتھ بس آپ کے نام کی باز گشت سنی ہے اور آپ کے احساس سے محبت کی ہے۔ آپ کا ساتھ تو ہفت اقلیم ہے۔ ایک بار خود کو مجھے سونپ کر تو دیکھیں، میری محبت اس آگ میں پھول کھلا دے گی۔ میں اس امید کے سہارے آپ کے ساتھ زندگی گزار لوں گی کہ ایک دن یہ وفا محبت میں بدل جائے گی۔" شمائل خان نے اپنے دونوں ہاتھ میں اس چاند چہرے کو تھاما۔ وہ ہولے سے مسکرائی تو بہار کے سب رنگ اس مسکراہٹ میں عیاں تھے۔

کبھی کبھی محبت کی راہ میں انسان اتنا آگے نکل جاتا ہے جہاں وہ جذبہ نہیں جنون بن جاتی ہے۔ لاحاصل کو حاصل کرنے کی چاہ میں اپنا مان کھو دینا محبت نہیں ہوتی لیکن جب تک یہ راز کھلتا ہے ہم بہت سے لوگوں کی رسوائی اور درد کا موجب بن چکے ہوتے ہیں لیکن اگر وقت پر واپسی ہو جائے اور سچی محبت کی ڈور کو تھام لیا جائے تو یہ پچھتاوے، امید کی روشن کرنوں میں بدل جاتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ احساس زیاں بڑھ جائے شمائل خان نے بھی پلوشہ کی محبت کی اس ڈور کو تھام لیا تھا۔

☆ ☆

تنزیلہ ریاض

مہر کو کہانیاں سننے کا بے حد شوق ہے اسکول کے فینسی ڈریس شو میں وہ شہزادی راپنزل کا کردار ادا کر رہی ہے' اس لیے اس نے اپنے پاپا سے خاص طور پر شہزادی راپنزل کی کہانی سنانے کی فرمائش کی۔ کہانی سناتے ہوئے اسے کوئی یاد آجاتا ہے' جسے وہ راپنزل کہا کرتا تھا۔

نینا اپنے باپ سے ناراضی کی وجہ سے اپنے خرچ مختلف ٹیوشن پڑھا کر پورے کرتی ہے۔ اس کی بہن زری ٹیلی فون پر کسی لڑکے سے باتیں کرتی ہے۔ نینا کی سلیم سے بہت دوستی ہے۔ سلیم کی محلے میں چھوٹی سی دکان تھی۔ ایک ایکسیڈنٹ کی وجہ سے وہ ایک ٹانگ سے معذور ہو جاتا ہے۔ سلیم نے پرائیویٹ انٹر کیا ہے اور اس کی غزل احمد علی کے نام سے ایک ادبی جریدے میں شائع ہوتی ہے۔

سمیع اور شہرین نے ضد کر کے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف جا کر شادی کی ہے' لیکن شہرین اپنے والدین کی ناراضی کی وجہ سے ڈپریشن کا شکار ہو جاتی ہے۔ سمیع اور شہرین دونوں اپنی بیٹی ایمن کی طرف سے بہت لاپروا ہیں اور انہوں نے گھر کی دیکھ بھال کے لیے دور کی رشتہ دار اماں رضیہ کو بلا لیا ہے۔

صوفیہ کا تعلق ایک متوسط گھر سے تھا' صوفیہ کی شادی کاشف نثار سے ہوتی ہے' جو وجاہت کا اعلا شاہکار بھی تھا۔ شادی کے بعد صوفیہ کو' کاشف کا غیر عورتوں سے بے تکلفی سے ملنا پسند نہیں آتا اور وہ شک کا اظہار کرتی ہے' لیکن کاشف کاروبار کا تقاضا ہے کہہ کر اس کو مطمئن کر دیتا ہے۔ صوفیہ کو کاشف کے دوست مجید کی بیوی حبیبہ بہت بری لگتی ہے کیونکہ

وہ کاشف سے بہت بے تکلف ہے۔ صوفیہ کی ایک بیٹی پیدا ہوتی ہے۔ زرمین۔
حبیبہ کے شوہر مجید کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو جاتا ہے وہ اپنا سارا پیسا کاشف کے کاروبار میں انویسٹ کر دیتی ہے۔ حبیبہ کاشف پر شادی کے لیے دباؤ ڈالتی ہے کاشف کے انکار پر ان کا جھگڑا ہو جاتا ہے اور وہ دبئی چلی جاتی ہے۔
کاشف کے تعلقات ایک ناکام اداکارہ رخشی سے بڑھنے لگتے ہیں اور وہ کاشف کو فلم بنانے کے لیے آمادہ کر لیتی ہے اور اس چکر میں کاشف اپنا سارا پیسا لٹا دیتا ہے۔ صوفیہ ایک مردہ بچے کو جنم دیتی ہے۔ کاشف کی ماں بی بی جان کا انتقال ہو جاتا ہے۔
سلیم کی بہن رخشی کا انتقال ہو جاتا ہے اور نینا اس کی بیٹی مہر کے لیے پریشان ہوتی ہے۔ نینا کی اسٹوڈنٹ رانیہ اسے بتاتی ہے کہ ایک لڑکا اسے فیس بک اور واٹس ایپ پر تنگ کر رہا ہے۔ "آئی لو یو راپنزل" لکھ کر۔
شہران کو برین ٹیومر ہو جاتا ہے اور سمیع اس کا آپریشن کرواتا ہے اور اس کی ماں کو منا کر اسپتال لے آتا ہے۔
زری کسی لڑکے سے بات کرتی تھی وہ شادی کے لیے کہتا ہے زری نینا سے ذکر کرتی ہے۔ نینا اس کی تصویر دیکھ کر چونک جاتی ہے بعد میں اس کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی لڑکا ہے جو رانیہ کو میسج کرتا تھا وہ زری کو منع کرتی ہے اور سلیم کے کہنے پر زری کو سمجھانے کے لیے رات کو سلیم کو گھر بلاتی ہے۔ زری اس پر سلیم سے محبت کرنے کا الزام لگاتی ہے۔ شور ہونے پر ابا جاگ جاتے ہیں اور سلیم کو تھپڑ مارتے ہیں۔ سلیم صدمے اور شرمندگی کی وجہ سے خودکشی کر لیتا ہے۔

اٹھارہویں قسط

صبح بے حد بوجھل تھی۔ وہ رات بھر سو نہیں سکی تھی اور جب صبح کے قریب آنکھ لگی تو کمرے کے باقی نفوس جاگ کر اپنے مالکانہ حقوق کا احساس دلانے کے لیے آموجود ہوئے۔ وہ صوفے پر لیٹی لحاف میں منہ لپیٹے بے زاری سے لیٹی رہی اور پھر جب تیار ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچی تو بھی موڈ خراب ہو گیا تھا۔
"یہ مینگو جوس ہے۔ تمہیں پسند ہے نا؟" اس کی سماعتوں میں زہر سا گھل گیا تھا۔ سمیع نے اس سے تو کبھی اتنی محبت سے ایسے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ چپ چاپ اپنی چائے کے سپ بھرنے میں مگن رہی جیسے اس نے کچھ سنا ہی نا ہو۔ سمیع نے محبت اور لاڈ بھرے انداز میں گلاس میں جوس انڈیلنا شروع کیا تھا۔
"مجھے مینگو جوس نہیں چاہیے۔۔۔ مجھے اورنج جوس پسند ہے۔" اس کے سامنے بیٹھی وہ کسی پانچ سالہ بچی کی طرح منہ لٹکا کر کہہ رہی تھی۔ وہ پھر چڑ گئی۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔ وہاں طنزیہ مسکراہٹ چمکنے لگی تھی۔
"ارے میری جان۔۔۔ میں اورنج جوس بنوا دیتا ہوں۔۔۔" سمیع نے اسے پچکارا۔
"بات سنیں۔۔۔ آپ ذرا اماں رضیہ سے کہیں فریش اورنج جوس نکال کر دیں۔" اس کے بعد وہیں بیٹھے آرڈر اسے دیا گیا تھا۔ اس کا دل جل کر خاک ہو گیا۔
"آپ خود کہہ دیں۔۔۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" اس نے سپاٹ چہرے کے ساتھ کہا تھا۔ سمیع نے اس کی جانب دیکھا بھی نہیں تھا کیونکہ اس کی توجہ کا مرکز کوئی اور تھا۔ اس کی خاموشی سے اس کے چہرے پر خفگی بڑھنے لگی تھی۔ وہ خاموش رہ کر ہمیشہ یہ جتاتا تھا کہ اسے حکم عدولی ناپسند ہے۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا سادہ سخت سلائس پلیٹ میں پھینکنے کے سے انداز میں رکھا۔
"اماں رضیہ اماں رضیہ۔۔۔ اورنج جوس بنا دیں ذرا۔" اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے آواز لگائی تھی۔
"کھٹا نہیں چاہیے۔۔۔ مجھے میٹھا جوس چاہیے۔" ایک اور آواز بھی ابھری تھی جس نے اس کو مزید اکتاہٹ میں مبتلا کیا تھا۔

''ہاں رضیہ زہر ڈال دیجئے گا ایک چمچ۔'' اس نے کڑھ کر سوچا تھا۔ سمیع نے اس کی جانب دیکھا تک نہیں تھا حالانکہ وہ اپنے تئیں آج دیکھنے کے قابل لگ رہی تھی' مگر سمیع نے نظر تک نا ڈالی تھی اس پر اور جانے کیوں دل چاہنے لگا تھا کہ وہ اسے ایک بار سہی مگر نظر بھر کر تو دیکھتا۔۔۔۔۔ محبت کہاں کہاں' کسی کس مقام پر انسان کو خوار کرتی ہے۔

''اسکول سے میں امی کی طرف چلی جاؤں گی۔۔۔۔ کل ایمن کی چھٹی ہے۔۔۔۔ میں امی کی طرف رہوں گی۔'' اس نے لہجے میں حتی الامکان لاتعلقی سمو کر کہا تھا۔ سمیع نے ایک نظر اس کی جانب دیکھا اور پھر دوبارہ سے گلاس' اور جوس میں مگن ہو گیا یعنی اسے کوئی پروا نہیں تھی کہ وہ کہیں بھی جائے۔

''بس آج سارا دن اس بندے کی توجہ اورنج اور مینگو جوس سے آگے نہیں جانے کی۔۔۔۔'' اس نے جل کر دل ہی دل میں خود سے کہا تھا اور پھر وہ کرسی گھسیٹ کر اٹھ گئی تھی' لیکن پھر بھی اسے موہوم سی امید تھی کہ وہ اسے روک کر کہے گا کہ امی کے گھر جا رہی ہو لیکن رات مت رکنا' جلدی واپس آجانا مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ اس کی توجہ وہیں مبذول رہی تھی جہاں تھی۔

''میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔۔۔۔ میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔۔۔۔ مجھے بھی ساتھ لے کر جاؤ۔۔۔۔'' وہ ٹیبل سے ہٹ ہی رہی تھی جب اسے پکار کر کہا گیا۔ اس کے سب حواس الرٹ ہو گئے تھے۔

''نہیں۔۔۔۔ میں تو اسکول جا رہی ہوں۔۔۔۔ میں آپ کو کیسے لے جا سکتی ہوں۔'' اس نے صاف ہی انکار کر دیا تھا۔

''نہیں۔۔۔۔ مجھے بھی ساتھ جانا ہے۔ جب آپ گھر نہیں ہوتیں تو میں آپ کو بہت مس کرتی ہوں۔۔۔۔ میں بھی ساتھ جاؤں گی۔۔۔۔ ساتھ جاؤں گی میں۔'' اس نے پہلے ضدی لہجے میں اور پھر جتا کر کہا تھا۔ اس نے اسے گھور کر دیکھا پھر ناک چڑھا کر بولی۔

''وہ نہیں۔۔۔۔ آپ گھر رہیں گی۔۔۔۔ آپ بہت تنگ کرتی ہیں مجھے۔۔۔۔ آپ کی وجہ سے انسلٹ ہوتی ہے میری اور۔۔۔۔'' اس کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ سمیع نے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔ گزشتہ ایک گھنٹے میں یہ پہلی' ہوا تھا کہ سمیع نے اس کی جانب نظر ڈالی تھی اور پھر بھی اس میں اپنائیت نہیں تھی۔

''یہ مجھے ڈانٹ رہی ہیں۔'' اس کی شکایت بھی ساتھ ہی درج ہو گئی تھی۔

''سمیع کی چیتی نا ہو تو۔۔۔۔ میں ڈانٹ تو نہیں رہی۔۔۔۔ میں تو سچ ہی بول رہی ہوں۔''

''سب کو پتا ہے کونین کہ آپ سچ بول رہی ہیں لیکن بولنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ آپ کس کے ساتھ بول رہی ہیں۔۔۔۔ ایک معصوم انسان کے ساتھ بات کرنے کا یہ کوئی درست طریقہ نہیں ہے۔'' سمیع کا لہجہ انتہائی سرد تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی۔

اس کے دل میں خفگی بڑھ گئی تھی مگر اس نے خاموش رہنا بہتر سمجھا تھا جو اس کی عادت کے برخلاف تھا۔ ایک سال میں اس نے اپنی اس عادت پر قابو پا ہی لیا تھا۔ اب وہ برملا جو منہ میں آئے کہہ دینے کی عادی نا رہی تھی۔ سمیع کی رفاقت میں گزرنے والا ایک سال اسے اس حد تک بدل دے گا' یہ تو سوچا تک نا تھا اس کی زندگی ویسی تو رہی نا تھی جیسے ہوا کرتی تھی۔۔۔۔ وہ یہاں تک کتنے لوگوں کو ناراض کر کے پہنچی تھی' کتنے دل توڑے تھے' کتنی ناراضیاں مول لی تھیں۔۔۔۔ یہی وجہ تھی کہ اب جبکہ سب کچھ بدل گیا تھا لیکن ایک بات ابھی بھی ویسی ہی تھی۔۔۔۔ کونین کاشف نثار پہلے اپنی زندگی سے ناخوش تھی اور اب بے حد ناخوش۔۔۔۔

☆ ☆ ☆

''ایسے تو ایسے ہی سہی۔۔۔۔ جس کا جو دل چاہے کرے۔۔۔۔ لیکن اب میں بھی وہی کروں گی جو میرا دل چاہے گا۔''

اس نے سیل فون ایک سمت میں رکھ کر کڑھتے ہوئے بڑبڑا کر خود سے کہا تھا۔ امی اور ابا کے کمرے سے نکل جانے کے بعد زری بھی ان کے پیچھے چل دی تھی۔ امی کے بڑبڑانے کی آوازیں وقفے وقفے سے اس کی سماعتوں کو بے چین کر رہی تھیں۔ اسے غصہ تو آ ہی رہا تھا ساتھ ساتھ ہی آنکھوں سے آنسو بھی بہہ رہے تھے۔ سر میں درد کے ساتھ دھمک بھی ہونے لگی تھی۔ اسے لگ رہا تھا اس کا بلڈ پریشر ایک دم آسمان کو چھونے لگا ہے۔ دوسری جانب امی بھی مسلسل اسے کوسنے میں مگن تھیں۔

"اسی دن کے لیے بڑا کیا تھا اسے...... بس اب تو پڑھ لکھ گئی ہے ہمیں جوتے مارنے کے لیے...... یہی سکھایا ہے تعلیم نے......" امی کے چھوٹے چھوٹے بے ترتیب جملے اس کے دل میں دبے اشتعال کو بڑھا رہے تھے۔

"مت کرتے بڑا...... میں نے درخواست دی تھی کیا کہ مجھے پیدا کرو...... دنیا میں لاؤ۔" وہ چپ نہیں رہ سکتی تھی بالخصوص امی کے طعنے تو اس کے لیے پیٹرول کا کام کرتے تھے۔ وہ آگ کی طرح بھڑکنے لگتی تھی۔ یہ اب سے نہیں ہو رہا تھا، بچپن سے ہی ایسا تھا۔ امی بھی اس کے موقف کو نہیں سمجھتی تھیں، کبھی اس کی بات کا یقین نہیں کرتی تھیں اور کبھی اس کی حمایت بھی نہیں کی تھی۔ وہ اپنے گھر والوں کے درمیان میں بھی تنہا تھی، اکیلی تھی۔ اس نے بستر پر گر کر لحاف سر تک چڑھا لیا تھا لیکن امی کی آوازیں بخوبی سماعتوں تک پہنچ رہی تھیں۔

"یہ ہونہار اولاد ہے میری جسے بات کرنے کا سلیقہ بھی نہیں ہے...... ارے الفاظ منہ سے نکالنے سے پہلے سوچ لیتا ہے انسان کہ آپ کے الفاظ کسی کے لیے کتنے بھاری ہو سکتے ہیں...... یہ تو بس جو منہ میں آئے گا بول دیں گی۔ یہ سوچے سمجھے بنا کہ باپ بوڑھا ہو چکا ہے اور دل کا مریض بھی ہے...... ارے باپ کو کچھ ہو گیا تو کون آئے گا سہارا دینے...... کوئی نہیں...... نوچ کھائے گی دنیا...... یہی سوچ کر احساس کرلیتی ہے اولاد ماں باپ کا لیکن میں تو ایسی بد قسمت ہوں کہ اولاد ہی بوٹیاں نوچتی رہتی ہے میری...... یہی دیکھنے سننے کے لیے پالا پوسا تھا ہم نے......" امی کی آواز مسلسل آ رہی تھی۔

"مجھے زہر دے دیں امی...... سارے مسئلوں کی جڑ میں ہی تو ہوں...... آپ کی بوٹیاں اور ابا کا دل میں نے ہی تو نوچ رکھا ہے...... گلا دبا کر مار دیں مجھے اور سکھ کا سانس لیں...... نا رہے گا بانس نا بجے گی بانسری......" وہ بھی کمرے میں بیڈ پر آڑی ترچھی لیٹی چلا کر بول رہی تھی۔

"نمنا...... کتنی سیلفش ہو تم...... تمہیں ذرا احساس نہیں ہے نا کہ تم اپنے ہی ماں باپ کا کتنا دل دکھاتی ہو...... کتنا ہرٹ کرتی ہو انہیں......" زری کی آواز بالکل قریب سے آئی تھی۔ نمنا نے لحاف سر سے نیچے کر کے اسے دیکھا تھا۔

"تمہاری کسر رہ گئی تھی...... تم بھی حسرتیں نکال لو دل کی...... مجھے برا بھلا کہہ کر تمہارے امی ابو کو جو سکون ملتا ہے تم کہیں اس سے محروم نا رہ جاؤ...... شروع ہو جاؤ شاباش۔" وہ غرا کر بولی اور دوبارہ لحاف منہ تک چڑھا لیا۔

"مجھے تمہارے منہ لگنے کا کوئی شوق نہیں ہے...... تم لاعلاج ہو چکی ہو نمنا...... جس پر ماں باپ کی محبت کا اثر نا کرے، اس پر بہن کی محبت خاک اثر کرے گی۔" زری نے بھی دوبدو جواب دیا تھا۔ یہ سارا معاملہ چونکہ اس کی وجہ سے شروع ہوا تھا اس لیے اسے ہتک بھی زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔

"یہی مسئلہ ہے نا کہ تم میرے ساتھ نہیں جانا چاہتیں...... اور نہیں جانا میرے ساتھ مت جاؤ...... امی سے کہہ دیا ہے میں نے کہ کوئی ضرورت نہیں نمنا کی منتیں کرنے کی...... میں چلی جاؤں گی اظفر کے ساتھ اکیلی...... لیکن تم اب اس خوش فہمی سے نکل آؤ کہ تمہارے بغیر اس گھر کے معاملات بخوبی نبٹائے نہیں جا سکتے۔" وہ سکون سے اطلاع دے کر اپنے بستر پر بیٹھ گئی تھی۔

"میری طرف سے تم جہنم میں جاؤ...... تم بھی اور تمہارا اظفر بھی...... میری جوتی کو بھی پروا نہیں۔" نمنا نے اتنا

ہی کہا تھا کہ زری نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اب کی ہے نا اصل بات... یہیں سے تمہاری جلن سمجھ میں آجاتی ہے نینا... تمہیں غصہ دراصل اس بات کا ہے کہ اظفر مجھے شاپنگ کروانے کیوں لے جا رہا ہے... اور میرا اتنی اچھی جگہ رشتہ کیوں ہو گیا... جبکہ تم نے ہر ممکن کوشش کی کہ ایسا نا ہو سکے... بلکہ تم ابھی بھی یہی کر رہی ہو... ہر وہ کام جو میرے اور اظفر کے رشتے میں رکاوٹیں پیدا کرے کیونکہ اصل میں تم اس بات سے جلتی ہو کہ اظفر مجھ سے محبت کرتا ہے... بلکہ تمہیں تو اس بات سے بھی جلن ہوتی ہے کہ امی ابا مجھ سے تمہاری نسبت زیادہ پیار کرتے ہیں... تم بہت خود غرض ہو نینا... بے حد خود غرض... لیکن ایک بات یاد رکھنا... محبتیں کمائی جاتی ہیں... چھینی نہیں جاتیں... تمہیں اسی لیے آج تک کسی سے محبت نہیں ملی کہ تمہارے دل میں خود غرضی کا کھوٹ ہے... کوئی تم سے محبت کرے بھی تو کیسے۔" زری چبا چبا کر بول رہی تھی۔ نینا نے ساری بات کو تحمل سے سنا اور وہ جواب دینا بھی چاہتی تھی لیکن اس کو بے تحاشا رونا آنے لگا تھا۔ امی ابا کے بعد اب زری بھی اس سے جھگڑنے لگی تھی جو کہ پہلے نہیں ہوا تھا۔ زری کو اظفر کی محبت کیا ملی تھی وہ بدل گئی تھی۔

"لعنت ایسی محبت پر..." نینا گیلی آنکھوں کو پونچھتے ہوئے بے آواز کڑھ رہی تھی۔ ابا کے طعنے ہی کم نہیں تھے کہ اب زری بھی میدان میں اتر آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ بس اسٹاپ پہنچ کر اپنی مخصوص بینچ پر بیٹھ گئی تھی۔ اسے اپنی نئی ٹیوشن پر پہنچنا تھا۔ رات گھر میں جو کچھ بھی ہوا تھا اس سے موڈ کافی بگڑا ہوا تھا لیکن زیادہ افسوس اسے اس بات پر ہوا جب اس نے زری کو صبح کو صبح ہی صبح اپنے کپڑے اور میچنگ جیولری منتخب کرتے دیکھا۔ وہ یقیناً "اس سارے قصے میں سب سے زیادہ خوش تھی کیونکہ اس ساری گرما گرمی کا فائدہ بھی اسی کو ہوا تھا۔ نینا اگر اس کے ساتھ نہیں جانا چاہتی تھی تو وہ بھی تو اکیلے جانے میں ہی خوش تھی۔ اسی لیے صبح ہی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ بالوں میں انڈا اور مہندی لگا کر ایسے بیٹھ گئی تھی جیسے شاپنگ کے لیے نہیں کسی منگنی یا شادی کی تقریب میں جانے کا ارادہ ہو۔ نینا کو سب سے زیادہ دکھ بھی اسی کے رویے سے ہوا تھا اور کہیں نا کہیں وہ شرمندہ بھی ہو رہی تھی۔ امی نے ساتھ چلنے کو ہی تو کہا تھا۔

"کیا بگڑ جاتا میرا اگر گھنٹہ دو گھنٹہ... اس کے ساتھ چلی جاتی۔" اب بس اسٹاپ پر بیٹھے اس کا دل اس کو ملامت کرنے لگا تھا۔

"اچھا... خوامخواہ چلی جاتی... میں کیوں جاؤں کسی ایرے غیرے کے ساتھ... زری کا منگیتر ہے... میرا تو نہیں... میں نے کیوں جاؤں... اور میں نے کچھ غلط بھی نہیں کہا تھا... امی کو نہیں پسند یہ سب باتیں... تو امی زری کو اجازت نا دیں... میں تو بس یہی ایک مناسب سا مشورہ دیا تھا۔" ملامت کا سلسلہ زیادہ دراز نہیں تھا۔ ایک لمحے پچھتانے کے بعد وہ پھر سے خود کو ہی حق بجانب قرار دینے لگی تھی۔ "اچھا... پھر بھی مجھے امی کو آرام سے کہہ دینا چاہیے تھا کہ میں ساتھ نہیں جا سکتی... وہ اظفر تو مجھے ویسے بھی قابل بھروسا نہیں لگتا... اتنا بھڑکنے کیوں لگتیں ہوں میں" "لعنت ملامت کی دوسری قسط بھی فوراً" شروع ہو گئی تھی۔

"میرا کوئی قصور نہیں ہے... مجھے ابا کی باتیں غصہ دلا دیتی ہیں... وہ اگر درمیان میں نا بولتے تو سب کچھ ٹھیک ہو سکتا تھا... میں طعنے شعنے دینے کے بعد چلی ہی جاتی زری کے ساتھ۔ بس اتنا تھا کہ وہ مجھے خود سے ایک دو بار اصرار کر لیتی۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے... سب قصور ابا کا ہے... وہ اگر میرے معاملات میں نا بولیں تو میں کبھی ایسے نا بھڑکوں۔" وہ خود ہی گندم، خود ہی چنا بنی بیٹھی تھی۔ پہلے خود کو الزام دیتی تھی پھر خود ہی وضاحت کرنے لگتی تھی۔ آج اچھی خوشگوار دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ صبح ہی صبح ارد گرد کافی رونق تھی۔ یہی سب باتیں سوچتے اس کا دھیان سامنے سگنل کی جانب مبذول ہو گیا تھا۔ گاڑیاں تیزی سے آنے جانے میں مگن تھیں پھر سگنل سرخ ہو گیا

تھا۔ تب ہی ایک دو گاڑیوں کے پیچھے اس نے ابا کی سوزوکی کو اشارے پر رکتے دیکھا۔ جانے ابا کی نگاہ اس پر پڑی بھی تھی یا نہیں لیکن اسے لگا انہوں نے اسے دیکھا اور پھر دیکھ کر منہ موڑ لیا۔

"اونہہ..... میں کون سا آپ سے لفٹ مانگ رہی ہوں۔" اس نے جل کر خود کلامی کی تھی اور پھر تب ہی وہ ٹھنک سی گئی۔ ابا گاڑی میں اکیلے نہیں تھے۔ اس کے ساتھ وہی سنہرے بالوں والی وزن آنٹی بھی بیٹھی تھیں اور آج بھی ان کا حلیہ دور سے دیکھنے سے بھی کسی غریب دکھیاری عورت کا نہیں لگ رہا تھا۔ ان کا سر بھی ڈھکا ہوا نہیں تھا اور چہرے پر میک اپ کے اثرات بھی صاف نظر آرہے تھے۔

وہ اور ابا، صبح ہی صبح ایک ساتھ اس کا ہوش اڑا دینے کو کافی تھا۔ اس کا بی پی ایک دم ہائی ہونے لگا۔ ابا کتنے اطمینان سے بیٹھے تھے۔ انہیں کوئی پشیمانی نہیں تھا۔ وہ کتنے دھڑلے سے ایک غیر عورت کو گاڑی میں بٹھا کر لے جارہے تھے جبکہ ان کی سگی اولاد بس اسٹاپ پر خوار ہونے کو بیٹھی تھی۔ اسے بے حد غصہ آنے لگا۔ سگنل کھل گیا تھا گاڑی آگے بڑھ گئی۔ وہ کھولتے ہوئے خون کے ساتھ وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔ ابا سے محبت تو کبھی نہیں رہی تھی ایسے لیکن اب تو اسے ان سے گھن آنے لگی تھی۔ کس قسم کے انسان تھے۔ وہ.... ان کو یہ احساس تک نا تھا کہ وہ جوان بیٹیوں کے باپ تھے۔

"آپ کو تو قیامت کا دن ہی سدھار سکتا ہے ابا..... انسانوں کے بس سے تو باہر کی چیز ہیں آپ۔" اس نے جل کر سوچا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہ ایمن ہے.... میری بیٹی۔" اس تیس بتیس سال کی عورت نے اپنا تعارف کروائے بنا اپنی بیٹی کا تعارف کروایا تھا اور نیہنا جانتی تو تھی کہ یہ رانیہ کی رشتہ دار خاتون ہیں لیکن اسے انہیں دیکھ کر دھچکا سا لگا تھا۔ وہ بہت ہی کم لوگوں کو ان کے لباس اور ظاہری حلیے کی بنیاد پر جج کرتی تھی لیکن رانیہ کی امی نے اپنی ان رشتہ دار خاتون کے متعلق بتاتے ہوئے ان کے حسن میں تعریفوں کے وہ قلابے ملائے تھے کہ نیہنا انہیں دیکھ کر بڑی حیران ہوئی۔ اس کی توقع کے مطابق تو وہ ایک بہت ہی حسین و جمیل خاتون سے ملنے والی تھی۔ جس کی خوش ذوقی و خوش لباسی اس کی آنکھیں چندھیا دیتی لیکن اس کے سامنے جو بھدا سا سراپا لیے خاتون بیٹھی تھی وہ تو کسی زاویے سے خوب صورت نہیں تھی۔ میلی میلی سی زرد رنگت اور ویسی ہی زرد زرد آنکھیں اور پھر موٹاپا..... شاید اسی لیے تن پر پہنا لباس بھی ملگجا سا دکھتا تھا۔

"رانیہ کی امی کی ڈکشنری میں۔" حسین و جمیل خاتون" لفظ کا معنی کچھ "ایسا" ہے" اس نے اس عورت کو دیکھ لینے کے بعد دل میں سوچا تھا۔

"میری وجہ سے میری بیٹی بہت اگنور ہوتی رہی ہے..... فی الوقت میرا بنیادی مسئلہ اس کا کسی اچھے اسکول میں ایڈمیشن ہے..... میں چاہتی ہوں آپ اسے اس طرح سے پڑھائیں کہ اسٹڈیز میں اس کا انٹرسٹ ڈیولپ ہو جائے کیونکہ یہ ذہین تو بہت ہے لیکن اس کی توجہ پڑھائی کی طرف ہی نہیں..... اسے بنیادی چیزیں آتی ہیں لیکن جب بھی اسکول کا ٹیسٹ یا انٹرویو ہوا ہے..... اس کی پرفارمنس بہت ہی خراب رہی ہے..... بعض اوقات تو ایسا لگتا ہے ایمن جان بوجھ کر یہ سب کر رہی ہے..... کوئی کہتا ہے یہ آٹسٹک ہے اور کوئی کہتا ہے اسے اے ڈی ایچ ڈی ٹائپ کچھ مسئلہ ہے۔" وہ نیہنا کے سامنے ایسے بات کر رہی تھی جیسے بیٹی کی پڑھائی کی بجائے اس کے رشتے کے متعلق بات کر رہی ہو۔ چہرے سے ہی پریشانی ہویدا تھی۔ نیہنا کو اس کی اتنی لمبی تمہید میں صرف یہ بات سمجھ میں آئی تھی کہ وہ سمجھ رہی تھی کہ ان کی بیٹی جان بوجھ کر پڑھتی نہیں ہے۔ اس قسم کی باتیں تو ہر وہ ماں کرتی تھی جن کی اولادوں کو وہ ٹیوشن دینے جاتی تھی۔

"میں اپنی بچی کے لیے بے حد پریشان ہوں۔" نیہنا کے سامنے بیٹھی خاتون کو نیہنا کے چہرے پر پھیلی عدم توجہی

سے کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ بس اپنے مسئلے گنوانے میں مگن تھی۔ "سب ہی اپنی اپنی بچیوں کے لیے پریشان ہیں ۔۔۔ ایک میرے امی ابا ہی پریشانی پروف ہیں" نمنا نے چڑ کر سوچا تھا۔ رات والے واقعے کے بعد سے گھر میں سب ہی اس سے ناراض تھے اور اس نے خود بھی سب کے ساتھ منہ پھلا لیا تھا۔ ابا سے تو خیر اس کی کبھی پہلے بھی نا بنی تھی' لیکن اس طرح سے دوبدو بہت عرصہ بعد بحث ہوئی تھی۔ ابا کا دیا گیا ایک طعنہ اس کے اعصاب کو اب تک جھنجھنا رہا تھا اور اب جو ابا صبح ہی صبح درزن آنٹی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھے نظر آ گئے تھے تو اس کا دل مزید جل گیا تھا۔

"میں آپ کے ٹکڑوں پر پل رہی ہوں۔۔۔ اب آپ کو اس بات پر بھی اعتراض ہے۔۔۔ جبکہ خود دوسروں کی بہن بیٹیوں کے ساتھ گھوم پھر رہے ہیں اس بات پر بھی شرم نہیں آتی آپ کو۔۔۔ اور میں خود تو چھلانگ لگا کر دنیا میں آئی نہیں تھی۔۔۔ آپ لوگ لائے تھے مجھے۔۔۔ اولاد ہوں آپ کی۔۔۔ مجھے پالنا فرض ہے آپ کا۔۔۔ لیکن کاش میں آپ کی اولاد نا ہوتی۔۔۔ یا کاش پیدا ہوتے ہی مر گئی ہوتی۔۔۔ کم از کم یہ دن تو نا دیکھنے پڑتے۔" اس نے سوچا تھا۔ دماغ کی حالت اتنی ابتر تھی کہ کسی کے گھر میں بیٹھ کر بھی اپنی سوچوں میں گم تھی اور آنکھیں تھیں کہ بھیگتی جا رہی تھیں۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ اکتاہٹ و بے زاری کے مارے ساری دنیا کو ہی آگ لگا دیتی۔

"کاش سلیم میں بھی تمہاری طرح بہادر ہوتی اور موت کو بہادری سے گلے لگا لیتی۔۔۔ میں تو خود کشی بھی نہیں کر سکتی۔۔۔ مجھے پتا ہے۔ جس روز میں نے زہر پینے کا سوچا' اس روز زہر نے بھی مٹھائی بن جانا ہے۔" اس نے جل کر سوچا تھا۔

"میں نے رانیہ کے منہ سے آپ کی تعریف سنی ہے۔۔۔ بھابی بھی بہت تعریف کرتی ہیں آپ کی۔۔۔ مجھے امید ہے۔۔۔" اسے یک دم ہی احساس ہوا تھا کہ اس کی آنکھوں میں موجود پانی گالوں پر چھلکنے ہی والا ہے۔۔۔ اس نے خود کو سنبھال کر اپنی سوچوں کو دماغ سے جھٹکنا چاہا تھا تو ساتھ ہی سماعتوں نے اس خاتون کے الفاظ کو سمجھنا شروع کیا۔ وہ بے چاری سمجھ رہی تھی کہ نمنا اس کی باتیں بہت دھیان سے سن رہی ہے۔

"ایمن کہاں ہے۔۔۔" اس نے ذرا سنبھلتے ہوئے سوال کیا تھا۔ وہ کچھ حیران ہوئی کہ ایمن تو اس کے بالکل اس کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ جواب دیتی اس کے چہرے کے تاثرات سے ہی نمنا سمجھ گئی کہ اس سے کیا غلطی ہوئی ہے۔

"میرا مطلب تھا۔۔۔ کہاں۔۔۔ ایڈمیشن کروانا ہے۔۔۔ کس اسکول میں۔۔۔ کچھ تو سوچا ہو گا نا آپ نے؟" وہ فوراً ہی بات بنا کر بولی تھی۔

"جی جی۔۔۔ ہماری پہلی ترجیح تو لاہور گرامر ہے مگر وہاں کے ایڈمیشن اب تو بند ہو چکے ہیں اور نیکسٹ ایئر وہ اسے ایل کے جی میں لیں گے بھی نہیں۔۔۔ اس لیے اس پر بہت محنت کی ضرورت ہے۔۔۔ تب ہی تو میں کسی بہت اچھی ٹیوٹر کی تلاش میں تھی۔۔۔ شکر ہے کہ آپ اسے پڑھانے کے لیے رضامند ہو گئیں۔" وہ مشکور ہوئی جا رہی تھی۔ اس مقام پر نمنا کو چاہیے تھا کہ وہ کچھ فارمل جملے بولتی۔ اسے تسلی دیتی کہ یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔۔۔ وہ اس کی بیٹی کو دو دن میں لائق فائق بنا دے گی لیکن نمنا کچھ نہیں بولی تھی بلکہ وہ ایمن کو دیکھنے لگی تھی۔ وہ دیکھنے میں گول مٹول سی صحت مند سی بچی تھی لیکن اس کی آنکھیں تھیں جو بجھی بجھی سی لگتی تھیں۔۔۔ کیوں۔

"یہاں آئیں میرے پاس۔۔۔" اس نے ایمن کو مخاطب کیا تھا لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نا تھی۔

"ایمن جاؤ۔۔۔ ٹیچر کی بات سنو۔۔۔" اس کی ماں نے پچکارا تھا۔

"شہرین۔۔۔ شہرین۔۔۔ کہاں ہو یار۔۔۔" اس سے پہلے کہ ان تینوں کے درمیان کوئی مزید بات ہوتی۔ کسی نے کسی کو پکارا تھا۔

"ایکسکیوز می۔۔۔ میرے ہزبینڈ بلا رہے ہیں۔۔۔" وہ خاتون اپنی جگہ سے اٹھی تھیں اور تب نینا نے جانا تھا کہ اس کا نام شیریں ہے۔

"یار ناشتا کرلیا کرو میرے ساتھ۔۔۔ صبح صبح تمہارا چہرہ نظر نا آئے تو سارا دن بے کار گزرتا ہے۔۔۔ اس لیے خدارا میری مصیبت کو سمجھا کرو۔۔۔ کیوں مجھ غریب کا نقصان کرواتی ہو۔" وہ جو کوئی بھی تھا' بے حد منہ پھٹ تھا۔

"ایسے تو ضرور ہی پڑھ لے گی یہ چھوٹی سی بچی جب اماں ابا اتنے لاپروا اور چھچھورے ہوں گے" نینا کو بہت برا لگا۔ یہ اس کا مسئلہ نہیں تھا لیکن اس کا مزاج ایسا تھا کہ جب خود بد دلی کا شکار ہو تو قریب سے گزرتی ہوا بھی بری لگتی تھی۔ اسے اپنے فیصلے پر پچھتاوا ہوا کہ اس نے اس ٹیوشن کی ہامی کیوں بھری اور پھر ساتھ ہی اسے یاد آیا کہ ابا نے اسے روپوں کا طعنہ دیا ہے۔ ڈگری ہاتھ میں آجانے تک وہ ایسی ٹیوشنز کی محتاج تھی۔

"یہاں آئیں۔۔۔ میرے پاس" اس نے اس بجھی بجھی آنکھوں والی بچی کو ایک بار پھر مخاطب کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"معجزہ" اس کی سیل فون کی اسکرین پر یہ نام چمکا تھا۔ وہ آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ آج کل وہ آفس لیٹ جانے لگا تھا کیونکہ اسے گھنٹہ بھر بس اسٹاپ پر کھڑے رہنے کی بری بیماری لاحق ہو گئی تھی۔ اس نے بے دھیانی سے فون جو چارجنگ کے لیے لگا رکھا تھا کی جانب دیکھا پھر وہ ٹھٹک سا گیا تھا۔ یہ نمبر نینا کا تھا اور چند دن پہلے ہی خاور نے اسے "معجزہ" کے نام سے محفوظ کیا تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ جس روز وہ اسے خود کال کرے گی یہ معجزہ ہی ہو گا۔ اس نے لپک کر فون چارجر سے علیحدہ کیا اور کمرے کے دروازے سے جھانک کر دیکھا کہ کوئی آس پاس تو نہیں پھر اس نے سوچا اسے کال ریسیو کرتے ہی کیا کہنا ہے۔

"زہے نصیب۔۔۔ ہماری یاد کیسے آگئی۔" اس نے سوچا وہ ایسے کہے گا' پھر اسے خود ہی یہ جملہ پسند نا آیا۔

"وہ تو پہلے ہی تجھے چھچھورا کہتی ہے خاور" اس نے سر جھکا کر خود کو سمجھایا تھا۔

"وہ آئیں گھر میں ہمارے' خدا کی قدرت ہے" اس نے پھر اس شعر سے بات کی ابتدا کرنے کا سوچا اور پھر منہ بنایا۔

"اس نے منہ پر ہی بے عزتی کر دینی ہے بیٹا۔۔۔ اس لیے بہتر ہے صرف "ہیلو" پر اکتفا کرو" اس نے خود کو سمجھاتے ہوئے سیل فون کان سے لگایا تھا۔

"اس بات پر زیادہ حیران تو نہیں ہو رہے نا کہ صبح ہی صبح میں نے کیسے کال کر لی؟" دوسری جانب وہ ہیلو کہے بنا ہی بولی تھی۔ مسکراہٹ خاور کے چہرے پر پھیلی۔

"نا صرف حیران ہو گیا ہوں بلکہ اس امر کو معجزہ بھی قرار دے رہا ہوں کہ آج قسمت کیسے کھل گئی میری" وہ کہے بنا رہ نا پایا تھا۔

"میں آپ کو بتانا چاہ رہی تھی کہ آج وقت ضائع کرنے بس اسٹاپ پر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ میں آپ کو وہاں نہیں ملوں گی" وہ بہت ہی سنجیدہ سے لہجے میں بولی تھی جبکہ خاور نے قہقہہ لگایا۔

"یعنی آپ کو یقین آگیا کہ میں آپ کی خاطر بس اسٹاپ پر جاتا ہوں۔"

"آثار تو یہی کہتے ہیں۔۔۔ اسی لیے سوچا کہ آپ کو انفارم کر دوں آج سیدھا آفس چلے جایئے۔۔۔ کبھی کبھی آفس کی ذمہ داریاں بھی پوری کر لیا کریں۔" نینا کی آواز میں سادگی سی تھی۔ خاور کو پھر بھی اچھا لگا۔

"مہربانی آپ کی بڑا وقت بچایا آپ نے میرا' لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آج آپ گھر پر کیوں ہیں طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" وہ شرارتی سے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"خاور صاحب یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ "وجہ" طبیعت کی خرابی کی بجائے دماغ کا خلل ہو۔" وہ استفسار کر رہی تھی۔

"یعنی میں فرض کرلوں کہ آپ کے گھر ہونے کی وجہ "عشق" ہے"خاور نے دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے سابقہ لہجے میں کہا تھا جب وہ اتنی بے تکلف ہو رہی تھی، تو وہ کیوں نا شوخی پر اترتا۔ ایک لمحے کے لیے وہ کچھ نہیں بولی پھر بولی تو خاور کو اچھا نا لگا۔

"آپ کی اماں نے بہت آزادی نہیں دے دی آپ کو۔۔۔ ورنہ ان کے سامنے تو آواز نہیں نکلتی آپ کی۔" وہ طعنہ دے رہی تھی۔ خاور ذرا چپ ہوا۔

"اب ایسی بات بھی نہیں ہے۔ اماں ذرا زبان کی تیز ہیں لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ وہ ہر وقت تلوار لے کر اپنی اولاد کے عقب میں کھڑی رہتی ہیں۔ دل کی بہت اچھی ہیں میری اماں۔" وہ وضاحت کر رہا تھا اور اب کی بار وہ ہنس دی۔

"چلیں اللہ آپ کے اس بھرم کو قائم رکھے۔ لیکن ایک بات ضرور کہوں گی جن کے دل اچھے ہوتے ہیں ان کی زبان کبھی کڑوی نہیں ہوتی۔۔۔ میری مثال ہی لے لیجیے۔۔۔ نا صرف زبان کڑوی ہوں بلکہ دل کی بھی کڑوی ہوں۔" وہ بہت فرصت میں تھی جبکہ خاور آج عجلت میں تھا، لیکن پھر بھی اس سے بات کرنا اچھا لگ رہا تھا۔

"کونین کڑوی نا ہو۔۔۔ یہ ناممکن ہے۔ کونین کاشف نثار صاحبہ! اور یقین کرو کچھ لوگوں کو کڑواہٹ راس آجاتی ہے۔۔۔ مجھے تم راس آگئی ہو۔" اس نے بہت دل سے اسے یقین دہانی کروانی چاہی تھی کہ وہ اس کا دم بھرتا ہے لیکن دوسری جانب ایک بار پھر چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔

"اتنا بڑا دعوا مت کریں خاور صاحب۔۔۔" خاور نے لفظ "صاحب" پر جھلا کر بات کاٹی تھی۔

"دیکھو پہلے ایک بات کا فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہم نے ایک دوسرے کو آپ جناب ہی کہتے رہنا ہے یا بات اس سے آگے بھی بڑھے گی۔"

"خاور صاحب اچھے انسان ہیں آپ۔ میں دل سے آپ کی عزت کرتی ہوں، اس لیے عزت سے ہی بات کرتی رہوں گی۔" وہ ٹھوس لہجے میں بولی تھی۔

"اور میں صرف عزت نہیں کرتا محبت بھی کرتا ہوں۔ میں بے تکلف ہو کر ہی بات کروں گا، برا لگے تو بتا دینا۔" اس نے بھی اسی انداز میں کہا تھا۔

"محبت کے بارے میں کبھی فرصت سے بات کریں گے، ابھی تو آپ آفس جائیں۔" اس کا لہجہ ایک بار پھر لاتعلق سا ہوا۔

"جی بہتر مگر اتنا بتا دو دوبارہ بس اسٹاپ پر کب آؤں؟" وہ شوخ ہو کر بولا تھا۔

"اب بس اسٹاپ پر آنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ آپ آفس جاتے ہوئے کل مجھے میرے گھر سے پک کرلیں۔۔۔ ہم بھی تو دیکھیں آخر "محبت" نامی خرافات میں کیا سحر پوشیدہ ہے۔" وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولی تھی۔ خاور حیران سا ہوا تھا۔ وہ اسے ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

"جب جب اپنے گھر والوں سے جھگڑتی ہے تو فلاسفی جھاڑنے لگتی ہے۔" سلیم نے ایک بار اسے بتایا تھا۔ خاور نے فون بند کردیا تھا لیکن دھیان اسی کی جانب لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ چار بجے گھر پہنچی تو شام اتر آئی تھی۔ سردیوں کے دن تھے۔ عصر کی اذان ہو چکی تھی اور آسمان کا رنگ

سنولا نے رکا تھا۔ گھر کا دروازہ بند نہیں تھا لیکن لاؤنج میں کوئی نہیں تھا۔ امی کے کمرے سے ٹی وی کی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ چپ چاپ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہاں کون سا سب اس کے منتظر رہتے تھے جو وہ سلام دعا میں وقت ضائع کرتی۔ اپنا بیگ بستر پر پھینک کر واپس کچن میں آ گئی۔ سارا دن آوارہ گردی میں گزرا تھا۔ اب بھوک بھی کافی لگ گئی تھی۔ اس نے چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر پتیلیاں چیک کرنی شروع کیں کہ آج کیا پکا تھا۔ چنوں والے چاول تھے۔ اسے دلی سکون ہوا۔ یہ تو اس کا پسندیدہ کھانا تھا۔ پلیٹ بھر کر اوون میں رکھی پھر ساتھ ہی فریج کا دروازہ کھول لیا' آیا رائتہ سلاد بھی بنایا گیا ہے کہ نہیں۔

یکدم ہی اسے احساس ہوا کہ آج سناٹا کچھ زیادہ ہی تھا۔ اس نے وہیں سے مڑ کر امی کے بیڈ روم کے کھلے دروازے سے اندر نگاہ کی۔ امی بستر پر ریموٹ ہاتھ میں لیے بیٹھی تھیں جبکہ وری اسے نظر نا آئی۔ اس وقت تو وہ دونوں ہی گھر پر ہوتی تھیں۔ اس نے مڑ کر واش روم کی جانب دیکھا۔ وہاں بھی کوئی لائٹ نہیں جل رہی تھی اور ان دونوں کا مشترکہ کمرہ بھی خالی تھا۔

''آہاں... اب سمجھ میں آئی... زری بی بی گھر پر ہیں ہی نہیں۔'' اس نے اوون کی بیپ بجنے پر پلیٹ باہر نکالی اور پھر عجیب سی بے زاری اس پر چھائی تھی۔ زری یقیناً ''اظفر'' کے ساتھ شاپنگ کے لیے گئی ہوئی تھی۔

''امی ابا نے زری کو اظفر کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی تھی۔ زری کے لیے اس کے والدین کے اصول ہمیشہ سے مختلف تھے۔ وہ سلیم کی دکان پر جاتی تھی تو بھی بری تھی اور زری نام نہاد منگیتر کے ساتھ شاپنگ پر چلی گئی تھی مگر کسی کو اعتراض نہیں تھا۔'' اس نے پلیٹ ٹرے میں رکھی۔ فریج سے رائتہ اور سلاد بھی نکالا پھر ٹرے کو دوبارہ شیلف پر رکھ کر چمچہ بھر کر منہ میں ڈالا تھا۔ ایک ٹیوشن سے ایڈوانس روپے مل گئے تھے اور ایک اکیڈمی میں ہوم ٹیوشن کے لیے اپنا نمبر لکھوا آئی تھی۔ امید تھی کہ ایک دو دن میں پندرہ سولہ ہزار تک کی آمدنی ہونے لگے گی۔ اسے کافی تسلی ہو گئی تھی لیکن یہ اس کی منزل نہیں تھی۔ اس پر ایک دھن سی سوار ہو گئی تھی۔

اسے اب روپے کمانے تھے۔ پہلے وہ اکیڈمیز کے ذریعے ملنے والی ہوم ٹیوشنز کم ہی کرتی تھی' کیونکہ سلیم نے اسے اس قسم کے کافی قصے سنا رکھے تھے کہ ہوم ٹیوشنز والی ٹیوٹرز کو لوگ کافی پریشان کرتے ہیں۔ وہ صرف بھروسے والے لوگوں کے گھروں میں ہی جاتی تھی لیکن اب اس پر ضد سوار تھی۔ اسے اپنے ہی باپ پر ثابت کرنا تھا کہ وہ ان کے ٹکڑوں پر نہیں پل رہی تھی۔ چائے کے جوش کھاتے پانی کی جانب دیکھتے ہوئے وہ اپنی ہی منصوبہ بندی میں مگن تھی۔ پھر ساس پین میں دودھ ڈال کر اس نے آنچ مدھم کی اور ٹرے اٹھا کر واپس لاؤنج میں آ گئی۔ ٹی وی دیکھنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس نے اطمینان سے چند لقمے لیے پھر اپنا فون نکال کر دیکھنے لگی۔ اسے اچھی طرح سے پتا تھا کہ اسے کسے کال کرنی ہے لیکن یہ نہیں پتا تھا کہ کال کرنے کے بعد بات کیا کرنی ہے۔ اس نے فون لاگ میں سے ایک نمبر منتخب کیا تھا۔

''لیکن کہوں گی کیا... کہ دن میں دوسری بار فون کیا کیوں ہے۔'' اس نے نمبر ملانے سے پہلے سوچا تھا۔

''اچھا کہہ دوں گی کہ کوئی جاب ہو تو بتائیں'' اس نے خود کو ہی سمجھایا تھا اور پھر کال ملاتے ہوئے فون کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''مجھے پتا ہے آپ دن میں دوسری بار میری کال پر حیران ہو رہے ہوں گے' لیکن یقین کریں آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی'' وہ لہجے کو شوخ بناتے ہوئے بولی۔ دوسری جانب سے بڑی مسرور سی آواز آئی۔

''نہیں... حیران نہیں ہوں' خوش ہوں۔ مجھ ناچیز سے بھی کسی کو کوئی کام پڑ سکتا ہے یہ امر ہی خوش کرنے کو کافی ہے'' خاور کہہ رہا تھا۔ نینا کو دل ہی دل میں شرمندگی ہوئی۔ صبح بھی اس نے اسے کال کر کے غلط فہمی میں مبتلا کر دیا تھا اور اب بھی وہ یہی کرنے جا رہی تھی زری کا یہ طعنہ ''کتنی کمائی جاتی ہو' چھینی نہیں جاتیں تمہیں اسی

لیے آج تک کسی سے محبت نہیں ملی کہ تمہارے دل میں خود غرضی کا کھوٹ ہے کوئی تم سے محبت کرے بھی تو کیسے" اسے جلا کر خاکستر کر گیا تھا اور پھر ابا نظر آ گئے تھے۔ اس کے دل میں عجیب کھدبد مچی تھی اور ذہن میں انوکھے منصوبے بن رہے تھے۔

سلیم اس کے لیے ایک بہت بڑا سہارا تھا۔ سلیم سے باتیں کر کے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جایا کرتا تھا' لیکن اب تو غبار دل میں اٹھتا' وہیں کہیں انگارہ جا تا تھا۔ وہ اپنی زندگی کے متعلق عجیب و غریب فیصلے کر رہی تھی۔ اس نے پہلے بھی بلاوجہ خاور سے ہنس ہنس کر بات کی تھی اور اب لاؤنج میں بیٹھ کر بھی با آواز بلند گفتگو کی ابتدا کی تھی' کیونکہ اسے احساس تھا' امی دیکھنے ضرور آئیں گی کہ وہ کس سے کیا بات کر رہی ہے۔ امی اس کی جانب سے مشکوک ہو جاتیں تو اسے خوشی ہوتی۔ وہ انہیں پریشان کر کے خوش ہونا چاہتی تھی۔ یہ احساس ہی نہیں تھا کہ وہ کسی کے جذبات سے کھیل کر اپنے لیے نئے مصائب کے دروازے کھول رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"اب تو خوش ہو نا تم... نی میل ٹیوٹر مل گئیں آخر... اور وہ بھی وہ والی جن کو میری زوجہ محترمہ کب سے ڈھونڈ رہی تھیں۔" سمیع نے مسکراتے ہوئے شرارتی انداز میں اسے دیکھا تھا۔ وہ آئینے کے سامنے بیٹھی اپنے الجھے الجھے مختصر سے کھردرے بالوں کو دیکھنے میں مگن تھی۔ سمیع کی بات سن کر اس نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ نیوی بلیو ٹی شرٹ کے ساتھ گرے پاجامہ پہنے ریموٹ کی بیٹریز تبدیل کرنے میں مشغول تھا۔ اس کی شخصیت کچھ مہینوں سے بہت نکھر گئی تھی۔ وہ پہلے سے کہیں زیادہ مطمئن رہنے لگا تھا۔ کراچی میں اسے یہ احساس رہتا تھا کہ اس کے خاندان والے اس سے خفا ہیں۔ اب وہ سب اس سے ملنے لگے تھے۔ اس کے سب کزنز اس کے ساتھ رابطے میں تھے۔ پرانی دوستیاں پھر سے تازہ ہو گئی تھیں۔ وہ خوش نظر آتا تھا اور وجیہہ بھی جبکہ شہرین اس کے مقابلے میں بالکل مرجھا چکی تھی۔ اسے سخت قسم کا احساس کمتری رہنے لگا تھا جس پر وہ چاہ کر بھی قابو نا پا رہی تھی۔ ابھی بھی آئینے میں اپنے مرجھائے ہوئے بالوں کو دیکھتے ہوئے اسے دکھ ہو رہا تھا۔ کیموتھراپی نے سر کے بال ہی نہیں اڑائے تھے' بلکہ ان گھنی پلکوں کو بھی تباہ و برباد کر دیا تھا جن پر ایک عالم فدا ہونے کو تیار رہتا تھا۔

"کیا بات ہے... ابھی بھی ناخوش ہو... اچھی نہیں لگی ٹیوٹر...؟" سمیع نے اس کی خاموشی سے یہی مطلب اخذ کیا۔

"اچھی ہے... ابھی تو پہلا دن تھا... ایمن کے ساتھ باتیں واتیں کرتی رہی... ایمن زیادہ بے تکلف نہیں ہوئی... اس نے ہامی بھر لی ہے... اچھی بات یہ ہے کہ وہ صبح کے وقت آنے پر رضامند ہے... کہہ رہی تھی مجھے کوئی اعتراض نہیں صبح آنے پر... مجھے یہ بات بھی اچھی لگی... اس سے کیا ہو گا کہ ایمن کو جلدی جاگنے کی عادت پڑے گی۔ ورنہ تو گیارہ... گیارہ بجے تک سوئی ہی رہتی ہے... ذرا روٹین سیٹ ہو جائے گی... باقی دیکھو کیا ہوتا ہے... تسلی تو ہوئی مجھے اس سے بات کر کے... اب کچھ دن پڑھائے گی تو صحیح اندازہ ہو گا..." اس نے بجھے ہوئے دل کے ساتھ بھی مفصل جواب دیا تھا۔ سمیع کو ہنسی آ گئی۔

"تمہارا ابھی جواب نہیں ہے شہرین... ایک ننھا سا سوال پوچھا تھا... تم نے ڈیڑھ کنال کا جواب دے دیا۔" وہ اسے چڑا رہا تھا اور وہ پہلے بھی اسے ایسے چڑا تا رہتا تھا' لیکن شہرین کو بے حد برا لگا۔

"سمیع... تمہیں اگر میرا وجود اتنا ہی کھٹکنے لگا ہے تو تم مجھ سے بات ہی مت کیا کرو... لیکن ہر بات میں' ہر وقت کیڑے نکال نکال کر اپنی اعلا تربیت نا دکھایا کرو مجھے... جب دیکھو مذاق ہی بناتے رہتے ہو۔" وہ انتہائی تلخ لہجے میں بولی تھی۔ سمیع ریموٹ کی پچھلی کیپ ٹھیک کر رہا تھا۔ من چاہی بیوی کا اتنا تلخ انداز دیکھ کر وہ حیران ہی رہ گیا تھا۔

"شہرین۔۔۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔۔۔ میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا۔" سمیع نے اتنا ہی کہا تھا کہ شہرین نے ہاتھ میں پکڑا ہیئر برش ڈریسنگ ٹیبل پر پھینکا۔

"مجھے پتا ہے، تم نے کچھ نہیں کہا۔ لیکن مجھے یہ بھی پتا ہے کہ تم بدلتے جا رہے ہو۔۔۔ تمہیں میری ہر بات پر اعتراض رہنے لگا ہے۔۔۔ کبھی ایمن کے لیے فکر مند ہو جاؤں تو مذاق بناتے ہو، کبھی اپنی مرضی کی ٹیوٹر رکھنے پر اصرار کروں تو باتیں سناتے ہو۔۔۔ میں پاگل تو نہیں ہوں۔۔۔ مجھے سب سمجھ میں آتا ہے۔۔۔ تم صاف صاف کہہ کیوں نہیں دیتے کہ میں بری لگنے لگی ہوں تمہیں۔۔۔ میرا بھدا وجود کھٹکتا ہے تمہیں۔" وہ چیخ چیخ کر بول رہی تھی اور سمیع تو بس ایک ٹک اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"ایسا نہیں ہے شہرین۔۔۔ میں تو واقعی مذاق کر رہا تھا۔ اچھا یہاں آؤ میرے پاس۔۔۔ آرام سے بات کرتے ہیں۔ تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں تمہاری ذات میں کیڑے نکال سکتا ہوں۔" وہ تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے قریب آگیا۔ "ایسا نہیں ہے شہرین۔۔۔ ایسا نہیں ہے میری جان۔۔۔ تم اب میری محبت پر بھی شک کرو گی۔" اس نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھنے چاہے تھے، لیکن شہرین نے اس کے ہاتھ جھٹک دیے۔

"مت کرو سمیع۔۔۔ یہ سب چیزیں میرے دل کو مزید تکلیف دیتی ہیں۔ کیا مجھے نظر نہیں آتا کہ کتنی محبت کرتے ہو تم مجھ سے۔۔۔ یہاں دیکھو آئینے میں۔۔۔ کوئی مقابلہ ہے تمہارا میرا۔۔۔ اپنی طرف دیکھو۔۔۔ اور میری طرف دیکھو۔۔۔ میں تو اس قابل بھی نہیں رہی کہ نظر بھر کر دیکھا جا سکے۔۔۔ ایک کالی بھدی موٹی عورت سے تم جیسا ہینڈسم آدمی کیسے محبت کر سکتا ہے۔ کیا میں جانتی نہیں ہوں سمیع کہ تمہیں موٹاپے سے کتنی نفرت ہے۔ تم بس کہنا نہیں چاہتے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ تم مجھ سے نفرت کرتے ہو۔ پتا ہے مجھے سب۔۔۔ سب کچھ۔" وہ اب کی بار ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے غرا غرا کر بول رہی تھی۔ سمیع اس کا رویہ دیکھ کر پہلے حیران ہوا تھا، لیکن اب وہ پریشان ہونے لگا تھا۔ شہرین کی ذہنی رو بھٹکی ہوئی کیوں لگ رہی تھی۔

"شہرین۔۔۔ پلیز۔۔۔ ایک بار تحمل سے بات سن لو میری۔" سمیع نے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا تھا۔

"چھوڑ دو میرا ہاتھ سمیع۔۔۔ اتنا برا لگتا ہے میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں کہ مجھے اپنے ہاتھ سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ کیوں تکلیف دیتے ہو مجھے ایسا بار بار کر کے۔" اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑوایا اور پھر اس کی طرف دیکھے بنا باہر نکل گئی تھی۔

"ایسا نہیں ہے شہرین۔۔۔ بخدا ایسا نہیں۔ تمہیں تکلیف دینے کا تو میں سوچ بھی نہیں سکتا۔" سمیع حق دق کھڑا رہ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"خاور بیٹا۔۔۔ اتنا بھی کیا ہوا کہ ایک لڑکی کی خاطر تم اپنے مقام سے گرنے کو تیار ہو گئے۔۔۔ دھت تیرے کی۔" اس نے موٹر سائیکل کی سیٹ پر بیٹھے نہ جانے کتنی بار خود کو ٹوکا تھا۔ وہ نینا کے گھر کی سیڑھیوں کے نیچے عین اس مقام پر کھڑا تھا جہاں سے سلیم کی دکان والی کھڑکی صاف نظر آتی تھی، اگرچہ وہ کھڑکی نما دروازہ اب بند تھا، مگر پھر بھی وہاں کھڑے خاور کو نا صرف سلیم کی یاد آئی بلکہ اس بات کا احساس بھی زیادہ ہوا کہ اس طرح یہاں کھڑے ہونا ایک سخت نامناسب حرکت تھی۔

سلیم کی وفات کے بعد وہ ایک ہی مرتبہ مہر کو لے کر اس کی نانی سے ملوانے لایا تھا اور اب وہ یہاں اس طرح کھڑا دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ کہیں ان کے گھر سے کوئی نکل نا آئے۔ وہ کیا سوچتے اس کے بارے میں۔۔۔ وہ اس طرح یہاں کیوں کھڑا تھا۔ اسے حیرانی بھی تھی کہ نینا جیسی لڑکی نے اسے وہاں آنے کے لیے کیوں کہا تھا۔ وہ آنا نہیں چاہتا تھا، لیکن مسئلہ دل کا تھا، سو آنا پڑا تھا اور اب تقریباً دس منٹ ہو چکے تھے، لیکن محترمہ نینا کی سواری دور دور تک نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نے تھک ہار کر سیل فون نکالا تھا، تاکہ اس سے فون کر کے پوچھ سکے کہ

وہ آرہی ہے یا نہیں، مگر اس سے پہلے کہ وہ فون ملاتا' سیڑھیوں سے بالکل اوپر والی بالکونی میں کسی نے آکر نیچے جھانکا۔ خاور کو بالکل اوپر کسی سائے کا گمان گزرا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ وہ نینا ہی تھی۔ اسے دیکھ کر مسکرائی تک نہیں' لیکن خاور کے چہرے پر مسکراہٹ چمکی تھی۔ نینا دو منٹ اسے لاتعلقی سے تکتی رہی' پھر اس نے اپنے عقب میں دیکھا اور تب اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ خاور کو اس کی مسکراہٹ مصنوعی سی لگی۔

"ہیلو۔ کب سے انتظار کر رہی تھی۔" اس نے اتنی بلند آواز میں کہا کہ خاور ہل سا گیا۔ وہ کیا سارے محلے کو کچھ جتانا چاہ رہی تھی۔ "بس ایک منٹ میں آرہی ہوں۔" اس نے دوسرا فقرہ بھی اسی انداز میں کہا اور پھر غائب ہو گئی۔ خاور کو اپنی زندگی میں اتنی شرمندگی کبھی نا ہوئی تھی' اگرچہ کسی نے بھی اسے دیکھا تو نہیں تھا' لیکن اسے خود احساس تھا کہ وہ ایک انتہائی گھٹیا حرکت کا مظاہرہ کر رہا تھا جو اس نے پہلے کبھی نہیں کی تھی۔ چند لمحوں بعد نینا اتر کر آگئی تھی اور پھر بھی وہ مسکرائی تک نا تھی۔ اس کے قریب آکر اس نے دوبارہ اپنے ہی گھر کی بالکنی کی جانب دیکھا۔

"چلیں۔۔۔" خاور نے پوچھا تھا۔ یہ ساری صورت حال اس کے لیے کچھ مشکل سی ہو رہی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ اسے نینا میں دلچسپی کم ہو گئی تھی۔ دلچسپی تو ہنوز باقی تھی' لیکن یہ اطوار اسے ایک آنکھ نہیں بھا رہے تھے۔

"یہ کیا بات ہوئی بھلا۔۔۔ منہ اٹھا کر کسی کے دروازے پر اس طرح انتظار کرنا اور پھر ڈرنا بھی کہ کوئی دیکھ نا لے۔ اچھا نام روشن کر رہے ہو ماں' باپ کا میاں خاور۔" وہ دل ہی دل میں چڑ رہا تھا۔

"ایک دو منٹ ٹھہر جائیں ذرا۔۔۔" نینا نے سپاٹ سے لہجے میں کہا تھا۔ خاور کو اس کے تاثرات نے بھی حیران کیا اور پھر ایک عجیب بات ہوئی۔ ایک منٹ کے وقفے سے خاور نے سیڑھیوں سے نینا کے ابا کو اترتے دیکھا۔ ان کی نگاہیں خاور کی نگاہوں سے ٹکرائی تھیں۔ وہاں ناگواری اور غصہ صاف نظر آرہا تھا' جبکہ نینا ایک دم مسکرانے لگی تھی۔

"اتنی دیر کرتا ہے کوئی۔ میں کب سے انتظار کر رہی تھی۔" وہی فقرہ جو اس نے بالکنی میں کھڑے ہو کر بھی دہرایا تھا' کہتے ہوئے اس نے اسے بائیک چلانے کا اشارہ کیا تھا۔ اس کے چہرے کے سپاٹ تاثرات بھی یک دم مسکراہٹ میں بدل گئے تھے اور پھر اپنے ابا کی جانب دیکھتے ہوئے وہ اس کے پیچھے بیٹھ گئی تھی۔ خاور اب کی بار پہلے سے زیادہ حیران ہوا' لیکن اسے سمجھ میں آگیا تھا کہ اس کے ساتھ ہو کیا رہا تھا۔ بائیک آگے بڑھاتے ہوئے اس کے پورے وجود میں غصے کے ساتھ ساتھ انتہائی ناگواری کی لہر بھی اٹھی تھی۔ یہ معصوم سے چہرے والی لڑکی جسے وہ بے حد چاہنے لگا تھا' اسے اپنے کون سے مقاصد کے لیے استعمال کر رہی تھی' بخوبی سمجھ میں آگیا تھا اسے۔ سلیم سے اس کے اور اس کے ابا کے اختلافات کا پتا نا ہوتا' شاید وہ یہ سب سمجھ نہ پاتا' لیکن اب تو اسے فوراً" ہی سب سمجھ میں آگیا تھا۔ اس نے جھلاہٹ کے مارے خود کو کوستے ہوئے بائیک کی اسپیڈ بڑھا دی تھی۔

"مجھے بس اسٹاپ پر چھوڑ دیں۔" نینا نے اپنے چہرے کو تیز ہوا سے بچاتے ہوئے کہا تھا' لیکن خاور نے ان سنی کر دی اور بائیک کو بنا کہیں روکے آگے بڑھاتا رہا۔ یونی ورسٹی کے پہلے اسٹاپ تک پہنچنے میں انہیں بیس منٹ لگ گئے تھے اور اس دوران خاور کے پورے وجود میں خون جیسے دوڑنے لگا تھا۔ اس نے مین گیٹ سے اندر داخل ہو کر پوسٹ آفس کی طرف بائیک روک دی تھی۔ نینا ایک جھٹکے سے بائیک سے اتر گئی جیسے اس کے ساتھ بیٹھنے میں بہت دقت کا سامنا رہا ہو۔

"کیا مل گیا۔۔۔ یہ سب کر کے۔۔۔ کیا ملا؟" اس نے غرا کر پوچھا تھا۔ نینا ذرا سا حیران ہوئی' مگر اس سے پہلے وہ کوئی جواب دیتی' وہ پھر بول اٹھا تھا۔

"خدا کی قسم۔۔۔ اگر تم لڑکی نہ ہوتیں تو تمہارے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کرتا۔ اتنا گرا ہوا انسان نہیں

ہوں میں جتنا تم نے سمجھ لیا۔" اس کے منہ سے الفاظ نہیں آگ نکل رہی تھی۔ نمنا چند لمحے تو چپ سی ہو گئی پھر خود کو سنبھال کر بولی۔

"کیا بولتے چلے جا رہے ہیں۔ کیا ہوا ہے۔"

"وہی ہوا ہے، جو تم نے کرنا چاہا تھا۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا' ہر انسان استعمال کی چیز نہیں ہوا کرتا۔ تم سلیم کے ساتھ بھی یہی سب کیا کرتی تھی نا۔ بس جہاں اپنا مفاد ہوا' اسے استعمال کر لیا' لیکن میں سلیم نہیں ہوں۔ میں نے تم سے محبت کا دعوا کیا کر دیا' تم نے مجھے بالکل ہی کوئی گھٹیا انسان سمجھ لیا۔ بہت برا کیا تم نے۔" غصے کے مارے اس کی گفتگو بے ربط ہو رہی تھی۔

"آپ کچھ زیادہ ہی بول گئے۔ بات سنیں میری۔" نمنا نے پھر اسے ٹوکنا چاہا' لیکن اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔ خاور نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔

"نہیں۔۔۔ اب تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گا۔ تم میری بات سنو۔ بہت عزت تھی اس دل میں تمہاری' بہت قدر کرتا تھا تمہاری۔۔۔ تم نے اپنی اس فضول حرکت سے سارا بھرم ہی ختم کر ڈالا۔ ہو سکے تو دوبارہ مجھے کبھی اپنی شکل مت دکھانا۔۔۔ کیونکہ جن سے محبت کی جاتی ہے' ان کا مقام ہمارے دل میں خود بخود بہت اونچا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے مقام سے گر جائیں تو بہت دکھ ہوتا ہے۔ امید ہے بات سمجھ میں آ گئی ہو گی۔" اس نے بات مکمل کر کے بائیک آگے بڑھا دی تھی۔ نمنا ہکا بکا کھڑی رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اماں رضیہ۔۔۔ ٹیوٹر نہیں آئی آج؟" سمیع نے حیران ہو کر اماں سے استفسار کیا تھا۔ وہ آفس کے لیے روز کی نسبت تھوڑا لیٹ ہو گیا تھا۔ شہرین کا مزاج رات سے کافی خراب تھا اور سمیع کے بار بار بلانے پر بھی اس نے ناراضی ختم نہیں کی تھی۔ ابھی وہ بلینکٹ میں منہ دیے لیٹی تھی' لیکن سمیع کے مخاطب کرنے پر بھی بات کا جواب نہیں دے رہی تھی۔ سمیع کی ایک ضروری میٹنگ تھی اور شہرین کے اس رویے نے اسے غصہ بھی دلا دیا تھا۔ اس کے درمیان ایسے جھگڑے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔ شہرین کی طبیعت خراب رہتی تھی' لیکن وہ ایسی چڑچڑی اور بد مزاج کبھی نہ رہی تھی اور ایسا تو کبھی بھی نہ ہوا تھا کہ سمیع کو اپنی ہی کہی ہوئی باتوں کی وضاحت شہرین کو دینی پڑی ہو۔ وہ تو ایک دوسرے کو خاموش رہ کر بھی سمجھنے کا دعوا کیا کرتے تھے' مگر لاہور میں مستقل رہائش ہو جانے کے بعد سے وہ بہت بدل سی گئی تھی' اب اس کے روابط اپنی فیملی کے ساتھ بھی تھے۔ سمیع کو جانے کیوں وہم ستانے لگا تھا کہ شاید وہ لوگ شہرین کے کان بھرتے رہتے ہیں۔

"وہ کیا ہوتا ہے بیٹا؟" اماں رضیہ نے اسے دیکھتے ہی ناشتا میز پر لگانا شروع کر دیا تھا۔ سمیع نے جو پوچھا تھا۔ وہ اس بات سے واقف نہیں تھیں۔

"اماں ایمن کو پڑھانے کے لیے ٹیچر آیا کرے گی۔ اسی کا پوچھ رہا ہوں۔ شہرین بتا رہی تھی اس نے صبح کے لیے ہی وقت دیا تھا۔ ایمن کو بھی اٹھایا ہے آپ نے یا نہیں؟" سمیع کو چونکہ ایمن بھی کہیں نظر نہیں آئی تو اس نے استفسار کیا تھا۔

"ارے بیٹا وہ کہاں اتنا سویرے اٹھتی ہے۔ کل بھی بڑے وختوں سے جگایا تھا میں نے۔۔۔" اماں رضیہ اپنی مشکل بیان کر رہی تھیں۔

"کل تو چلیں بات اور تھی' لیکن آج سے تو باقاعدہ ٹیچر آیا کرے گی۔ آپ کو ایمن کو اٹھا دینا چاہیے تھا۔" سمیع نے جتا کر کہا تھا۔ اماں رضیہ نے سر ہلایا' پھر دوبارہ سے اس کی جانب دیکھ کر بولیں۔

"بیٹا ایک درخواست ہے۔ ایسے کام مجھے ایک دن پہلے سے بتا دیا کرو تو بڑی مہربانی ہو گی۔ میں بوڑھی عورت اب ایک دم سے سب کام سنبھالنے کے قابل نہیں رہی۔ مجھے پہلے سے پتا ہوتا کہ ایمن بیٹا کو آج جلدی تیار کر کے پڑھنے بیٹھنا ہے تو میں جلدی جگا دیتی۔" وہ پریشان سی ہو گئی تھیں۔ سمیع نے حیرانی سے ان کا چہرہ دیکھا۔

"شہرین نے آپ کو نہیں بتایا کہ ایمن کو تیار کرنا ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ اماں رضیہ نے نفی میں سر ہلایا۔ سمیع کا چائے کا کپ اٹھاتا ہاتھ لحہ بھر کے لیے رکا تھا۔ اس نے اماں رضیہ کو اپنے سامنے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"اماں۔۔۔ ذرا یہاں بیٹھیں۔۔۔ میرے سامنے۔۔۔ ایک بات کرنی ہے آپ سے۔" اس نے کہتے ہوئے سامنے سیڑھیوں کی جانب بھی دیکھا تھا۔

"اماں۔۔۔ کیا اوپر والی مہنہ میری غیر موجودگی میں بہت زیادہ فون کرتی رہتی ہیں؟" وہ آواز کو دھیما کر کے پوچھ رہا تھا۔ اس نے ایسے پہلے کبھی اماں رضیہ سے بات نہ کی تھی۔ وہ بھی کچھ مشکوک سی ہو گئیں۔

"کس کی بات کر رہے ہو بیٹا؟" ان کی زبان پر شہرین کے گھر والوں کے نام چڑھ ہی نا پائے تھے۔

"اماں اپنے سسرال والوں کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔ کیا شہرین ان کے ساتھ سارا دن رابطے میں رہتی ہے۔ بہت زیادہ کالز آتی رہتی ہیں ان کی۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی یہ سب سوال کر رہا تھا۔

"مجھے تو نہیں پتا۔۔۔ لیکن میں نے شہرین بیٹی کو فون پر زیادہ مصروف دیکھا تو نہیں۔" وہ لحہ بھر کو رکیں، پھر تذبذب کے عالم میں بولیں۔

"بیٹا فون پر ہی مصروف نظر آئیں تو اچھا لگے، لیکن ابھی تو وہ کچھ عجیب سی ہوتی جا رہی ہیں۔ سارا دن بس ٹی وی دیکھنے میں مگن رہتی ہیں۔ فلمیں لگا کر دیکھتی رہتی ہیں۔" وہ بات کرتے کرتے رک سی گئی تھیں۔ جبکہ سمیع تو حیران ہی رہ گیا۔ شہرین پہلے کبھی ٹی وی دیکھنے کی شوقین نہ رہی تھی۔

"اچھا۔۔۔ لیکن اماں اسے فلم ولم دیکھنے کا شوق ہے تو نہیں۔ ٹی وی مسلسل آن رکھنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ فلم ہی دیکھ رہی ہے۔" سمیع نے ناگواری بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"آپ کی بات ٹھیک ہے، بیٹا! لیکن ایک دن، بہت زور، زور سے ہنس رہی تھیں تو میں کچن سے باہر ٹی وی والے کمرے میں آ گئی۔ دیکھا تو ہنسے چلے جا رہی ہیں۔ میں نے پوچھا تو بولیں۔۔۔ اماں بیٹھو آپ بھی۔ بڑی مزاحیہ فلم چل رہی ہے۔" اماں نے وضاحت کی تھی، سمیع کو ان کی بات کا یقین نہیں آیا تھا۔

"کیا سارا دن ٹی وی دیکھتی رہتی ہے؟" سمیع نے متجسس ہو کر سوال کیا تھا۔

"ہاں۔۔۔ یا ٹی وی کے سامنے بیٹھی رہیں گی۔ یا سو جائیں گی۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ لیکن ایمن بٹیا کو بھی وقت نہیں دیتیں۔ وہ کتاب لے کر پیچھے پیچھے پھرتی رہے گی، تو اس کی جانب دیکھیں گی بھی نہیں۔ لیکن جب اس کے سونے کا وقت ہو گا تو ڈانٹنے لگیں گی۔ کہ بچی پڑھتی نہیں ہے۔ زبردستی نیند سے جگا کر پڑھنے بٹھائیں گی تو خاک پڑھے گی بچی۔ اور یہ کہیں گی۔۔۔ یہ گانا سناؤ۔۔۔ اے بی سی لکھ کر دکھاؤ۔۔۔ بھلا بتاؤ اب سونے کے وقت پر بچی سوئے یا نہیں قلمے یاد کر کے سنائے۔" اماں نے کھل کر کہا تھا۔

"واقعی۔۔۔؟" سمیع کو یقین نہیں آیا تھا۔

"میں خود حیران ہو رہی ہوں کہ ایسا کیوں کرتی ہیں۔ بچی بے چاری کو بھی پریشان کر کے رکھا ہے۔" ایمن کے لیے ان کا پیار مثالی تھا اور وہ اس کے لیے پریشان دکھائی دیتی تھیں۔ لیکن سمیع تو شہرین کے لیے پریشان ہو گیا تھا۔

"یہ سب کیوں کر رہی ہے شہرین۔۔۔؟" سمیع اپنے آپ سے سوال کر رہا تھا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

منعم ملک

ناولٹ

بدلتے موسم کی وہ خاموش دوپہر تھی۔

دھیرے دھیرے چار سو تھرکتی مست ہوائیں، ہلکی ٹھنڈ لیے خود میں یاسمین کی خوشبو چھپائے پھرتی تھیں جس سے چھو کر گزرتیں مسحور کر دیتیں، دور تک سکوت ہی سکوت چھایا تھا۔

ایسے میں چنار کے تین درختوں کے پاس سے چلتے ٹیوب ویل کی تیز آواز، تاحد نگاہ پھیلی ہل چلی زمین پر چھائے سکوت کو چیر کر رکھ رہی تھی... سر درد کرتی آواز اتنی شور سے گونجتی کہ پاس سے آتی آواز سماعتوں میں ہرگز نہ پڑتی... پرانے زمانے کی مشین اب کچھ زیادہ ہی زور سے فریاد کرنے لگی تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ دونوں اس شور سے یکسر بے نیاز بنیں ... پرسکون انداز میں ٹھنڈے پانی بھرے تالاب میں پاؤں ڈبوئے بیٹھی تھیں۔ ٹیوب ویل کے کچے تالاب میں مسلسل پانی پڑنے کی وجہ سے مٹی بیٹھ چکی تھی۔ اسی لیے اب شفاف پانی کا ابال، سفید بلبلوں جیسی جھاگ بنا کر پھیل رہا تھا۔ چنار کے درخت کی اونچی چوٹی پر بے نیازی سے ستاتا، نیل کنٹھ بھی انہی کی طرح ڈھیٹ لگتا تھا۔

"اوہ... تو اتنی سی بات ہے؟" ساری بات سن کر رشماں نے اطمینان سے سرہلاتے ہوئے دریافت کیا تو وہ گھور کر رہ گئی۔

"یہ اتنی سی بات نہیں ہے؟" جواباً" وہ خفگی سے منہ پھلائے بولی۔

"اچھا اچھا، بتاؤ اصل پریشانی کس بات پر ہے تمہیں...؟" نیلماں کے ہاتھ اپنی گردن کی طرف آتا دیکھ کر وہ فوراً" سیدھی لائن پر آئی تھی۔ نیلماں نئے سرے سے اداس ہوئی۔

"یہی کہ اماں، ابا کو اتنی جلدی نہیں کرنی چاہیے تھی... شادی وہ بھی یوں اچانک...؟"

"رشتے اچانک ہی آتے ہیں... پھر شادی تو ایک نہ ایک دن ہونی ہی ہے۔" وہ سنجیدہ ہو کر، شور کے باعث اونچا اونچا بول رہی تھی۔ نیلماں نے لب کاٹ ڈالے۔

"بات یہ نہیں ہے... اصل میں تو یہ پریشانی ہے کہ، رشتہ آیا کہاں سے ہے؟" اس کے دل پر مزید بوجھ آن پڑا پرسوں سے وہ اسی بے بسی کا شکار تھی۔

"یہ پریشانی ہے؟" رشماں ہکابکا ہوئی۔ "دماغ خراب تو نہیں تمہارا... وہ کوئی غیر نہیں چاچی، چاچا ہیں تمہارے؟" اسے غصہ سا آگیا۔

"یہی تو..." وہ روہانسی ہوگئی۔ "یہی تو مسئلہ ہے کہ چاچا، چاچی اچانک ہی جیسے کسی گہری نیند سے جاگے ہیں... آج تک تو وہ اس بات کو مکمل طور پر صرف نظر کرتے آئے ہیں اور اب اچانک رشتہ پکا کرنے چلے آئے... کیوں؟ یہی سوچ مجھے پاگل کیے دے رہی ہے۔" وہ عجیب بے چارگی کے عالم میں بولی تو رشماں اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"چاچی کا وہ لاڈلا کیسے مان گیا؟ اتنی جلدی، اتنی آسانی سے... بلکہ بقول چاچی، ان کو بھیجا ہی اس نے ہے، تو یہ کایا پلٹ کیسے ہوگئی؟ وہ دیوانہ کیسے بن گیا ایک دم رشماں بی بی... پچھلے دس سالوں میں تو کبھی گاؤں

کا رخ کیا نہیں، چاچی آتیں تو پہلے پڑھائی اور بعد میں نوکری کی مصروفیت کا رونا رو کر چل دیتی تھیں... اور اب جبکہ وہ پڑھ لکھ کر اپنے پیروں پے کھڑا ہو گیا ہے... شہر کی ساری حسیناؤں کو چھوڑ کر وہ میرا طلب گار کیسے بن گیا، ہوں؟" وہ تیز تیز کہتے ہوئے تلخ لہجے میں بولتی گئی اور توجہ سے سنتی رشنا ماں نے "اوہ" والے انداز میں ہونٹ سکوڑ لیے۔ یوں جیسے سب سمجھ گئی ہو۔ ہوں سہی... اب سنو، پہلی بات یہ کہ تب شاید وہ صرف اپنے مستقبل پر توجہ دے رہا تھا دوسری بات وہ ہم سب میں پلا بڑھا ہے، ہمارا خونی رشتہ ہے اس سے... اب وہ قصے کہانیوں والے ہیرو کی طرح تم پر ظلم کے پہاڑ تو توڑ نہیں سکتا، کہ کم از کم وہ کزن جیسے رشتے کا تو ہر حال میں پاس رکھے گا، تم بے فکر رہو، اور سب سے اہم اور تیسری بات... تم شہری حسیناؤں تک مت جاؤ، ان کے پاس ایسا حسن کہاں جو ہماری خالص خوراک اور مکھن کی ملائمت سے بنی "نیلماں" کے

پاس ہے۔ وہ تو تمہارے پہلو میں بھی نہ ٹھہر سکیں' سامنے ٹھہرنا تو دور کی بات ہے۔" سنجیدگی سے کہتے کہتے وہ ایک دم شرارت سے بولنے لگی۔ تو نیلماں کو اس کے انداز تعریف پر زور کی ہنسی آئی۔ حالانکہ اس کا ہنسنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ پھر بھی کھلکھلاتی چلی گئی۔ ریشماں نے بھی ساتھ دیا۔

"بہت بدتمیز ہو تم... تم سے کچھ کہنا فضول ہے۔" وہ ہلکی پھلکی سی ہوئی تھی۔ ریشماں نے سکون کا سانس لیا۔

"ہاں میں ایسے ہی اچھی ہوں۔ بس تم اب دوبارہ پریشان مت ہونا' چاچی چاچا (نیلماں کے والدین) نے سوچ سمجھ کر ہی رشتہ پکا کیا ہو گا۔"

"لیکن انہیں ذکر تو کرنا چاہیے تھا نا؟" وہ پھر بھی مطمئن نہیں تھی۔ ہوا کے ایک تیز جھونکے سے کچنار کے دو پھول ٹوٹ کر اس کی گود میں آگرے۔

"تمہیں لگتا ہے۔ وہ تمہارے لیے کوئی غلط فیصلہ کر سکتے ہیں؟ وہ نیلماں کو سفید پھول سے کھیلتے دیکھ کر سوالیہ انداز میں بولی۔ نیلماں نے بنا کوئی لمحہ لیے بچوں کی طرح نفی میں سر ہلا دیا۔

"یہ بات اپنی جگہ ٹھیک' مگر ہو سکتا ہے نا کہ چاچی ساجدہ نے مبالغہ آرائی سے کام لیا ہو... وہ کسی شہری لڑکی کو اپنے گھر میں جگہ نہ دینا چاہتی ہوں اسی لیے مجھے بیاہنے چلی آئیں... ورنہ وہ بھی تو ساتھ آتا نا؟ ریشماں اگر جو اس نے مجھے قبول نہ کیا تو؟" وہ ایک دم کسی خوف زدہ بچے کی طرح پوچھنے لگی۔ بڑی بڑی آنکھوں میں خوف پھیل گیا۔ ریشماں کو کچھ ہوا۔

"پگلی ایسا کیوں سوچتی ہو... تمہارے ساتھ ہم سب ہیں' اللہ تمہارے ساتھ کچھ برا نہیں کرے گا نیلو... وہ نا بھی مانے تو اس کو راضی کرنا ساجدہ پھپھو کا کام ہے ہمارا نہیں... نا مانا نہ سہی' تمہیں کیوں قصوروار ٹھہرانے لگا؟" نیلماں نے سچ کہا تھا وہ اس کی سمجھ داری پر قائل ہوتی نظر آئی۔ اسی لیے ذرا لاپروائی سے بات اڑانی چاہی تھی۔

"پتا نہیں۔" مایوسی سے کہتے ہوئے اس نے کچنار کے پھول ہاتھوں میں مسل ڈالے۔ اور ہاتھ کھول کر انہیں ٹھنڈے پانیوں کے سپرد کر دیا۔ اوپر بیٹھا نیل کنٹھ اس کی سنگ دلی پر احتجاجاً" چیخا تھا۔

"اور یار فکر کیوں کرتی ہو... تم کون سا انجان ہو' ایک دوسرے کے بچپن کے ساتھی ہو' تمہاری تو ناک بھی وہی صاف کر دیتا تھا' اب کیوں مغرور ہوا ہو گا۔" ریشماں کی آنکھوں میں شرارت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اس کی تیکھی نگاہوں پر ہاتھ پہ ہاتھ مارتی ہنستی چلی گئی۔ دونوں لباس جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"جی نہیں... میری ناک نہیں بہتی۔" نیلماں نے چپ رہنا مناسب نہ سمجھا۔

"بالکل... جو سال کے گیارہ مہینوں میں خشک ہی نہیں ہوتی۔" وہ بھی کیوں خاموش رہتی۔

"سدھر جاؤ ورنہ..." چلتے چلتے اس نے دھمکی دی۔

"یہ دھمکی اپنے "شہری ہیرو" کو دینا۔" وہ کہاں باز آنے والی تھی۔ نیلماں کو شرم آگئی۔

"اے... ویسے کام کی بات بتاؤں؟" وہ مڑی اور پرسوچ انداز میں الٹے قدموں چلنے لگی۔ انسان اگر نہ بھی چاہے تب بھی... نکاح کے بولوں میں اتنی طاقت ضرور ہوتی ہے کہ وہ اسے مقابل کے سحر میں گرفتار کر کے رکھ دے... بلکہ نکاح کے بعد تو پیدا ہونے والی الگ سی کیفیت ضرور ہی کسی کا دل لمحوں میں موم کر دیتی ہے... تم دیکھ لینا اور یاد رکھنا میری بات۔" وہ کہہ کر سیدھی ہوئی اور چلنے لگی... نیلماں کے پاؤں ایک پل کو زنجیر ہو گئے وہ گم صم کھڑی کی کھڑی سوچتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

موسم کے تبدیل ہونے پر گرمیاں مکمل طور پر رخصت ہو چکی تھی اور اب سورج کے ڈھلتے لمحات سے ہی ہلکی سی سرد فضائیں بہت بھلی بھلی معلوم ہوتیں۔ سردیاں تو یوں بھی اسے بہت پسند تھیں۔

وہ آج صبح کا گیا کسی کے ساتھ ڈنر کر کے' رات کو معمول سے کچھ بڑھ کر لیٹ پہنچا تھا۔ اس وقت پورا شہر

اور اس کا گھر اندھیرے میں روشنیوں سے جگمگا رہا تھا.... وقت زیادہ نہیں ہوا تھا مگر اسے یقین تھا کہ امی ابو سو چکے ہوں گے۔ مگر وہ غلط تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہوئے سب کی آوازیں جو کہ ٹی وی لاؤنج سے آ رہی تھیں، کانوں میں پڑتے ہی وہ دل ہی دل میں حیران ہوتا پہلے سیدھا اپنے کمرے میں گیا۔

آج چھٹی کا دن تھا۔ اس کے باوجود اتنا مصروف گزرا تھا کہ اب دل بس بستر پر جانے کو کر رہا تھا۔ مگر وہ تھکن دور کرنے کے لیے منہ پر پانی کے چھینٹے مار تا چند منٹوں میں چینج کر کے واپس ٹی وی لاؤنج میں آیا تو وہاں موجود تینوں افراد کے چہرے خوشی سے تمتما رہے تھے۔ ایک تو امی ابو کا اس وقت یہاں موجود ہونا.... دوسرا اتنی خوشی کے عالم میں.... وہ سمجھ گیا۔ بات کوئی خاص ہی تھی۔

"السلام علیکم.... !" سب کو مشترکہ سلام کرتے ہوئے وہ پر سکون انداز میں صوفے پر دراز ہو گیا۔

"وعلیکم السلام میری جان.... کہاں تھے سارا دن؟ کھانا کھایا تم نے؟" امی نے پیار سے دریافت کیا۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی گاؤں سے لوٹے تھے ابشام اس بات سے بے خبر تھا۔

"جی امی.... ایسے ہی دوستوں کے ساتھ اور جی کھانا کھا لیا تھا.... آپ سنائیں، خیریت آج تو بڑی محفلیں جمی ہیں؟" تھوڑی کھجاتے ہوئے اس نے ایک نظر بہن پر ڈالتے ہوئے ہنستے ہوئے کہا۔ حنا اکثر اپنے کمرے میں پڑھتے ہوئے پائی جاتی تھی۔ اسی لیے سب کو ساتھ بیٹھا دیکھ وہ سکون محسوس کر رہا تھا۔ تھکن آہستہ آہستہ دور ہونے لگی۔

"ہاں بھئی بات ہی کچھ ایسی ہے.... اور اب تو ان شاء اللہ بہت جلد ایسی محفلیں ہر روز ہی دیر تک جما کریں گی۔" ساجدہ محبت پاش نظروں سے اپنے خوبرو بیٹے کو دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولیں۔

"آج ہم گاؤں گئے تھے۔" ابشام ان کی بات پر چونک کر سیدھا ہوا۔

"اور ہم کسی خاص مقصد کے لیے گئے تھے۔ آخر کب تک تمہیں ڈھیل دیتے رہتے؟" ساجدہ نے بہت کچھ بتا کر بھی بہت کچھ چھپا لیا تھا۔ دائیں بائیں بیٹھے ملک حامد اور حنا کے چہروں پر محظوظ کن مسکراہٹ تھیں۔ جیسے وہ ساجدہ کے ڈرامائی انداز سے لطف اٹھا رہے ہوں۔ جبکہ خاص مقصد.... ڈھیل....؟ سن کر ابشام کو کسی خطرے کا احساس ہوا۔

"میں اب سمجھا نہیں امی؟" وہ ٹھہر ٹھہر کر تحمل سے بولا۔ نگاہیں ان کے چہرے پر جمی تھیں۔

"مطلب کہ.... بھئی ہم تمہارے رشتے کے لیے گئے تھے.... آپ جناب اتنے بڑے ہو گئے ہیں کہ کسی اور کو سنبھال سکیں.... اس لیے ہم نے تمہاری شادی کا فیصلہ کیا ہے۔"

ساجدہ نے اطمینان سے راز فاش کر دیا اور ابشام جو پہلے ہی کچھ کچھ سمجھ رہا تھا، اس کے باوجود یہ خبر کسی دھماکے سے کم نہ لگی۔ وہ شل سا انہیں آنکھیں پھاڑے دیکھے گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ فلک سے اترتی، دھرتی پر بکھرتی ساری کی ساری تاریکی باہر سے اندر کی طرف گھستی چلی آ رہی ہو۔ سانسیں حلق میں ہی اٹکنے لگیں۔

"او.... ر.... پھر؟" وہ کسی امید سے بے ربط سا بولتے ہوئے پوچھ بیٹھا۔ شاید ویسا نہ ہوا ہو.... شاید کچھ اور ہو گیا ہو؟

"ارے ابھی بھی پھر پوچھ رہے ہو.... بڑے بھولے ہو اور پھر یہ کہ ہم یہ رشتہ پکا کر آئے ہیں۔" اب کا کیا انکشاف پہلے دھماکے سے بہت زیادہ طاقت ور تھا۔ وہ چکراتے سر کے ساتھ شاکڈ رہ گیا۔

"امی آپ نے اتنا بڑا فیصلہ اچانک کر لیا.... وہ بھی بنا بتائے مجھ سے پوچھا تو ہوتا پہلے....!"

وہ شاکنگ لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ دکھوں میں بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ کچھ دیر پہلے کی آتی نرگسی پھولوں کی خوشبو سے اب دم سا گھٹنے لگا تھا۔

"پہلے پوچھنے سے کیا ہونا تھا.... کیا تم ہمارا فیصلہ بدلتے؟" اس نے ماں کی شکن آلود پیشانی کو بغور دیکھا۔ کچھ دیر پہلے نرمی و خوشی کی جگہ اب سنجیدگی نے

لے لی تھی۔ اس نے خود کو عجیب ہی مصیبت میں گرفتار ہوتے دیکھا۔

"نہیں... لیکن آپ کو سوچنا چاہیے تھا ناں۔ میرے لیے آپ کسی گاؤں کی لڑکی کو کیسے منتخب کر سکتی ہیں؟ آپ جانتی ہیں ناں میں ایک پڑھی لکھی لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔" وہ آہستگی سے کہتے آنکھوں میں ڈھیروں خفگی لیے ہوئے تھے۔ ساجدہ نے شوہر کو نظروں ہی نظروں میں کچھ جتایا۔

"لیکن بھائی! نیلماں ان پڑھ نہیں ہے۔" حنا کو بھائی کا اعتراض ذرا نہ بھایا۔ فوراً" ٹوکنا ضروری سمجھا۔ ابشام نے تیکھی چتونوں سے اس کی زبان کو بریک لگوائی۔

"ہاں شامی! حنا ٹھیک کہتی ہے... نیلماں پڑھی لکھی سلجھی ہوئی بہت پیاری بچی ہے۔ وہ تمہارے معیار پر پوری اترے گی میری جان۔" وہ قدرے نرم پڑیں اور پیار سے دوبارہ سمجھایا۔ بلکہ یقین دلایا۔ یہ نرم و محبت سے چور لہجہ ان کی شخصیت کا خاصہ تھا۔ جس سے وہ اپنے بچوں کو زیر کرنا جانتی تھیں۔

"آئی ایم سوری امی مگر... میرے لیے شاید یہ ممکن نہیں۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا۔

"کیا ممکن نہیں تمہارے لیے... اپنی ماں کی عزت کا پاس رکھنا؟ اس کا مان بڑھانا، سر فخر سے اونچا کرانا تمہارے لیے ممکن نہیں رہا اب۔ یہ ہے تمہاری محبت؟" وہ تیز تیز بولتے ہوئے جذباتی پن کا سہارا لے رہی تھیں اور ابشام کو اسی وقت سے ڈر لگتا تھا کہ جب اس کی محبت پر سوال اٹھے... وہ ماں کو تکلیف دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے اوپر ستم یہ کہ دوسرا سوال اس کی زندگی کا تھا۔ کرب سے اس نے آنکھیں میچ لیں، کمرے میں معنی خیز سا سکوت چھا گیا۔

"امی میری بات سنیں... میں سمجھتا ہوں آپ کو"
اس سکوت کو اسی نے توڑنا تھا اور اسی نے توڑا، مگر ساجدہ اب جڑے رشتے کو مر کر بھی نہیں توڑ سکتی تھیں۔ اسی لیے سرعت سے اٹھی تھیں۔

"سمجھاؤ، مجھے نہیں خود کو... کیونکہ میں اب بات طے کر آئی ہوں اور مجھے اب بھابھی، بھائی صاحب کے سامنے شرمندہ ہونا کسی صورت منظور نہیں، شادی تمہاری نیلماں سے ہی ہوگی اور میں اپنے ارادوں کی کتنی پکی ہوں... اس کا اندازہ تمہیں ہو جائے گا اور اگر تم نے اپنی مرضی کرنا چاہی تو...." ان کا لہجہ جتنا تیکھا تھا انداز اتنا ہی کرخت... وہ تنبیہہ کرتے ہوئے بنا ایک لفظ سنے، سکون سے آگے بڑھ گئیں اور اس کا رات بھر اور آنے والے دنوں کا چین و سکون لمحے بھر میں غارت کر گئیں۔ وہ سر میں اٹھتی درد کی ٹیسوں کو بمشکل دباتا، بالوں میں انگلیاں پھنسائے بیٹھا رہا۔ امی کے بعد ابو... اور حنا بھی اٹھ کر چلی گئی۔

اب ایک وہ تھا اور گہری سی تاریک رات تھی جس میں اتنی ہی گہری اداسی کی باس تھی۔ وہ عجیب الجھن میں گرفتار رات بھر جاگتا رہا۔

☆ ☆ ☆

فجر کی پہلی آذان کے ساتھ ہی وہ جاگ جایا کرتی تھی... اور ابا کے لیے نماز کے وضو کے لیے پانی گرم کرتی کیونکہ سردی کا موسم تھا۔ ٹھنڈ ابا سے بالکل برداشت نہیں ہوتی تھی، اسی لیے وہ ان کی لاپروا طبیعت کے باعث ان سے بھی پہلے جاگ جایا کرتی... پھر ابا کو مسجد روانہ کر کے خود نماز کا اہتمام کرتی۔ تب تک اماں بھی جاگ جایا کرتیں۔

وہ کہنیاں فولڈ کیے، لسی سے مکھن علیحدہ کر رہی تھی۔ پورے انہماک اور محویت سے مرغیوں کے ڈربے سے درجن بھر دیسی انڈے، دوپٹے کے پلو میں اٹھا کر لاتی اماں نے اس کا مگن انداز دیکھا... تو چہرے پر ممتا کے سبھی رنگ بکھر گئے۔ جب سے اس کی بات پکی ہوئی تھی، بات بات پر اماں کے دل میں محبت ابھر ابھر آتی۔

"گھر کا سارا نظام اپنے کندھوں پر اٹھائے تم نے میری عادتیں بگاڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ سوچتی ہوں تمہارے بغیر کیسے گزارہ ہوگا؟" وہ جاتے جاتے پلٹیں... نظریں اپنی پیاری بیٹی پر جمی تھیں۔ نیلماں تو جیسے تیار بیٹھی تھی۔ جھٹ بولی۔

"تو پھر کیوں، مجھے اتنی دور بھیج رہی ہیں؟" خفگی آنکھوں سے ہی نہیں چہرے سے بھی عیاں تھی۔ سارا زور "اتنی" پر لگا دیا۔ اماں کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"پگلی اتنی کہاں... تم کون سا سات سمندر پار جا رہی ہو اور پھر ایک نا ایک دن جانا تو تھا ہی۔" وہ اس رشتے سے کافی خوش نظر آتی تھیں۔

"تمہاری چاچی کتنی چاہ سے مانگ کر گئی ہے تمہیں، بچپن میں ایک دو بار محض ذکر کر دینے سے میں یہی سمجھتی تھی کہ وہ یونہی ایک بات کر دیتی ہے، مگر اب تو میں ابھی تک بے یقین ہوں کہ شہر جا کر اس نے یہ بات یاد رکھی... سچ میں، بڑی محبت کا ثبوت دیا ہے اس نے 'بس اللہ سائیں تمہارے نصیب اچھے کرے۔'"

دعا دے کر وہ انڈے رکھنے اندر چلی گئیں تو وہ گہری سانس لیے انہیں خالی خالی آنکھوں سے جاتا دیکھتی رہی۔

وہ بہت چھوٹی تھی جب چاچی، چاچا بہت پیار سے کہا کرتے... نیلو کو تو ہم اپنی ہی بیٹی بنائیں گے۔ ہمیں تو بالکل حنا کی طرح عزیز ہے۔ وہ تب کی بات ہے اور تب ہی دب گئی۔ چچا جان کو اپنے بچوں کو پڑھانے لکھانے کا بے حد شوق تھا۔ وہ جاگتی آنکھوں سے ان کو پڑھا، لکھا انسان بنے دیکھنے کا خواب دیکھتے تھے۔ ابشام بھی تو تب اتنا ہی تھا۔ اس سے ایک دو سال بڑا... پہلی پہل ان کی بہت دوستی تھی مگر تب تک جب تک وہ شہر سے نہیں گئے... شہر جانے کے بعد نیلماں نے ابشام کھو دیا... نیلماں ناخوش رہنے لگی۔

"خوشی ہو گی تو تبھی... جب آئے گا ابی۔" اور ابی آیا بھی... ہاں وہ آیا اسی گاؤں میں، انہی گلیوں میں... امرود لگے کچے صحن والے گھر میں... اس دن عید نہیں تھی۔ سورج بھی مغرب ہی سے طلوع ہوا تھا۔ مگر کچھ تو ایسا تھا کہ دل میں معصوم سی خوشی کے ساز چھڑے تھے۔ وہ نو سال کی تھی اور کمرے کے دروازے کے پیچھے چھپی کھڑی تھی۔ اس نے اس دن خاص طور پر اپنی سرخ چنری اوڑھ رکھی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ تب دل نے دھڑکنا سیکھ لیا تھا۔ بات بس اتنی سی تھی کہ وہ بے پناہ خوش تھی۔ چنری اسے دکھانے کے لیے نہیں تھی، بلکہ اس کی خوشی میں اوڑھے جانے کے لیے تھی۔ وہ خوشی جو کسی کو دیکھ کر بے اختیار دل سے ملتی ہے... کسی بچھڑے کو مل جانے والی خوشی کسی اپنے کے لوٹ آنے کی خوشی... وہ "اپنا" جو لوٹ تو آیا تھا۔ مگر "کبھی" "لوٹ کر" "نہیں" آنا تھا۔

وہ چھپی کھڑی تھی... وہ سامنے نظر آرہے تھے۔

وہ دو سالوں بعد مکمل تبدیل ہو کر آیا تھا۔ بالکل "شہری بوائے" بن کر... گاؤں والا ابی تو کہیں نہیں تھا... البتہ شہر والا ابشام موجود تھا۔ بدلا بدلا اور اجنبی سا... سارا وقت ماں کے پلو سے جڑ کر بیٹھا رہا... پاؤں زمین سے یوں بچا رکھے تھے جیسے وہ اس مٹی سے آشنا ہی نہیں۔ شہر اسے خوب راس آگیا تھا... اور اسے اپنے رنگ میں ڈھال گیا تھا... گاؤں والے خوش شکل، خوش مزاج ابی کی جگہ... ایک صحت مند، گورے چٹے، سنہری بالوں والے ابشام نے لے لی تھی... جو سنجیدہ بھی تھا، کم گو بھی... اور سب سے بڑھ کر پرایا بھی، تو جب وہ پرایا تھا... نیلماں دروازے کی آڑ سے ہٹ گئی۔ وہ اسے ملنے نہیں گئی... جاتی بھی کیوں... اس کے گاؤں سے جاتے ہی شاید دوستی اور رشتے بھی جاتے رہے تھے۔ ذرا سی آہٹ پا کر وہ سوتی بن گئی۔ اس نے آہستہ سے سر نہ اٹھایا اور انجان ہی رہی کہ چاچی، چاچا کب واپس گئے... اب اسے جاننا بھی نہیں تھا۔ دلچسپی دھواں بن کر اڑ گئی۔

اگلی دفعہ وہ تب آیا جب وہ میٹرک کے امتحان دے رہی تھی... اس بار اس نے غیر دلچسپی سے سنا... اور لاپروائی سے ذہن سے نکال دیا۔ مگر وہ بہت ذہین تھی... پھر بھی نہ بھول سکی۔ اب کی بار وہ چھ سال بعد آیا تھا اور پہچانا ہی نہ گیا... وہ نیلماں سے کچھ بڑا تھا مگر اب تو کچھ زیادہ ہی قد نکل آیا تھا۔ میٹرک وہ پاس کر چکا تھا اور اب کالج جاتا تھا۔ نیلماں کو یقین ہو گیا۔ کالج کی دنیا بہت حسین ہوتی ہو گی اور اس حسین دنیا میں اس حسین لڑکے کو ہی پڑھنا چاہیے تھا۔

اب کی بار وہ خود گیا تھا "شہری بوائے" سے "شہری

ہیرو" کا سفر بہ آسانی طے کر چکا تھا۔ اور اب کی بار گیا' دوبارہ لوٹ کر ہی نہیں آیا۔ حنا سے اس کی تھوڑی بہت بات چیت ہو جاتی۔۔۔ مگر اس سے رتی برابر بھی نہیں۔

کبھی وہ سوچ میں پڑ جاتی۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ وہ خفا ہوتا ہو؟ اتنے دور سے آتا ہے اور ہم ملیں ہی نا؟ کچھ دیر وہ یونہی متذبذب رہتی پھر سر جھٹکتی۔

"ہوتا ہے تو ہو رہے۔۔۔ اونہہ 'بڑا پڑھا لکھا شہری سمجھتا ہے خود کو۔" وہ منہ بناتی شہرا سے کافی سے زیادہ ناپسند تھا۔ اور اب وہ اپنے جذبے یاد کرتی تو بچکانی سوچ پر کھلکھلاتی چلی جاتی۔ رشماں اکثر اوقات اسے چھیڑتی رہتی۔

اور پھر وقت کے تیور بدل گئے۔ وہ جو اس گاؤں سے بھی چلا گیا تھا۔ اب ہمیشہ کے لیے اس کی زندگی میں شامل ہونا چاہ رہا تھا۔ اس نے سنا تو سورج کی تیکھی روشنی جیسے آنکھوں میں گھستی چلی گئی۔ جس کے بعد کچھ نہ دکھائی دیا۔۔۔ یہ سنائی' اوپر سے چاچی کی مبالغہ آرائی' اسے سو فیصد یقین تھا کہ مبالغہ آرائی ہی کی گئی تھی۔

یہ نہیں تھا کہ وہ اسے پسند نہیں تھا۔۔۔ اصل مسئلہ اس کی بے رخی اور اجنبیت تھا۔ وہ کسی ایسے شخص کے ساتھ کیسے زندگی گزارے گی جو رویہ ہی روکھا رکھتا تھا۔ اوپر سے اماں' ابا' رشماں کی دوری۔۔۔ (رشماں اس کی دوست تھی۔ کزن بھی۔۔۔ مگر سگی بہن سے بڑھ کر تھی۔) یہ اس کی سوچ تھی۔۔۔ اور ایسا صرف وہی سوچتی تھی۔۔۔ باقی تو کوئی اس نقطے پر سوچتا ہی نہیں تھا۔

وہ پھر سے انہی خیالوں میں کھوئی۔ اس نے نظریں اٹھا کر اوپر دیکھا تو سورج کی ہلکی سرخ رنگت سنہری پن میں تبدیل ہو رہی تھی۔ کھوئی ہی رہتی اگر رشماں نہ آتی۔

☼ ☼ ☼

سردی تو موسم میں آئی تھی۔۔۔ مگر سمجھ سے باہر تھا کہ سرد رویے اس گھر کے مکینوں کے کیوں ہو گئے ہیں۔ وہ ہزار کوششوں سے انہیں سمجھا چکا تھا۔ مگر ساجدہ مان کے نہ دیں۔ اور مان بھی نہیں سکتی تھیں۔ بات ہی کچھ ایسی تھی۔

یہ ان کی دلی خواہش تھی کہ ان کے گھر میں بہو کی جگہ 'نہلماں' ہی لے اور وہ ہمیشہ سے ہی نہلماں 'ابی کو ساتھ ساتھ دیکھتی آئی تھیں۔ مگر فی الحال وہ چپ تھیں کہ بیٹے کو دھیرے دھیرے اپنے خواہش سے آگاہ کریں گی۔۔۔ اور وہ ایسا ہی کرتیں 'اگر جو کسی اور ہی معاملے کی بھنک نہ پڑ جاتی۔ وہ بھی بہت سے عام دنوں کے جیسا ایک عام دن تھا۔ ابشام گھر پر تھا اور شاور لے رہا تھا۔

ساجدہ کسی کام سے اس کے کمرے میں داخل ہوئیں تو کب سے بجتا فون ایک بار پھر بج رہا تھا۔ وہ سرسری سے انداز میں موبائل دیکھنے لگیں۔ اسکرین پر "مہک کالنگ" جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ آج سے قبل انہوں نے اس نام کے نمبر کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ فطری طور پر ٹھٹکیں' ابشام کے کئی دوست تھے مگر ان میں انہوں نے کبھی لڑکی کا ذکر نہیں سنا تھا اور وہ یہ بات پسند بھی نہیں کرتی تھیں۔ تاہی کبھی ابشام نے انہیں شکایت کا موقع دیا تھا۔ اب یوں اچانک یہ مہک نامی لڑکی جانے کہاں سے اگ آئی تھی۔ کچھ سوچتے ہوئے انہوں نے چپ چاپ فون کان سے لگالیا۔

"ہیلو۔۔۔ اوہ تھینک گاڈ' تم نے فون تو اٹھایا۔۔۔ شامی کے بچے کہاں ہو تم' دو دن سے نہ ملے ہو' نا کوئی ٹیکسٹ کیا اور اب کال بھی ریسیو نہیں کر رہے تھے؟ تم آؤ ایک بار ہاتھ میرے پھر بتاتی ہوں۔" وہ جو کوئی بھی تھی' خاصی بے تکلفی سے بول رہی تھی۔ ساجدہ دنگ رہ گئیں۔

"او۔۔۔ ہیلو کال اٹھا ہی لی ہے تو بات بھی کر لو۔۔۔ مانا کہ میری آواز اتنی پیاری ہے کہ اس پر بہت سے لڑکے جان دیتے ہیں مگر تم تو پھر تم ہو۔۔۔ اب کیا تم بھی مراقبے میں جاؤ گے۔۔۔ کم آن یار!" ایک تو اس کا انداز۔۔۔ اوپر سے وہ بات۔۔۔ ساجدہ صحیح معنوں میں چکرا کر رہ

گئیں۔ کانپتے دل کے ساتھ انہوں نے فون رکھا اور بنا ابشام سے بات کیے واپس لوٹ آئیں۔ اس وقت وہ سخت پریشانی کا شکار نظر آ رہی تھیں اتنا تو وہ بھی جان گئی تھیں کہ ان دونوں میں کوئی رشتہ ضرور ہے چاہے دوستی کا سہی۔۔۔ یا پھر بھلے سے پسندیدگی کا۔۔۔ مگر وہ ایسا ہرگز برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔

ملک صاحب نے بیگم کو پریشان دیکھا تو پوچھے بغیر نہ رہ سکے۔

"کیا بات ہے ساجدہ خیریت ہے؟"

"وہی تو نہیں ہے۔۔۔ مجھے لگتا ہے شامی کسی لڑکی سے مل جل رہا ہے۔" انہوں نے پریشانی کی وجہ بتائی۔ ملک صاحب اچھل پڑے۔ وہ کافی عرصے سے شہر ضرور رہ رہے تھے۔ مگر یہ بات ان کے لیے معمولی نہیں تھی۔ ایسے معاملوں میں وہ اب بھی پہلے والی سوچ رکھتے تھے۔

"تمہیں کیسے پتا چلا؟"

"میں ابھی ابھی اس کا فون سن کر آ رہی ہوں۔" وہ تھک کر بیٹھ گئیں اور پوری بات ان کو کہہ سنائی۔ ملک صاحب کسی سوچ میں گم ہو گئے۔

"مگر ہو سکتا ہے کہ جیسا تم سوچ رہی ہو' ویسا کچھ نہ ہو؟" انہوں نے سوال اٹھایا۔ ساجدہ نے فوراً" سے بیشتر سر نفی میں ہلایا۔

"ہوں' ہو سکتا ہے مگر میں جانتی ہوں ملک صاحب۔۔۔ ایسی لڑکیاں بڑی چالاک ہوتی ہیں' لڑکا اچھا دیکھا نہیں اور ڈورے ڈالنا شروع ہو گئیں' وہ میرے معصوم بیٹے کو پھانس لے گی ملک صاحب۔۔۔ ہمیں کچھ کرنا چاہیے۔" ان کی پریشانی کم ہونے کا نام نہ لیتی تھی۔ درحقیقت انہیں شامی سے ایسی توقع نہیں تھی۔

"تو تم کیا چاہتی ہو؟ ہم چل کر شامی سے بات کرلیں؟" انہوں نے آسان سا حل سامنے رکھا۔

"نہیں۔۔۔" ساجدہ نے فوراً" اعتراض اٹھایا تھا۔ وہ بہت کچھ سوچ چکی تھیں۔

"آپ کو یاد تو ہوگا کہ ہم نیلماں کی بات پہلے سے بھائی' بھابھی سے کر چکے ہیں؟" انہوں نے یاد دلاتے ہوئے استفہامیہ نگاہیں ان پر ڈالیں۔

"ہاں اور ان کو کوئی اعتراض بھی نہیں تھا۔۔۔ پھر؟" ان کی بات خود ہی مکمل کرتے ہوئے وہ کچھ الجھ کر بولے۔ ساجدہ کچھ پرجوش سی ہو گئیں۔

"جی بالکل۔۔۔ پھر یہ کہ ہم دو تین دن تک جا کر بات پکی کر آتے ہیں۔" وہ اچانک ہی کہہ گئیں۔ حامد ملک حیران رہ گئے۔

"ایسے کیسے۔۔۔ یوں اچانک؟"

"اچانک ہے مگر جلدی نہیں۔۔۔ شامی اور نیلماں دونوں کی ہی عمریں شادی کی ہو چکی ہیں' تو پھر اس نیک کام میں دیر کیسی؟ اسی طرح ہم اپنے بیٹے کو کہیں اور بھٹکنے سے بچا سکتے ہیں۔" انہوں نے عقل مندی کا ثبوت دیتے ہوئے ہر بات کی وضاحت کر دی۔ ملک صاحب سیدھے ہو بیٹھے۔

"اور اگر شامی نا مانا؟" انہوں نے توجہ دوسری طرف دلانا ضروری سمجھا۔ ساجدہ شوہر کے متفق ہونے پر پرسکون سی ہو گئیں۔

"وہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔" انہوں نے کچھ اس انداز میں کہا کہ حامد ملک بے اختیار ہنس پڑے اور ہنسی تو ان کے لبوں کے تراش میں بھی بکھر گئی یوں جیسے ساری پریشانی ختم ہو گئی ہو۔

اور شامی کے فرشتوں کو بھی پتا نہ چلا کہ ایسا کب' کیوں' کیسے ہو گیا؟ وہ تو ابھی تک اس معاملے کو سوچتے ہوئے بری طرح سرگرداں تھا۔ امی کی' بول چال بالکل بند تھی ابو کا بھی لیا' دیا سا انداز۔۔۔ حتا بے چاری بھی بھائی کی سنتی تو کبھی ماں' باپ کی۔۔۔ وہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ وہ آج کل کس تکلیف میں تھا کسی کو بھی پروا نہیں تھی اور پروا تو اسے نیلماں کی بھی نہیں تھی۔۔۔ اس کے ذہن میں ابھی تک وہ پچھلے پندرہ' بیس سال پہلے والا نیلماں کا خاکہ موجود تھا۔۔۔ اور اس نے اسے کبھی ناپسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا۔ مگر وہ کیا کرتا۔۔۔ وہ اس سے قبل ہی کسی کو پسندیدگی کی سند سے نواز چکا تھا۔

سرما کے دن جوں جوں چڑھ رہے تھے، سردی کی شدت میں اضافہ سا ہوتا جا رہا تھا۔ سات بجے کے بعد اسی ہی زمین پر جھک کر کھڑی رات اتنی سیاہ ہوتی کہ پہر گزر جانے کا گمان ہوتا۔ وہ کئی دنوں کی چلتی اس سرد جنگ سے تنگ آچکا تو دوٹوک بات کرنے... آر یا پار کا سوچتا ماں کے مقابل تھا۔ "امی آخر کیوں کر رہی ہیں ایسا...؟"

"وہ بے بسی سے رو دینے کو تھا۔" ساجدہ کے دل کو کچھ ہوا۔

"آپ کو میری خوشی عزیز نہیں۔"

"عزیز ہے... تب ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔"

"امی میں خوش نہیں رہ سکوں گا۔ میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں۔" کہنے کے ساتھ ہی اس نے نگاہیں جھکالیں۔ وہ ماں کی آنکھوں میں تیرتی بے یقینی نہیں دیکھ سکتا تھا اور اسی بات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ساجدہ نے منہ پھیر کر بھنوؤں سے شوہر کو تیکھا سا اشارہ دیا۔ (دیکھا میں نہ کہتی تھی) ملک صاحب اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گئے اور حنا حق دق... ہونق بن گئی۔

"کون ہے وہ؟" ساجدہ کا پرسکون انداز ایسا تھا جیسے اس نے کوئی عام سی بات کی ہو۔ بے یقینی اب شامی کی آنکھوں میں ابھری تھی۔

"مہک... نام ہے اس کا میرے ساتھ پڑھتی تھی۔"

"ہوں تب سے چکر چل رہا ہے؟" ان کا انداز تھانے داروں والا تھا۔ شامی سٹپٹا گیا۔

"نہیں ایسی بات نہیں..." اس نے نفی کرنا چاہی۔

"خیر بات جو بھی ہو، ایسی لڑکیاں گھر نہیں بسا سکتیں جو خود خوشبو میں بسی رہنے کی عادی ہوں... اور جن کا نام ہی مہک ہو۔" انہوں نے اتنی آسانی سے بات لپیٹ دی شامی شاکڈ رہ گیا۔ اسے مہک کو، ماں کی طرف سے اس طرح رد کیے جانے کی توقع نہیں تھی۔

"امی آپ یہ کیسے کہہ سکتی ہیں؟" وہ احتجاجاً کراہتے ہوئے بولا۔ ساجدہ نے گہری سانس لی اور پہلی بار نرمی سے اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگیں۔

"تو پھر تم ہی بتا دو... جیسا کہ ہماری بھی کوئی عزت ہے۔ تمہاری وہ مہک اگر بیاہ کر اس گھر میں آتی ہے تو کیا وہ ہمارے گھرانے کے رسم و رواج اپنا لے گی؟ ہمارے ہاں عورتیں گھر سے باہر نکلتے ہوئے بغیر پردے کے جانا گوارہ نہیں کرتیں اور مہک... حیا و لحاظ کا سرمہ ڈالے بغیر... تو کیا وہ بھی پردہ کرتی ہے؟ شادی کے بعد صرف تمہاری امانت ہونے کے خیال سے پردے کو ترجیح دے گی؟ اس گھر کو کسی عقل منداور نیک سیرت لڑکی کی ضرورت ہے کیونکہ میں اپنی زندگی گزار چکی اور حنا بھی اپنے گھربار کی ہوجائے گی... ایسے میں یہ گھر اور اس کی ساری ذمہ داریاں تمہاری ہونے والی بیوی کے سر ہوں گی، تو کیا وہ ان کو بخوبی نبھانے کے قابل ہے؟ صبح سویرے اٹھنا... ساس، سسر کو ناشتا دینا شوہر کو آفس بھیجنا اور بعد میں بچوں کی اچھی پرورش سے لے کر دن بھر کے دوسرے کام کاج... اگر وہ سنبھال سکتی ہے تو بولو، مجھے منظور ہے... ورنہ اپنی ضد چھوڑ دو، کیونکہ نیلماں کی گھٹی میں یہ سب چیزیں شامل ہیں اور میں پورے وثوق سے کہتی ہوں... فیصلہ اب خود کر لو۔" اور یہیں آکر حد ہی ختم ہوگئی۔ وہ اس کو لاجواب کر کے اب اس سے جواب کی منتظر تھیں۔ شامی ساکت کا ساکت بیٹھا تھا۔ لاؤنج میں اس پل کو ایسا موت کا سا سناٹا پھیلا تھا کہ جس میں گھڑی کی سوئی بھی اپنی موجودگی کا اعلان کیے دے رہی تھی۔

"امی میں نے وعدہ کیا ہے اس سے؟" وہ بے بسی کی انتہا پر پہنچ کر اتنا ہی بول سکا۔

"میں نے بھی کسی کو زبان دی ہے شامی، مجھے امید نہیں تھی کہ تم نافرمانی کرو گے... اب تمہیں دیکھنا ہے کہ چھوٹے ہو کر اپنی ضد چھوڑتے ہو یا اپنے بڑوں کو جھکاتے ہو... کسی اور سے شادی سراسر تمہاری اپنی مرضی ہو گی، جس سے ہم سب کا کوئی تعلق نہیں ہو گا۔" وہ بھی بیگانگی کی حد پر پہنچ کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور وہ واقعی ہار مان گیا۔ آخر میں اسے ہار ہی ماننی تھی۔ وہ ماں کی بات نہیں ٹال سکتا تھا۔

"ٹھیک ہے امی، مجھے آپ کا فیصلہ منظور ہے۔ لیکن آپ مجھے مہک سے ملنے یا اسے چھوڑنے پر مجبور نہیں کریں گی۔۔۔ نا ہی میں ایسا کروں گا۔" مرے مرے شکست خوردہ لہجے میں ان کی بات مان کر اس نے اپنی بات بھی کہہ دی جو ساجدہ کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ وہ جھٹکے سے مڑیں اور خوش گوار حیرت میں گھر کر اسے دیکھا۔ اتنا تو انہیں بھی یقین تھا کہ وہ کسی نہ کسی صورت مان ہی جائے گا۔۔۔ ابھی اس نے ہاں کر دی تھی۔ انہیں اس کی بات کی نفی کرنا مناسب نہ لگا فی الحال کے لیے یہی ان کی سب سے بڑی جیت تھی۔

اور وہ۔۔۔ سناٹوں میں بیٹھا رہا۔ آنکھوں کے کنارے ایک پتلی سی لکیر ابھر رہی تھی۔

❋ ❋ ❋
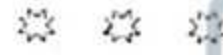
گزشتہ روز ہوئی بارش نے برف ہی برسا دی، ایک دن میں موسم کا حال یوں بدلا کہ باہر نکلتے ہی ٹانگوں کا نچلا حصہ کپکپانے لگتا۔ بارش تو ایک روز برسی۔۔۔ خوشیاں اسی حساب سے روز برستی تھیں۔

بس اس کی ایک ہاں کی دیر تھی۔۔۔ شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری ہو گئیں۔ آئے روز گاؤں کا چکر لگتا۔ کام تیزی سے ہو رہے تھے شادی کے دن جو قریب آ رہے تھے وہ ان سب میں خاموش تماشائی بنا رہتا۔ کچھ سمجھ نہ آتا تو تھک کر لیٹ جاتا۔ سکون وہاں بھی نہ آتا اضطراب نیند کا دشمن تھا۔۔۔ اور غم سکون کا بے چینی ایسا عذاب تھی، جو چین نہ لینے دیتی۔

انسان کی یہ فطرت میں ہے کہ۔۔۔ کچھ پریشانیاں وہ یونہی مفت میں اکٹھی کیے پھرتا ہے۔ پھر چاہے ان کے بوجھ سے دل ہی کیوں نہ گھٹنے لگے۔ کافی دن ہوئے تھے مہک سے ملے وہ اپنی حالت سے اکتا کر اس سے ملنے چلا گیا۔ وہ جو اس سے بے تحاشا خفا بیٹھی تھی۔۔۔ اسے دیکھ کر چونک گئی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے۔۔۔ بیمار ہو؟" وہ خشمگیں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ وہ اس وقت کافی شاپ میں بیٹھے تھے۔ مہک نے جینز پہ ہلکی آف وائٹ شرٹ پہن رکھی تھی اور کندھوں تک آتے ریشمی بالوں میں چمک سی پیدا ہو رہی تھی۔ خوشبو میں بسی وہ لڑکی ہمیشہ کی طرح آج بھی اسے بہت اچھی لگی۔

"میری چھوڑو۔۔۔ تم ناراض ہو مجھ سے؟" وہ سنجیدگی سے اسے دیکھتے جا رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ اسے کھونے جا رہا ہو، مہک نے ناک چڑھائی۔

"فرصت مل گئی تمہیں۔۔۔ تمہیں بھی میری ناراضی کی پروا ہے؟ مجھے سچ میں حیرت ہے۔۔۔ اور میں اچھی طرح دیکھ رہی ہوں، تم کیسے مجھ سے کترا رہے ہو۔" وہ ناگواری سے اسے دیکھتے ہوئے تیکھے لہجے میں بول گئی۔ شامی مشکل سے پھیکا سا مسکرا سکا۔

"تم غلط سوچ رہی ہو۔۔۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے میں کچھ مصروف ہوں۔" وہ نظریں چرا گیا مہک سے اس کی یہ حرکت چھپی نہ رہ سکی۔

"اچھا، مصروف۔۔۔ مثلاً "کہاں"؟ تم جانتے ہو تمہارے معاملے میں، میں کتنی حساس ہوں۔۔۔ لوگ مہک سے ملنے کو بے تاب رہتے ہیں اور مہک تم سے۔۔۔ یہاں تم ہو کہ۔۔۔ جانتے ہو تمہاری وجہ سے میں باقی دوستوں کے ساتھ کہیں جانے کے لیے کتنی دفعہ انکار کر چکی ہوں۔ مگر تم یوں نخرے دکھاتے ہو جیسے مل کر احسان کر دو گے۔۔۔ ہونہہ۔" غصے میں اسے سنا کر وہ دوسری سمت دیکھنے لگی۔ باقی دوستوں کا سن کر ہی ابشام کو ناگواری کا احساس ہوا۔ مہک اس بات سے واقف تھی پھر بھی انجان بنی رہی۔ شامی نے اس کے تجاہل کو نظر انداز کیا۔

"تمہیں میری بات پر یقین رکھنا چاہیے۔ میں پہلے بہت ٹینشن میں ہوں۔" ماتھا مسلتے ہوئے اس نے یہی کہا۔ صفائی پیش کرنے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔ وہ پہلے سے ہی بہت تھکا ہوا تھا۔ دماغ نے کام کرنا بند کر رکھا تھا۔

"کچھ بتانا پسند کرو گے؟" اس نے پھر طنز کیا۔ ابشام اسے کچھ دیر دیکھتا رہا۔ بتا دینا چاہیے۔ چھپانے کا کوئی فائدہ بھی نہیں

"ہوں... تحمل سے میری بات سنو۔"

پانچ لفظوں پر مبنی شامی کے جملے پر مہک کو الیکٹرک شاک لگا... وہ بھی اتنی زور سے کہ وہ بری طرح اچھلی۔

"شادی...؟" وہ چیخ پڑی۔ شامی بوکھلا گیا۔ اسے اسی بات کی توقع تھی۔ بہت سے سر ان کی طرف مڑے تھے۔ مہک کو فوراً" اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ ذرا سی رکی اور ٹیبل پر جھک کر دبے لہجے میں غرائی۔

"تم ہوش میں تو ہو... تم کسی اور سے شادی کیسے کر سکتے ہو؟" دانت پیس کر وہ اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگی۔ بس نہ چلتا تھا کہ اٹھ کر غصے سے پوری کی پوری ٹیبل الٹ دے۔

"ہاں... اور میری اجازت سے ہو رہی ہے۔" وہ اتنی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا کہ مذاق کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی تھی۔ شامی کی اگلی بات نے مہک کے ہوش اڑا دیے۔ اور نظر آئی بے بسی نے حواس!

☆ ☆ ☆
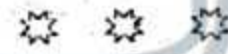
فلک بادلوں سے ڈھکا تھا یا دھند کی تہ سے... اندازہ لگانا دشوار تھا۔ ہلکی تھرتھراتی سرد ہواؤں کا چار سو راج تھا۔ امرود کے سردی سے سکڑے پتے ہل ہل کر آنے والے مہمانوں کا استقبال کر رہے تھے۔ بادلوں سے ڈھکے اس کچے صحن والے گھر میں خاصی گہما گہمی تھی۔

اماں بغیر پیروں میں جوتی ڈالے ننگے پاؤں کبھی کسی کام کے پیچھے دوڑتیں تو کبھی کسی کے... بارات آنے میں زیادہ وقت نہیں تھا... بلکہ آیا ہی چاہتی تھی۔

نیلماں سرخ، موتیوں و سونے کی جیسی تاروں سے بنے بھاری مگر آنکھوں کو خیرہ کرتے۔ بے حد خوب صورت فراک میں ملبوس... خالص دلہنوں والے انداز میں شرم سے لب سیئے اور آنکھیں بند کیے... چہرے پر بنا کوئی تاثر دیے چپ چاپ بیٹھی تھی۔

ریشماں چند دوسری لڑکیوں کی موجودگی میں دروازہ بند کیے، جلد بازی میں مگر قدرے مہارت سے اسے بنانے، سنوارنے میں مصروف تھی۔ اور اس کام میں مصروف ہو کر وہ ابھی تک خود بھی تیار نہیں لگتی تھی۔

اور اتنے وقت سے کی گئی محنت نیلماں پر پہلی نظر ڈالتے ہی وصول ہو رہی ہوں۔ تیاری کو آخری ٹچ دیتے ہوئے ریشماں ذرا سی پیچھے ہوئی تو بے اختیار فخریہ انداز میں سینہ تان لیا۔

"دیکھا لگ رہی ہے نا حور پری... خیر منائیں ملک ابشام صاحب۔" شرارتی لہجے میں اس نے نیلماں کی ٹھوڑی کو چھوا تو ایک شرمگیں سی مسکراہٹ نے لبوں کا احاطہ کیا تھا۔ ریشماں صدقے واری ہو گئی۔ اسی وقت کسی نے دروازے پر دستک دے کر بارات آنے کی اطلاع دے دی۔ ریشماں کو ہوش آیا۔ "اوہ! میں تو اتنے برے حلیے میں ہوں۔" وہ جلدی جلدی چیزیں سمیٹنے لگی۔

"میں بس تھوڑی ہی دیر میں کپڑے تبدیل کر کے آتی ہوں... نیلماں کو کوئی تنگ نہیں کرے گا... سمجھیں؟ میں بس ابھی آئی۔" جلدی جلدی دوپٹا سنبھال کر لڑکیوں کو حکم دیتی۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ اس کے جاتے ہی حنا اور چاچی اندر آئیں۔

"سو بیوٹی فل" حنا نے رشک بھری نگاہوں سے بے ساختہ کہہ ڈالا تو ساجدہ اس کی بے ساختگی پر ہنسیں۔ "ماشاء اللہ... میری بچی کو کسی کی نظر نہ لگے۔" وہ محبت بھرے لہجے میں اسے چوم کر نظر اتارنے لگیں اور نیلماں کی پلکیں آنکھوں پر جھکیں... آہستہ آہستہ لرزنے لگیں۔ چاچی کی طرف سے چند لوگ تھے... باقی تمام رشتے دار تو تھے ہی یہیں... کچے صحن والا گھر پورا کا پورا بھر سا گیا تھا۔ باہر ڈھولکی پر پڑتے ہاتھ، تیز تیز آوازیں، قہقہے، گیت گانے اتنا شور پیدا کر رہے تھے اور اندر وہ کمرے کے سناٹے میں بیٹھی کھوئے کھوئے انداز میں باہر سے آتی آوازیں سنتی رہی۔ ریشماں واقعی تھوڑی دیر بعد آ گئی۔ باہر نکاح کی رسم ادا کی جا رہی تھی۔ کسی نے بتایا نکاح خواں ابشام سے اس کی مرضی پوچھ رہے ہیں اور نیلماں کا دل دھک دھک کرتا رہا۔ کوئی اس کو اپنی زندگی میں شامل کرنے جا رہا تھا۔ وہ جو "اپنا" تھا۔ وہ جو اپنا ہوتے

ہوئے بھی پرایا تھا۔ اس وقت اس کی وجہ سے نیلماں کی دھڑکنیں بری طرح منتشر ہو رہی تھیں۔ وہ اسے اپنے لیے قبول کر رہا تھا۔ اسے اپنا رہا تھا۔ وہ "نیلماں ابشام ملک" ہونے جا رہی تھی۔ وہ ابشام کی ہونے جا رہی تھی.... جسے شہروُدی جی خان نے بڑی سفاکی سے چھین لیا تھا۔ جو پہچان رکھتے ہوئے بھی انجان بن جاتا تھا.... جسے بھول جانے کی اس نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ دعا کرتی تھی اس کے لوٹ آنے کی.... اب تو زمانے گزرے دعا کو پرانے ہوئے اور جب وہ مقبولیت کی حد سے گزر چکی تھی۔ تب ہی جا کر قبول ہو رہی تھی نا صرف قبول ہو رہی تھی بلکہ انوکھے ہی انداز میں ہو رہی تھی.... اللہ تعالیٰ نے دیر کی صورت میں بڑھ کر دیتے ہوئے اسے اپنا شکر گزار کر دیا تھا۔ وہ لوٹ رہا تھا.... اور کبھی لوٹ کر نہیں جانا تھا۔ شہزادہ ' حور پری لینے آیا ہے.... اپنی کسی چھوڑی گئی امانت کی طرح ایسا تھا ہاں ایسا ہی تھا۔

"قبول ہے...." دھڑکنیں پہلو میں شور کرتی تھیں اور وہ آنکھیں جھپک جھپک کر آنکھوں کے ساحلوں پر بکھری نمی کو اندر دھکیل رہی تھی۔

"قبول ہے...." نکاح کے بولوں میں اتنا اثر ضرور ہوتا ہے کہ وہ کسی کا دل پگھلا دے۔ کسی کو مہربان بنا دے۔

"قبول ہے۔" نکاح ایک پاکیزہ ترین سحر، جس کے حصار میں دو لوگ مقید ہوتے ہیں.... اور عمر بھر اسی حصار کے گرد گھومتے رہتے ہیں اور تب جب "مجھ" کا "تم" "محبت" کے "ہم" میں تبدیل ہونے لگتا ہے۔ محبت جیسے سچے ' پاکیزہ اور لازوال جذبوں کی آرسی نبھائی جاتی ہے.... نبھائی جا رہی ہے۔

نکاح نامے پر سائن کرنے کے بعد وہ خالی خالی نگاہوں سے اپنے ہاتھوں کو گھورے جا رہا تھا۔ ایک عجیب سے احساس کے زیر اثر.... وہ اب اکیلا نہیں رہا تھا۔

نیلماں ' نیلماں ' نیلماں! ایک بازگشت سی اس نام کی بن کر ' اس کے دل پر دستک دیے جا رہی تھی وہ جسے ابھی ابھی وہ اپنے نام کر چکا تھا بلکہ لکھ کر دے چکا تھا۔ اور ایک وہ.... مہک سوچ کر رہی اسے دکھ سا ہوا۔ جانے کیا حال ہو گا اس کا.... جسے زندگی میں آنا تھا وہ آ چکی اور جسے نہیں.... وہ زندگی سے باہر تھی مگر وہ اس .... بالکل الٹ سوچ رہا تھا یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ اس سے اس کے لیے خود کے احساسات ناقابل فہم تھے۔

قبول ہے.... کسی کا ہونا قبول.... دل لینا قبول.... ساتھ دینا قبول.... جان دینا بھی قبول وہ قلم پکڑ رہی تھی۔ رشماں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا حوصلہ افزائی کی اور وہ دھڑکتے دل و کانپتے ہاتھوں کے ساتھ نکاح نامے پر دستخط کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

شب کا پہلا پہر دم توڑنے کو تھا۔ سیاہ رات پوری کی پوری اس گھر پر جھکی کھڑی تھی.... تاریک آسمان پر یوں تو تاروں کی افشاں دور تک بکھری تھی۔ مگر اس کے باوجود سیاہی کہیں سے بھی ختم نہیں ہوتی تھی۔

وہ انتظار کر کے ' اپنی دھڑکنیں سنبھال ' سنبھال کر تھک چکی.... تب وہ آیا تھا۔ دروازہ بند کر کے وہ مڑا اور دھیرے دھیرے چلتا ہوا فاصلے سمیٹنے لگا۔ تھکن ' اس کے چہرے کے علاوہ چال سے بھی ظاہر تھی۔ نیلماں کو جاگتا دیکھ کر وہ چونک گیا۔

کمرے کی سجاوٹ بہت خوب صورت انداز میں کی گئی تھی۔ پھول ' پتیوں سے سجے کمرے کو مسحور کن خوشبوؤں سے مہکایا گیا تھا۔ کمرے کی لائٹ آف تھی.... جلتے لیمپ اور موم بتیوں کی روشنی کے علاوہ کمرے میں ملگجا اندھیرا پھیلا تھا.... فراک کا بارڈر بیڈ پر پھیلائے وہ پلکیں جھکائے تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ ابشام نے لب بھینچے آہستہ سے نظریں اٹھائیں اور مبہوت رہ گیا.... پیلی ' نارنجی روشنی میں وہ کسی سلطنت کی شہزادی لگ رہی تھی اور وہ تھی بھی تو شہزادی.... اسی کی سلطنت کی۔ میک اپ لگے چہرے سے بھی معصومیت صاف چھلک رہی تھی۔ وہ ایک

پل کو سب کچھ بھول کر بے اختیار اسی کی سمت کھنچا چلا گیا۔۔۔ اگر کوئی اس کی سحر زدہ کیفیت دیکھ لیتا تو بے اختیار ریشماں کی بات یاد کرتا۔ وہ اپنی جگہ بالکل ٹھیک تھی۔

"باربی ڈول۔۔۔" بیڈ کے کنارے بیٹھتے ہوئے وہ سرگوشی کے عالم میں بولا تھا۔ نیلماں کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں سامنے وہ سانسیں روکے ساکت آنکھوں سے اسے تکے جارہا تھا۔ نیلماں اسے دیکھ رہی تھی۔ اور وہ مراقبے کی حالت میں اتنا 'اتنا پیارا لگ رہا تھا کہ نیلماں نے بے اختیار دعا کی وہ ساری عمر سامنے بیٹھا رہے۔ اور وہ ساری عمر اسے ساکن پلکوں سے دیکھتی چلی جائے۔

وہ سراسر بے اختیاری لمحے تھے۔۔۔ جن میں کھو کر وہ اس حد تک بھول چکے تھے کہ وہ بیٹھے کہاں ہیں آس پاس کیا ہے اور تھوڑی دیر پہلے دونوں کیا سوچ رہے تھے۔

نیلماں کی ترسی نگاہیں اس کی تھوڑی سے ہوتے ہوئے گال' ہونٹ' ناک' پیشانی سے ہوتی ہوئیں آنکھوں پر جا ٹھہریں یہ تھا شہری ہیرو۔۔۔ اور اب اس کا ہیرو۔۔۔ دونوں کی نظریں ملیں اور یہی سحر کا توڑ ثابت ہوا۔ وہ ٹھٹک کر جیسے ہوش میں آیا تھا۔ اپنی بے اختیاری کیفیت اسے خفت میں مبتلا کر گئی۔

"السلام علیکم۔۔۔ تم۔۔۔ کیسی ہو؟" وہ اٹک اٹک کر بولا۔ جانے اس لڑکی میں ایسا کیا تھا کہ وہ ایک دم جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا۔ نیلماں بولتے ہوئے ہچکچائی۔

"وعلیکم السلام۔۔۔" وہ اتنا ہی کہہ پائی۔ چند لمحے کمرے میں معنی خیز سا سکوت چھا گیا۔ جسے شامی نے ہی توڑا۔

"تم سوئیں نہیں۔۔۔؟" اس کے بے تکے سوال پر نیلماں نے اسے الجھ کر دیکھا۔ اس کے لیے کم از کم یہ سوال بے تکا ہی تھا۔ وہ ہونقوں کی طرح اسے دیکھنے لگی۔ شہری لوگ۔۔۔ شہری باتیں۔

"ہاں تمہیں سوجانا چاہیے تھا۔" وہ اس کی نگاہوں کا مفہوم جان گیا۔ "اور آئندہ کسی کام میں میرا انتظار مت کیا کرو۔" وہ نرمی' مگر قدرے سنجیدہ ہو کر بولا آج کی رات سے ہی اسے سمجھا دینا بہتر تھا۔

"کیوں۔۔۔؟" نیلماں کو برا لگا۔ اسی لیے بولی۔۔۔ وہ گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"دیکھو نیلماں۔۔۔ میں تمہیں بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ۔۔۔ جیسا کہ تمہیں علم ہو گا یہ شادی ہم دونوں کی مرضی کے بغیر ہوئی ہے۔۔۔ میں نے تو تمہیں کب سے دیکھا بھی نہ تھا اور نہ ہی تم نے۔۔۔ پھر اچانک جانے ہمارے بڑوں کو کیا سوجھا کہ وہ ہماری شادی کروانے پر تل گئے۔۔۔ یہ بات میرے لیے اتنی غیر متوقع اور شدید تھی کہ سمجھ ہی نہیں آیا کروں تو کیا کروں۔۔۔ امی' ابو نے مجھ سے بولنا ہی بالکل بند کر دیا۔ ان کی ایک ہی رٹ کہ اگر میری شادی ہو گی تو صرف تم سے۔۔۔ میں حیران تھا کہ وہ تمہاری اتنی دیوانی کیونکر ہو گئی ہیں' تم نہیں جانتیں میں اپنے ماں' باپ اور بہن سے کتنی محبت کرتا ہوں' یہ بات شاید میں بھی نہیں جانتا۔۔۔ بہرحال میں ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے ان سے کٹ کر نہیں رہ سکتا تھا۔ اسی لیے مجبورا" مجھے ان کا مطالبہ ماننا پڑا۔۔۔ اور اس کے بعد ان کا خوشی سے کھلتا چہرہ دیکھ کر مجھے اپنی ضد بے معنی سی لگی۔۔۔ اور یوں ہماری شادی ہو گئی۔ مگر اب تمہیں اپنے سامنے دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ امی تمہاری کیوں دیوانی ہوئی ہیں۔" وہ ہنس پڑا۔

"آئی مین تم ایک بہت اچھی لڑکی ہو اور کسی کو بھی پسند آسکتی ہو۔ میرے بتانے کا مقصد صرف یہ ہی ہے کہ میں فی الحال اس رشتے کو اتنی جلد قبول نہیں کر پاؤں گا۔ یہ سب اتنی جلدی میں ہوا کہ زندگی ایک دم تبدیل ہو کر رہ گئی ہے۔۔۔ مجھے کچھ وقت لگے گا یہ سب سمجھنے میں۔۔۔ دیکھو تم میری کزن ہو اور اس میں تمہارا بھی کوئی قصور نہیں۔۔۔ جب میں لڑکا ہو کر مجبور ہو سکتا ہوں تو تم تو پھر لڑکی ہو' میں کوشش کروں گا کہ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہو' تم جو چاہو ویسا ہو گا اور جو تم فیصلہ کرو وہ بھی مجھے منظور ہو گا۔۔۔ بس آج کے لیے اتنا کافی بلکہ بہت ہے۔۔۔ اب تم چینج کر آؤ۔" وہ دوستانہ

انداز میں اطمینان سے کہہ کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر چکا تھا اور اس بات سے بے خبر کہ سامنے بیٹھی اس "دم چھی" لڑکی کے دل پر کیا بیت گئی ہے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھے گئی۔ وہ کیا کہہ رہا تھا؟ اس کا دل اندر ہی اندر ڈوبتا چلا گیا۔ وہ اس سے کچھ سننے کا منتظر بیٹھا تھا اور وہ کچھ بولنے کے قابل ہی نہ رہی تھی۔

تاریکی باہر بیتتی شب سے زیادہ اس کے دل و چہرے پر اتر آئی تھی۔ وہ لب سیئے بیٹھی رہی۔ کتنا ہی وقت بنا آواز کیے بیت گیا۔ اب بھی اسے ہی بولنا پڑا۔

"نشو..." اس نے سوچا شاید وہ رو رہی ہے۔ اسی لیے آگے بڑھ کر پوچھا۔ نیلماں اس کا سوال سمجھ کر مزید سیخ پا ہو گئی۔

"بہت شکریہ..." انداز کھا جانے والا تھا... شامی گڑبڑا کر بے اختیار پیچھے ہوا... اسے جیسے یقین نہیں آیا کہ وہ گونگی سی لڑکی بھی اتنا تیز بول سکتی ہے۔ وہ سر کھجانے لگا۔

"او کے... او کے کچھ کہنا ہے تمہیں؟" وہ شاید اس کی داستان جاننا چاہ رہا تھا۔ نیلماں نے سسکی لی۔

"سمجھ نہیں آ رہا آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں... حالانکہ رشتہ تو آپ کی خواہش سے آیا تھا۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ شامی ہکا بکا رہ گیا۔

"کیا... ارے واہ کیسی لڑکی ہو تم... منہ پر ہی جھوٹ بول رہی ہو، کسی خوش فہمی میں مت رہو ایسا کچھ نہیں۔" وہ بے یقین نظروں سے لڑاکا انداز میں طنز کر گیا۔ نیلماں کو مزید رونا آ گیا۔

"خوش فہمی میں نہیں رہ رہی... چاچی نے ہی ایسا کہا، ورنہ مجھے کیا ضرورت..." وہ سوں سوں کرنے لگی۔ شامی ایک دم بات سمجھ گیا اور بے اختیار ترس کھا گیا۔

"اچھا چلو اٹھو... وہ رہا واش روم اور وہاں تمہارے کپڑے ہوں گے... رات کافی ہو گئی ہے۔ سو جاؤ آ کر چلو شاباش۔" وہ اسے بچوں کی طرح بہلاتا اشارے سے سمجھا کر چپ ہوا تو وہ خفا خفا سی بیڈ پر سے اٹھ گئی۔

اگلے چند منٹوں بعد وہ باہر کے بوجھ سے آزاد ہو کر واپس بیڈ پر آئی تو وہ ایک سائیڈ پر مزے کی نیند سو چکا تھا۔ اسے اپنے دل پر پڑے بوجھ میں مزید اضافے کا احساس ہوا تھا۔ تو وہی ہوا آخر... جس کا اسے ڈر تھا۔ وہ تلخی سے ہنسی اور رشماں بھی کبھی کبھی سچ بول جاتی ہے۔ یہ بھی بہت ہے کہ ان کا رویہ میرے ساتھ دوستانہ ہے ورنہ تو یہاں رہنا دوبھر ہو جاتا اور اگر جو میں واپس جاتی تو... اس نے بے اختیار جھرجھری لی اور بیڈ پر لیٹتے ہوئے اس دشمن جاں کو دیکھے گئی۔ جانے کیوں... اسے دیکھتے ہی دل ہر شکوے، شکایت سے صاف ہو گیا تھا۔ لیٹے لیٹے وہ سوچے گئی۔ "جو چاہو ویسا ہی ہو گا اور جو تم فیصلہ کرو وہ بھی مجھے منظور ہو گا..." شامی کی بات یاد آئی تو وہ زخمی سا مسکرائی۔

"تو ٹھیک ہے شامی ملک، ایسا ہی سہی... میں اپنی ساری کشتیاں جلا آئی ہوں، اب واپسی کا سوال نہیں... میں نئے سرے سے تمہیں جیتوں گی، دل سے، اپنے سحر سے، اپنی ریاضتوں سے، اپنی وفاؤں سے، اپنی محبت سے... اب تم مجھے خود سے الگ نہیں کر سکتے اور... اور..." وہ جیسے خود سے کہتے ہوئے بھی کترائی۔

"اور اب میں تمہیں اپنی زندگی سے لوٹنے نہیں دوں گی۔" سونے سے پہلے وہ اپنا عزم بار بار دہراتی رہی۔

☼ ☼ ☼

یہ ایک مشہور ریسٹورنٹ کے پرسکون ماحول والا روم تھا۔ جس میں کرسیوں کے درمیان پڑی میز، کھانے کے مختلف لوازمات سے سجی پڑی تھی۔ دیکھنے سے ہی پتا چلتا تھا کہ یہ لوازمات ضرور ڈنر کے لیے ہیں... مگر ٹیبل کے گرد بیٹھے وہ دونوں فریق، اس نعمت سے پوری پوری، بے برکتی برت رہے تھے۔

ابشام چوتھی کی رسم کے بعد مہک کے سامنے بیٹھا تھا اور مہک ہمیشہ کی طرح کھلے ڈھلے حلیے میں موجود تھی دونوں کے دکھ ایک تھے اور دونوں کے ہی تاثرات

سپاٹ تھے۔

"کچھ بولو گی نہیں۔۔۔؟" بالآخر یہ خطرہ شامی نے ہی مول لیا اور کافی مہنگا بھی پڑا۔

"کیا بولوں؟ کچھ بولنے کے قابل ہی کہاں چھوڑا ہے تم نے، اور مجھے سمجھ ہی نہیں آرہا اب تم نے کیوں بلایا مجھے؟ کیا اپنی شادی کا احوال سنانے؟" وہ خونخوار لہجے میں دھاڑی۔ شامی نے تیزی سے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"مجھے حیرت ہے کہ تم اپنا وعدہ اتنی جلدی بھول گئے۔" وہ غصے سے بولی۔ شامی فوراً" آگے ہوا۔

"میں کچھ نہیں بھولا۔"

"اوہ تو ابھی بھی انکاری ہو؟" وہ اس کے ڈھیٹ بننے پر چیخی۔

"بالکل میں تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کروں گا۔"

"اچھا۔۔۔ مجھ سے بھی شادی کرو گے؟ وہ تلخی سے "بھی" پر زور دے کر بولی۔ شامی تذبذب رہ گیا۔ پھر مہک کی خفگی کے خیال سے فوراً" بولا۔

"ہاں کروں گا۔۔۔ مجھے اپنا وعدہ پوری طرح یاد ہے، نیلماں میرے گھر میں ضرور ہے مگر دل میں نہیں۔۔۔ تم جو کہو کروں گا مگر پلیز اس طرح خفا تو مت ہو۔" وہ لجاجت سے بولا تو مہک کا غصہ کچھ کم پڑا۔

"سچ کہہ رہے ہو؟"

"میں جھوٹ نہیں بولتا۔ اس نے یقین دلایا۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔" وہ پرجوش انداز میں آگے ہوئی۔

"میں مام، ڈیڈ سے بات کرتی ہوں پھر کسی دن ایک تقریب رکھ لیتے ہیں جس میں انگیجمنٹ کرلیں گے ٹھیک؟" وہ سارا پروگرام ترتیب دے کر بولی تو شامی بے اختیار کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

مہک سے اس کی دوستی زیادہ پرانی نہیں تھی۔ وہ پہلی بار اپنے ایک دوست کے ساتھ ان کے گھر ایک پارٹی میں گیا تھا۔ دوست، مہک اور اس کے دوستوں سے رسائی رکھتا تھا۔ وہیں اس کی ملاقات مہک اور اس کے دوستوں سے بھی ہو گئی۔ مہک ایک امیر گھرانے کی، خوب صورت، پراعتماد بلکہ اوور اسمارٹ اور ویل ایجوکیٹڈ لڑکی تھی۔ جو شامی کو بھی اچھی لگی۔ اور پہلی ملاقات سے ہی شامی اس کی فرینڈ لسٹ میں شامل ہو گیا۔ اس کی دوستی کی ایک طویل لسٹ تھی جس میں لڑکے و لڑکیاں دونوں شامل تھے۔ مگر مہک کو شاید وہ زیادہ ہی پسند آگیا تھا۔ شامی صاف محسوس کر گیا کہ وہ اس میں دل چسپی لینے لگی ہے اور اس نے بھی اس حوالے سے اس کو ذہن میں رکھ کر سوچا تو کوئی برائی بھی بظاہر نظر نہ آئی۔ اس طرح مہک نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تو اس نے بھی جواباً" خوشی کا اظہار کر دیا۔۔۔ اور یوں مہک نے لگے ہاتھوں اسے وعدے میں بھی باندھ دیا۔

مگر اب حالات جیسے بدلے تھے اسے اس معاملے میں بہتری کی کوئی امید نظر نہیں آتی تھی۔ مگر مہک کو مایوس کرنا۔۔۔ مزید اسے گوارا نہیں تھا۔ کسی سے وعدہ کر کے اب یوں پیچھے ہٹنا اسے ندامت میں مبتلا کرتا۔

"اب کن سوچوں میں پڑ گئے؟" مہک نے چٹکی بجائی تو وہ خیالوں کی دنیا سے باہر آیا اور خود کو کمپوز کیا۔

"ہوں ہاں۔۔۔ ٹھیک ہے، بالکل ٹھیک۔" ایسا کہتے ہوئے نیلماں کی معصوم سی شکل اس کے ذہن کے پردے پر بن کر مٹ گئی۔ جس پر بہ مشکل سے سہی مگر وہ نظریں چرا گیا۔

"تو پھر کب بتا رہے ہو۔۔۔ اپنے پیرنٹس کو؟ وہ مان تو جائیں گے نا؟" اب وہ فکر مندی سے پوچھ رہی تھی۔۔۔ مگر پریشان ہرگز نہیں لگتی تھی۔

"ہاں کیوں نہیں۔۔۔ میں منالوں گا۔" وہ کمزور لہجے میں کہتے ہوئے مسکرا کر بھی نہ سکا، جانتا تھا اس کے لیے اسے سخت جنگ لڑنی پڑے گی جس میں جیتنے کے چانس پھر بھی کم ہی تھے۔

"ویری گڈ۔۔۔ پھر کب بات کرو گے؟" وہ بڑی جلدی مچا رہی تھی۔ "ارے پہلے تم اپنے گھر تو بات کرو۔" ہنس کر کہتے اس کا انداز سراسر ٹالنے والا تھا۔

"اوہ میں بھی نا۔۔۔" مہک سر پر ہاتھ مار کر کھلکھلائی۔ "اپنے گھر والوں کو لے کر اسے کوئی پریشانی

ہی نہیں تھی۔ خفگی بھلا کر خوش گوار موڈ میں وہ کھانے کی طرف بڑھی تو اس نے سکون کا سانس لیا تھا... عارضی سکون!!

☆ ☆ ☆

پھر دن تو اتنے نہیں گزرے تھے مگر یوں لگتا کہ وہ صدیوں سے جیسے اسی گھر' اسی لوگوں میں رہتی آرہی ہو۔ وہ بہت جلد اس گھر اور ان لوگوں میں اتنی گھل مل گئی کہ شاہی کو بھی حیرت ہوتی۔

چوتھی کی رسم پر اماں' ابا نے اسے ابشام کے ساتھ ہنسی' خوشی دیکھ باغ بہاراں ہوگئے۔ ریشماں الگ ان کے آگے پیچھے چھپی جارہی تھی... دلہن کی پہلی بار میکے میں آمد تھی نا۔

ڈھیر سارا وقت' پھر بھی اتنا مختصر ہو کر گزرا کہ وہ ریشماں سے زیادہ بات ہی نہ کرپائی اور ریشماں نے بھی اس کی خوشی دیکھ کر یقیناً" بہت کچھ خود سے سمجھ لیا تھا۔ اس لیے بھی نیلماں نے بھی اسے خوش رہنے دیا۔

چاچی' چچا کا سلوک اس کے ساتھ اچھا ہونا ہی تھا وہ تو بے پناہ محبت کرتے تھے اس سے' شاید اس لیے کہ وہ کسی کو یاد نہ کرے... ان کی اتنی اپنائیت پر اس کی کئی بار آنکھیں بھیگ جاتیں۔ چاچی نے کئی بار اس سے ابی کے رویے کے متعلق دریافت کیا... شاید انہیں بھی اسی بات کا خدشہ تھا۔ نیلماں کبھی شکوہ کناں نگاہوں سے انہیں دیکھتی کہ ان کے ایک جھوٹ سے وہ جانے جانے کیسے خواب سجا بیٹھی تھی... اور خوابوں کے ٹوٹنے پر اس نے خود کو مسمار نہ ہونے دیا۔ پر دل تو زخمی ہوا نا... لیکن اس نے کبھی زبان سے نہیں کہا نہ ہی کہہ سکتی تھی۔ ہر دفعہ چاچی کا جواب گول کر جاتی اور چاچی... مطمئن تو وہ بھی نہیں ہوسکتی تھیں۔ حنا فارغ اوقات میں ہر وقت اس کے ساتھ لگی رہتی۔ وہ دونوں بہت انجوائے کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس کا پیارا سا مشغلہ تھا... باغبانی گو وہ یہاں نئی تھی مگر اپنی ذمہ داریاں نبھانے میں کبھی نخرے نہیں دکھائے وہ محض

چند دنوں بعد سے ہی سارا گھر ہی نہیں گھر کے مکینوں کو بھی سنبھال چکی تھی۔ اس کی مہربانی سے ابشام کئی دنوں سے فجر کی نماز باقاعدگی سے مسجد میں ادا کرنے جارہا تھا۔ ایسے میں اگر اس سے کوئی ناخوش رہتا تو یہ تعجب والی بات ہوتی۔

وہ گاؤں سے لوٹی تو ایک دن ٹھہر کے سب کے لیے میٹھا بنایا۔ اس شام کو وہ ہلکا پھلکا تیار بھی ہوئی۔ اس حلیے میں وہ اور بھی نرالی لگتی' یہ اعتراف شاہی کے دل نے بھی کیا تھا... یوں جیسے سردی کی وجہ سے... بھیگا بھیگا حسن... سرخ ناک' وہ گھر میں ایک چلتا' پھرتا چاند لگتی' حنا کی کئی سہیلیاں اس سے متاثر ہو کر اس کی سہیلیاں بن چکی تھیں۔ وہ دل ہی دل میں ہنستی۔

ہاں تو اس دن اس نے کھیر اور شاہی ٹکڑے بنائے' حنا اور اس کے بھائی کی فرمائش پہ۔ اور اس گھر میں اس کی یہ عادت سب سے زیادہ پسند کی جانے والی تھی کہ وہ ایک ہی وقت میں دو' تین کام سمیٹ لیتی تھی۔ شاہی آٹھ بجے آنے کا کہہ کر گیا تھا۔ وہ بڑی خوش خوش کھانا ٹیبل پر لگ چکا تو وہ گنگناتا ہوا آیا۔ امی حسب توقع اسے بہت پیار سے مخاطب کر کے' نیلماں کا بتا رہی تھیں۔ حالانکہ وہ جانتا بھی تھا پھر بھی... اس کا سر نفی میں ہل گیا تھا۔

"اوہ ایم سوسوری... میں تو ابھی باہر سے ڈنر کر کے آرہا ہوں ایک دوست کے ساتھ... مزید کچھ نہیں لے پاؤں گا۔" وہ شرمندگی سے اعتراف کرتا آگے بڑھ گیا اور نیلماں کی خوشی پر اوس پڑتی گئی... مسکراہٹ نامحسوس انداز میں سمٹی اور خشک ہونٹوں پر پھیکی مسکان نہایت بری لگی۔ وہ جان گئی تو یہ کوشش بھی ترک کر گئی۔ چاچی کی گرفت میں یہ لمحہ بہ آسانی آ گیا۔

اس رات وہ بغیر کھائے سوگئی اور اپنا حصہ فریج میں چھوڑ آئی۔ اگلی صبح وہ اسے ڈھونڈتا ہوا لان میں آ گیا۔ وہ پہلی دفعہ پھولوں کے بیچ کھڑی بہت مرجھائی ہوئی اور پھیکی لگی۔ شاہی پودے پھیلا لگتا اس کے سامنے تھا۔

"رات تم نے کھیر بنائی تھی نا' سوری میں کھا نہیں سکا۔۔۔ اب حنا کی تعریف پر چکھی تو ہاتھ روکنا مشکل ہو گیا۔۔۔ قسم سے یار اتنا ذائقہ ' اتنی مٹھاس ہے تمہارے ہاتھوں میں اف۔۔۔ مزا آ گیا' آئندہ اسپیشل میرے لیے بنایا کرنا اور وہ تم نے اپنے لیے رکھی تھی نا وہ تو میں کھا گیا تو۔۔۔" بولتے بولتے وہ ایک دم خجل سا ہو کر سر کھجانے لگا کہ کہیں وہ برا ہی نا مان جائے اور برا ماننے والی پر تو "شادی مرگ" کی کیفیت طاری ہو چکی تھی۔ وہ بچوں کی طرح آنکھیں میچ کر مزے لیتے ہوئے اسے بتا رہا تھا۔۔۔ اور اسے اپنی رات کے کھانے کی دی گئی قربانی کا صلہ وصول ہوتا نظر آ رہا تھا شامی نے دیکھا۔۔۔ اس کی بے رنگ آنکھوں میں ڈھیرے ڈھیرے ڈھیر ساری چمک آ گئی ہے اور چہرے پر بنا کہے کئی جذبے آشکار ہو رہے تھے۔۔۔ کچھ لمحے پہلے والی نیلماں کہیں بھی نہیں تھی اور یہ وہی لمحے تھے جب نیلماں کا کتابی چہرہ اپنے سارے بھید کسی کی جھولی میں ڈال گیا۔ شامی نے دیکھا تو گنگ رہ گیا۔۔۔ کیا اتنی سی تعریف پر؟ نہیں صرف "اس" کی تعریف پر اس کے دل نے فوراً" تصحیح کی اور تب ہی اس نے جانا۔

وہ معصوم سی لڑکی۔۔۔ وہ باربی ڈول جسے اس کی بیوی ہونے کا اعزاز حاصل تھا چند دنوں کے اس سفر میں چلتے چلتے کہاں آ کھڑی ہے۔ اسے احساس ہوا تو وہ مڑ جانے کے بھی قابل نہ رہا۔۔۔ اس لڑکی میں واقعی ایک سحر تھا جب تک وہ کوئی حرکت نہ کرتی' وہ چاہ کر بھی اس سحر کو نہیں توڑ سکتا تھا اور دل کے رشتے یوں ہی وجود میں آتے ہیں۔۔۔ دنیاوی رشتوں کے چاہے جو بھی اصول ہوں۔

ایک نا سمجھ آنے والی کیفیت نے اس کے وجود کے گرد گھر کر لیا۔۔۔ جسے وہ کوئی نام نہیں دے سکتا تھا۔ نام دینا بھی نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ ابھی صرف ٹوٹے حروف تھے۔۔۔ لفظ بننے میں کچھ دیر باقی تھی۔

اور وہ اس کو جان جاتے ہوئے بھی اس کے جذبوں کی نفی نہیں کر سکتا تھا اسے کوئی حق بھی نہیں تھا کہ وہ ایسا کرے وہ دونوں نامحرم نہیں تھے ایک دوسرے پر جائز تھے' وہ اپنے شوہر کو چاہتی تھی۔ اس کی اسے' اپنے اللہ کی طرف سے اجازت تھی پھر وہ ہوتا بھی کون تھا روکنے والا؟

یہیں آتے آتے حرف جڑتے ہیں گ۔۔۔ ر۔۔۔ ف۔۔۔ ت۔۔۔ ا۔۔۔ ر۔۔۔ س۔۔۔ ح۔۔۔ ر۔۔۔ اور یہیں لفظ بنتا ہے "گرفتار سحر۔۔۔" "سحر زدہ۔۔۔ ایسا سحر جس سے نکلنے کا وہ سوچنا نہیں چاہ رہا تھا۔۔۔ اور وہی سحر جو نکاح ہوتے سمے ہی ان دونوں کے گرد کھینچا جا چکا تھا اور اسی سحر نے اسے بہت مجبور ہو کر سوچنے پر بے بس کر دیا۔

"زندگی نیلماں مہک؟ مہک نیلماں۔۔۔ نیلماں۔۔۔ مہک۔۔۔ نیلماں؟" یہاں ہو کر وہ پھر سے آغاز کی طرف لوٹ جاتا مگر "نیلماں۔۔۔" کے بعد ہر دفعہ فل اسٹاپ لگ جاتا تھا۔۔۔ بس آگے نہیں وہ پتھرائی آنکھوں سے ایک کٹھن دوراہے سے گزر رہا تھا لیکن فیصلہ تو پھر بھی سہل ہے یہاں آ کے بھی حرف جڑتے ہیں۔۔۔ م۔۔۔ ح۔۔۔ ب۔۔۔ ت۔۔۔ اور یہاں بھی پہلا اور آخری لفظ بنتا ہے "۔۔۔ محبت۔۔۔ محبت۔۔۔ محبت۔۔۔ نیلماں۔"

☆ ☆ ☆

دسمبر کا درمیانہ چل رہا تھا اور سردی عروج کی طرف جاتی تھی۔۔۔ یوں جیسے زوال سے خوف زدہ ہو سفید دھواں برف جیسی ٹھنڈک خود میں سموئے ہر چیز کو خود میں ڈھانپے رکھتا۔۔۔ اور اترا کر شیشے کی کھڑکیوں پر گرد کی طرح جم جاتا اوپر نظر اٹھا کر دیکھو تو یوں لگتے لگتا جیسے برف کی سفید پری نے اٹھ کر اپنا گھاگرا اچھی طرح پھیلا لیا ہو۔ کھلے آسمان تلے برف سی جمی محسوس ہوتی۔ اسے کہیں جانا تھا' تیار ہو کر آیا تو نیلماں کمرے میں نہیں تھی۔ ایک آواز پر بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوئی۔

"میری شرٹ کا بٹن کہاں ندارد ہے؟" اس نے بازو آگے کیا تو نیلماں کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔

"لو میں بٹن پوچھ رہا ہوں تم دانت دکھا رہی ہو؟" وہ حیرت سے بولا تو نیلماں مزید کھلکھلاتی چلی گئی۔ وہ

اب کچھ دلچسپی سے دیکھنے لگا تو نیلماں کی بتیسی فوراً اندر گئی۔

"شاید ٹوٹ گیا ہے' میرا دھیان نہیں گیا آپ تبدیل کر لیں میں آج لگا دوں گی۔" وہ ہنسی چھپاتے بولی۔ شامی نے گھورا۔

"اتنی سردی میں دوبارہ چینج؟" وہ جھنجلایا۔

"ارے پہلے بھی تو کی؟" نیلماں حیران ہوئی۔

"نہیں بس تم ابھی لگاؤ یہیں۔" وہ ضدی لہجے میں بولا تو باہر سے گزرتی ساجدہ بیگم خوش گوار حیرت میں گھر گئیں۔

"آپ بھی نا... بچوں کی طرح ضد کرتے ہیں' ابھی لگا دیتی ہوں آپ وہاں بیٹھیں۔" وہ ہلکے پھلکے لہجے میں بولی' تو ساجدہ ہلکا پھلکا دل لیے آگے بڑھ گئی تھیں سمجھ داری کے فیصلے اسی طرح مطمئن کر دیتے ہیں انہیں یقین ہو گیا تھا۔

بٹن لگاتے ہوئے وہ پوری انہماک سے اسے دیکھنے میں مگن تھا اور وہ بوکھلائے بوکھلائے انداز میں کئی بار اس کے بازو میں سوئی چبھا گئی۔ سی کی آواز کے ساتھ وہ بازو پیچھے نہیں کرتا تھا... نیلماں پر لرزش طاری ہونے لگی۔ خواہ خواہ آنکھیں نم ہونے لگتی تھیں۔

کافی دنوں سے اس کا انداز' رویہ نیلماں کی سمجھ سے باہر تھا یا پھر وہ وقت سے پہلے کچھ بھی سمجھنے کی پہلے والی غلطی نہیں کر سکتی تھی۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ اس کے جوتے دینے آئی تو وہ ٹوک گیا۔

"میرے جوتے تم صاف مت کیا کرو۔"

"کیوں؟" اس نے سوال اٹھایا۔

"مجھے اچھا نہیں لگتا۔" وہ سنجیدہ تھا۔

"مجھے اچھا لگتا ہے۔" اس نے بھی سنجیدگی سے بات ہی ختم کر دی۔ وہ اسے بے بس نگاہوں سے دیکھے گیا۔ اتنے سے دنوں میں وہ مکمل طور پر اس کا عادی ہو چکا تھا اور ہر وقت نیلماں کو پکارتا کہ اس کا ہر کام وہ خود کرتی تھی۔

دوسری طرف مہک جو ہر وقت اپنے پیرنٹس کو لانے کے لیے فورس کرتی رہتی... اس کی سمجھ سے باہر تھا کہ اسے حالات کیسے کنٹرول کرنے چاہئیں؟ اس دن اس نے مہک کو شاپنگ کرائی تھی اور شاپنگ کے دوران کسی کی نظروں نے اس کا احاطہ کیا اور کسی پر یہ خبر قیامت بن کر ٹوٹی وہ بے خبر رہا۔

☆ ☆ ☆

"بھابھی مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے!" حنا کی سنجیدگی نے اسے چونکا دیا۔

"کیا ہوا' کہو؟" نیلماں بھی سنجیدہ ہو گئی۔ حنا کا انداز غیر معمولی تھا۔ وہ دونوں اس وقت لان میں نکلی مدھم دھوپ میں بیٹھی تھیں۔ نیلماں کو کسی بڑی بات کا احساس ہوا۔

"آپ کو کچھ پتا ہے بھائی کی سرگرمیوں کا؟" وہ جانچتے ہوئے بولی۔ نیلماں کا دل زور سے دھڑکا۔

"کیوں کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"بھابھی میں نے انہیں کسی لڑکی کے ساتھ دیکھا ہے۔" حنا نے آہستگی سے دھماکا کیا' نیلماں فضا میں معلق رہ گئی۔

"کک... کیا' کہاں دیکھا؟" اس کے چہرے کی رنگت صاف اڑی تھی حنا کو دکھ ہوا' مگر وہ مہک کا بتا کر انہیں مزید دکھی نہیں کر سکتی تھی۔

"شاپنگ مال کے سامنے... شاید شاپنگ کرنے آئے تھے۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بتا رہی تھی۔ نیلماں کو اپنے حواس بکھرتے محسوس ہوئے۔

"اچھا... ہو گی کوئی دوست۔" اس نے حنا کے سامنے لاپروائی کا مظاہرہ کیا۔ مگر درحقیقت اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ لڑکھڑا کر وہ بدقت اٹھنے میں کامیاب ہوئی اور کمرے کا دروازہ بند کر کے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی' تو کیا اس لڑکی کی وجہ سے وہ اس کو خود سے دور رکھ رہا تھا؟ اس کی وجہ سے وہ اس رشتے کو قبول نہیں کر پا رہا... اور اس کی وجہ سے وہ اس شادی سے انکاری تھا؟ ابشام اس کا اپنی کسی اور کو پسند کرتا تھا' کرتا ہے... اس کے ہونے کے باوجود بھی وہ اس سے ملنے سے نہیں جھجکتا... اور وہ جانے کیا کیا سوچتی رہی تکیہ

تیزی سے بھیگ رہا تھا اور وہ اسی تیزی سے ٹوٹ کر اندر سے خالی ہوتی جا رہی تھی۔ شام کو وہ گھر آیا تو چائے کی فرمائش کی نیلماں کو بات کرنے کا اچھا موقع مل گیا۔ چائے اس کو تھماتے ہوئے وہ ساتھ بیٹھ گئی۔ وہ لاؤنج میں بیٹھا فائلز پر کام کر رہا تھا۔

"آہم... حنا کہہ رہی تھی آپ کسی لڑکی کے ساتھ تھے؟" اس کا انداز سپاٹ تھا۔ شامی کے ساتھ اسے بھی خبر نہیں تھی کہ وہ یہ آسانی سے پوچھ لے گی۔ شامی بوکھلا گیا۔

"نہیں تو..." وہ صاف مکر جاتا اگر نیلماں کو دیکھاتو... سرخ آنکھیں، سرخ ناک، پھیکے ہونٹ اور ستا ہوا چہرہ... اسے بے چینی نے آگھیرا۔ "اسے کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔" وہ بہت کوشش کے بعد ہنسا۔ سمجھ نہیں آرہا تھا وہ اس سے کیوں چھپا رہا ہے جبکہ اسے پتا چل ہی گیا ہے تو؟

"تم نے کیا کہا؟" وہ جانچتی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ نیلماں نے ٹھنڈی سانس لی۔

"میں نے کہا اپنے ہی دیس کا پرندہ ہے اڑنے دو، کہیں بھی جائے لوٹ کر تو یہیں آنا ہے۔" وہ زخمی سا مسکراتی ہوئی کچھ اس انداز میں بولی کہ وہ شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ نیلماں کی آنکھیں جھکی تھیں اور پلکیں لرز رہی تھیں "اور، اور مجھے یقین ہے اس بات پہ کہ... جب میری ساری وفائیں کسی ایک کے لیے ہیں تو کوئی میرے ساتھ بے وفائی نہیں کر سکتا۔" وہ جھٹکے سے اٹھی اور اسے ساکت چھوڑ کر دروازے کے پیچھے گم ہو گئی باہر وہ قلم تھامے ششدر بیٹھا تھا اور اندر وہ قلم تھامے بے تحاشا رو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

پیاری رشماں...!
السلام علیکم... ویسے کہنا تو جھوٹی رشماں چاہیے کہ تم نے مجھ سے جھوٹ بولا اور ایک جھوٹ میں نے بھی تم سے بولا... وہ جھوٹ بھی تمہارے جھوٹ کو چھپانے کے لیے تھا۔ وہ نکاح کو لے کر تم نے جو بڑی سی بات کی تھی نا وہ بے وزن ہی گئی... نکاح کے بول بھی بے اثر گئے کسی چیز نے اس پر اثر نہیں... اور تمہاری نیلماں بے مہر، بے مول ہی ٹھہری... کسی غیر ضروری سامان کی طرح۔

تمہیں یاد ہے، ہم نے ابی کو "شہری ہیرو" کا خطاب دیا تھا۔ وہ خطاب بالکل صحیح تھا بس ملاپ غلط ہو گیا۔ ہم دونوں بھول گئیں، کہ شہری ہیرو کسی دیہاتی لڑکی کو اپنی ہیروئن نہیں چنا کرتے... ان کے لیے بھی کوئی ان جیسی ہی شہری لڑکی بنائی جا چکی ہوتی ہے... میں نے بہت کوشش کی رشماں، تم تو جانتی ہو نا میں کتنی ثابت قدم ہوں؟ مگر ان کی محبت شاید میری محبت اور کوششوں سے زیادہ زور آور ہے، وہ پھر بھی اسی لڑکی کے پاس جاتے ہیں۔

رشماں میں یہ بات صرف تم سے کہہ رہی ہوں... اور تمہیں قسم دے رہی ہوں کہ اماں، ابا کو یہ بات نہیں بتاؤ گی... ایسا کرو گی نا میرے لیے؟ اور ہاں میں تمہیں کہنا بھول گئی کہ وہ کسی قصے کہانیوں والے ظالم ہیرو جیسے نہیں ہیں... اور میرے خیال میں انہیں ہیرو کہنا بھی نہیں چاہیے جو ظلم کے پہاڑ توڑنے کے بعد ہیرو بھی بن جائیں۔

وہ میرا بہت خیال رکھتے ہیں، ہم دونوں میں دوستی بھی بہت ہے۔ بس دعا کرنا کہ یہ دوستی کبھی نا ٹوٹنے والے بندھن میں بندھ جائے... سال تو لگنے والا ہے، تمہیں اس کی مبارک باد اللہ تمہارے لیے بھی جلدی سے کوئی شہزادہ بھیج دے... مجھے یاد تو کرتی ہو نا؟ میں بہت جلد گاؤں کا چکر لگاؤں گی اور تب ہی واپس جاؤں گی جب یہ خود مجھے اپنی خوشی سے لینے آئیں گے... بس اتنا کافی ہے... ابا فون لے لیں تو پھر ہم روز بات کر لیا کریں گے۔ تم اداس بالکل مت ہونا اپنا اور اماں، ابا کا بہت خیال رکھا کرو میری جان... سب کے لیے بہت سارا پیار۔

والسلام
تمہاری بہن نیلماں!

خط پڑھتے پڑھتے اس کا دل اداسی کے گہرے

احساس سے بھرتا چلا گیا تھا۔ یہ نیلماں کے ہاتھ سے لکھا خط تھا' جو خوب صورت ہینڈ رائیٹنگ کی وجہ سے اس کو اپنی طرف متوجہ کر گیا تھا۔ وہ خط کو لیے' لیے باہر آیا۔ وہ کیا' کیا زیادتی کرتا آیا تھا اس لڑکی کے ساتھ سوچ کر اسے خود پر غصہ آنے لگتا۔

''شہری ہیرو....'' خود پہ طنز کرتے ہوئے وہ زخمی سا ہنس پڑا' نیلماں چھت پر تھی اور اس سے قبل کہ اوپر جاتا اس کی آواز پر قدم زنجیر ہوئے تھے۔

سوندھے ' سوندھے سے خواب مہکائے
ساری دنیا سے نظریں چرائے
ایک پل جی لیں تو سمجھ لیں گے
چاند تاروں کو ہم توڑ لائے
ہم سے کیوں خوشیاں کوسوں پرے
دل ہلکے سے دھڑکے ہونٹوں تک آئے

وہ گہری اداسی سے گنگنا رہی تھی اور وہ فیصلہ کن انداز میں واپس پلٹ گیا۔

☆ ☆ ☆

وہ مہک کے سامنے کیا کہنے جا رہا ہے۔ اسے خوب علم تھا۔ سارا راستہ یہی تو سوچتا آیا تھا۔ وہ اس کے گھر آیا تھا اور سامنے کا منظر دیکھ کر اسے ناگواری کا احساس ہوا۔

مہک کسی کو رخصت کرتے ہوئے اس کے گلے لگ رہی تھی۔ شامی کو یہ منظر نہایت ناگوار گزرتا۔ مگر مہک ہمیشہ سے اس کی یہ بات نظرانداز کرتی۔ وہ لڑکا جا چکا تو شامی مہک کے پاس پہنچا مہک اسے دیکھ کر مہک اٹھی۔

''تم کب آئے؟''

''تب ہی جب تم اس سے گلے مل رہی تھیں۔'' وہ چبھتے لہجے میں بولا مہک نے لاپروا انداز میں سر جھٹکا۔

''کزن تھا میرا... اور....''

''جو بھی تھا وہ تمہارے لیے نامحرم ہے اور میں نے تمہیں اجازت نہیں دی کسی کو گلے لگانے کی۔'' وہ

بگڑے لہجے میں بولا۔ مہک نے ماتھے پر بل ڈالے۔

"اوہ کم آن..... میں محرم نامحرم کچھ نہیں جانتی..... اور تم کس حق سے اجازت دیتے۔" وہ جیسے اس کا مذاق اڑا کر ہنسی "اینی وے..... آؤ اندر چلو۔" اس نے ہاتھ پکڑا۔

"رہنے دو..... میں تم سے کچھ کہنے آیا ہوں۔" وہ ہاتھ چھڑا کر بولا۔

"ہاں تو بیٹھ کر بات کرتے ہیں نا؟" مہک سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں اور جو تم سے کہنا چاہتا ہوں اس کے بعد شاید تم مجھے فوراً "نکل جانے کا کہو" سو میں یہیں کھڑے دو ٹوک بات کروں گا کہ میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔" وہ بے زار لہجے میں کہہ کر اسے دیکھنے لگا۔ مہک کا مذاق اڑانا اسے بہت برا لگا تھا۔

"واٹ.....؟" مہک کا منہ کھل گیا "تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا.....؟" وہ مارے غصے کے چیخ پڑی آج شامی نے اس کے چیخنے کی پروا نہ کی۔

"اب میری بات سمجھنے کی کوشش کرنا..... تم اور میں دو الگ الگ ندی کے کنارے ہیں اور ہمارے بیچ کا جو فاصلہ ہے نا وہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا میں نے بہت سوچا اور تم ہماری کلاس کی نہیں ہو..... نہ ہی بن سکتی ہو ' جیسا کہ ابھی ہوا..... بیوی کے معاملے میں ہر شخص ایک جیسی ہی سوچ رکھتا ہے کہ اس پر کسی نامحرم کی نظر بھی نہ پڑے اور تم جس ذہن کی مالک ہو ' وہاں تم کسی کو گلے لگانا بھی معمولی سمجھتی ہو ' جو میری غیرت کو گوارہ نہیں۔ مہک نیلماں ایک بہت اچھی لڑکی ہے اور بالکل میرے معیار پر پوری اترتی ہے تو میں نہیں چاہتا کہ اسے کوئی دکھ دوں یا کوئی زیادتی کروں۔ مہک! تمہیں تمہاری سوسائٹی جیسے بہت مل جائیں گے مگر ہمیں ایک دوسرے جیسا نہیں مل سکے گا..... ایم رئیلی سوری۔" اپنی بات کہہ کر وہ اپنا دامن صاف کر رہا تھا اور مہک پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہ تم کہہ رہے ہو؟ پھانس لیا نا تمہیں اپنی اداؤں سے اس شریف زادی نے....."

"مہک شٹ اپ..... اس کے لیے ایک لفظ نہیں..... وہ میری بیوی ہے ' نیلماں میری عزت اور محبت بھی وہی..... "مہک نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

"اوہ..... اور جو محبت مجھ سے تھی وہ؟" مہک نے تیکھا سا طنز کیا۔ اسے اس وقت یہ باتیں زہر لگ رہی تھیں۔

"نہیں مجھے تم سے محبت نہیں تھی..... میں نے ہمیشہ تمہیں اپنی پسندیدگی کے بارے میں آگاہ کیا ہے مگر وہ محبت نہیں تھی..... مہک میری امی نے کہا تھا خوشبو میں بسی لڑکیاں گھر نہیں بسا سکتیں اور مجھے واقعی لگتا ہے تم میرا گھر نہیں سنبھال سکو گی ' ایک ہاؤس وائف بن کر..... اور میں تمہیں آزمائش میں نہیں ڈال سکتا..... میں اس سے محبت کرتا ہوں مہک اور یہ بار بار میرا دل کہتا ہے..... تم نہ سمجھو شاید مگر یہ دلوں کے معاملے ہیں اور مجھ سے منافقت نہیں ہو گی۔" وہ بات ختم کر کے جانے کے پر تولنے لگا۔

"ایک آخری بات پلیز مجھ سے کوئی رابطہ مت رکھنا..... میں نہیں چاہتا تمہاری وجہ سے میرے گھر میں تلخ فضا میں پیدا ہوں۔" کہہ کر وہ رکا نہیں اور گاڑی میں بیٹھ کر ہوا ہو گیا۔ مہک پہلے خونخوار پھر بے تاثر نگاہوں سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

☼ ☼ ☼

سال نو خود میں ڈھیروں مسرتیں سمیٹے کھڑا مسکرا رہا تھا..... ان کے لیے تو کچھ زیادہ ہی مبارک ثابت ہونے والا تھا۔ وہ سب کو مبارک باد دے کر اسے ڈھونڈھتا ہوا کمرے میں آیا تو وہ "راشدہ قاضی" کا ناول "مجھے کیا برا تھا مرنا" پڑھنے میں مصروف تھی۔

"لو تم یہاں ہو؟" وہ گھورتے ہوئے پوچھنے لگا۔ نیلماں چونکی۔

"کیوں خیریت؟" کتاب بند کر کے سائیڈ پر رکھی۔

"ہاں ویسے میں سوچ رہا تھا موسم اچھا ہے کہیں چلتے ہیں؟" وہ آرام سے بیڈ پر دراز ہو کر بولا۔ نیلماں اس کے دیکھنے کے انداز پر سٹ پٹائی۔

"موسم روز ہی ایسا ہوتا ہے اور مجھے جانا تو ہے۔ مگر گاؤں۔" وہ طنزیہ جواب دے کر منہ بنا گئی تو شامی فوراً محتاط ہوا۔

"کیوں... کیا جانا ضروری ہے؟"

"رکنا بھی ضروری نہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"ضروری تو ہے!" شامی نے اسے معنی خیز نظروں سے تولا تو وہ خائف سی ہوئی۔

"کس کے لیے رہوں؟" باوجود کوشش کے اس کی آواز بھرا گئی۔ شامی اس کے قریب آیا۔

"جس کے لیے آئی تھیں؟" نیلماں نے چونک کر نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ جو مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک بالکل بدلے انداز میں۔

"پھر کسی دن چلیں گے... آج صرف میرے ساتھ رہو۔" وہ محبت پاش نگاہوں سے دیکھتا آہستگی سے بول رہا تھا۔ نیلماں کی بے یقین نگاہیں اس کا چہرہ کھوج رہی تھیں۔ پھر ایک دم آنسو اس کی پلکوں میں اٹکنے لگے۔

"تمہیں یقین رکھنا چاہیے تھا نا... تمہارے ساتھ بے وفائی کوئی نہیں کر سکتا۔" وہ جو اس کا ہیرو تھا۔ اس کو یقین بخش رہا تھا۔ نیلماں کی آنکھیں دھواں دھار برسنے لگیں۔ بار بار ہاتھ گالوں پر جاتے تھے۔

"اچھا سنو... تمہیں زکام ہے؟ ناک بہہ رہی ہوتی ہے ہر وقت؟ اس نے چھیڑا نیلماں کی زبان سے بے ساختہ پھسلا۔

"خشک ہی کب ہوتی ہے؟"

"مطلب..." لب بھینچ کر وہ خجل رہ گئی۔ شامی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"ہاں وہ تب ہی... مطلب رونے سے بہتی ہے۔" اس نے اعتراف جرم کیا انداز ایسا ہی تھا۔

"اور خشک کب ہوتی ہے۔" وہ محظوظ ہو کر بولا۔

"جب آئس کریم کھالوں... وہ کھوئے والی قلفی۔" اس نے بھی جھٹ بتا دیا تو وہ اس کی معصومیت مسکرایا۔

"چلو چلتے ہیں آئس کریم کھانے... ورنہ کسی دن تمہاری ناک بری طرح چھل جانی ہے۔ جو تمہاری طرح بہت خوب صورت ہے۔" وہ شوخ لہجے میں بولا تو نیلماں بھاگنے والی ہو گئی۔

"اچھا رکو... نیا سال مبارک۔"

"آپ کو بھی..." وہ شرما کر بولی اور تیار ہونے بھاگ گئی۔ شامی پیار سے اسے سوچتا رہا۔ اور باہر ساجدہ، ملک حامد سے کہہ رہی تھیں۔

"دیکھا ملک صاحب... مانتے ہیں نا پھر مجھے؟" ان کا اشارہ بہو بیٹے کی طرف تھا۔ ملک حامد فوراً بولے۔

"ہاں بھئی عورتوں کی چالیں، مردوں کی سمجھ میں کہاں آتی ہیں؟" انہوں نے ہاتھ دبایا تو نئے سال کے اس موقعے پر فضائیں "ہیپی نیو ایئر" کی آوازوں سے گونج اٹھی۔

✡ ✡

صائمہ جاوید

ابھی دیر نہیں ہوئی

ایک تھکا دینے والا دن بھگتا کے عمر نے گھر میں قدم رکھا مسمم ارادہ تھا کہ آج کوئی ناخوش گوار صورتحال پیدا نہ ہو پائے ورنہ پچھلے کئی دن سے کہیں نہ کہیں سے کوئی گولا باری ہو ہی جاتی۔ عمر نے ہمیشہ کوشش کی کہ معاملہ ٹل جائے۔ مگر بے سود۔ اب بھی جب بات تلخ کلامی سے آگے بڑھنے لگتی وہ اپنی مصلحت اندیشی کے ہاتھوں چپ کی چادر اوڑھ لیتا۔ جس کا نتیجہ اگلی صبح سڑے ہوئے ٹوسٹ اور ان سے بھی زیادہ جلا ہوا انڈا کھا کے دفتر جانا پڑتا۔ اب تو بچوں کے لنچ باکسز کی حالت بھی ابتر ہوتی جا رہی تھی۔ بالآخر تمام دن کی سوچ بچار کے بعد نتیجہ یہ نکالا کہ بیگم کے فیورٹ ریسٹورنٹ کا چکر لگایا جائے اور بچوں کو تھوڑی تفریح کرائی جائے، تو ہو سکتا ہے اس خراب موسمی صورت حال پر کچھ قابو پایا جا سکے۔ اسی آس میں مسکراہٹ لبوں پہ سجائے گھر کی ابتر حالت کو پس پشت ڈال کر بیگم کے حضور حاضری دی۔

"کھانا مت بنانا آج ہم ڈنر باہر کریں گے۔"

"اس فیاضی کی وجہ؟" موبائل کے نخلستان میں بھٹکتی نظروں کا رخ لمحہ بھر کو بدلا اور طنز کا ایک تیر چلا یہ طنز تیر۔

"ہتق ہا! وہ شیریں گفتار، متحمل مزاج عاشی [illegible] اب خواب ہوئی۔" عمر کے دل نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"یار اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" کمزور سی وضاحت بھی پیش کی۔

"اونہہ! رہنے دیں جانتی ہوں جیسے آپ ہر فرمائش پہ! بک کہتے ہیں ہمیشہ۔ [illegible] گود میں رکھ کر سر صوفے کی بیک سے ٹکالیا۔ یہی فرصت کے لمحات عمر کے لیے غنیمت تھے آگے ہو کر عائشہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے تھپکنے لگا۔ "خواہ مخواہ کی ناراضی چھوڑو یار! میرا دل چاہ رہا ہے آج کچھ وقت ساتھ گزاریں گے کھانا کھائیں گے اور اگر کچھ شاپنگ کرنی ہے تو بھی بندہ حاضر ہے۔" حاتم طائی کو بھی پچھاڑتے ہوئے ارشاد فرمایا تو پل بھر کو عائشہ کی آنکھوں میں دیئے جلے۔ یقیناً" دماغ نے تیزی سے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور کام کیا کچھ لایعنی چیزوں کی فہرست تو ہر خاتون کے ذہن میں ہر وقت تیار ہی رہتی ہے۔ لہٰذا ادا سے عمر کے کندھے پہ سر ٹکا دیا۔ عمر کے تنے اعصاب بھی ستانے لگے۔

"بچے اٹھ جائیں تو میں تیار کرتی ہوں پھر جلدی نکلیں گے۔ پچھلے کئی دن سے وہ باہر نہیں نکلے۔" دوستانہ سے انداز میں بتایا۔

"تم اپنے جنجال سے نکلتیں تو وہ باہر جاتے نا!" ظاہر ہے یہ صرف عمر سوچ ہی سکتا تھا، فی الحال۔

"یہ کھٹارا کب بیچیں گے ہم؟" بڑے لاڈ سے پوچھا گیا۔

لو جی! جس کا ڈر تھا وہی ہوا۔ عاشی کی ذہنی رو پھر بھٹک گئی تھی۔

"بیچ لیں گے یار جب وقت آئے گا۔" عمر نے پھر درمیانی راستہ ڈھونڈا۔

"اور وہ وقت کب آئے گا؟ پانچ یا دس سال بعد یا پھر جب ہم بوڑھے ہو جائیں گے۔" سب ناز و ادا ایک

جھٹکے سے پرے اچھالتے وہ تن کر کھڑی ہو گئی۔

"یا وحشت!" عمر نے سر پکڑا۔ آج یقیناً "ہیٹ ٹرک" ہونے جا رہی تھی روزانہ کی اس لڑائی کی۔

"ہوں۔۔۔۔ اب تو میری ہر بات بری ہی لگے گی۔ یہ میں ہی ہوں جو کمپرومائز کرتی آ رہی ہوں ہر بات پہ۔" پھولے منہ کے ساتھ وہ پھر ناراض کھڑی تھی۔ یقیناً "اس "ہر بات" میں گھر کا اچھا خاصا فرنیچر بدلنے کی، چھٹیوں میں بچوں کو مختلف تفریحی علاقوں کی سیر کرانے کی، ان کی سالگرہ پر تھیم کے مطابق ڈیکوریشنز کی اور اسی طرح کی بہت سی "ٹرینڈی" فرمائشیں تھیں جو کہ عمر فی الحال افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔

"یار بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہو؟ اب ایک دم سے بڑی کار کہاں سے لے لوں۔ میرا اپنا ارادہ ہے گاڑی بدلنے کا مگر جب گنجائش ہو گی تب۔"

"جائیں یہ لارے لپے مجھے نہ دیں۔ بہت سن لیں میں نے ایسی باتیں۔ ہر بات کا مناسب وقت ہی ڈھونڈتی رہ ہوں۔ ہر چیز کے لیے گنجائش کا انتظار کرتے

کرتے میں خود ہی نہ ایکسپائر ہو جاؤں۔"

"لاحول ولا" عمر ہونق سا اس کی اصطلاحات پر غور کرنے لگا یہ تو کہیں سے پہلے والی عائشہ نہیں لگ رہی تھی۔

"ہمیں نہیں جانا کہیں بھی..... ہنہ، کوئی قدر ہی نہیں۔" جھٹکے سے اٹھی موبائل صوفے پہ اچھال، یہ جا وہ جا۔ تمام سمجھ داری اور حکمت عملی پر "اناللہ" پڑھتے عمر نے صوفے سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ کچھ ہی دیر میں سرسراہٹ پر عمر نے آنکھوں کی جھری سے عائشہ کو موبائل اٹھا کے باہر لپکتے دیکھا۔ چہرہ پر ہنوز سختی و ناراضی کے اثرات تھے۔

☼ ☼ ☼

اگلے دو دن اسی ناراضی کے سائے میں گزر گئے عمر بھی لیے دیئے سے اپنے معمولات میں مصروف رہا۔ عائشہ کی اپنی "مصروفیات" تھیں اور اس تمام صورت حال کا پیش خیمہ بھی یقیناً" وہی تھیں۔ ایسے اگر کوئی اس بے زاریت کی نذر ہو رہا تھا تو وہ سات سالہ عائلہ اور اس سے چھوٹا عیان تھا۔ فی الحال ان کی طرف کسی کی توجہ نہیں تھی۔ عمر بظاہر لاتعلقی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ مگر وہ اپنے ہنستے مسکراتے گھر کی اس شکل پہ تشویش میں مبتلا تھا۔

فقط چند مہینے قبل وہ اپنے گھر کو کم و بیش ایک مثالی گھرانہ تصور کرتا تھا۔ جہاں ہر در و دیوار پہ ان کے خواب سجے تھے۔ دیواروں پر ٹنگی مختلف پینٹنگز عائشہ کے سلیقے کے ساتھ ساتھ اس کے فن کی بھی عکاس تھیں۔ وہ ہمہ وقت اپنے گھر اور بچوں کی زندگی بہتر سے بہترین بنانے میں لگی رہتی۔ عمر سے اس کی شادی ارینجڈ میرج تھی۔ لیکن عمر کی انتہائی نرم طبیعت کے باعث چند ہی دنوں میں ان کی محبت اور آئیڈیل انڈر اسٹینڈنگ کے چرچے ہونے لگے۔ یکے بعد دیگرے، دونوں بچوں کی آمد نے جہاں ان کی فیملی کو مکمل کیا وہیں ان کی آنکھوں میں بہت سے خواب آن بسے۔ عمر کسی اعلا عہدے پر فائز نہیں تھا مگر عائشہ کے سلیقے اور سمجھ داری نے ان کی زندگیوں کو ہمیشہ سہل بنائے رکھا۔ عائشہ کے اندر آگے سے آگے بڑھنے کی لگن تھی۔ مگر عمر نہایت محتاط انداز سے 'قناعت پسندی سے ترقی کا خواہاں تھا۔ وہ سمجھتا تھا ہر چیز محنت اور لگن سے وقت کے ساتھ آپ کو میسر آ ہی جاتی ہے۔ یوں کبھی عائشہ کوئی بے جا فرمائش کر دیتی تو عمر محبت سے اسے رام کر لیتا اور وقت آنے پر اس کے سامنے لا حاضر کرتا۔ بچوں کے داخلے پر ذرا سی تکرار بھی ہوئی۔ عائشہ ان کے شہر کے سب سے مہنگے اسکول بھیجنا چاہتی تھی جبکہ عمر نے ایک بہت بہتر مگر قدرے مناسب اخراجات والے اسکول کا انتخاب کیا۔ ظاہر ہے عائشہ مان ہی گئی۔

بچوں کو روز صاف ستھرے یونیفارمز اور مکمل تیاری کے ساتھ اسکول بھیجتی اور تو اور ان کے لنچ باکسز کے لیے اس نے باقاعدہ چارٹس ترتیب دے رکھے تھے کبھی ان کو پیسے دے کر نہ ٹالا تھا یا صرف ٹھنڈے چپس یا ابلے نوڈلز دے کر نہیں بھیجا تھا۔ بچوں کے لیے وہ بہت ہی حساس تھی۔ ہمیشہ اچھی خوراک کا خیال رکھتی یہاں تک کہ عائلہ کی ٹیچر نے ایک دفعہ کہا کہ "میری کلاس میں سب سے آرگنائزڈ بچی عائلہ ہے حتیٰ کہ اس کا لنچ بھی بہت متوازن ہوتا ہے۔" عائشہ دنوں پھولے نہ سمائی۔ اسی طرح عمر کی ہر چیز نہایت سلیقے سے تیار رکھتی اس کے کھانے پینے سے لے کر اس کی ہر شے کو سنبھالنا اور اس کے آرام کا بھرپور خیال رکھنا اس کی اولین ترجیح ہوتی۔ یہاں تک کہ اس کو گھر کے معاملات میں خواہ مخواہ نہ الجھاتی کہ وہ اپنے دفتر معاملات میں ڈسٹرب نہ ہو جائے۔

☼ ☼ ☼

"عمر پتا ہے کل میری کالج کی ایک دوست عشا نے مجھ سے رابطہ کیا ان لوگوں نے واٹس ایپ پہ گروپ بنایا ہوا ہے۔" ناشتے کی ٹیبل پر بچوں کو بھیجنے کے بعد عمر کے ساتھ ناشتا کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"اچھا ہے فارغ وقت میں گپ شپ ہو جائے

گی۔" عمر اس کی خوشی دیکھ کر مسکرایا۔
"ہاں لیکن فارغ وقت میں بھی میرے پاس بہت سی کام ہوتے ہیں۔" عمر اس کی ڈی 'آئی 'وائی (ڈواٹ یور سیلف) کی عادت سے بخوبی واقف تھا اس کی بے شمار مصروفیات تھیں جنہیں وہ بہت شوق سے پورا کرتی تھی۔
"تو بھئی پھر اتنی ایکسائٹمنٹ کیوں؟"
"وہ ہو ساری اسکول فرینڈز سے اتنے عرصے بعد رابطہ ہوا ہے۔ یوں جیسے بچپن پھر سے واپس آگیا ہو۔" وہ واقعی اسی بات پر خوش تھی۔
"چلو بھئی تم بچپن کو انجوائے کرو اور ہم چلے دفتر۔" عمر ہاتھ صاف کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

☆ ☆ ☆

"ادھر دیکھو سب ادھر' عانی! کیمرے کی طرف دیکھو۔ اسمائل۔"
"یہ ہوئی نہ بات!" آج وہ بچوں کو باہر لائے تھے۔ ڈنر کرنے تک عائشہ بے شمار سیلفیاں لے چکی تھی۔ عمر مسکراتا رہا۔ اس کی حرکتیں آج کل کافی دلچسپ ہو رہی تھیں۔ بے ضرر سی چھوٹی چھوٹی خوشیاں جنہیں شاید پہلے وہ اپنی ذمہ داریوں میں فراموش کر چکی تھی۔
گھر آتے ہی بھاگم بھاگ بچوں کو کپڑے تبدیل کروا کے سلانے کے بعد وہ بیڈ پہ آبیٹھی۔ اب اسے تصویروں کو ترتیب دے کر تمام گروپس میں شیئر کرنا تھا۔ چند ہی منٹوں بعد تعریفی پیغامات کا سلسلہ شروع ہو گیا عمر بات کرنے کا منتظر جانے کب کا سو گیا جبکہ عائشہ کی چیٹ رات گئے تک چلتی رہی۔
"یار کھانے میں کیا ہے۔" فریج کھولے عمر اندر جھانک رہا تھا۔
"اوہ سوری! میری ذہن سے نکل گیا سالن رات کا پڑا تھا لیکن آٹا تو گوندھا نہیں بس آنکھ لگ گئی تھی۔" اس نے وضاحت دی۔
"چلو کچھ اور بنا دو۔" وہ ہمیشہ سے بے ضرر ہی تھا۔

عائشہ شرمندہ ہوتی سینڈوچز بنانے چل دی۔ ایسا آئے روز ہونے لگا' وہ کوئی نہ کوئی چیز بھول جاتی۔ اور جب کوئی کام رہ جاتا تو چڑچڑاہٹ ہونے لگی۔ بہت کوشش کرتی کہ ہر کام پورے دھیان سے کرے مگر موبائل کی ٹوں ٹوں کی ایسی عادت پڑی کہ بس۔۔۔

☆ ☆ ☆

ڈنر کرتے وقت عمر نے عائشہ کی افسردگی محسوس کی۔
"عاشی کیا بات ہے؟"
"کچھ نہیں بس ایسے ہی۔" اس نے بات کو ٹالا۔
"نہیں یار پھر بھی کیا الجھن ہے۔" نرمی سے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ دھرا۔ "حفصہ (بہن) کا جھگڑا ہو گیا ہے عدنان سے۔" سدا کی حساس عاشی رو دی۔
"ارے یار اس میں کیا پریشانی ہے میاں بیوی میں جھگڑا ہو ہی جاتا ہے۔"
"اچھا ہم میں تو کبھی نہیں ہوتا۔"
"ہاہاہا" عمر کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ "تو تمہیں کس بات پر اعتراض ہے ان میں جھگڑا ہونے پر یا ہمارے درمیان جھگڑا نہ ہونے پر؟" وہ خجل سی ہوئی۔
"میرا وہ مطلب نہیں تھا دراصل اس کی ساس بہت غصے والی ہیں اور عدنان سب کے سامنے اپنی ماں کی سائیڈ لیتا ہے۔ آج بھی معمولی سی بات پہ اس کو خوب سنا دیں۔"
"ہم م۔۔۔ کوئی بات نہیں تم اسے سمجھانا کچھ وقت تو لگتا ہے نا ایک دوسرے کو سمجھنے میں۔"
"ہاں مگر میں سوچ رہی ہوں لڑکیوں کو کتنا کمپرومائز کرنا پڑتا ہے نا!" وہ اداسی سے کہہ رہی تھی۔
"فش بہت اچھی بنی ہے۔ جی چاہتا ہے بنانے والے کے ہاتھ چوم لوں۔" عمر نے بات بدلنی چاہی جبکہ وہ ہنوز اسی موڈ میں تھی۔

☆ ☆ ☆

رات میں اس نے حفصہ کو کال ملائی تو اس کا نمبر بند تھا اور تمام رات عائشہ کی پریشانی میں گزری صبح

بچوں کو اسکول بھیج کے حفصہ سے بات ہوئی تو وہ بہت خوش تھی۔

"عاشو! عدنان نے رات مجھے خوب شاپنگ کروائی۔ ہم نے ڈنر بھی باہر کیا۔"

"اچھا لیکن تم تو اس سے سخت ناراض تھی؟" عائشہ کو اچھا تو لگا مگر اتنی جلدی مان جائے گی' جبکہ کل وہ انہیں خوب باتیں سنا رہی تھی' اس کا عائشہ کو اندازہ نہیں تھا۔

"ہاں! اس نے منا بھی تو لیا نا!" حفصہ اترائی۔

"اور تم فوراً" مان گئیں۔" عائشہ نے مذاقاً" اسے چھیڑا۔

"فوراً" کہاں پہلے ایک برانڈڈ سوٹ لیا۔ پھر مزے دار سا ڈنر تو ماننا تو تھا ہی۔"

"اچھی بات ہے خوش رہو ہمیشہ" اس نے دعا دی۔

"ہاں! عدنان میں یہی اچھی بات ہے اگر غصہ خوب دکھاتا ہے تو نخرے بھی اتنے ہی اٹھاتا ہے۔" اس نے ہنستے ہنستے فون بند کیا۔ عائشہ اس دھوپ چھاؤں کے منظر پر خوش تھی۔ مگر تمام دن کام کاج کرتے نخرے والی بات اس کے ذہن سے چپک گئی خواہ مخواہ چیزوں کی اٹھا پٹخ شروع ہو گئی۔

"کاش ہمیں بھی کوئی ایسے مناتا۔" جبکہ وہ یہ بھول گئی تھی کہ عمر ناراض ہونے کی نوبت ہی نہیں آنے دیتا تھا۔

☼ ☼ ☼

آنے والے دنوں میں گھر میں بے زاریت کی فضا بڑھنے لگی۔ عائشہ ہمہ وقت موبائل کے ساتھ لگی رہتی ساتھ ساتھ کام بھی نیم دلی سے نبٹاتی جاتی۔ نتیجتاً" کبھی بچوں کو جھاڑ پلاتی تو کبھی عمر سے معمولی چپقلش ہو جاتی۔ یوں ہی فرمائشوں کی فہرست بھی طویل ہوتی جا رہی تھی۔ اچانک سے گھر پرانا اور بیک ورڈ لگنے لگا۔ پھر لگا فرنیچر آوٹ آف فیشن ہو گیا۔ غالباً" سہیلیاں اپنے گھروں کے انٹیریر دکھاتی ہوں گی۔ زندگی بے رنگ ہوتی ہوئی ایک دم ہی دل اچاٹ کرنے لگی۔ ماں کی مصروفیات بڑھیں تو بچوں پر توجہ بہت ہی کم رہ گئی عمر آتا تو وقت بے وقت ٹی وی کے آگے پائے جاتے حالانکہ اس سے پہلے تک وہ کارٹونز بھی خود منتخب کر کے ساتھ بیٹھ کے دیکھتی تھی۔ کبھی بچے بغیر ناشتے یا ٹفن کے جانے لگے۔ اس روز بھی عمر گھر میں داخل ہوا تو نہ صرف عیان رو رہا تھا بلکہ عائشہ بھی آنسو بہاتی صوفے پر براجمان تھی گزشتہ دو روز سے ان کے درمیان بات چیت بند تھی۔ عمر اب حقیقتاً" اکتا چکا تھا۔ بہرحال لاتعلق رہنا ناممکن تھا۔

"کیا ہوا میرے پرنس کو؟" اس نے عانی کو اٹھا کے پیار کیا۔

"مما نے مارا ہے۔" چھوٹے سے بچے نے شکایتی نظروں سے ماں کو دیکھا۔ عمر کو حیرت کے ساتھ دکھ بھی ہوا آج تک ان دونوں کی حتی المقدور کوشش رہی تھی کہ بچوں پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔ عانی کو چپ کروا کر تھوڑا بہت کھلا کے اس نے سلا دیا۔ عائلہ پہلے سے سو رہی تھی۔ عائشہ اس دوران انہی میں وہیں بیٹھی کسی غیر مرئی شے کو گھورتی رہی۔

"ہاں بھئی اب بتاؤ کیا پریشانی ہے؟" دوستانہ انداز میں وھپ سے اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

اس نے خاموشی سے دو پرچے سامنے کر دیے۔ عائلہ اور عیان کی منتھلی رپورٹس تھیں۔ اس دفعہ اسکول والوں نے والدین کو بلانے کی بجائے گھر بھیج دی تھیں۔ عمر نے غور سے پڑھیں' عائلہ تو بس ایک آدھ نمبر سے اپنی سابقہ بہترین پوزیشن پر ہی تھی۔ عیان کی اس دفعہ خاصی تنزلی ہوئی تھی۔ عائشہ جیسی آئیڈ یئلسٹ کے لیے یہ ایک بڑا جھٹکا تھا۔ کچھ دیر اس کا بغور جائزہ لیتا رہا۔ اس کے محرکات پر غور کر رہا تھا۔

"تو؟" اس نے لاپروائی سے کاغذ سائیڈ پر ڈال دیے۔

"تو!" عائشہ کا مراقبہ چٹک گیا۔ "عمر یہ بچے ہی تو ہمارا کل سرمایہ ہیں۔ اگر یہ اس طرح کے کارنامے کریں گے تو بس پھر..." وہ شدید غم زدہ تھی۔

"عاشو! یہ بچے ہی نہیں تم بھی میرا کل سرمایہ ہو۔

اپنے کارناموں کے بارے میں کیا خیال ہے۔ یہ اس کا نہیں تمہارا اور میرا رزلٹ ہے' پچھلے کچھ عرصے سے ہم کیا کرتے رہے ہیں' یہ اس کی رپورٹ ہے۔" عائشہ نے الجھی نظروں سے اسے دیکھا۔

"یار! میں سوچ ہی رہا تھا کس طرح تم سے بات کروں' تمہیں احساس دلاؤں کہ اس گھر کا انتہائی اہم ستون اپنی جگہ سے کھسک رہا ہے۔ تم! ہاں۔ تم ہم سب میں ہوتے ہوئے بھی مائنس ہوتی جا رہی ہو۔"

"اب یہ باتیں کہاں سے بیچ میں آگئیں۔" وہ جھنجلائی۔

"یہی تو باتیں ہیں مائی ڈیئر وائف! جو پیچھے چلی گئی تھیں۔ اور اندر نہ جانے عشا' نشا' زونی اور کس کس کی باتیں آگئیں۔ حقیقت تو یہ ہے تمہارے ان فرینڈز گروپس نے ہمارے گھر کا محبت بھرا پرسکون ماحول ہم سے چھین لیا ہے۔" اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔ "تمہیں یاد ہے تم پچھلی دفعہ کب صرف اور صرف میرے لیے تیار ہوئیں' بچوں کے لیے کوئی نئی ڈش ایجاد کی۔ اس کھڑکی کے سامنے رکھی کافی ٹیبل بھی اب تو اداس ہو گئی یار! کب تم نے کافی بنائی اور ہم نے آدھی رات کو تارے تکتے اور بقول میرے "جھینگروں کی آوازیں سنتے" وہ ہنسا "کافی کی چسکیاں لیتے ڈھیروں باتیں کیں۔" ایک گرم آنسو اس کی ہتھیلی پہ گرا۔ عمر نے مچلتے دل کو تھپکتے دماغ کو "کیری آن" (جاری رکھو) کا اشارہ دیا۔

"تم نے ان میں سے بہت سے کام کیے مگر میرے یا بچوں کے لیے نہیں بلکہ اپنے گروپ میں تعریفوں کے لیے۔ اپنا اسٹیٹس دکھانے کے لیے اس ریس (دوڑ) میں کوئی جیت پایا ہے کبھی۔ اور تمہارا وہ نیوز پیپرز سے شیشے کا فریم بنانے والا پروجیکٹ جس کے لیے تم نے گلوز اور اسپرے پینٹس منگوائے تھے' کل مجھے اسٹور میں گرد و غبار سے اٹا نظر آیا۔ یار آئی بیگ یو (میں تم سے التجا کرتا ہوں) باہر آجاؤ اس دوڑ سے۔ مجھے میری عاشی دے دو' بچوں کو ان کی "مما جانی" لوٹا دو۔ تمہاری ہوتے ہوئے مجھے کبھی باہر دوستیاں بنانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تو تم بھی دوستوں سے رابطہ ضرور رکھو لیکن ایک حد تک' ہر چیز میں توازن ہی اچھا لگتا ہے نا!"

اسے پتا نہیں چلا کب عائشہ اس کے کندھے سے لگی زار زار رونے لگی۔ یہی عادت اچھی تھی اس میں اپنی غلطی محسوس ہوتے ہی مان بھی لیتی تھی۔

"یار آج میرے پلان میں کوئی خلل نہیں پڑنا چاہیے۔ ہم عائلہ اور عانی کے رزلٹ کی خوشی میں ڈنر باہر کریں گے بلکہ عانی کو تو میں گفٹ بھی دلاؤں گا۔ اس نے میری بہت بڑی مشکل آسان کر دی؟" اس نے عائشہ کو چھیڑا۔ اب وہ جان چکی تھی کہ یہ بہت معمولی نقصان تھا۔ جس نے ان کو بڑے خسارے سے بچا لیا تھا۔

"ٹوں ٹوں!" موبائل کی بیپ پہ وہ چونکی یقیناً" کہیں سے "واٹس اپ" (کیا ہو رہا ہے؟) کا میسج تھا۔ وہ نظر انداز کرتی بچوں کو جگانے چل دی۔

☆ ☆

شعاع عمیر

القرآن

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا

ترجمہ:

اے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جو کپڑے میں لپٹ رہے ہو (۱) رات کو قیام کیا کرو مگر تھوڑی سی رات (۲) (قیام) آدھی رات (کیا کرو) (۳) یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو (۴) ہم عنقریب تم پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے (۵) کچھ شک نہیں کہ رات کا اٹھنا (نفس بہیمی) کو سخت پامال کرتا ہے اور اس وقت ذکر بھی خوب درست ہوتا ہے (۶) دن کے وقت تو تمہیں اور بہت شغل ہوتے ہیں (۷) تو اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو اور ہر طرف سے بے تعلق ہو کر اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ (۸) مشرق اور مغرب کا مالک (ہے اور) اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسی کو اپنا کارساز بناؤ (۹) اور جو جو (دل آزار) باتیں یہ لوگ کہتے ہیں ان کو سہتے رہو اور اچھے طریق سے ان سے کنارہ کش رہو (۱۰) اور مجھے ان جھٹلانے والوں سے جو دولت مند ہیں سمجھ لینے دو اور ان کو تھوڑی سے مہلت دے دو (۱۱) کچھ شک نہیں کہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی ہوئی آگ ہے (۱۲) اور گلے میں پھنستا کھانا ہے اور درد دینے والا عذاب (بھی ہے)

سورۃ المزمل (۱ سے ۱۲)

ماتم و نوحہ کی ممانعت

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت ماتم و نوحہ میں یہ ارشادات فرمائے ہیں۔

۱۔ وفات کے وقت جب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بے قابو ہو کر رونے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صبر کرو، خدا تم کو معاف کرے اور رونے و نالہ سے مجھے تکلیف مت دو" (جلا العیون، ۷۵، حیات القلوب ۶۹۵، جلد ۲)

۲۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وصیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے فاطمہ پیغمبر (کی وفات) پر گریبان چاک نہیں کرنا چاہیے، منہ نہیں نوچنا چاہیے، ہائے وائے نہیں کرنا چاہیے لیکن تو وہی کر جو تیرے باپ نے اپنے فرزند ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر کیا کہ دل غم ناک ہے آنکھ اشکبار ہے، مگر اے ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسی باتیں ہم نہیں کہتے، جن سے خدا تعالیٰ ناراض ہو" (حیات القلوب ۶۸۷، جلد ۲)

۳۔ ابن بابویہ نے معتبر سند سے حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چار بری عادتیں میری امت میں تاقیامت رہیں گی۔ اپنے خاندان پر فخر کرنا، لوگوں کے نسب میں لعن کرنا، بارش نجوم ماننا، بین کرنا، یقیناً" اگر بین (ماتم) کرنے والی توبہ سے پہلے مرجائے تو قیامت کے دن اس حالت میں اٹھے گی کہ گندھک اور تارکول کا لباس پہنے ہوگی" (حیات القلوب ۶۷۷، جلد ۲)

۴۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لیتے ہوئے فرمایا "مصیبت میں اپنے منہ پر تھپڑ نہ مارنا، اپنا منہ نہ نوچنا، بال نہ اکھیڑنا، اپنا گریبان چاک نہ کرنا، کالے کپڑے نہ پہننا، ہائے وائے نہ کرنا، پس ان

شرطوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی"
(حیات القلوب ۷۷۶ جلد ۲)

لفظ لفظ موتی

☆ کچھ باتوں کا جواب صرف خاموشی ہوتی ہے اور خاموشی بہت خوب صورت جواب ہے۔
☆ کچھ لوگ قسمت کی طرح ہوتے ہیں جو دعا سے ملتے ہیں اور کچھ لوگ دعا کی طرح ہوتے ہیں جو قسمت بدل دیتے ہیں۔
☆ شکست کھانا بری بات نہیں شکست کھا کر ہمت ہار جانا بری بات ہے۔
☆ کسی رشتے کو کتنی بھی محبت سے باندھا جائے' لیکن اگر عزت اور لحاظ چلا جائے تو محبت بھی چلی جاتی ہے۔
☆ جب غلطی ثابت ہو جاتے تو عقل مند اپنے آپ کو درست کر لیتا ہے اور جاہل ضد پر اڑ جاتا ہے۔
☆ معافی مانگنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم غلط اور وہ صحیح ہے بلکہ اصل مطلب یہ ہے کہ ہم میں رشتہ نبھانے کی صلاحیت اس سے زیادہ ہے۔

طاہرہ ملک۔ جلالپور پیروالا

نعوذ باللہ

ایک امیر نے ملا نصیر الدین سے پوچھا کہ خلفائے عباس کے زمانے میں رواج تھا کہ امیروں کے نام باللہ پر ختم ہوتے تھے۔ میرے لیے متوکل باللہ' متعصم باللہ میں سے کون سا نام مناسب رہے گا۔
ملا نصیر الدین نے جواب دیا "تمہارے لیے بہترین لقب "نعوذ باللہ" رہے گا"

صدف سمیع۔۔۔ کراچی

انسان کے بارے میں الخوارزمی کا حساب

☆ جب انسان کے پاس صرف اخلاق ہوں تو کل نمبر 1=
☆ اگر ساتھ خوب صورتی بھی ہو تو دائیں طرف صفر بڑھا دیں= 10
☆ اگر ساتھ مال و دولت بھی ہو تو ایک صفر اور لگا دیں = 100
☆ اگر ساتھ حسب و نسب بھی ہو تو ایک صفر اور لگا= 1000
☆ اگر یہ سب ہوں' لیکن اخلاق نہ ہوں تو 1 کو ہٹا دیں تو باقی بچے گا= 000

سیدہ لوبا سجاد۔۔۔ کھڈ و ڑ پکا

فیصلے

فیصلے کا لمحہ بڑا مبارک ہوتا ہے زندگی میں بار بار یہ لمحات نہیں آتے صحیح وقت پر مناسب فیصلہ ہی کامیاب زندگی کی ضمانت ہے اگر غلطی سے کوئی فیصلہ غلط بھی ہو جائے تو اس کی ذمہ داری سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ اپنے فیصلے اپنی اولاد کی طرح ہیں۔ جیسے بھی ہیں ان کی حفاظت تو کرنا ہوگی۔ دنیا کی تاریخ کو بغور دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ اکثر تاریخی فیصلے غلط تھے' لیکن تاریخی تھے۔ تقدیر اپنا بیشتر کام انسان کے اپنے فیصلے میں ہی مکمل کر لیتی ہے۔ انسان راہ چلتے چلتے دوزخ تک جا پہنچتا ہے یا وہ فیصلے کرتے کرتے بہشت میں داخل ہوتا ہے۔ بہشت یا دوزخ انسان کا مقدر ہے' لیکن یہ مقدر انسان کے اپنے فیصلے کے اندر ہے۔
(واصف علی واصف)

فوزیہ ثمر ثانیہ عمران۔۔۔ گجرات

بابا بھلے شاہ

اسی نازک دل دے لوگ ہاں' ساڈا دل نہ یار دکھایا کر
نہ جھوٹے وعدے کیتا کر' نہ جھوٹیاں قسماں کھایا کر
تینو کتنی واری میں اکھیاں اے' مینوں دل نہ آزمایا کر
تیری یاد وے وچ مرجا ساں' مینو اینا یاد نہ آیا کر

دنیا کے چار خطرناک قتل

(1) شک کرنے سے رشتوں کا قتل
(2) خوف کی وجہ سے حوصلے کا قتل
(3) زیادہ سوچنے سے خوشیوں کا قتل
(4) جھوٹ بولنے سے اعتماد کا قتل

ارماہی سرفراز۔۔۔ کھیوڑہ

جگاڑ

امریکا کے نئے صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اپنے کچھ جاسوس اسلامی ممالک میں بھیجے تاکہ وہاں کے حالات کو سمجھا جاسکے۔ دو قابل جاسوس پاکستان کی طرف روانہ کیئے گئے۔ وہ پی آئی اے کے جہاز پر پاکستان کا سفر کررہے تھے کہ اچانک جہاز خراب ہوگیا۔ پائلٹ نے اعلان کیا کہ جہاز کے چاروں انجن فیل ہوچکے ہیں' لیکن آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ کوئی نہ کوئی جگاڑ لگالیا جائے گا۔ جاسوس جوں ہی پاکستان پہنچے تو دہشت گردوں نے ایرپورٹ پر حملہ کردیا۔ سیکورٹی کی طرف سے اعلان ہوا کہ آپ مت گھبرائیں' زمین پر لیٹ جائیں' کوئی نہ کوئی جگاڑ لگا رہے ہیں۔ ایرپورٹ سے جان بچا کر گاڑی میں ہوٹل جارہے تھے کہ انجن خراب ہوگیا۔ ڈرائیور نے کہا کہ گھبرائیں نہیں کوئی جگاڑ لگالیا جائے گا۔ دونوں جاسوس بمشکل اپنے ہوٹل کی دسویں منزل پر پہنچے تو وہاں آگ لگ گئی۔ فائر بریگیڈ نے اعلان کیا کہ پانی کا پریشر آٹھویں منزل تک جارہا ہے' لیکن آپ فکر نہ کریں' کوئی جگاڑ لگالیں گے۔

دونوں امریکی جاسوس گھبرا کر دوسرے ہی دن واپس اپنے ملک چلے گئے اور صدر ٹرمپ کو رپورٹ دی کہ پورا پاکستان جگاڑ پر چل رہا ہے۔ اگر جگاڑ پر ہمارا قبضہ ہوجائے تو پورا پاکستان قبضے میں آسکتا ہے۔ صدر ٹرمپ نے وزیراعظم کو فون کیا کہ جگاڑ کا کتنا مانگتا ہے۔ حکومت نے جواب دیا کہ ہم آپ کو جگاڑ فروخت نہیں کرسکتے۔ یہاں خود حکمران خاندان نے قطری شہزادے کے خط کا جگاڑ لگایا ہوا ہے۔

افشاں سمیع۔ کراچی

شیطان کی کمزوری

ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کو دیکھا کہ بہت کمزور و لاغر نظر آرہا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: تیرا یہ حال کیوں ہوگیا ہے؟

شیطان نے کہا: اے رسول خدا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت چھ کاموں کے باعث پریشان کرتی ہے۔ مجھے ان کاموں کے دیکھنے کی طاقت نہیں ہے' اور میں ان کا متحمل نہیں ہوں۔

۱۔ جب ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں تو سلام کرتے ہیں۔

۲۔ ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں۔

۳۔ ہر کام ارادہ کرنے سے قبل ان شاء اللہ کہتے ہیں۔

۴۔ گناہ ہوجائے تو استغفار کرتے ہیں۔

۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنتے ہی صلوۃ کرتے ہیں۔

۶۔ ہر کام کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تلاوت کرتے ہیں۔

حافظہ رملہ مشتاق۔۔۔ حاصل پور

مجھے تم سے محبت ہے

مرے ساتھی
مری یہ روح میرے جسم سے پرواز کرجائے
تو لوٹ آنا
سسکتے شہر میں تم بھی
ذرا سی دیر رکنا
مرے بے نور ہونٹوں کی دعاؤں پر
تم اپنی سرد پیشانی کا پتھر رکھ کے رو دینا
بس اتنی بات کہہ دینا
مجھے تم سے محبت ہے۔۔۔۔

(نوشی گیلانی)

سیدہ نسبت زہرہ۔۔۔ کہروڑپکا

✡ ✡

بشریٰ محمود

بیا اسامہ انجم، کی ڈائری میں تحریر

ابرار عمر کی نظم

محبت،

محبت دشتِ فرقت میں
بنا رختِ سفر چلتے کسی مجذوب کے دل سے نکلتا ایک نوحہ ہے۔
محبت راستوں کے جال میں بھٹکا ہوا راہی
کسی کے نام پر ٹھہرا ہوا اک اجنبی چہرا
محبت خواب بن جائے تو تعبیریں نہیں ملتیں
محبت ایک بارش ہے
جو اک اک بوند کر کے تن سے من میں جب اُترتی ہے
سُریلے ساز بجتے ہیں
انوکھے باب کھلتے ہیں
محبت کرنے والے تو فصیلِ جاں کو داؤ پر لگا کر بات کرتے ہیں
وہ کانٹوں کی زمینوں پر بھی ننگے پاؤں چلتے ہیں
محبت ایک سرگوشی
کسی فنکار کے ہاتھوں سے چھڑتا بے خودی کا راگ
محبت بارشوں کے موسموں میں یاد کی کایا
محبت جلتے تپتے راستوں پر پھیلتا سایا
محبت اک قضا بن کر بھی آتی ہے
کئی لوگوں کی جیون میں
محبت مرگِ گل بھی ہے
محبت پیاس کی صورت
اک ایسی پیاس کی صورت
کبھی جو بجھ نہیں پاتی
محبت اک اُداسی ہے
بلا کی خامشی بھی ہے
محبت موسموں کو حسن کا پیغام دیتی ہے
محبت چاہنے والوں کو یہ انعام دیتی ہے
قبولیت کے دروازوں پہ مہکی اک دُعا بھی ہے
محبت اک سزا بھی ہے
محبت پت جھڑوں کا نام

محبت اک سلگتی شام!

گڑیا شاہ، کی ڈائری میں تحریر

سلیم کوثر کی غزل

اس قدر رات گئے کون ملاقاتی ہے
ایسا لگتا ہے کوئی یاد چلی آتی ہے

میں نے چاہا نہ کہا اور نہ کبھی خواہش کی
تیرے کوچے میں تیری آب و ہوا لاتی ہے

یہ ستارے تو یونہی ساتھ چلے آئے ہیں
ورنہ یہ چاند اکیلا مرا باراتی ہے

میں تو دشمن کے بچھڑنے پہ بھی رویا ہوں بہت
تو تو پھر یار ہے اور یار بھی جذباتی ہے

کس قدر گھاؤ ہیں، معلوم نہیں ہے کہ ابھی
جسم سے روح کا رشتہ ہی مضافاتی ہے

ہائے! کیا لوگ تھے پامال ہوئے میرے لیے
اور کہنے کو مرا سارا سفر ذاتی ہے

صفحۂ دہر پہ فطرت نے لکھا ہے مرا نام
تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ فیصلہ لمحاتی ہے

فوزیہ ثمر، کی ڈائری میں تحریر

منیر نیازی کی غزل

لازم نہیں کہ اُس کو بھی میرا خیال ہو
جو میرا حال ہے، وہی اس کا بھی حال ہو

کچھ اور دل گداز ہوں اس شہر سنگ میں
کچھ اور پُر ملال، ہوائے ملال ہو

باتیں تو ہوں کہ کچھ تو دِلوں کی خبر ملے
آپس میں اپنے کچھ تو جواب و سوال ہو

رہتے ہیں آج جس میں جسے دیکھتے ہیں ہم
ممکن ہے یہ گزشتہ کا خواب و خیال ہو

سب شور شہر خاک کا ہے قرب آب سے
پانی نہ ہو تو شہر کا جینا محال ہو

معدوم ہوتی جاتی ہوئی شے ہے یہ جہاں
ہر چیز اس کی جیسے فنا کی خیال ہو

کوئی خبر خوشی کی کہیں سے ملے منیر
ان روز و شب میں ایسا بھی اک دن کمال ہو

سیاس گل، کی ڈائری میں تحریر

راؤ تہذیب حسین تہذیب کی غزل

سفر میں زندگی کے کوئی بھی رستہ نہیں دیتا
کڑی ہو دھوپ تو گھر کا شجر سایہ نہیں دیتا

یہاں ہر رنج و غم، درد و الم خود ہی اُٹھانا ہے
کسی کو اپنی خوشیوں کا کوئی لمحہ نہیں دیتا

اُسی کو جاگنا ہے رت جگے جس کا مقدر ہیں
کسی کو اپنی آنکھوں کا کوئی سپنا نہیں دیتا

اُٹھانا ہے ہمیں کو زندگی کا بوجھ مرنے تک
کہ جب تک زندگی ہے کوئی بھی کاندھا نہیں دیتا

کیا تھا اعتبار اک شخص پر اس دن کو روتا ہوں
کوئی اپنا بنا کر یوں کبھی دھوکا نہیں دیتا

خدا ہی ہے جو رکھتا ہے ہمیں اپنی پناہوں میں
کسی کے واسطے کوئی یہاں پہرا نہیں دیتا

گلہ تہذیب غیروں کا کسی سے کس لیے کیجیے
یہاں تو ساتھ مشکل میں کوئی اپنا نہیں دیتا

رابعہ اسلم، کی ڈائری میں تحریر

اعتبار ساجد کی غزل

یہ ٹھیک ہے کہ بہت وحشتیں بھی ٹھیک نہیں
مگر ہماری ذرا عادتیں بھی ٹھیک نہیں
اگر ملو تو کھلے دل کے ساتھ ہم سے ملو
کہ رسمی رسمی سی یہ چاہتیں بھی ٹھیک نہیں
تعلقات میں گہرائیاں تو اچھی ہیں
کسی سے اتنی مگر قربتیں بھی ٹھیک نہیں
قلم اُٹھا کے چلو حال دل ہی لکھ ڈالو
کہ رات دن کی بہت فرصتیں بھی ٹھیک نہیں
دل و دماغ سے گھائل ہیں تیرے ہجر نصیب
شکستہ در بھی ہیں ان کی چھتیں بھی ٹھیک نہیں
تم اعتبار پریشاں بھی ان دنوں ہو بہت
دکھائی پڑتا ہے، کچھ محبتیں بھی ٹھیک نہیں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

شگفتہ سلیمان

مہوش فاروق ___ لاہور

ممکن نہیں ہے مجھ سے یہ طرزِ منافقت
دنیا تیرے مزاج کا بندہ نہیں ہوں میں

ذکیہ خان ___ کورنگی

خرچ جتنا کروں یہ بڑھتی ہے
یاد تیری عجیب دولت ہے

الماس علی ___ کراچی

نشانیاں اپنے گھر کی کیا بتاؤں تجھے
جہاں ویرانیاں دیکھو چلے آنا!

سائرہ ___ لاہور

زندگی تھک کے گرتی ہے تو خیال آتا ہے
جان لیوا ہے لاحاصل تمناؤں کی کوشش

انجم ___ کوئٹہ

کشیدہ کارِ ازل، تجھے اعتراض تو نہیں
کہیں کہیں سے اگر زندگی رفو کر لوں

ہما کاشف ___ ملتان

کس سلیقے سے یاد آتے ہو
جیسے بارش ہو وقفے وقفے سے

مہناز عمران ___ اورنگی ٹاؤن

ہر وقت کا ہنسنا تجھے برباد نہ کر دے
تنہائی کے لمحوں میں کبھی رو بھی لیا کر

اقرا ___ کراچی

تم بادشاہِ وقت تھے کٹوا دیے تھے ہاتھ
اب قصر گر رہا ہے تو معمار کیا کرے

راحیلہ ___ ڈی آئی خان

کتنے ستم ظریف ہیں یارانِ خوش مذاق
آواز مر گئی تو مجھے ساز دے دیے

شہر بانو سیال ___ مظفر گڑھ

وہ خود کو سنگ کہتا ہے چلو ہم ایسا کرتے ہیں
یہ دنیا چھوڑ کر اس کو ذرا دلگیر کرتے ہیں
وہ مجھ کو چھوڑ جائے گا میرا وجدان کہتا ہے
سو اپنا آپ اس کی راہ کی زنجیر کرتے ہیں

صدف عبداللہ ___ لاہور

وفا میں ابھی یہ ہنر اختیار کرنا ہے
وہ سچ کہے نہ کہے، اعتبار کرنا ہے
یہ تجھ کو جاگتے رہنے کا شوق کب سے ہوا
مجھے تو خیر تیرا انتظار کرنا ہے

رانی ___ کراچی

تم محبت خرید لائے ہو
گھر میں پہلے عذاب کم تھا کیا

صائمہ ___ لاہور

تاج مانگا نہ تخت مانگا ہے
صرف تھوڑا سا وقت مانگا ہے
بھیک مانگی ہے چند سکوں کی
کب بھکاری نے تخت مانگا ہے

فرزانہ ___ کراچی

ان کو ناموس بھی، عزت بھی، پذیرائی بھی
مجھ کو رونے کو میسر نہیں تنہائی بھی
اپنے ہی حال پہ ہنسنا کبھی ہنس کے رونا
میں بیک وقت تماشا بھی تماشائی بھی

سیماب ___ نامعلوم

بہت گھٹن ہے اندھیروں کے شہر میں محسن
چراغ بن کے ہوا سے نباہتے رہنا

عظمیٰ غلام نبی ___ کراچی

سنو تو عرض کریں مان لو تو کیا کہنا
تمہارے پاس آئے تھے اک ضرورت سے

ثمینہ آنچل ـــــــ حیدرآباد

جانے اُس شخص کو کیسا یہ ہنر آتا ہے
رات ہوتی ہے تو آنکھوں میں اُتر آتا ہے
میں اُسے اپنی دُعاؤں سے نکالوں کیسے
وہ میری سوچ کے ہر رستے پہ نظر آتا ہے

صائمہ سلیم ـــــــ کراچی

بھیگ جاتی ہیں جو پلکیں کبھی تنہائی میں
کانپ اُٹھتی ہوں میرا درد کوئی جان نہ لے
یہ بھی ڈرتی ہوں کہ ایسے میں اچانک کوئی
میری آنکھوں میں تجھے دیکھ کے پہچان نہ لے

نواب زادی سولنگی ـــــــ مورو سندھ

لب پہ اک حرفِ طلب تھا، نہ رہا تیرے بعد
دل میں تاثیر کی خواہش نہ دُعا تیرے بعد
ایک قیامت کی خراشیں میرے چہرے پہ بھیں
ایک محشر میرے اندر سے اُٹھا تیرے بعد

حرمت ندا ـــــــ ڈلوال

منزل نہ راہی کوئی اور تھکنا بھی نہیں ہے
واپس مجھے گھر لوٹ کے جانا بھی نہیں ہے
میں نے بھی سکھایا اسے تیر چلانا
اب میرے سوا اس کا نشانہ بھی نہیں ہے

نادیہ عظمٰی ـــــــ کراچی

میرا اس شہرِ عداوت میں بسیرا ہے فراز
جہاں لوگ سجدوں میں بھی لوگوں کا بُرا چاہتے ہیں

ستیدہ نسبت زہرا ـــــــ کہروڑ پکا

بھول جانے کا تو بس اک بہانا ہوگا
کہ بہر طور اسے یاد تو آنا ہوگا
بند مٹھی سے جو اڑ جاتی ہے قسمت کی پری
اس ہتھیلی میں کوئی چھید پرانا ہوگا

گڑیا شاہ ـــــــ کہروڑ پکا

بجا سہی کہ وہ کہے محبتوں کی خواہش نہیں مجھے
یہ غرورِ بے نیازی بھی تو محبتوں کے طفیل ہے

حنا ٹیس ـــــــ لاہور

گنگناتی ہوئی آتی ہیں فلک سے بوندیں
کوئی بدلی تیری پازیب سے ٹکرائی ہے

فوزیہ کاشف ـــــــ فیصل آباد

اُن کو ناموس بھی، عزت بھی، پذیرائی بھی
مجھ کو رونے کو میسر نہیں تنہائی بھی
اپنے ہی حال پہ ہنسنا کبھی ہنس کر رونا
میں بیک وقت تماشا بھی تماشائی بھی

مسز نگہت غفار ـــــــ کراچی

سدا رہے جکڑے جو قسمت کی زنجیروں میں
ہمارا نام بھی شامل ہے اُن اسیروں میں
وہ جس کے ساتھ کی خواہش اُڑان بھرتی ہے
اُسی کا نام نہیں ہاتھ کی لکیروں میں

نغمانہ بٹ ـــــــ لاہور

ہر دم ہیں اضطراب میں سیماب کی طرح
آرام کب ہے اہلِ جنوں کی سرشت میں
مٹی کے کچے گھر میں بہت ہی سکون تھا
زخمی ہوئی ہے روح میری سنگ و خشت میں

صدف عمران ـــــــ کراچی

اپنی عزت کا اَنا کا بھی ہمیں پاس رہا
ہم محبت میں نہیں حد سے گزرنے والے
چارہ گر تو نے بہت کام کیا ہے لیکن
عشق میں زخم لگے ہم کو نہ بھرنے والے

نوشین اقبال نوشی ـــــــ گاؤں بدو مرجان

محبتوں کا میرے دل پہ گڑھا سا پڑ جاتا
وہ بوند بوند مجھ پہ برستا تو سہی

تحریم ـــــــ کراچی

محبتیں تو فقط انتہائیں مانگتی ہیں
محبتوں میں بھلا اعتدال کیا کرنا

حنا نصیر احمد ـــــــ اُگوکی

بھول بھی جاؤ بیتی باتیں
ان باتوں میں کیا رکھا ہے
چپ چاپ کیوں رہتے ہو ناصر
یہ کیا روگ لگا رکھا ہے

ثمینہ، زبیدہ ـــــــ کراچی

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

کچھ موتی چنے ہیں

ادارہ

ہیر رانجھا

عشق حقیقی کی ماہتاب مائی ہیر جھنگ کے ایک گاؤں میں چوچک سیال کے ہاں پیدا ہوئی جو ایک معمولی زمین دار اور عمر رسیدہ شخص تھا۔ یہ اولاد اسے حضرت شیر شاہ جلال سرخ بخاری کی دعا سے نصیب ہوئی جن کا مدفن آج بہاول پور میں ہے۔ بچی کا نام عزت بی بی رکھا گیا' لیکن اپنی عبادت گزاری' ریاضت اور زہد و تقویٰ کے باعث عوام الناس پیار سے اسے ہیر کے لقب سے پکارنے لگے۔ اس کے مرید اور خلیفہ کا نام مراد بخش تھا۔ جس کی ذات رانجھا تھی۔۔۔ عشق حقیقی کے یہ دونوں پرستار آج بھی جھنگ شہر میں ایک ہی قبر میں آسودہ ہیں۔۔۔

وارث شاہ کے رومانی شاہکار "ہیر رانجھا" کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ وارث شاہ خود ایک بھاگ بھری نامی ایک عورت کے عشق میں گرفتار تھا۔ جب ان کے عشق کا راز فاش ہوا تو گھر والوں نے بھاگ بھری کی شادی کہیں اور کردی۔ اور صاحب حیثیت ہونے کی وجہ سے وہ لوگ بھی ہاتھ دھو کر غریب وارث شاہ کے پیچھے پڑ گئے۔ محبت کی ناکامی غم میں ڈوب کر موزوں طبیعت والے عاشق نے اپنا وہ شاہکار تصنیف کیا۔ جس میں اپنے وقت کی ایک عارف اور پاک باز خاتون بھی ان کے قلم کی زد میں آکر عشق مجازی کا ایک لازوال کردار بن گئی۔

(قدرت اللہ شہاب۔۔۔ شہاب نامہ

ارماہی سرفراز۔۔۔ کھوڑہ

جوتے

جوتے یا ہم اتارتے ہیں یا پھر جاپانی اتارتے ہیں۔

یورپ کے معاشرے میں جوتے کو ہرگز وہ حیثیت حاصل نہیں جو ہمارے ہاں ہے وہاں تو جوتا بس پہن لیا جاتا ہے' سردی سے یا سڑک کے روڑوں سے بچنے کے لیے۔ ہمارے ہاں پہنا جاتا ہے۔ گانٹھا جاتا ہے' مارا جاتا ہے' کھایا جاتا ہے' چٹخایا جاتا ہے اور دال بانٹنے کے برتن کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ گھر بیویاں اپنے سرتاجوں اور خداوندان مجازی کو جوتی کی نوک پر رکھتی ہیں۔ یورپ میں جوتی کی نوک ہی نہیں ہوتی لہٰذا اس سے یہ کام بھی نہیں لیا جاسکتا۔

(چلتے ہو تو چین کو چلیے۔۔۔ ابن انشاء)

ریما انور رضوان۔۔۔ کراچی

انکساری

جب مجھے غصہ آتا تو قدرت اللہ میرے کان میں کہتا چھلنی بن جاؤ۔۔۔ اس جھکڑ کر گزر جانے دو' اندر رکے نہیں۔۔۔ روکو تو چینی کی دکان میں ہاتھی گھس آئے گا۔۔۔ غصہ کھانے کی نہیں' پینے کی چیز ہے۔

جب میں کسی چیز حصول کے لیے باربار کوشش کرتا تو قدرت اللہ کی آواز آتی۔۔۔ ضد نہ کرو۔۔۔ اللہ کو اجازت دو اپنی مرضی کو کام میں لائے۔۔۔ جب میں دوسروں کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتا تو وہ کہتا۔۔۔ نا۔۔۔ ہار جاؤ۔۔۔ ہار جاؤ۔۔۔ ہار جانے میں ہی جیت ہے۔

کبھی میں تھکا ہوتا کوئی مریض دوا لینے آتا تو میں اسے ٹالنے کی سوچتا تو قدرت اللہ کہتا دے دو دوا۔۔۔ شاید اللہ کو تمہاری یہی ادا پسند آجائے۔

(ممتاز مفتی۔۔۔ الکھ نگری)

(افشاں سمیع۔۔۔ کراچی)

غزل بھی کوئی چیز ہے

ہمارے ایک شاعر دوست جو زمانہ طالب علمی میں کسی جماعت سے وابستہ تھے ایک بار کسی خاتون کے ساتھ سینما ہال میں دیکھے گئے۔ چنانچہ رپورٹ ہونے پر ان کی ہائی کمان کے سامنے پیشی ہوئی۔

"ہمیں معلوم ہوا ہے کہ گزشتہ روز آپ ایک خاتون کے ساتھ فلم دیکھتے ہوئے پائے گئے؟"

ہمارے دوست نے جواب میں صفائی پیش کی اور کہا "جناب ہماری عزیزہ دوسرے شہر سے آئیں۔ وہ فلم دیکھنا چاہتی تھیں۔ چنانچہ گھر والوں کی ہدایت پر میں انہیں فلم دکھانے لے گیا۔"

یہ سن کر کہا گیا.... "یہ تو ٹھیک ہے مگر جماعت کا نظم بھی کوئی چیز ہے۔"

اس پر ہمارے دوست نے کہا۔

"نظم اپنی جگہ مگر غزل بھی آخر کوئی چیز ہے۔"

(عطاء الحق قاسمی.... جرم ظریفی)

فضہ نور.... روہڑی

جستجو

جستجو میں کبھی کبھی انسان اپنے درجہ سے بھی کتنا گر جاتا ہے۔ اس کو یاد آیا اس کا باپ اسے ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ کچھ حاصل کرنے کی جستجو میں ان لمحوں اور وقت کا ضرور خیال رکھنا جو انسان کی زندگی میں بڑے اہم ہو جاتے ہیں اور انسان کو بھی ہمیشہ کے لیے امر بنا دیتے ہیں اور کبھی ایسے خطرناک کہ انسان کی زندگی میں ٹھہر جاتے ہیں تو پھر بڑی تباہی ہوتی ہے۔ انسان ایک دوراہے پر آ کھڑا ہوتا ہے 'کبھی بکھر جاتا ہے' تو کبھی .... فنا....

(قیصر و حیات.... وقت جو ٹھہر گیا)

ثنا شہزاد.... کراچی

مونچھیں

مونچھیں تراشنا ایک مشکل فن ہے کہ بندہ ساری زندگی یہ کام کرنے کے بعد بھی اس میں ماہر نہیں ہوتا' البتہ وہ متحمل مزاج اور متوازی شخصیت کا مالک ضرور ہو جاتا ہے کہ مونچھیں تراشنا جلد باز اور انتہا پسند شخص کے بس کا روگ نہیں۔ مونچھیں تراشنے والا تو جیب تراش کی طرح ہوتا ہے کہ ذرا سی غلطی سے دونوں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے۔

جب تک مونچھ نہ ہو کوئی پنجابی فلم نہیں بن سکتی۔ پہلے تو اردو فلموں میں بھی اس کی ضرورت پڑتی تھی اور وہ ہیرو کی ناک کے نیچے یوں پٹی ہوتی جیسے کسی اہم سطر کو انڈر لائن کیا گیا ہو۔

مونچھیں تو آپ کے برے وقت کی ساتھی ہیں آپ کسی کی گردن نہیں موڑ سکتے ہیں۔ آپ کو باغبانی کا شوق ہے تو مونچھوں کی پرورش اور کانٹ چھانٹ کر اپنا یہ شوق پورا کرلیں۔

(ڈاکٹر یونس بٹ.... شیطانیاں)

صائمہ مشتاق.... سرگودھا

عورت

بی بی ہاجرہ صفا و مروہ پر دوڑی ہوں گی اس کی عقل نے نکتہ پکڑ لیا۔ مرد عورت کے نقش قدم پر نہیں چلتا۔ مرد ہر طرح سے برتر پیدا کیا گیا ہے' یہ تو بدبختی' مصیبت کی نشانی ہے کہ مرد عورت کے نقش قدم پر چلے' مگر یہاں ہر مرد بی بی ہاجرہ کے نقش قدم پر چلتا ہے تب ہی اس کا حج و عمرہ مکمل مقبول ہوتا ہے۔ مومنہ بی بی کا دل زور زور سے 'خوشی سرشاری' سے دھڑکنے لگا نبی ہو یا ولی' صدیق ہو یا شہید' مومن ہو یا مسلمان' ہر مرد و عورت کا بی بی ہاجرہ کے نقش قدم پر چلنا لازمی کر دیا گیا ہے۔ اور اس وقت ملوک شاہ بی بی ہاجرہ کے نقش قدم پر چل رہا تھا۔ مومنہ بی بی بے ساختہ ہنسنے لگی۔ ملوک شاہ نے حیرت سے اسے ہنستے دیکھا تھا' مومنہ کے اس کے پیچھے اٹھنے والے قدم اب برابر میں اٹھنے لگے۔ ملوک شاہ کے سارے اقوال زریں مشرکین مکہ کے بتوں کی طرح اوندھے منہ گرنے لگے تھے۔

(نقش قدم.... کنیز نبوی)

مسرت فاطمہ.... کراچی

زوبینہ شریف

المیہ

ایک صاحب نے اپنے دوست کو بتایا "رات میں نے ایک افسوس ناک خواب دیکھا میں ایک ویران جزیرے میں مس انگلینڈ' مس امریکہ اور مس اسکاٹ لینڈ کے ساتھ موجود تھا۔"

"اس میں افسوس کی کیا بات ہے؟" دوست نے حیرانی سے پوچھا۔

"افسوس اس بات کا ہے کہ میں اس وقت مس ہانگ کانگ تھا۔" انہوں نے آہ بھر بھر کے جواب دیا۔

اریاہی سرفراز..... کھیوڑہ

بے بسی

ایک آدمی کو ساگ بہت پسند تھا' وہ روزانہ گھر میں ساگ پکواتا..... جب کھانے بیٹھتے تو وہ ہمیشہ اپنے بیٹے سے کہتا۔ "کھانا بسم اللہ سے شروع کیا کرو ورنہ شیطان کھانے میں شامل ہو جاتا ہے۔" لیکن بیٹا ہر بار بسم اللہ کہنا بھول جاتا ہے۔

ایک دن وہ بسم اللہ کہے بغیر ساگ کھانے ہی والا تھا کہ شیطان خود آگیا اور روتے ہوئے بولا۔ "مریں' کدی تے بسم اللہ کہہ لیا کر' ساگ کھا کھا کے میں مرن والا ہو گیا واں۔"

منال کاشف..... کراچی

معجزہ

ایک فوجی کی محبوبہ نرس بن گئی تو فوجی نے اس کو خط لکھا۔ "مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ تم نرس بن گئی ہو۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ کسی طرح بیمار ہو کر تمہارے اسپتال پہنچ جاؤں۔"

کچھ دنوں بعد فوجی کو جواب ملا۔ "بیماری تو کیا..... ہاں کوئی معجزہ ہی تمہیں یہاں پہنچا سکتا ہے کیونکہ میری ڈیوٹی زچہ اسپتال میں ہے۔"

مسرت طارق..... مظفر آباد

احتیاط

ڈاکٹر صاحب کو ٹیلی فون آیا کہ "ڈاکٹر صاحب میرے بیٹے نے ریت کھالی ہے۔ میں نے اسے پانی پلا دیا ہے۔ بتائیں میں اور کیا کروں۔"

ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا۔ "اب آپ صرف یہ احتیاط کیجیے کہ وہ سیمنٹ ہرگز نہ کھانے پائے۔"

عائشہ تحریم..... گوجرہ

تاریخ

ایک صاحب نے اسکول میں اپنے بیٹے کی ٹیچر سے پوچھا۔

"میرا بیٹا تاریخ میں کیسا ہے؟ میں تو تاریخ میں بہت نالائق ہوا کرتا تھا۔"

ٹیچر نے متانت سے جواب دیا۔

"تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے جناب!"

اریبہ شمشاد..... آزاد کشمیر

خوش خبری

ایک صاحب کا ایک کروڑ روپے کا انعامی بانڈ نکل آیا۔ ان کے بیٹوں نے سوچا کہ والد صاحب دل کے مریض ہیں' اگر انہیں اچانک یہ خوش خبری سنائی گئی تو ممکن ہے انہیں ہارٹ اٹیک ہو جائے' چنانچہ انہوں نے ایک ماہر نفسیات سے رابطہ کیا اور اس سے مشورہ

کیا کہ ہمارے والد صاحب دل کے مریض ہیں اور ان کا ایک کروڑ روپے کا بانڈ نکلا ہے۔ ہم نے انہیں اچانک اس خوش خبری سے آگاہ نہیں کرنا چاہتے۔ لہٰذا آپ یہ بات کچھ اس انداز سے بتائیں کہ انہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔

ماہر نفسیات ان کے گھر گیا اور ان صاحب سے پوچھا۔ "صاحب اگر آپ کا پانچ لاکھ روپے کا پرائز بانڈ نکل آئے تو آپ کیا کریں گے؟"

"کوئی کار وغیرہ خرید لوں گا۔" ان صاحب نے اطمینان سے جواب دیا۔

ماہر نفسیات نے پھر پوچھا۔ "اگر پچاس لاکھ روپے کا بانڈ نکلے تو پھر کیا کریں گے؟"

ان صاحب نے خوشی سے کھلتے ہوئے کہا۔ "کوئی اچھا سا بزنس کروں گا۔"

ماہر نفسیات نے پھر سوال کیا۔ "اگر ایک کروڑ روپے کا نکلے تو۔۔۔؟"

ان صاحب نے فرط مسرت سے بے نیاز ہوتے ہوئے کہا۔ "خدا کی قسم اگر ایسا ہو جائے تو میں اس رقم میں سے آدھی تمہیں دے دوں گا۔"

اتنا سننا تھا کہ ماہر نفسیات کو ہارٹ اٹیک ہو گیا۔

ماہین امبر۔۔۔ میر پور خاص

حسن

ایک صاحب نے ایک گاڑی کو روکنے کے لیے اشارہ کیا۔ گاڑی رک گئی۔ وہ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد دیکھتے ہیں کہ گاڑی میں ڈرائیور موجود نہیں اور گاڑی خود بخود چل رہی ہے وہ صاحب بہت پریشان ہوئے اور ڈر گئے کہ گاڑی کو جن چلا رہا ہے۔

نزدیکی پیٹرول پمپ پر گاڑی رکی اور تھوڑی دیر بعد ایک پسینے سے شرابور شخص گاڑی میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے لگا تو وہ صاحب بولے "بھائی! یہاں نہ بیٹھو' یہاں جن بیٹھا گاڑی چلا رہا ہے۔"

وہ شخص نہایت غصے سے بولا۔ "بے وقوف آدمی میں 2 کلومیٹر سے دھکا لگا رہا ہوں اور تم کہہ رہے ہو کہ گاڑی جن چلا رہا ہے۔"

حورین زینب۔۔۔ کھوڑ پکا

فرق

"ڈیوڈ نے تم سے شادی کرنے سے انکار کیوں کر دیا؟"

ایک لڑکی نے اپنی سہیلی سے پوچھا۔ "کیا تم نے اسے اپنی امیر ترین بیوہ خالہ کے بارے میں بتایا تھا؟"

"بتایا تھا۔" سہیلی نے افسردگی سے جواب دیا۔

"بتانے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑا؟"

"بہت فرق پڑا' وہ اب میرا خالو بن گیا ہے۔"

فوزیہ ثمر۔۔۔ گجرات

رعب

کبوتروں کا ایک جوڑا محبت کے نشے میں سرشار ہوا میں اڑ رہا تھا نر نے مادہ سے کہا۔

"تم کیا جانو کہ مجھ میں کتنی طاقت ہے اگر میں چاہوں تو اپنے پروں کے ایک وار سے سامنے کی پوری عمارت گرا دوں۔"

ایک بڑی عمارت کے چھت پر ایک آدمی کھڑا تھا 'جو اتفاق سے پرندوں کی بولی جانتا تھا اس نے کبوتر کو اشارے سے بلایا اور کہا۔

"کیوں کبوتر میاں! یہ شیخی کیوں بگھار رہے ہو؟"

کبوتر نے کہا۔ "میں تو اپنی کبوتری پر رعب جما رہا تھا۔"

آدمی نے کہا۔ "خبردار ایسا رعب ہرگز نا جمانا بہت بری بات ہے۔"

کبوتر واپس کبوتری کے پاس گیا تو کبوتری نے پوچھا۔ "بڑے میاں کیا کہہ رہے تھے۔"

کبوتر نے جواب دیا۔ "تم نے دیکھا نہیں وہ ہاتھ جوڑ رہا تھا کہ خدا کے لیے میری عمارت نہ گرانا۔"

فرزانہ جمال۔۔۔ جہلم

☆ ☆

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جارہے ہیں۔

ذوالقرنین

شیریں نذیر۔۔۔ راولپنڈی

س۔ بھیا! انگلی پکڑ کر ذرا راستہ بتادو۔ میں انجان ہوں؟

ج۔ آنکھیں تو ہیں انگلی پکڑ کر راستہ بتانے کی کیا ضرورت۔

س۔ نین بھیا! یہ مرد حضرات شکی کیوں ہوتے ہیں۔ ذرا تصدیق تو کردیں؟

ج۔ عورتوں سے کم۔

ثروت ناصر۔۔۔ کراچی

س۔ ذوقی! بال سفید ہوجائیں تو خضاب لگایا جاتا ہے۔ اگر خون سفید ہوجائے تو کیا کیا جائے؟

ج۔ خون سفید ہی اچھا لگتا ہے۔ کم از کم زخم لگنے پر احساس تو نہ ہوگا کہ خون بہہ رہا ہے۔

خورشید جمال۔۔۔ کراچی

س۔ نادان مال کو، عقلمند کمال کو ڈھونڈتا ہے تو عام آدمی کیا ڈھونڈے گا؟

ج۔ ان دونوں کو۔

زبیدہ رانی۔۔۔ نامعلوم

س۔ ماں کے پیروں کے نیچے تو جنت ہوتی ہے ساس کے قدموں کے نیچے کیا ہوتا ہے؟

ج۔ وہاں مجازی خدا کی جنت۔

عارفہ ادریس۔۔۔ لاہور

س۔ نینو صاحب! پلیز مجھے بتائیے تو سہی! نکاح پر چھوہاروں کے بجائے بادام کیوں نہیں بانٹے جاتے؟

ج۔ کان قریب لاؤ۔ ہاں بھئی بڑی نادان ہو۔ بادام مہنگے جو ہوتے ہیں۔

شکیلہ جاوید۔۔۔ بہاول پور

س۔ ہری اپ۔ اگر کسی امیر کو دولت مل جائے تو وہ اندھا ہوجاتا ہے۔ اگر کسی اندھے کو دولت مل جائے تو کیا ہوگا؟

ج۔ بھئی وہ تو پہلے سے ہی اندھا ہوگا۔

حسینہ نقوی۔۔۔ فیصل آباد

س۔ نین جی! شیطان اور انسان میں کیا فرق ہے؟

ج۔ جو مجھ میں اور شیطان میں۔

☆ ☆

سلمیٰ ناز...... لیاری کراچی

آپ کی بزم میں پہلی دفعہ شرکت کررہی ہوں۔ ایک سال پہلے اپنی دوست کے گھر کرن دیکھا' اور اس سے پڑھنے کے لیے لیا۔ "من مورکھ کی بات نہ مانو" کی پہلی قسط پڑھی۔ اس دن سے ہر مہینے کرن پڑھ رہی ہوں۔ تبصرے کے لیے سوچا تھا کہ ناول ختم ہوگا تو ضرور کروں گی۔

آج بارہویں قسط پڑھ کر قلم اٹھانے پر مجبور ہوگئی۔ زبردست! آسیہ مرزا کیا زبردست ناول لکھا ہے۔ ایک غم کی خبر تو ایک خوشی کی خبر۔ حوریہ کا حازم کی یاد میں کھونا' عباد گیلانی کا کہنا حوریہ میں ہر ایک سے لڑسکتا ہوں مگر تقدیر سے نہیں لڑسکتا۔ میں قدرت کے آگے بے بس ہوں۔ مومنہ کا صبر بھی دیکھا۔ بیٹا بھی ملا تو کچھ وقت کے لیے۔ میں تو تعریف میں بالکل کنجوسی نہیں کروں گی۔ ہر کردار کے ساتھ انصاف سے چل رہی ہے۔ میرے پاس تو لفظ ہی نہیں ہے کہ میں کیا تعریف کروں۔ اور آگے چلے تو۔ فرح بخاری کا "گل کہسار" پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ امجد اور گل آویزہ کا کیا شاندار کردار ہے۔ اور آگے چلے صدف ریحان کے "کونج" نے بارش کے موسم کو اور سہانا کردیا ہے۔ "کونج" جازل اور بی بی جان نے تو دل خوش کردیا۔ اور آگے چلے تو نادیہ احمد نے دل کے تاروں کو چھولیا "وہ نہیں ملا تو ملال کیا" باقی آئندہ دیکھ دل کی بے تابی اور بڑھ گئی۔

ج ۔ پیاری سلمیٰ! بہت خوشی ہوئی کہ آپ کرن کی محفل میں شریک ہوئیں۔ آپ نے تبصرہ اچھا کیا ہے' ہمیں خوشی ہوگی کہ آپ ہر ماہ تبصرہ کیا کریں اور ہمیں امید ہے کہ آپ کرن کی مستقل قارئین میں شامل رہیں گی۔

فضہ نور...... روہڑی

میری دعا ہے کہ یہ سال ہم سب کے لیے اور ہمارے وطن کے لیے اچھا ثابت ہو۔ اسی امید کے ساتھ نئے سال کی شروعات کی کہ یہ نیا سال ہمارے لیے خوش کن ہوگا۔ میری طرف سے کرن کے ادارے اور تمام قارئین کو سال نو مبارک ہو۔

اس بار کا ٹائٹل اچھا تھا۔ حمد اور نعت سے دل کو معطر کیا۔ اس کے آگے بڑھے سونیا خان سے ملاقات اچھی رہی۔ "میری بھی سنیے" میں کامران جیلانی کے جوابات بہت زبردست لگے۔ "مقابل ہے آئینہ" میں اقصیٰ کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ نئے سال کے حوالے سے مختلف شخصیات کے بارے میں دلچسپ جوابات جانے۔

"راپنزل" میں مہر کے چاچو کا حال دل زبان پر آہی گیا اور حیرت ہے نینا جیسی لڑکی نے اس کے منہ سے اتنی ساری باتیں سن لی۔ کاشف جیسے لوگوں کو اللہ ہی ہدایت دے یہ بڑھاپے میں بھی سدھرتے نہیں ہیں۔ اللہ جانے سمیع اور شیریں کی زندگی میں نینا کے آنے کے بعد کیا تبدیلیاں آنے والی ہیں۔

"من مورکھ کی بات" حازم کے مرنے کے بعد یقیناً بابر حوریہ کے لیے مشکلات پیدا کرے گا۔ لگتا ہے اب بابر کی حوریہ کے ساتھ شادی ہوگی باقی رائٹر میں منحصر ہے کہ وہ کیا لکھنے والی ہے۔ مکمل ناول "گل کہسار" فرح بخاری بہت اچھی تحریر لے کر آئی ہے تینوں قسطوں میں کچھ ایسا اختتام ہوتا ہے کہ تجسس برقرار رہتا ہے۔ صدف ریحان کا مکمل ناول "کونج" کی ہیروئن کچھ زیادہ ہی حساس اور اپنے اوپر خود ہی ظلم ڈھاتی نظر آئی۔ جازل کے کردار میں ہیرو کا ایک الگ روپ دکھایا ہے رائٹر نے۔ شاید مرد اسی طرح ہوتے ہیں عورت کی غلطی کو ساری عمر نہیں بھلاتے۔ لیکن آخر میں اس کا فیصلہ اس کی زندگی سدھار دیتا ہے۔ افسانے میں اس بار "دھوپ چھاؤں جیسے لوگ" رابعہ افتخار "دیمک" غزالہ جلیل راؤ۔ "خامی" طیبہ مرتضیٰ اور "افسانہ رحمت" زیادہ پسند آئے۔

ناولٹ "ناٹک وسے" مصباح علی کا بہت مزاح سے بھرپور تھا۔ ویری گڈ لیکن نام کچھ عجیب سا تھا۔

"محبتیں ادھار ہیں" حیا بخاری کا ناولٹ آج کل کی جنریشن کے لیے اس میں سبق ہے۔ جو ون وہیلنگ کرتے ہیں۔ ایک بہت اچھا ٹاپک تھا۔ ویل ڈن حیا۔ باقی تمام سلسلے اچھے تھے۔

ج - پیاری فضہ! ہماری بھی دعا ہے کہ 2017 ہم سب کے لیے اچھا ثابت ہو آمین۔ مصباح علی کے ناولٹ "ناٹک وسے" کا مطلب ہے تاک جھانک کرتے رہنا چاہیے۔

ماریہ طفیل.... تلمبہ

کافی لمبے عرصے کے بعد شرکت کررہی ہوں، ہوا کچھ یوں کے پچھلے سال ان دنوں میرا ایکسیڈنٹ ہوا اور میرا بازو ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے میں شرکت نہ کرسکی اب تو الحمد للہ ٹھیک ہوں ان دنوں میری بیسٹ کزن کی شادی تھی جس میں باوجود چاہنے کے شرکت نہ کرسکی۔ جس کا مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا۔ یہ تو ہوگیا میرا غیر حاضر رہنے کا جواز۔ اب آتے ہیں کرن کی طرف، کرن میرا موسٹ فیورٹ ڈائجسٹ ہے۔ جنوری کرن بہت اچھا تھا۔ ملا تو بہت تاخیر سے پھر بھی جلدی جلدی پڑھ کر لیٹر لکھ لیا کہیں تاخیر کی وجہ سے شائع نہ ہو۔ اس ماہ "من مورکھ کی بات نہ مانو" میں آسیہ مرزا نے بہت افسردہ کیا حازم کو مار کر، وہ تو میرا فیورٹ کردار تھا۔ اس دفعہ اسٹوری بہت دکھی تھی پتا نہیں آگے حوریہ کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ اور "راپنزل" بھی اچھی تھی ایسا لگتا ہے جیسے سمیع، شہرین اور کونین میں کوئی تعلق ہے اور "گل کہسار" بھی بہت اچھا ناول ہے مجھے ایسے ہی ناول بہت پسند ہیں جب بھی کرن میں کوئی رومانٹک ناول ہوتا ہے تو میں اور میری فرینڈ عاصمہ اس پہ بہت تبصرہ کرتے ہیں باقی سب ناولٹ اور افسانے بہت اچھے تھے کامران جیلانی کا انٹرویو بہت دلچسپ لگا اور کرن کتاب بھی ٹھیک تھی۔

ج، پیاری ماریہ! آپ کی غیر حاضری کی وجہ جان کر بہت افسوس ہوا اور اللہ کا شکر کہ آپ آج کل ٹھیک ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ اب آپ ہر ماہ کرن پر تبصرہ بھیجا کریں۔ کیونکہ آپ سب کے ساتھ ہی کرن آگے کی طرف رواں دواں ہے۔

عنیقہ ارشد۔ میاں چنوں

موسم کے تیور دیکھ کر لگتا ہے کہ جون جولائی میں مانگی گئی دعائیں اب قبول ہورہی ہیں اور برف کی طرح برس رہی ہیں کمال ہے۔ جنوبی پنجاب میں کبھی اتنی سردی نہیں پڑی، جس طرح اس بار پسلیوں میں گھسی جارہی ہے اور آپ اس سے اندازہ لگائیں کرن سے ہماری محبت کا کہ اتنی برستی بارشوں میں بھی کئی چکر لگائے۔ پھر خواتین اور شعاع میں کرن کا اشتہار دیکھ کر ہماری بے چینی میں اور اضافہ ہوا۔ شکر ہے کرن 15 کو آیا اور کرن من بوندوں میں جاکر لے ہی آئی فوری خط لکھنے کی اصل وجہ بنا مصباح علی کا "ناٹک وسے" مصباح صاحبہ کا انداز تحریر تو مختلف ہے سو ہے۔ ان کے عنوان اس سے بھی زیادہ مختلف ہوتے ہیں۔ کتنی دیر تو میں مطلب ہی کھوجتی رہی کسی زبان کا لفظ ہے۔ پھر ناول پڑھا عنوان کا مطلب تب بھی سمجھ نہ آیا مگر ناول بہت زبردست لکھا ہے۔ ہلکے پھلکے انداز میں بہت گہرا پیغام چھپا تھا۔

اب بات کروں گی سلسلہ وار ناول "راپنزل" کی۔ اف تنزیلہ جی کیا روانی ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ سمیع کے بے پناہ خیال کے باوجود شہرین ہمیں داغ مفارقت دے جائے گی۔ اور سلیم کی طرح بہت یاد آئے گی، بار بار ہر قسط میں اور آسیہ جی کا "من مورکھ کی بات نہ مانو" جتنا ست چل رہا تھا حازم کے ایکسیڈنٹ نے موڑ کاٹ لیا۔ کہانی تو پلٹا ہی کھا گئی۔ اف آسیہ جی آپ نے سچ مچ رلا دیا۔ کہانی پر گرفت ہو تو آپ جیسی۔ "محبتیں ادھار ہیں" حیا بخاری نے بھی اچھا لکھا لیکن میں اتنا کہوں گی بھئی "محبتیں تو نقد سودا ہیں اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے" "ادھار نہیں چلنے والا۔

افسانے سارے ہی اچھے لگے اور تھے بھی بہت سارے۔ ٹھنڈے موسم میں یمنیٰ اختر کا افسانہ "برسات" رم جھم جیسا لگا شاباش۔ رابعہ افتخار کا "دھوپ چھاؤں جیسے لوگ" واقعی ہی کچھ تولہ کبھی ماشہ والا حساب ہے۔ اور حمیرا نوشین کا "ریشمی زنجیر" اچھا تھا۔ ایک بات کہوں حمیرا جی اپنی ہیروئن سے کہیں کہ محبوب کا غم نہ کھائے۔ دنیا میں نوے فیصد شوہر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے میرے اپنے میاں بھی ایسے ہی ہیں اور مجھے تو ایسے ہی مرد اچھے لگتے ہیں شاباش۔ مستقل سلسلے! مزے کے تھے خاص کر سردیوں کے رنگ لیے "کرن کتاب"

ج ۔ پیاری عنیقہ! کرن سے آپ کی محبت اور پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ یہ کرن سے محبت ہی ہے کہ آپ نے موسم کی بھی پروانہ کی۔ سردی اور بارش میں کرن لینے چل پڑیں۔ آئندہ بھی ہم آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے۔

اقرا ممتاز۔۔۔۔ سرگودھا

کرن جب ہاتھ میں آیا تو ٹائٹل گرل میں فاطمہ آفندی کو دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔

مکمل ناول "گل کہسار" فرح بخاری کی اسٹوری بہت اچھی جا رہی ہے۔ اب دیکھیے بلاور اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتا ہے کہ نہیں؟ یہ کیا' گل آویزہ تو بدلہ ہی لینے پر اتر آئی۔ پتا نہیں صنوبر اور اسجد کا کیا تعلق ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے وہ اسجد نہیں ہو سکتا۔ اگلی قسط میں کہانی کے کچھ راز کھل جائیں گے۔ "کونج" صدف ریحان کی تحریر بڑی زبردست رہی۔ اس دفعہ تو دل خوش ہو گیا نادیہ احمد اور مصباح علی کو دیکھ کر دونوں اتنی اچھی رائٹر ہیں۔ دونوں ایک ساتھ 'کرن کے پیسے وصول ہو گئے۔ ناولٹ "وہ نہیں ملا تو ملال کیا" نادیہ احمد کی تحریر ہمیشہ کی طرح پرفیکٹ۔ نادیہ جی' آپ جب بھی آتی ہیں چھا جاتی ہیں۔ "جب کہانی پڑھنا شروع کی تو ارد گرد کا بھی ہوش نہ رہا۔ جب اینڈ پر پہنچے تو منہ سے بے ساختہ نکلا لو جی کہانی کا سارا مزا ہی کرکرا ہو گیا۔

اب دیکھیے مثال کے ساتھ کیا ہوتا ہے اگر شادی ہو بھی گئی تو صبیحہ کسی کو بھی نہیں چھوڑے گی۔

"نانک وسے" مصباح علی نے کیا شاندار لکھا ہے۔ ہنس ہنس کر پیٹ میں درد ہونا شروع ہو گیا۔ مصباح جی کیسے آپ لکھ لیتی ہیں ایسی کہانیاں۔ جیا کے ساتھ تو بہت برا ہوا۔ کہاں پھنس گئی۔ ویسے اگر دیکھا جائے تو جیا تو بڑے نصیبوں والی نکلی کیسے کیسے شاندار پرپوزل آئے۔ "محبتیں ادھاریں" حیا بخاری کی تحریر بھی بڑی زبردست تھی۔ نورہان تو بڑا قسمت والا نکلا جو اتنے پیار کرنے والے ماں باپ اور رشتے وار دیے۔ منال اور نورہان کی نوک جھوک پسند آئی۔ نورہان نام پسند آیا۔

نامے میرے نام میں اپنے نام کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔

ج ۔ پیاری اقرا! ہر دفعہ آپ کا خط ملتا ہے اور بہت خوشی ہوتی ہے کہ آپ ہر کہانی کو نہ صرف دلچسپی سے پڑھتی ہیں بلکہ بہت اچھا تبصرہ بھی کرتی ہیں۔

ارم بشیر۔۔۔۔ اسلام آباد

پچھلی دفعہ کا تبصرہ میرے پاس بہت گرما گرم تھا لیکن میں شریک نہ ہو سکی کیونکہ بیمار تھی۔ خیر اس ماہ کا کرن بہت دیر سے ملا ہے۔ ٹائٹل پر فاطمہ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔ سب سے پہلے "من مورکھ کی بات" ہی کروں گی میں۔ آسیہ جی' یہ آپ نے کیا ظلم کر دیا ہے' ہم سب پر' اب حوریہ بے چاری کا کیا ہو گا۔ بابر کو اب کھلی چھوٹ مل جائے گی' حوریہ کو تنگ کرنے کے لیے۔ لیکن اگر حقیقت کی نظروں سے دیکھا جائے تو واقعی ایسا ہوتا ہے جو بہت اچھے لوگ ہوں وہ جلدی دنیا سے چلے جاتے ہیں اور برے لوگوں کی رسی خدا بہت ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے۔ خیر نصیر کی فطرت جان کر بہت اچھا لگا کہ وہ اچھا انسان ہے فضا کو چاہیے کہ وہ اسے دل سے قبول کر لے۔ اب بات کرتی ہوں اپنے دوسرے موسٹ فیورٹ مکمل ناول "گل کہسار" کی فرح بخاری آپ کو جتنی شاباش دی جائے کم ہے آپ نے بہت اچھا لکھا ہے رومینس بھی ہے سسپنس اور ٹریجڈی بھی' ویل ڈن! اگلی قسط کا بے صبری سے انتظار ہے۔ باقی تمام مستقل سلسلے بھی اچھے تھے۔ افسانوں میں مجھے "خامی" اور "تم فارغ جو ہو" سب سے زیادہ پسند آئے' بہت اچھا اور مختلف سا لکھا دونوں رائٹرز نے۔ اب بات کرتی ہوں میں اس ناولٹ کی جو اس بار چھا گیا اور وہ ہے۔ مصباح علی کا "نانک وسے" واہ! کیا مزے کی ہلکی پھلکی تحریر تھی۔ بہت عرصے کے بعد کچھ ایسا پڑھنے کو ملا' خاص کر یہ ڈائیلاگ تو بہت مزے کے تھے (تو میں کون سا مفکروں کی اولاد ہوں جو پنگورے میں حفظ کر لیتی اور ہیرو کو طارق عزیز اور مرزا غالب کا لقب) یہ سب بہت دلچسپ تھا۔ ویل ڈن' مصباح علی!

ج ۔ پیاری ارم آپ کی محبت کرن سے دیکھ کر ہمیں بے حد خوشی ہوئی ہے ہماری دعا ہے کہ اللہ ہمیشہ آپ کو صحت مند رکھے آمین' ارم جی آپ کرن کی محفل میں شامل ہوں یا نہ ہوں۔ دیر یا سویر سے اپنا تبصرہ ہمیں ضرور بھجوایا کیجیے' کیونکہ ہم آپ سب قارئین کی رائے سے ہی "کرن" کو بہتر سے بہتر کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔

ہمیں ہر ماہ آپ سب کی رائے کا شدت سے انتظار رہتا ہے۔

عائش جنجوعہ۔۔۔ تونسہ شریف

جنوری کا شمارہ 14 کو ہماری برتھ ڈے کے دن ملا۔ حمد نعت کو محبت سے پڑھنے کے بعد "تاے میرے نام" میں پہنچے۔ اپنا خط دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور ساتھ افسوس بھی' افسوس اس بات کا کہ ہمارے اتنے پیارے خطوط آپ تک پہنچتے ہی نہیں۔ آسیہ مرزا نے اس بار بہت رلایا بہت دکھ ہوا حازم کی موت کا۔ "راپنزل" نینا کے باپ کی فطرت نہیں بدلی۔ بیٹی کے ساتھ ایسا رویہ عجیب شخص ہے۔ باقی تمام ناولٹ' افسانے زبردست تھے۔ اور کونج۔۔۔ بہت خوب۔

ج ۔ پیاری عائش! پچھلے ماہ کی طرح اس ماہ بھی آپ کا خط ہمیں ملا اور شائع کردیا گیا مگر آپ نے تبصرہ نامکمل کیا ہے۔ ہمیں خوشی ہوگی اگر تمام کہانیوں پر اپنی رائے کا اظہار کریں گی۔

حافظہ ست البنات۔۔۔ رسہ شریف

حمد' نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور اداریہ بہت اچھے تھے' اپنا خط دیکھ کر بہت خوشی ہوئی آسیہ مرزا جی! رلا دیا ہے آپ نے تو اس بار مومنہ اور حوریہ کی ادھوری خوشیاں اف اور بابر کی ذہنیت نہیں بدلی اتنے بڑے حادثے کے بعد بھی۔ "حیا بخاری" کے ناولٹ کی تعریف سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ "خامی" بہت اچھی تحریر تھی اللہ پاک ہم سب کو یتیموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی توفیق دے۔ "مصباح علی" کی ہنستی مسکراتی تحریر نے مسکرانے پر مجبور کیا۔ اور "کونج" نام بھی پیارا کہانی بھی پیاری تھی۔ اور "دیمک" بہت دکھ ہوا ارسلان کی اماں کی انا اور سوچ پر۔ "وہ نہیں ملا تو ملال کیا" پر تبصرہ ان شاءاللہ اگلی بار۔ رابعہ افتخار جی! بالکل ایسا ہی ہو رہا ہے۔ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے۔ "گل کہسار" تو ہے ہی میری پسندیدہ کہانی۔ برسات' افسانہ رحمت اور تم فارغ جو ہو بہت ہی اچھی تحریر تھیں۔ "ریشمی زنجیر" ناشکری خواتین کے لیے سبق آموز تحریر تھی۔ شکر ہے "راپنزل" اس بار موجود تھی۔ نینا کے ساتھ اچھا نہیں کر رہے اس کے والدین' اتنا فرق اپنی ہی اولاد میں اس دفعہ تمام کہانیاں پسند آئیں۔ ایک کہانی آپ کی خدمت میں بھیجی تھی؟

ج ۔ پیاری بہن ست البنات! کرن کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ آپ اپنی کہانی کے بارے میں فون کرکے معلوم کرسکتی ہیں۔

فائزہ اکرام۔۔۔ نامعلوم

نئے سال کا یہ پہلا شمارہ بہت اچھا ترتیب دیا۔ پڑھ کر دل خوش ہوگیا۔ سلسلے وار ناول "راپنزل" البتہ کچھ سست لگا۔

فرح بخاری کا ناول "گل کہسار" کی یہ قسط پہلے سے اچھی لگی۔ ناولٹ میں "مصباح علی" کا بہترین رہا۔ جیسا موضوع ویسا انداز۔ مزا آگیا۔

"حیا بخاری" کے ناولٹ میں بہت اچھا پیغام تھا۔ نورہان نام بہت اچھا لگا شاباش! حیا اچھا لکھنے پر مبارکباد۔

افسانوں میں "خامی" طیبہ مرتضٰی کا افسانہ نمبرون رہا۔ ماموں نے بہت اچھا حل سوچ کر بھانجے کے لیے جگہ بنالی۔ "افسانہ رحمت" بھی پسند آیا اور "مقابل ہے آئینہ" اقصی ماہ نور بہترین لگی۔

ج ۔ پیاری فائزہ! کرن پسند کرنے کا بے حد شکریہ مگر آپ کا تبصرہ کچھ نامکمل سا لگا امید ہے اگلی دفعہ مکمل تبصرہ کریں گی آپ لوگوں کے خطوط 29 تاریخ تک بھی مل جاتے ہیں تو شامل اشاعت کردیے جاتے ہیں۔

ثمینہ اکرم۔۔۔ بہار کالونی لیاری۔ کراچی

کراچی کا موسم ان دنوں کچھ زیادہ ہی ٹھنڈا ہے۔ کراچی والے کہاں اتنی سردی کے عادی ہیں۔ دو روز تک شدید بارش۔ یخ بستہ ٹھنڈی ہوائیں۔ گرما گرم کافی اور نمکین پستے' مونگ پھلیاں ہوں تو کس کا دل کمبل سے نکلنے کا چاہتا ہوگا۔۔۔ گر روٹین ورک تو سرانجام دینے ہیں۔ جیسے کہ آپ لوگوں کی کوششوں اور محبت کے بعد پیارا سا جنوری کا کرن ہاتھ میں آیا۔ اب مجھے سچ میں کرن ڈائجسٹ کا شدت سے انتظار رہتا ہے۔ شاید سلسلہ وار ناولز کی وجہ سے جس میں سرفہرست "من مور کھ کی بات" اور "گل کہسار" ہیں۔ "راپنزل" کی اس ماہ کی قسط بہت بور تھی' مگر نینا کی اپنے باپ کاشف سے بےزاری اور ناراضی کا راز کھل کر سامنے آگیا۔ کاشف ایک رنگین فطرت کا مالک شخص ہے۔ جو بہرحال اولاد کے لیے باعث شرمندگی ہے۔ "من مور کھ کی بات" پچھلے ماہ بڑی ٹریجڈی پر اینڈ ہوا۔۔۔۔ قارئین کی دعائیں بھی حازم کو نہ بچاسکیں۔ حوریہ کے لیے یہ ایک زندگی کا مشکل قفس ہے۔ اب بابر کو کھل کر کھیلنے کا موقع مل گیا ہے۔ یقیناً "بابر اب اپنی کمینگی ضرور دکھائے گا۔

رابعہ افتخار کا افسانہ "دھوپ چھاؤں جیسے لوگ" قابل ذکر رہا جبکہ باقی افسانے بس گزارے لائق ہی رہے۔ البتہ "کچھ موتی چنے ہیں" میں اقتباسات اچھے منتخب کیے گئے تھے۔ اس ماہ کی "مسکراتی کرنیں" اور "کرن کرن خوشبو" مجھے بہت اچھی لگیں۔

ج۔ پیاری بہن ثمینہ! ہم آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ نے اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر خط لکھا۔ بہن آپ جب بھی خط لکھتی ہیں تو شائع ضرور ہوتا ہے۔

ارماہی سرفراز..... کھیوڑہ

جنوری کا شمارہ ہاتھ میں آیا تو بے حد خوشی ہوئی مگر اپنا نام غائب پاکر بہت دکھ ہوا کیوں کہ پہلی بار کسی رسالے میں انٹری دی تھی۔

"من مورکھ" میں حازم کی موت کا بہت زیادہ دکھ ہوا۔ آگے جاکر شاید حوریہ اور بابر کی شادی ہوجائے۔ "محبتیں ادھار ہیں" حیا بخاری نے تو کمال کردیا۔ اس کے بعد "کرن اسماعیل" کے افسانے نے بھی خوب حقیقت بیان کی ہے۔ آپ کو ایک کہانی پوسٹ کی تھی "دل مل گئے" نومبر 2013 میں اس کا کیا بنا۔ پلیز' پلیز اس دفعہ خط ریجیکٹ مت کیجیے گا۔ اور کہانی کا ضرور بتادیجیے گا۔

ج۔ پیاری ارماہی! ہمیں آپ کا یہ پہلا خط ملا ہے اور شائع کیا جارہا ہے۔ آپ سے شکایت ہے کہ آپ نے صرف دو تین کہانیوں پر ہی تبصرہ کیا ہے۔

کومل رفیق..... حویلیاں

موسم کے تیور دیکھ کر لگتا ہے یہاں تو مزید ایک ماہ سورج اپنی چھب نہ دکھائے۔ آسمان سے گرتی سفید برف تو کبھی ٹھنڈی ہوا۔ اس موسم میں جس چیز نے ہمیں گرما کافی کی طرح لطف دیا' ہنسا ہنسا کر خون اتنا جوشیلا کردیا کہ بہت دیر سردی کا احساس جاتا رہا۔ وہ ہے مصباح علی کا "نانک وسے" ہر جملے پر ہنسی کا بے ساختہ فوارہ اپنی فیورٹ مصباح کی کہانی ہم سب نے دوبار پڑھی۔ دوسرے نمبر پر نادیہ احمد کا ناولٹ "وہ نہیں ملا تو" بہت اچھا لکھا۔ نادیہ جی کے ہیرو اتنی سگریٹ کیوں پیتے ہیں شمائل اچھا لگا مگر اسموکنگ "نو"۔ مکمل ناول میں فرح بخاری کا "گل کہسار" اف کہاں سسپنس پر روک دیا مجھے پورا یقین ہے کہ وہ اسجد نہیں ہوگا۔ کوئی اور ہوگا۔ زبردست ناول۔

"کونج" بس ٹھیک ہی لگا۔ افسانے سارے بس ٹھیک تھے۔ اور ہاں جو چیز ہم سب سے پہلے دیکھتے ہیں وہ پیارا کیوٹی سا ٹائٹل اور اس ماہ کرن کا "ٹائٹل" بازی لے گیا۔ سروے نیا سال بہت اچھا لگا۔

میں نے کئی بار خط لکھے مگر کبھی جگہ نہ ملی اب یہ اگر نہ لگا تو آخری کوشش ہوگی۔ "من مورکھ" میں حازم کی موت نے خون کے آنسو رلادیے بے چاری حوریہ ہائے۔

ج۔ پیاری کومل! آپ کے خطوط ہمیں نہیں ملے' ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ شائع نہ کیے جاتے۔ یہ خط ملا اور شائع کردیا گیا۔ مصباح علی اور نادیہ احمد کو اس خط کے ذریعے آپ کی تعریف پہنچائی جارہی ہے۔

ثنا شہزاد..... کراچی

جنوری کا شمارہ ہمیشہ کی طرح 12 کو ملا' ماڈل کی مسکراہٹ بہت پیاری لگی۔ سب سے پہلے اداریہ اور حمد و نعت پڑھ کر دل و دماغ کو منور کیا پھر پہنچے آسیہ مرزا "من مورکھ کی بات نہ مانو" پر اف اللہ حازم کی موت کا پڑھ کر دھچکا لگا یہ کیا قیامت ڈھادی حوریہ پر' بے چاری کی زندگی خوشیوں بھری ڈگر پر ابھی رواں ہی ہوئی تھی کہ یہ بھیانک موڑ آگیا اس کی لائف میں' دل بہت خراب ہوا۔ اس کے علاوہ بابر پر الگ غصہ آرہا ہے جو اسے مزید ذہنی اذیت دینے کو تیار بیٹھا ہے ویسے مجھے لگ رہا ہے بابر سدھر جائے گا "راپنزل" بہت اچھی طرح آگے بڑھ رہا ہے مگر اب زری کی شادی جلدی سے کروادیں تاکہ اس کے ہیرو کی اصلیت سامنے آئے۔ نینا کی باتوں میں اپنے باپ کے لیے جو تلخی ہوتی ہے اس کی اصل وجہ اب کھلی ہے خاور نے تو نینا کو پرپوز کردیا ہے نینا کے دل میں بھی اس کی محبت جاگتی ہے یا نہیں اس کا انتظار ہے۔ صدف ریحان کافی ٹائم بعد آئیں اور آتے ہی چھا گئیں "کونج" کیا زبردست کہانی تھی اپنے نام کی طرح منفرد پڑھتی جارہی تھی اور کہانی میں گم ہوتی جارہی تھی جب کونج کومے میں چلی جاتی ہے اس وقت جو جازل کا حال ہوا وہ رونے پر مجبور کرگیا۔ صدف جی کی ہربات دل میں گھر کرگئی اتنی اچھی کہانی لکھنے پر انہیں بہت بہت مبارک باد۔ حیا بخاری نے بھی اچھا لکھا واقعی یہ محبتیں ہم پر ادھار ہی ہوتی ہیں جن کا ہماری زندگیوں پر حق ہوتا ہے ہم ان کے فرمانبردار ہوتے ہیں نوربان نام اچھا لگا اور منال کی بچپن کی محبت اسے مل ہی گئی۔

"نانک وسے" مصباح علی نے بھی اچھا لکھا ہنسی مزاح

ہے۔ بھرپور تحریر مزہ دے گئی۔ افسانے اس بار سب اچھے لگے۔ مریم جہانگیر نے صحیح کہا رحمتوں کو سر جھکانا پڑتا ہے یہ ہی تو فرق ہوتا ہے نعمت اور رحمت میں "ریشمی زنجیر" جس بینش کو اپنے محبوب شوہر سے ہمیشہ شکوہ رہا ہے وہ اظہار محبت نہیں کرتا اینڈ میں اس محبوب نے اپنی سوہنی کو خوش کردیا اور سونیا کی باتوں نے بھی اس کی آنکھیں کھول دیں۔

"تم فارغ جو ہو" ہلکی پھلکی تحریر اچھی لگی "خامی" میں کسی خوب صورتی سے رشید نے نازی کو کاشف کو اپنے گھر رکھنے پر راضی کیا غضب کی پلاننگ کی "دیمک" غزالہ جلیل راؤ کی کہانی میں اس انا نے دو دلوں کو جدا کرڈالا۔ بڑوں کی انا اور عزت کی وجہ سے دو محبت کرنے والے مل نہ سکے۔ رابعہ افتخار نے "دھوپ چھاؤں جیسے لوگ" بھی اچھی لکھی۔ سچ ہے سسرال میں یہی ماحول ملتا ہے کبھی گرم دھوپ کے تھپیڑے جلاتے ہیں تو کبھی ٹھنڈی ہوا سکون بخشتی ہے یمنیٰ اختر کی "برسات" بھی اچھی لگی مگر وہ ہی ایک فریق کی بات سن کر دوسرے کی سنی نہیں اور معصب صاحب منظر سے غائب ہوگئے اور اپنے اتنے سال بھی ضائع کردیے آخر میں دونوں مل گئے اچھا لگا۔ نئے سال کے سروے میں سب کے جوابات اچھے لگے "مقابل ہے آئینہ" میں اقصیٰ ماہ نور سے ملے۔

ج ۔ پیاری ثنا! آپ ہماری مستقل خط لکھنے والی قاری ہیں۔ ہر دفعہ آپ کا خط ملتا ہے یقین کریں بے حد خوشی ہوتی ہے۔

مسز تقی نقوی۔۔۔۔ علی پور ضلع مظفر گڑھ

سب سے پہلے نئے سال کی مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے لیے یہ نیا سال بہتر سے بہترین کرے۔ الٰہی آمین۔

اب بات کرتے ہیں کرن کے حوالے سے۔ تو جناب پچھلے ماہ خط چھپا۔ تو آپ کا جواب ندارد۔ تو خط ادھورا لگا۔ لو جی اس ماہ خط بھیجا۔ تو سرے سے خط ہی غائب۔ تو بہت دکھ ہوا قسم سے۔

اس دفعہ کرن سپرڈپر رہا ایک سے بڑھ کے ایک شاہکار نظر آیا۔ کرن میں۔ تمام اسٹوریز اے ون رہیں۔

ڈائجسٹ کا آغاز فاطمہ آفندی سے کیا پھر اداریہ سے ہوتے ہوئے حمد (باری تعالیٰ) اور نعت رسول مقبول صلی اللہ و سلم" تک پہنچے۔ وہاں سے فیض یابی حاصل کرتے ہوئے۔ انشاء جی کو سلام کیا۔ آگے چلے تو جناب نیا سال نئی امیدیں جانیں۔ تمام ایکٹرز' رائٹرز' اینکرز' شیف' پولیس اینڈ سماجی کارکن تھیں۔

سونیا خان کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ اچھی بات ہے کہ 20 سال بعد ہی سہی اپنے کیریئر کا دوبارہ سے آغاز کیا انہوں نے۔ کامران جیلانی کی اپنی فیملی کے لیے محبت بہت اچھی لگی۔

آسیہ مرزا صاحبہ نے ہمیں اس دفعہ بہت رلایا۔ کیا ضرورت تھی حازم کو مارنے کی۔ (پتا نہیں اس طرح کیوں کررہی ہیں۔ ساری رائٹرز سارے ہیروز کو مار دیتی ہیں۔ اسٹوری میں باقی کیا رہ جاتا ہے) یہ میری بیٹی کی رائے ہے۔ جو 10th کلاس میں ہے۔

اور میری رائے۔ پتا نہیں اتنے مخلص و پیار کرنے والے لوگ اتنی جلدی کیوں اس دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ اپنے پیاروں کو روتا سسکتا چھوڑ کر۔

فضا نے اتنا بڑا دھوکا کھایا۔ مگر راہ راست پہ نہ آئی۔ وہی اونچی اڑان اڑنے والی عادت نہ گئی۔ اللہ معاف کرے۔ عزت و محبت بھی کسی کسی کو راس آتی ہے۔

"خامی" بس ٹھیک ہی لگی۔ مصباح علی "مانگ دے" اچھی اسٹوری بہت مزہ آیا۔ واہ۔ صدف ریحان جی کو "کونج" کے ساتھ براجمان دیکھ کر خوشی ہوئی۔ بہت بہت مبارک باد صدف جی۔ اتنا پیارا ناول۔ کیا خوب صورت اسٹوری۔ ایک ایک لفظ موتی پرویا ہو جیسے۔ بہت لطف آیا۔ بٹ جازل کچھ پسند نہیں آیا۔ اوور ری ایکٹ بندہ۔

غزالہ جلیل راؤ "دیمک" واقعی چھوٹی چھوٹی غلط فہمیاں رشتوں کو دیمک کی طرح چاٹ لیتی ہیں۔ بہت سبق آموز ٹاپک لے کر آئیں غزالہ۔ ارسلان بے چارے پہ دکھ ہوا۔

نادیہ احمد "وہ نہیں ملا تو ملال کیا" کچھ خاص پسند نہیں آئی۔ باقی آئندہ دیکھ کر سوچا کہ شاید کہانی آگے چل کے جگہ بنالے دل میں۔ رابعہ افتخار "دھوپ چھاؤں جیسے لوگ" اچھی لگی اسٹوری۔ یہ تو ڈیئر ہر گھر کی کہانی ہے۔

اب آتے ہیں "گل کہسار" کی طرف۔ فرح بخاری۔ بہت بہت اچھا لکھ رہی ہیں آپ بہت ہی زبردست طریقے سے کہانی کو آگے بڑھا رہی ہیں۔ اس دفعہ جو اسٹوری نے نیا موڑ لیا ہے اسجد اینڈ صنوبر والا۔ پتا نہیں کیا کرنے والی ہو فرح جی ہتھ ہولا رکھیں۔ پہلے ہی اتنے ڈینٹ

بندے (اسجد) کو رلا دیا۔

یمنیٰ اختر کی "برسات" سوئیٹ بندوں کی سوئیٹ اسٹوری ڈبل (M) نے کمال کر دیا۔ اینڈ میں حیا بخاری کا بہت پیارا ناولٹ "محبتیں ادھار ہیں" اچھی کاوش سبق آموز۔ کاش کہ آج کی نوجوان نسل یہ سب جان لے۔ تو ماں باپ کو اولاد کا غم نہ سہنا پڑے۔ میرا موسٹ فیورٹ "راپنزل" تنزیلہ جی بہت اچھے طریقے سے اسٹوری کو آگے لے جاتے جاتے اب ایسا لگ رہا ہے کہ ایک دو اقساط سے کہانی جیسے رک سی گئی ہو۔ پلیز ناول میں تھوڑی تیزی لائیں۔

افسانہ "رحمت" اور "ریشمی زنجیر" نے کچھ خاص متاثر نہیں کیا۔ کافی بار نظروں سے گزرے ہوئے ٹاپک۔

کرن اسماعیل کی آپ بیتی بھی اچھی لگی۔ "مقابل ہے آئینہ" اقصیٰ ماہ نور ہراج کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ باقی تمام سلسلے بھی اچھے تھے۔ اس دفعہ خط شائع نہ ہوا۔ تو ناراضی بنتی۔

ج - پیاری بہن! پچھلے ماہ آپ کا خط دیر سے ملا اس لیے شائع نہ کیا جاسکا۔ کرن پسند کرنے کا بے حد شکریہ۔ صدف ریحان گیلانی تک آپ کی مبارک باد پہنچادی گئی ہے۔

فوزیہ ثمریٹ آمنہ رئیس حریم فاطمہ عمران ، گجرات

سال نو کا کرن اس بار بہت تاخیر سے موصول ہوا۔ وجہ وہی جانی پہچانی ہے اس بار کرن عمران صاحب کے ذمے تھا بس پھر 12 تاریخ سے آتے آتے 15 تاریخ کو درشن کروائے۔ صد شکر مل ہی گیا۔

سرورق "فاطمہ آفندی" کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ اس کپل کا ایک تازہ بہ تازہ انٹرویو ہونا چاہیے۔

"حمد باری تعالیٰ" "نعت رسول مقبول" دل و ذہن کا سکون رہی۔ "جب عمر کی نقدی ختم ہوئی" کاش کہ ایسے عظیم لوگ دوبارہ سے زندہ ہو جائے۔

"نیا سال نئی امیدیں" سب نے سنبھل کے جواب دیے ہیں۔

"سونیا خان" کی واپسی اچھی لگیں اتنا وقت گزارنے کے باوجود خود کو فٹ رکھا ہوا ہے، لگتا ہے گردش ایام چھو کر بھی نہیں گزرے۔ اب جب کہ دوبارہ سے آہی گئیں تو اچھے رول میں آنا چاہیے۔

"مقابل ہے آئینہ" "اب مجھے تو دو کا پہاڑا لگنے لگتا ہے۔ رٹے رٹائے ہر ماہ کوئی نہ کوئی رٹا لگا رہا ہوتا ہے معذرت کے ساتھ بس اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے غصہ نا کیجیے گا۔

چلیے اب آتے ہیں تحریروں کی طرف۔ سب سے پہلے آسیہ مرزا کو پڑھا۔ ہائے یہ کیا ظلم کر دیا آپ نے تو حوریہ پر۔ مرنا برحق ہے پر یار اتنی جلدی خوشیوں کو آگ لگا دی۔ ہمیں تو بابر کی طرف سے خطرہ تھا۔

تو کیا حوریہ کو بھی اپنی پھوپھو کی طرح اولاد کی جدائی سہنی پڑے۔ بابر کے ارادے تو یہی ظاہر کر رہے ہیں۔ سنا تھا۔ بیٹیوں کی قسمت ماؤں پر جاتی ہیں اکثر مگر یہاں تو پھوپھو بھتیجی ایک جیسا نصیب لے کر آئی ہیں۔ دوسرا ناول "راپنزل" کو پڑھا۔ یہ کاشف صاحب بوڑھے ویلے کا عشق فرمارہے ہیں سچ ہے منہ کو لگی کب چھوٹتی ہیں۔

"گل کہسار" تیسری قسط میں صنوبر کے قتل کا پتا نہیں چلا۔ ایک بات تو طے ہے اسجد نہ تو فلرٹ ہے اور نہ ہی قاتل۔ میرے خیال میں زیادہ طوالت اس تحریر سے دل چسپی ختم کر دے گی۔ اب سمیٹنا چاہیے اس کو۔

"گونج" تو مجھے بہت پسند آیا۔ خاص کر فلسفہ اچھا لگا۔ سارے پوائنٹ نوٹ کیے ہیں۔ ناولٹ "وہ نہیں ملا تو" پسند تو بہت آیا مگر پھر وہی انتظار آئندہ ماہ کا۔ ناولٹ "یانک وے" اس کا مطلب سمجھ نہیں آیا۔ خوب مزے کی تحریر تھی۔ چار پڑھے تھے سب ہی اچھے لگے۔ باقی ناولٹ "محبتیں ادھار ہیں" اور تین افسانے وقت کی کمی کے باعث پڑھ نہیں سکی۔

سلسلے "کچھ موتی چنے ہیں" اقرا ممتاز، فضہ ارماہی سرفراز کے موتی ہم نے بھی دل کی تسبیح میں پڑھ لیے۔

ج - پیاری فوزیہ! سچ کہیں تو ہمیں بھی آپ کی کمی بہت محسوس ہوئی۔ آپ کا مزے دار تبصرہ نہ پڑھیں تو ایک تشنگی رہتی ہے۔ آپ نے درست کہا کہ آسیہ مرزا کے ناول میں پھوپھی اور بھتیجی کا نصیب ایک جیسا لگ رہا ہے بے شک مشہور کہاوت ہے "پھوپھی بھتیجی ایک ذات" لیکن ابھی دیکھیے آگے آگے ہوتا ہے کیا؟ آپ نئے گھر میں شفٹ ہو گئی ہیں اللہ تعالیٰ کرے کہ یہ گھر آپ کے لیے مبارک ثابت ہو اور ڈھیروں خوشیاں لائے آمین۔ ویسے ہماری عمران صاحب سے گزارش ہے کہ کرن لانے میں تاخیر نہ کیا کریں تاکہ ہم تمام کہانیوں پر آپ کے تبصرے سے محظوظ ہو سکیں۔